تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ ششم
(جلد دوم)

سیرت سید احمد شہیدؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی و
تجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد و
تنظیم، اصلاح و تجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ

جنگ شیدو سے شہادت تک

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ گفتنی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ !

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ سیرتِ سید احمد شہیدؒ کی جلد دوم کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے، اس کتاب کی پہلی جلد غیر معمولی اضافوں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں خواجہ بکڈپو اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی، یہ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن تھا، جو فاضل گرامی مولانا ظفر اقبال صاحب کی نگرانی اور اہتمام میں شائع ہوا، مصنف کو دوسری جلد پر نظرِ ثانی، اس کے اضافہ و تکمیل اور اسکو اشاعت کے لیے آخری طور پر تیار کرنے میں اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور اندرون و بیرونِ ملک کے طویل طویل سفروں کی بنا پر خاص دیر لگی، بالآخر ستمبر ۱۹۶۲ء میں اس کا مبیضہ مکمل طریقہ پر لاہور کے چند مخلص احباب کے سپرد کر دیا گیا، جو اسکی طباعت و اشاعت کو ایک بڑی دینی خدمت اور سعادت سمجھ کر آرزومند تھے، یقین واثق تھا کہ یہ جلد قریب مدت میں شائع ہو جائیگی، لیکن اس کام میں کچھ ایسی رکاوٹیں پڑتی رہیں، اور چند در چند ایسے حوادث پیش آئے کہ پورے چھ برس اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، ایسے اوقات بھی آئے کہ اس کی اشاعت سے مایوسی بھی پیدا ہو گئی، لیکن یہ کشتی جس پر یہ متاعِ گراں مایہ تھی، حوادث و موانع کے تھپیڑے کھاتی ہوئی بالآخر کنارہ لگ گئی اور مصنف بے مایہ کی ایک بڑی قیمتی پونجی ضائع ہونے سے بچ گئی:

"و للہ الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ"

کسی کتاب کے اجزاء کے ترتیب و اشاعت میں اتنا عظیم تفاوت اور اتنا طویل فصل، تصنیف کے موضوع و مقصد اور مصنف کے غرض و غایت کے لیے سخت مضرت رساں ہوتا ہے، پھر جبکہ وہ کتاب متفرق مضامین کا مجموعہ نہ ہو، بلکہ ایک

ہی زندگی اور کارنامہ کی تفصیلات اور ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہوں تو اول آخر اور آغاز وانجام کے سامنے آنے میں اتنا طویل وقفہ کتاب کی قوت وافادیت کو سخت نقصان پہنچاتا ہے، یہ صاحب سوانح (رحمۃ اللہ علیہ) کی عظمت ومقبولیت ہی ہے کہ پڑھنے والوں کی پیاس اور اشتیاق اب بھی باقی ہے، اور سیکڑوں آدمیوں کو اس کے دوسرے حصہ کا انتظار ہے بعض ایسے طالب صادق، اور محب عاشق میرے علم میں ہیں، جو اس حصہ کی اشاعت کے لیے دن گنتے ہیں، اور جن کے استفسار اور اشتیاق کو دیکھ کر شدت سے یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ یہ حصہ ان کی زندگی میں شائع ہو جائے، اور وہ اس سے اپنے دل کی پیاس بجھا سکیں، جہاں تک میرا اندازہ ہے، ان میں سے بعض اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، اور یہ حسرت اپنے ساتھ لے گئے، اللہ تعالیٰ اُن کے اس شوق اور مخلصانہ محبت کی شایانِ شان جزاء عطا فرمائے کہ اس محبت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر ہے۔ "ومنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر"

ناچیز مصنف اُن سب دوستوں[1] کے لیے دُعا گو ہے جنھوں نے اس کام کی تکمیل میں کسی طرح کا حصہ لیا، اور اُن تمام کوتاہیوں کے لیے عذرخواہ ہے جو اس کام میں بلا ارادہ اور نادانستہ طریقہ پر پیش آئیں۔ اس وقت عالم اسلام، اور خاص طور پر یہ برعظیم جن نئے حالات اور جس نئے دور سے گزر رہا ہے، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اس کتاب، اور اس کے مندرجات، اور اس کے ایمان آفریں، روح پرور واقعات، اور ان واقعات کی مرکزی شخصیت کے اسوۂ ونمونہ، اور دعوت وپیام سے فائدہ اٹھانے، اور رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما التوفيق إلّا من عند الله

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ
۱۲ فروری ۱۹۶۹ء
(چہار شنبہ)

ابوالحسن علی
دائرہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ
رائے بریلی

---

[1] حاجی متین احمد صاحب، مولانا ظفر اقبال صاحب، مفتی سید سیاح الدین صاحب اور سید انظر حسین نفیس رقم صاحب۔

فہرستِ مضامین

باب عنوان صفحہ

(۱) شیدو کی جنگ ۱

سردارانِ پشاور کی رفاقت ۱۔ سردارانِ پشاور کی آمد اور شیدو کی جنگ ۴۔ زہر خورانی ۵۔ یار محمد خاں کا فرار ۶۔ زخمی اور بیمار تورڈو میں ۷۔ سید صاحبؒ سے محبت ۷۔ سید صاحبؒ محفوظ مقام پر ۸۔ رضا بالقضا اور دعا ۸۔ کھانے کی تنگی اور مجاہدین کا مجاہدہ ۹۔ جنگِ شیدو اور یار محمد خاں کا طرزِ عمل ۱۰۔ جنگِ شیدو کے نتیجے پر دربارِ لاہور کی مسرت ۱۲۔

(۲) بونیر و سوات کا دورہ ۱۳

چملہ و بونیر ۱۳۔ سوات ۱۴۔ مولوی قلندر صاحب کا قافلہ ۱۴۔ نمازِ عید اور قاضی احمد اللہ صاحب کا قافلہ ۱۴۔ مولوی محمد یوسف صاحب کی وفات ۱۵۔ مولوی رمضان صاحب کا قافلہ ۱۵۔ شاہِ چترال کو تحفہ ۱۶۔ مولانا عبدالحی صاحب کی آمد ۱۶۔ میاں مقیم کا قافلہ ۱۷۔ پنجتار کو واپسی ۱۷۔ دورے پر ایک نظر ۱۷۔

(۳) پنجتار کا مرکزِ مجاہدین ۱۹

پنجتار کی اسلامی چھاؤنی ۱۹۔ سرحد میں مجاہدین کی نوآبادی ۲۰۔ مجاہدین کی معاشرت اور طرزِ زندگی ۲۲۔ کاموں میں سید صاحبؒ کی شرکت ۲۳۔ مجاہدین کی خوراک و پوشاک ۲۴۔ سید صاحبؒ کی مصروفیت ۲۶۔

(۴) ہزارے کے سرداروں کی امداد ۲۷

ہزارہ درانی عہد میں ۲۷۔ سکھ حکومت کی ابتدا ۲۸۔ امر سنگھ مجیٹھیہ کی گورنری ۲۹۔ سردار ہری سنگھ نلوہ کی آمد ۳۰۔ ہری سنگھ کے عہد میں ہزارے کے حالات ۳۰۔ ناڑا میں ہری سنگھ کو شکست ۳۱۔ ہزارے میں رنجیت سنگھ کی آمد ۳۱۔ رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد سردار ہری سنگھ کے سخت اقدامات ۳۲۔ فوجی امداد کے لیے

باب عنوان صفحہ

خوانین کی آمد ۳۲ - پائندہ خاں سے استصواب ۳۳ -

(۵) اگرُوڑ اور پکھلی کے علاقے میں ۳۵

لشکر کی تیاری ۳۵ - اگرُوڑ اور اَمب کے حالات مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی زبانی ۳۵ - ستھانے میں ۳۶ -
اَمب اور اس کا محلِ وقوع ۳۷ - پائندہ خاں ۳۷ - دریائے سندھ کے مشرقی جانب ۳۷ - موضع بکّا پانی ۳۸ -
پائندہ خاں سے تعلق یا بے تعلقی ۳۹ ؛ جفاکش اور فرمانبردار غازیوں کی ضرورت ۳۹ - ضلع اگرُوڑ اور عبدالغفور خاں
۴۰ - مجاہدین کا مرکز ۴۱ - مزید لشکر اور کمک کی ضرورت ۴۱ - اہلِ علاقہ کا تردّد اور سکھوں سے وابستگی ۴۱ - خوانینِ
پکھلی کی اصل کیفیت ۴۲ - خرچ کی تنگی اور بعض مجاہدین کا اضطراب ۴۲ - حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے ۴۳ -
سربلند خاں اور اس کے ساتھی ۴۴ - سربلند خاں کا مقصودِ اصلی ۴۴ - پائندہ خاں کی مخالفت خلافِ مصلحت
۴۵ - خوانین کے متعلق عام تاثر ۴۵ - اس علاقے کے لیے صحیح طریقِ کار ۴۶ - جہاد کی حقیقت ۴۶ -

(۶) ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں اور ہندوستانی مجاہدین کے قافلے ۴۸

ڈمگلا کا شب خون ۴۸ - زخمیوں کا جذبہ ۵۰ - جنگِ شنکیاری ۵۰ - مجاہدین کی واپسی ۵۱ - ہندوستان
کے قافلے ۵۲ - مولوی محبوب علی صاحب کا اختلاف ۵۳ - کھانے کی تفصیل ۵۴ - پوشاک پر اعتراض اور
اس کا جواب ۵۵ - جہاد و قتال میں فرق ۵۵ - مولوی محبوب علی صاحب کی واپسی ۵۶ - ہندوستان سے
امدادی رقمیں ۵۷ - داعیوں اور مبلغوں کی روانگی ۵۷ - مولوی مظہر علی عظیم آبادی کی آمد ۵۸ - شاہِ چترال
کے تحائف ۵۹ -

(۷) خہر کا قیام ۶۰

ایک تبلیغی دورہ ۶۰ - مولانا عبدالحی صاحب کی وفات ۶۱ - مولوی احمد اللہ صاحب کی آمد ۶۲ - سید صاحبؒ
کا تیسرا نکاح ۶۳ - جنگی مشقیں ۶۴ - سرحد کا ایک مخلص عالم ۶۵ -

(۸) اُتمان زئی کی جنگ ۶۷

دُرّانیوں کے ستائے ہوئے سردار ۶۷ - علماء سے استفتاء ۶۸ - ارباب بہرام خاں کی خیبر کی طرف

باب | عنوان | صفحہ

روانگی ۶۸ - موضع ڈنڈی میں ۶۹ - مجاہدین کی آزمائش ۷۰ - سید صاحبؒ کی آمد اور مجاہدین کی تشفی ۷۱ - کوچ کی تیاری ۷۲ - کامیاب شبخون ۷۴ - مجاہدین کی مورچہ بندی اور دن بھر کی جنگ ۷۴ - عالم خاں کی کمزوری اور معذرت ۷۶ - تنیبریوں کا اختلاف اور درّانیوں سے اتحاد ۷۷ - مراجعت کی تجویز ۷۷ - خہر کو واپسی ۷۹ - بخارا کی طرف سفارتِ جہاد ۷۹ - تنخواہ دار سپاہی اور ان کی برطرفی ۸۰ - ترغیب و فضائل کی قوت ۸۱ -

(۹) بیعتِ امامت کی تجدید اور نظامِ شرعی کا قیام اور اس کے اثرات ۸۳

احکامِ شریعت کا نفاذ و اجرا ۸۳ - سردار فتح خاں اور اشرف خاں کی دعوت ۸۴ - ڈاگئی میں علماء کا ایک اجتماع اور بیعتِ امامت ۸۴ - پنجتار میں آمد اور فتح خاں سے گفتگو ۸۴ - علماء اور رؤسا کا اجتماعِ عظیم ۸۵ - فتح خاں کا اقرار ۸۵ - بیعتِ امامت کی تجدید ۸۶ - قضاۃ کا تقرر اور اقامتِ شریعت ۸۷ - نظامِ شرعی کے برکات ۸۷ - مانیری کا واقعہ ۸۷ -

(۱۰) پنجتار کا نظارہ ۹۰

ممتاز مجاہدین کے ڈیرے ۹۰ - غلے کی تقسیم میں میر امانت علی کی امانت ۹۲ - مولوی عبدالوہاب کا تقرر ۹۲ - ایثار و بے نفسی ۹۴ - سرداروں کے درمیان مصالحت ۹۴ -

(۱۱) خادی خاں کی مخالفت و ساز باز، ونٹورہ کی آمد و پسپائی اور قلعۂ اٹک کی مہم ۹۶

خادی خاں کا اختلاف و انحراف ۹۶ - اشرف خاں سے جنگ اور ہزیمت ۹۷ - اشرف خاں کی اچانک موت اور فتح خاں کی جانشینی ۹۸ - ونٹورہ کی آمد ۹۸ - خادی خاں کی ساز باز ۹۹ - ونٹورہ کی سید صاحبؒ سے خط و کتابت ۱۰۰ - مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو ۱۰۲ - ونٹورہ کی پسپائی ۱۰۳ - قلعۂ اٹک پر مہم ۱۰۳ - آدمیوں کا انتخاب اور روانگی ۱۰۴ - قلعہ دار کو اطلاع ۱۰۵ - خادی خاں کی مخبری ۱۰۵ -

(۱۲) علماء اور خوانین کا دوبارہ اجتماع اور نیا عہد و پیمان ۱۰۷

مسلمانوں کی نااتفاقی کا شکوہ ۱۰۷ - اجتماع کی تجویز و انتظام ۱۰۸ - سید صاحبؒ کی تقریر ۱۰۷ - آمد کا مقصد ۱۰۹ - تقریر کی تاثیر ۱۱۰ - مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی گفتگو اور حکیمانہ مثال ۱۱۱ - مولانا کا استفتاء ۱۱۲ -

باب عنوان صفحہ

عُلما کا اِقرار ۱۱۲۔ خادی خاں کو تفہیم ۱۱۴۔ خادی خاں کا متکبّرانہ جواب ۱۱۴۔

(۱۳) وِنیٹورہ کی دوبارہ آمد اور جنگِ پنجتار ۱۱۶

وِنیٹورہ کی دوبارہ آمد ۱۱۶۔ اہلِ علاقہ کو خطوط اور دفاعی دیواریں ۱۱۷۔ غزوۂ خندق کی یاد ۱۱۸۔ لشکر کی آمد ۱۱۹۔ جہاد کی تحریض اور موت کی بیعت ۱۲۰۔ شہادت کی تیاری اور وصیت ۱۲۱۔ لشکر کے نشان ۱۲۱۔ وِنیٹورہ کا اضطراب ۱۲۲۔ حملہ اور وِنیٹورہ کی پسپائی ۱۲۲۔ نمازِ شکر ۱۲۳۔ نظامِ شرعی کی توسیع اور استحکام ۱۲۳۔

(۱۴) ہَنڈ کی تسخیر اور تنگی کی مُہم ۱۲۶

خادی خاں سے شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کی ملاقات اور اِتمامِ حجّت ۱۲۷۔ خادی خاں کا صاف جواب ۱۲۸۔ تنگی والوں کی فریب دہی ۱۲۸۔ قلعۂ ہُنڈ کی تسخیر کی تجویز ۱۲۹۔ سفر کی رُوداد ۱۳۱۔ قلعۂ ہُنڈ کے اندر ۱۳۲۔ خادی خاں کا قتل ۱۳۳۔

(۱۵) جنگِ زیدہ اور یار محمّد خاں کا قتل ۱۳۵

جنگ کے مُحرّکات واسباب ۱۳۵۔ امیر خاں کی فتنہ انگیزی ۱۳۵۔ مُقرّب خاں کی کنارہ کشی ۱۳۷۔ پلتے مسدود ہوگئے ۱۳۷۔ سیّد صاحبؒ زیدہ میں ۱۳۸۔ امیر خاں کی یار محمّد خاں کے ساتھ سازش ۱۳۸۔ ہُنڈ پر حملے کی تیاری ۱۳۹۔ مجاہدین سے مختلف معرکے ۱۳۹۔ یار محمّد خاں ہریانے میں ۱۴۱۔ دیہاتوں میں لُوٹ مار ۱۴۲۔ نامہ وپیام ۱۴۲۔ یار محمّد خاں کا متکبّرانہ جواب ۱۴۳۔ حملے کا حکم ۱۴۳۔ زیدہ کی جنگ ۱۴۴۔ مجاہدین کی جانبازی اور توپوں پر قبضہ ۱۴۴۔ دُرّانی لشکر کا فرار ۱۴۵۔ غلط خبر ۱۴۵۔ یار محمّد خاں کی ہلاکت ۱۴۶۔ مالِ غنیمت ۱۴۶۔ پنجتار میں فاتحانہ داخلہ ۱۴۷۔ لُوٹ مار کی مذمّت کا پُر اثر وعظ ۱۴۷۔ فتح کا اثر ۱۴۸۔ امیر خاں کا قتل ۱۴۸۔ قیدی کے ساتھ سلوک ۱۴۸۔ مالِ غنیمت کی تقسیم اور مجاہدین کا ایثار ۱۴۹۔

(۱۶) پنجتار میں ۱۵۰

قاضیوں کے تقرّر کی درخواست ۱۵۰۔ توپخانے کا مرکز اور گولے کا کارخانہ ۱۵۱۔ فنونِ سپہ گری کی مشق اور اکھاڑے ۱۵۲۔ دو جاسوسوں کا قبولِ اسلام ۱۵۵۔ ضروری تنبیہ ۱۵۶۔ قصاص کا ایک مقدمہ ۱۵۷۔

باب	عنوان	صفحہ
(۱۷)	پائندہ خاں کی ملاقات، قلعۂ ہنڈ کا تخلیہ	۱۶۲
	تربیلا کی دعوت ۱۶۲۔ ہری سنگھ کی مزاحمت و مقابلہ ۱۶۳۔ سید اکبر شاہ کی ملاقات ۱۶۴۔ سید صاحبؒ ستھانے میں ۱۶۵۔ پائندہ خاں کی ملاقات کا مشورہ اور سید اکبر شاہ کی رائے ۱۶۶۔ سید نادر شاہ کی گفتگو ۱۶۶۔ سید صاحبؒ کا ارشاد ۱۶۷۔ پائندہ خاں کی درخواستِ ملاقات ۱۶۸۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کا انتظام اور پیش بندی ۱۶۹۔ پائندہ خاں کی سازش کی ناکامی ۱۷۰۔ سید صاحبؒ کی شفقت ۱۷۱۔ ستھانے کو واپسی ۱۷۲۔ درانیوں کا قلعۂ ہنڈ پر حملہ ۱۷۲۔ مجاہدین کی جوانمردی ۱۷۳۔ سلطان محمد خاں کی عہد شکنی ۱۷۴۔ ہنڈ کا تخلیہ ۱۷۴۔ قیدیوں کی رہائی ۱۷۵۔ سکھ لشکر کے مسلمان عہدہ داروں سے تعلقات اور خط و کتابت ۱۷۷۔	
(۱۸)	پائندہ خاں کی مزاحمت اور عشرہ اور امب کی جنگیں	۱۷۸
	کشمیر کا مشورہ ۱۷۸۔ پائندہ خاں کا انکار ۱۷۹۔ مولانا کی مراجعت ۱۸۰۔ پائندہ خاں کو خط اور اس کا جواب ۱۸۰۔ حملے کی تیاری ۱۸۱۔ مولانا کے انتظامات ۱۸۲۔ پائندہ خاں کا فریب ۱۸۳۔ کوہ کنبر ڑی کی جنگ ۱۸۶۔ رسالدار عبدالحمید خاں کا اضطراب ۱۸۶۔ عشرہ اور امب پر قبضہ ۱۸۷۔ امب کی سرگزشت ۱۸۸۔ آتشزنی پر ناراضگی اور ملامت ۱۹۲۔ فتح کی خوشخبری ۱۹۲۔	
(۱۹)	چھتر بائی	۱۹۳
	چھتر بائی کی گڑھی ۱۹۳۔ سید صاحبؒ کی امب میں آمد ۱۹۴۔ ایک مجاہد کی خود رائی ۱۹۵۔ بھائی کی خبرِ شہادت پر ۱۹۶۔ غمزدہ کی خاطرداری ۱۹۶۔ حافظ عبداللطیف کی تادیب ۱۹۷۔ پائندہ خاں کا دوسرا فریب ۱۹۸۔	
(۲۰)	پھولڑے کی جنگ	۲۰۲
	حملے کی تجویز ۲۰۲۔ لشکر کی روانگی اور عبورِ دریا ۲۰۳۔ شاہ کوٹ پر قبضہ ۲۰۴۔ چھتر بائی کا تخلیہ ۲۰۵۔ لشکر گاہ ۲۰۶۔ اچانک حملہ ۲۰۶۔ مجاہدین کی جوانمردی اور دلیرانہ شہادت ۲۰۸۔ سید احمد علی کی شہادت کی اطلاع اور پسماندگان سے تعزیت ۲۰۹۔ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کی مراجعت ۲۱۰۔ پائندہ خاں کی زبوں کیس ۲۱۰۔	

باب عنوان صفحہ

(۲۱) امنب کا قیام ۲۱۱

پائندہ خاں کی مصالحت ۲۱۱ - نظامِ قضاۃ اصلاحِ اخلاق ۲۱۲ - لشکرِ اسلام کی اسلامی معاشرت ۲۱۲ -
ایک رہزن کی توبہ اور اصلاح ۲۱۴ - پکھلی کی کارگزاری ۲۱۶ - اَمنب کا آم ۲۱۶ -

(۲۲) سکھوں کی سعیِ مصالحت اور مسلمان سفیروں کی حق گوئی و جرأت ۲۱۸

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغامِ مصالحت ۲۱۸ - ونتورہ کی خواہش پر سفارت کی روانگی ۲۲۰ - فرانسیسی جرنیل
کے خیمے میں ۲۲۱ - ونتورا اور مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو ۲۲۲ - جہاد کا اسلامی فریضہ ۲۲۳ - جہاد کی
حقیقت ۲۲۵ - مجاہدین کا اعتقاد و اعتماد ۲۲۵ - تاریخ کی شہادت ۲۲۶ - امنب کا جائے وقوع ۲۲۶ - پنجتار
میں مقابلے کی تیاریاں ۲۲۶ - تحائف کے لیے ونتورا کا اصرار ۲۲۷ - مولوی خیر الدین صاحب کی دوراندیشی ۲۲۷ -
مولوی صاحب کا صاف جواب ۲۲۸ - پنجتار پر حملے کی تیاری اور پسپائی ۲۲۹ - سید صاحبؒ کی تحسین و تائید ۲۳۰ -

(۲۳) ملکِ سمہ کی دوبارہ تسخیر و انتظام اور جنگِ مردان ۲۳۲

قاضی حبان صاحب کی تجویز ۲۳۲ - قاضی صاحب پنجتار میں ۲۳۳ - ہنڈ کی تسخیر ۲۳۳ - ادائے عشر اور
اطاعت و شرکت کا دوبارہ اقرار ۲۳۴ - خان ہوتی کی سرکشی ۲۳۴ - مجاہدین ہوتی مردان میں ۲۳۵ - مستامن
کا مال ۲۳۶ - مردان کی فتح اور قاضی حبان صاحب کی شہادت ۲۳۷ - لوٹ کے مال کی واپسی ۲۳۸ - مولانا
محمد اسمٰعیل صاحبؒ کا وعظ و نصیحت ۲۳۹ - عشر کے تحصیلداروں کا تقرر ۲۴۰ -

(۲۴) سلطان محمد خاں کی لشکرکشی ۲۴۲

درانیوں کا لشکر ہوتی کو ۲۴۲ - خوانین کا مشورہ ۲۴۲ - سید صاحبؒ پنجتار میں ۲۴۳ - تورو میں ۲۴۳ -
سردارانِ پشاور کو فہمائش و نصیحت ۲۴۳ - سلطان محمد خاں کا جواب ۲۴۴ - سید صاحب کی طرف سے اتمامِ
حجت ۲۴۴ - سلطان محمد خاں کا متکبرانہ جواب ۲۴۷ - مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی آمد ۲۴۷ -

(۲۵) مایار کی جنگ ۲۴۹

جنگ کی تیاری ۲۴۹ - دعا ۲۴۹ - سیّد ابو محمد کی بیعت اخلاص ۲۵۰ - جنگ کی ابتدا ۲۵۱ -

باب عنوان صفحہ

ہدایات ۲۵۲ - لشکر کے مخلصین ۲۵۳ - پہلا شہید ۲۵۳ - مجاہدین کی رجز خوانی ۲۵۴ - معرکہ ۲۵۴ - سید صاحبؒ کی شجاعت ۲۵۶ - ایک لڑکے کی جرأت ۲۵۶ - مولانا محمد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمد صاحب کا کارنامہ ۲۵۷ - درّانیوں کی ہزیمت ۲۵۸ - جنگ کے اختتام پر ۲۵۸ - زخمیوں کی مرہم پٹی ۲۵۸ -

(۲۶) مایار کے شہدا و مجروحین ۲۶۰

شہدا کا دم واپسیں نوجوان زخمی ۲۶۱ - ایک آدمی کی استقامت ۲۶۳ - رسالدار عبدالحمید خاں ۲۶۴ - شیخ امیر اللہ تھانوی ۲۶۵ - دوسرے شہدا ۲۶۵ - مایار کے مجروحین ۲۶۶ - میدانِ جہاد کا غبار ۲۶۶ - تزرو کو واپسی اور دعا ۲۶۶ - ترانۂ حمد و توحید ۲۶۷ - شہدا کی تدفین اور دعا ۲۶۷ - ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ ۲۶۸ -

(۲۷) پشاور کا قصد ۲۶۹

خدا کا رعب اور ہمارا کان ہے ۲۶۹ - روانگی ۲۶۹ - مردان کی گڑھی کا تخلیہ ۲۷۲ - غلط اطلاع کی بنا پر سید صاحبؒ کی آمد اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی ناراضگی ۲۷۵ - امیر و مامور کا اخلاص و للّٰہیت ۲۷۶ -

(۲۸) مردان سے پشاور تک ۲۷۸

مردان سے کوچ ۲۷۸ - حکومت کا رعیت کے ساتھ معاملہ ۲۷۹ - عبورِ دریا کے انتظامات ۲۸۰ - اسلامی مساوات ۲۸۱ - سلطان محمد خاں کا پیغام ۲۸۲ -

(۲۹) پشاور میں ۲۸۴

پشاور میں داخلہ ۲۸۴ - اہلِ شہر کی مسرت و استقبال ۲۸۵ - سید صاحبؒ اور لشکر کی فرودگاہ ۲۸۵ - حفاظتی انتظامات ۲۸۶ - لشکرِ مجاہدین کا اخلاقی اثر ۲۸۶ - کھانے کا انتظام ۲۸۶ - دو عورتوں کی گفتگو ۲۸۷ - درّانی لشکر میں انتشار و پراگندگی ۲۸۸ - سلطان محمد خاں کی طرف سے نامہ و پیام ۲۸۸ - سید صاحبؒ کا ارشاد ۲۸۹ - سلطان محمد کا دوبارہ پیغام ۲۹۰ - آمد کا مقصد ۲۹۰ -

(۳۰) پشاور کی سپردگی کی تجویز ۲۹۲

باب عنوان صفحہ

مشورہ ۲۹۲ - شہر میں تشویش ۲۹۲ - ارباب بہرام خاں کی سید صاحبؒ سے گفتگو ۲۹۳ - سید صاحبؒ کی تقریر ۲۹۴ - تقریر کا اثر ۲۹۶ - پشاور کے ایک سیٹھ کی گفتگو ۲۹۷ - سید صاحبؒ کا جواب ۲۹۸ -

(۳۱) سلطان محمد خاں کی ملاقاتیں اور پشاور کی سپردگی ۳۰۰

سردار سلطان محمد خاں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی ملاقات ۳۰۰ - مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی دوسری ملاقات ۳۰۳ - شہر میں وعظ و اصلاح ۳۰۴ - سید صاحبؒ اور سردار سلطان محمد خاں کی ملاقات ۳۰۴ - مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی احتیاط ۳۰۶ - سید صاحبؒ کی سردار سلطان محمد خاں سے گفتگو ۳۰۶ - ہندوستانی محضر ۳۰۷ - دنیادار علما و مشائخ کی مخالفت کی وجہ ۳۰۷ - بدخواہوں کے ساتھ خیرخواہی ۳۰۸ - عالی ہمتی اور دریا دلی ۳۰۸ - قاضی کا تقرر ۳۰۸ -

(۳۲) پنجتار کو واپسی ۳۰۹

روانگی ۳۰۹ - اہل سوات کی شوخ چشمی ۳۰۹ - ایک جاہل رسم کی اصلاح ۳۱۲ - لڑکیوں کی رخصتی ۳۱۳ - قاضیوں کی شکایت ۳۱۴ - پنجتار میں ۳۱۴ - جمعے میں سید صاحبؒ کا وعظ ۳۱۴ - قاضی القضاۃ کا تقرر ۳۱۵ - سوات کے سرحدی علاقے میں احکام شرعی کا اجرا ۳۱۵ -

(۳۳) حکومتِ شرعیہ کے عمال اور غازیوں کا قتلِ عام ۳۱۸

اسباب و محرکات ۳۱۸ - سید صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے خلاف علماء سرحد کے الزامات ۳۲۴ -

(۳۴) ابرار مجاہدین کی مظلومانہ شہادت ۳۳۱

فتنے کا آغاز ۳۳۱ - مولوی سید مظہر علی صاحب سے سلطان محمد خاں کی جواب طلبی اور علماء کا سوال و جواب ۳۳۱ - ایک مخلص کی اطلاع ۳۳۵ - مولوی مظہر علی صاحب اور ارباب فیض اللہ خاں کی شہادت ۳۳۵ - حاجی بہادر شاہ خاں کی شہادت ۳۳۸ - مولوی رمضان شاہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت ۳۳۸ - مینئ میں مجاہدین کا محاصرہ ۳۳۹ - علماء و سادات اور عورتوں کی خوشامد ۳۳۹ - ہندوؤں کی خوشامد اور سفارش ۳۴۰ - قتلِ عام ۳۴۰ - ملاؤں کی جرأت ۳۴۰ - مجاہد کے جذبات ۳۴۱ - یہ منظر رنگیں ۳۴۱ -

باب عنوان صفحہ

وفادار رفیق ۲۴۲ - حاجی محمود خاں رامپوری اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت ۲۴۳ - بعض مُلّاؤں کی ہمدردی
۲۴۴ - لکھیر خاں کا واقعہ ۲۴۴ - ایک لڑکے کی ہمت ۲۴۴ -

(۳۵) محفوظ مجاہدین ۲۴۶

مولوی خیر الدین صاحب کا حزم و تدبّر ۲۴۹ - پنجتار کا سفر ۲۵۰ - مولوی خیر الدین صاحب کا استقبال
اور حمد و دعا ۲۵۲ - چھتر بائی اور امب کے مجاہدین ۲۵۲ - امب کی گڑھی کا تخلیہ ۲۵۳ - ہری سنگھ کا پیغام
اور مجاہدین کا جواب ۲۵۴ - چھتر بائی کا تخلیہ ۲۵۵ -

(۳۶) غدر کے اسباب کی تحقیق اور ہجرت کا عزم ۲۵۶

پنجتار پر جرائیوں کا نرغہ ۲۵۶ - سید صاحبؒ کا ارشاد ۲۵۷ - فتح خاں سے گفتگو ۲۵۸ - فتح خاں کی
حاضری ۲۵۸ - دل کا علاج ۲۵۸ - علماء اور سادات کا اجتماع اور سبب کی تحقیق ۲۵۹ - اہلِ علاقہ کی
مہمانداری اور مدارات ۲۵۹ - سید صاحبؒ کا استفسار ۲۶۰ - معاملے کی تحقیق ۲۶۱ - جرائیوں کا بیان ۲۶۲ -
پھر خطوط ۲۶۲ - سید صاحبؒ کا ارشاد ۲۶۲ - جہاد بطریقِ سنّت ۲۶۴ - سید صاحبؒ کا عزم اور فیصلہ ۲۶۵ -
ہجرت کے متعلق مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو ۲۶۵ - اہلِ سمہ سے مایوسی اور طبعی تنفّر ۲۶۵ - شہدائے سمہ
اپنے مُلک کا خلاصہ اور لُبِّ لباب تھے ۲۶۶ -

(۳۷) ہجرت کا دوسرا سفر ۲۶۷

ہجرت کے داعی ۲۶۷ - ہجرت کی شہرت اور مخلصین کا تأسف ۲۶۷ - فتح خاں کی مرضی ۲۶۸ - ہر کہ
مارا رنج دادہ، راحتش بسیار باد! ۲۶۸ - ہجرت کے بارے میں ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب ۲۶۹ - ہجرت
کی اطلاع اور وصیت ۲۷۰ - راستے کا انتخاب ۲۷۰ - خوانین کا انکار ۲۷۰ - سردار فتح خاں کے ساتھ
مشفقانہ سلوک ۲۷۱ - رفیقوں کو اختیار ۲۷۱ - زندگی کا فیصلہ ۲۷۱ - راہِ خدا کا نیا سامان ۲۷۲ - روانگی کی
تیاری ۲۷۲ - جاں طلب نرالے سے ملاقات ۲۷۳ - اگلی منزلیں ۲۷۳ - اسلامی معاشرت کا ایک نمونہ
۲۷۳ - زُود پشیماں ۲۷۳ - بادشاہ مدارا ۲۷۴ -

باب — عنوان — صفحہ

(۳۸) برڈھیری سے راج دواری تک ۳۷۷

مُجاہدین کی تروتازگی اور نشاط ۳۷۷۔ راستے کی دُشوارگزاری ۳۷۷۔ اللہ کا شکر ۳۷۸۔ موضع راج دواری میں قیام ۳۷۹۔ دو سرداروں کی مصالحت ۳۷۹۔ لشکر کے کھانے کا انتظام ۳۸۰۔ سُمہ کا عبرتناک انجام ۳۸۰۔ اہلِ سُمہ کو جواب ۳۸۱۔ صاحبزادی کا تولّد ۳۸۱۔ وردی کا انتظام ۳۸۲۔ بیعتِ صفقہ ۳۸۲۔

(۳۹) لشکرِ مجاہدین بالاکوٹ، سچّوں اور مظفر آباد میں ۳۸۵

بالاکوٹ کا انتخاب ۳۸۵۔ مولوی خیرالدین صاحب بالاکوٹ میں ۳۸۶۔ مظفر آباد پر حملے کا مشورہ اور مولوی خیرالدین صاحب کا انکار ۳۸۶۔ سکھوں کے زیرِ حکومت بستیوں کو لوٹنے سے احتراز ۳۸۷۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ بالاکوٹ کو ۳۸۸۔ راستے کی دُشوارگزاری اور مجاہدین کی جاں سپاری ۳۸۸۔ سید صاحبؒ کا سچّوں میں قیام ۳۹۱۔ مظفر آباد کی طرف مہم کی روانگی ۳۹۱۔ زبردست خاں کی سازش ۳۹۲۔ مجاہدین کا چھاؤنی پر قبضہ ۳۹۳۔ زبردست خاں کی بے ہمتی اور مجاہدین کی واپسی ۳۹۴۔

(۴۰) سچّوں میں ۳۹۷

سید صاحبؒ کا ایک وعظ ۳۹۷۔ کشمیر پر حملے کا مشورہ اور خوانین کی عرضداشت ۳۹۸۔ شیر سنگھ کی نقل و حرکت کی اطلاع ۳۹۹۔ شبخون کی تجویز ۴۰۰۔ مولانا کی سچّوں میں طلبی ۴۰۰۔ مولانا سچّوں میں ۴۰۰۔ عُشر کا انتظام ۴۰۱۔ مشکوٰۃ شریف کا درس ۴۰۱۔ سید ضامن شاہ کی آمد اور بیعت ۴۰۲۔ سید صاحبؒ کی ایک گفتگو ۴۰۲۔ دُعا کا اہتمام ۴۰۳۔ گوجروں کی توقیر ۴۰۳۔

(۴۱) سچّوں سے بالاکوٹ ۴۰۵

بالاکوٹ کی تجویز ۴۰۵۔ گھر والوں کو پیغام ۴۰۶۔ معیت و رفاقت کا اشتیاق ۴۰۶۔ بالاکوٹ کو روانگی ۴۰۶۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی تقریر ۴۰۷۔ گوجر عورتوں کی محبت و تواضع ۴۰۷۔ توکّل اور خدائی انتظام ۴۰۷۔ ایک خواہش ۴۰۹۔ طبیعت پر اثر ۴۰۹۔

(۴۲) بالاکوٹ میں ۴۱۱

باب عنوان صفحہ

بالاکوٹ میں داخلہ ۴۱۱ - بالاکوٹ اور اس کا اجمالی خاکہ ۴۱۱ - حفاظتی انتظامات ۴۱۲ - پہرے کی تبدیلی ۴۱۳ -
بالاکوٹ سے سید صاحبؒ کا آخری خط ۴۱۴ - ایک جاسوس ۴۱۵ -

(۴۳) آخری جنگ کی تیاریاں ۴۱۷

سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ پر ۴۱۷ - سلطان نجف خاں کا خط ۴۱۸ - اسی میدان میں لاہور ہے اسی میں جنت ہے
۴۲۰ - بارگاہِ الٰہی میں نذرانہ ۴۲۰ - کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے ۴۲۱ - شہادت کی
تیاری ۴۲۱ - آخری انتظامات ۴۲۱ - رخصتی لباس ۴۲۲ - شہادت کی رات ۴۲۲ -

(۴۴) مشہدِ بالاکوٹ ۴۲۴

شہادت کی صبح ۴۲۴ - ایک عبرتناک واقعہ ۴۲۴ - پہلا شہید ۴۲۵ - دُنیا سے بے تعلقی ۴۲۵ - سید صاحبؒ
پہلے مورچے پر ۴۲۶ - فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے ۴۲۶ - اُن کو زرا یک آنے ۴۲۶ - دُعا ۴۲۷ -
میدانِ جنگ کی طرف ۴۲۷ - میدانِ جنگ کے اندر ۴۲۷ - مجاہدین کا غلبہ اور سکھوں کی پسپائی ۴۲۹ - مجاہدین کی
تشویش اور سید صاحبؒ کی تلاش ۴۳۰ - مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی شہادت ۴۳۱ -

(۴۵) مشہدِ بالاکوٹ (۲) ۴۳۲

دُشمن کا دوبارہ حملہ اور مجاہدین کی شکست ۴۳۲ - مولوی سید جعفر علی کا چشم دید بیان ۴۳۲ - مجاہدین
نے کس طرح جان دی ۴۳۹ - شُہداء کی تدفین ۴۴۱ -

(۴۵) (۲) مشہدِ بالاکوٹ (۳) ۴۴۳

سید صاحبؒ کی شہادت ۴۴۳ - آپ کا دفن ۴۴۹ - مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ ۴۵۰ - دربارِ لاہور میں
بالاکوٹ کے واقع کی اطلاع اور مہاراجہ کی مسرت و جشن شادمانی ۴۵۲ - فہرست شہداءِ بالاکوٹ بہ ترتیب حروف تہجی
۴۵۴ - شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام ۴۵۹ - جماعت کی امارت اور نظم و نسق ۴۶۳ -

(۴۶) فطری اخلاق واوصاف ۴۶۵

باب　　عنوان　　صفحہ

اخلاق و اوصاف کا مرکزی نقطہ ۴۶۵ - اعتدال و توسّط ۴۶۶ - عالی ہمتی ۴۶۷ - سخاوت و دریا دلی ۴۶۸ -
شجاعت اور اعتماد علی اللہ ۴۷۰ - عفو و حلم ۴۷۲ - حیا ۴۷۹ -

(۴۷) دینی اخلاق و اَوصاف　　۴۸۲
ایذا رسانی سے احتراز اور عمومی شفقت ۴۸۲ - کلمہ گو کا احترام ۴۸۴ - مسلمانوں کے درمیان مصالحت ۴۸۶ -
رُفقا پر شفقت ۴۸۸ - مساوات ۴۸۹ - حمیتِ شرعی اور غیرتِ دینی ۴۹۲ - اِتّباع ۴۹۵ -

(۴۸) روحانی اَوصاف اور باطنی کیفیات　　۵۰۲
اِنابت و استغفار ۵۰۲ - دُعا ۵۰۹ - ایمان و احتساب ۵۱۱ - اِتّباعِ سُنّت ۵۱۳ - محبت و خشیت ۵۱۶ -

(۴۹) صفاتِ اِمارت　　۵۱۸
قیادت کی ذمہ داریاں ۵۱۸ -

(۵۰) تجدید و اِمارت و تزکیۂ باطن　　۵۲۵
مقامِ تجدید ۵۲۵ - اسلام کی طرف رُجوعِ عام ۵۲۶ - شرک و بدعت کا استیصال ۵۳۱ - بعض مردہ
سُنّتوں اور غیر مروّج فرائض کا اِحیاء ۵۴۰ - جماعت کی سیرت و اخلاق ۵۴۲ - تزکیہ و اصلاحِ باطن ۵۴۵ -
اسلام میں تزکیے کا مقام ۵۴۵ - تزکیہ میں نیابتِ نبوّت ۵۴۶ - جہاد و قربانی اور اصلاح و انقلاب کے لیے
تزکیے کی ضرورت ۵۴۸ - سیّد صاحبؒ کے طریقے کی خصوصیات ۵۴۹ - صراطِ مستقیم ۵۵۵ -

(۵۱) اشاریہ (انڈکس)
ترتیب از محمد غیاث الدین ندوی　　۵۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهُ

پہلا باب

شیدُو کی جنگ

سرداران پشاور کی رفاقت

حصّہ اوّل کے پچیسویں باب میں گزر چکا ہے کہ ۱۲ جُمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو ہنڈ میں سیّد صاحبؒ نے بیعتِ امامت لی۔ خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں، بہرام خاں، سعادت خاں اور علماء، سادات و خوانین نے بیعتِ امامت کی۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی، تو قرب و جوار کے خوانین و رؤساء اور بعض پیرزادوں نے آکر بیعت کی۔ جمعے کے خطبے میں آپ کا نام داخل کیا گیا اور دور دور تک اس کی شہرت ہو گئی۔

سیّد صاحبؒ نے بیعتِ امامت کی اطلاع کے خطوط اور دعوت نامے نامور سرداروں، والیانِ ملک، علماء و مشائخ و رؤساءِ ہندوستان کو بڑے اہتمام سے بھیجے۔ سردار خادی خاں، اشرف خاں اور دوسرے یوسف زئی سرداروں نے سردار یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں والیانِ پشاور کو سیّد صاحبؒ کی امامت و امارت کی اطلاع دیتے ہوئے ایک پُرزور اور طاقتور دعوتی خط لکھا جس کا کچھ حصّہ (جس میں صوبۂ سرحد کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی بے کسی کا پُراثر طریقے پر اظہار ہے) گزر چکا ہے۔ اسی خط میں انھوں نے لکھا ہے:

بخدمتِ سراسر رفعت گزارش می نماید کہ	جنابِ والا کی خدمتِ عالی میں گذارش ہے کہ
اگر رفاقتِ آں امامِ ہمام، آں معلّی القاب ہم	اگر عالی جناب بھی امام المسلمین (حضرت سید احمد)

اختیار نمایند، نہایت مصلحتِ وقت خواہد بود زیراکہ از رُوئے آں امامِ ہُمام اجتماعِ جُمہورِ انام بمصارفِ اقل قلیل بجدّے می شود کہ اگر از رُؤسائے عالی مقام اضعافِ مُضاعَف آں صرف نمایند، عُشرِ عشیرِ آں اجتماع صُورت نہ بندد۔ و بالجملہ آنچہ از رُوئے اُو بغایتِ سہولت سرانجام می شود، از غیرِ او بکمالِ صعُوبت ہم مُتصوَّر نیست باوصفیکہ اصلاً بہ تحصیلِ سلطنت حکومت رغبت نمی دارند، پس چرا رفاقتِ اُو را اختیار نکنند و صرفِ خرچِ قلیل گوارا نہ نمایند کہ ہم سعادتِ اُخرویہ بدست آید و ہم منافعِ دُنیویہ حاصل کنند و ہم اعدائے دین را کہ فی الحقیقت دشمنِ جان و مالِ سلطنت و حکومت و ننگ و ناموس کافۂ مُسلمین اند عموماً و درحقِ رُؤسائے مُسلمین خصُوصاً مستأصل گردانیدہ؛ و وسعتِ مملکت باخذِ بلادِ کفار و استقلالِ حکومت باستیصالِ مخالفین و آسُودگیِ عساکر بگرفتنِ خزائنِ آنہا بدست آرند و نیک نامی درمیانِ جمہورِ انام برفاقتِ آں امامِ ہُمام حاصل نمایند۔[1]

کی رفاقت اختیار فرمائیں، تو نہایت مناسب ہوگا۔ اس لیے کہ سیّد صاحب کے ذریعے عامۂ مُسلمین کا اجتماع ایسی سہُولت اور اس طرح بے مشقت و بے زحمت ہو جائے گا کہ اگر بڑے بڑے سردارانِ قوم اس سے بدرجہا زیادہ صرف کریں گے اور بڑی مشکلات اور زحمتیں برداشت کریں گے، تو اس کا عُشرِ عشیر بھی نہ ہو سکے گا جب آپ کو حصُولِ سلطنت و حکومت کی طرف قطعاً میلان نہیں، تو والیانِ سلطنت و اہلِ ریاست کو آپ کی رفاقت اختیار کرنے اور تھوڑے صرف سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے میں کیا عُذر ہو سکتا ہے جبکہ اس میں سعادتِ اُخروی بھی ہے اور فوائدِ دُنیوی بھی اور اُن دُشمنانِ دین کی سرکوبی و استیصال بھی، جو سلطنت و حکومت کے دشمن، تمام مسلمانوں کے ننگ و ناموس کے لیے خطرہ اور خاص طور پر مسلمان اہلِ حکومت کے حریف و رقیب ہیں؟ اِن سب کے علاوہ اس منظّم و شرعی جہاد سے مسلمانوں کے حُدُودِ حکومت میں توسیع، اُن کی مملکت کی حفاظت اور اُس کی خودمختاری کی ضمانت، اسلامی افواج کی آسودگی اور سرداروں کی نیک نامی بھی ہے۔

---

[1] مجموعۂ خطوطِ قلمی صفحہ ۳۰۳

سردار یار محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں کابل میں سید صاحبؒ کی ملاقات و زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ انھوں نے آپ کی قوتِ ایمانی، عالی حوصلگی، اُولُوالعزمی، آپ کے رُفقاء کی للّٰہیت و جاں نثاری اور اہلِ سرحد اور افغانی قبائل کی عقیدت و رجوعِ عام کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وُہ برابر سُن رہے تھے کہ مسلمان پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ سمہ میں پہنچ کر آپ کی مقبولیت اور مرجعیت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ یوسف زئی سردار، جو اپنی شرافت اور شجاعت میں ممتاز و نامور تھے، آپ کو اپنا امام اور امیر و قائد اور شیخ و مُرشد مان چکے ہیں۔ صُوبہ سرحد، جو ایک زمانۂ دراز سے انتشارُ بےنظمی کا شکار اور سِکھ فوجوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال اور زار و نزار ہے، ایک نئی قوت اور قیادت سے رُوشناس ہو رہا ہے، جس میں رُوحانیت و شجاعت، سیادت اور قیادت دونوں جمع ہیں اور افغانی علاقے کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور پُرکشش قیادت نہیں ہو سکتی۔ افغانی اپنی قوتِ مشاہدہ اور نفع و نقصان کے موازنے میں ہمیشہ سے فائق رہے ہیں۔ پشاور کے جہاں دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ سرداروں نے محسوس کر لیا کہ وُہ سید صاحب کی رفاقت اختیار کر کے اپنا کھویا ہُوا اقتدار حاصل کر سکتے ہیں اور قبل اس کے کہ یہ نئی طاقت اُن سے بےنیاز ہو کر کسی نئی سلطنت کی بُنیاد ڈالے اور سکھوں کو بےدخل کر کے اس پُورے علاقے کو اپنے اقتدار میں لے لے، اُن کو اس کے اندر اپنی جگہ بنا لینی چاہیے۔ سب سے پہلے ان کو ایک تجربہ کار و دُنیادار رئیس کی طرح اس کا اطمینان چاہیے تھا کہ یہ نئی تحریک اور نیا عَلَمِ جہاد محض وقتی جوش اور جرأتِ قلندرانہ نہیں ہے، جس کا صوبہ سرحد نے پچھلی مدت میں بار بار تجربہ کیا اور جو ہر مرتبہ پانی کی سطح سے اُبھرا اور حُباب کی طرح بیٹھ کر رہ گیا۔ سردار یار محمد خاں نے سید صاحبؒ کے نوشہرے پہنچنے کے چند ہی روز بعد سید صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس میں آپ کی فوجی قوت اور مالیات کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔ سید صاحبؒ نے اس کا جواب ۲۵ جُمادی الاُولیٰ ۱۲۴۲ھ کو نوشہرے سے دیا۔[1] اِس جواب سے یار محمد خاں کو سید صاحبؒ کے اِخلاص و للّٰہیت، بےغرضی اور بےنفسی اور عزم و پُختگی کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ یوسف زئی سرداروں کے دعوت نامے نے، جو افغانی

---

[1] ملاحظہ ہو مجموعۂ خطوطِ قلمی، صفحہ ۲۹۷۔

سرداروں اور والیانِ ملک کی نفسیات و مزاج کا پورا لحاظ کر کے لکھا گیا تھا۔ سید صاحبؒ کی رفاقت کے فیصلے میں مدودی سمہ کے علاقے نے سردارانِ پشاور اور پائندہ خیل امیروں کے اقتدار کو کبھی بخوشی منظور نہیں کیا تھا۔ ایک قلمی خط میں ہے: "ملک سمہ گاہے در قابوے او نبود"[1]۔ ممکن ہے، اس طرح سے سردارانِ پشاور کو اس کی بھی اُمید پیدا ہوئی کہ وہ سید صاحبؒ کی رفاقت کے ذریعے اس سرکش و خودمختار علاقے کو مستقل طور پر اپنے اقتدار میں لے سکیں گے۔ بہرحال ان دونوں بھائیوں نے سید صاحبؒ کو اپنی رفاقت و شرکتِ جہاد کی اطلاع کی اور سمہ کی طرف عنانِ عزیمت موڑی اور لشکر اور توپ خانے کے ساتھ پشاور سے نوشہرے کا رُخ کیا

سردارانِ پشاور کی آمد اور شیدو کی جنگ

سید صاحبؒ کو ہنڈ میں اطلاع ملی کہ سردار یار محمد خاں، سردار سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں توپخانے اور لشکر کے ساتھ نوشہرے سے پانچ کوس موضع سرائی[2] میں داخل ہوئے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں۔ ایک روز آپ خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں اور چار پانچ سو آدمیوں کے ساتھ اُن کی ملاقات کے لیے نوشہرے تشریف لے گئے۔ یہاں اُن تینوں سرداروں نے بھی امامت کی بیعت کی۔ آپ دو تین دن قیام فرما کر خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر ہنڈ کو روانہ ہو گئے

اُن دنوں لشکرِ مجاہدین میں اکثر لوگ بیمار تھے۔ غلّے کی بھی بے حد گرانی تھی۔ لوگوں کو کبھی پیٹ بھر روٹی ملتی تھی، اکثر نہیں ملتی تھی، یُوں ہی ساگ پات کھا کر رہ جاتے تھے

خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں نے غزا کے واسطے اطراف و جوانب سے مُلکی لوگ جمع کیے۔ ہنڈ سے کُوچ کی تیاری ٹھیری۔ پہلے روز ہنڈ سے کُوچ کر کے موضع جلسئی ڈیرہ کیا اور ایک یا دو مقام بھی کیے۔ دوسری منزل وہاں سے چل کر مصری بانڈے میں کی۔ صبح کو وہاں سے کُوچ کیا۔ نوشہرے میں آئے۔ دریائے لنڈہ کے پار دُرّانیوں کا ڈیرہ تھا۔ وہ پیادہ و سوار، بھیڑ وغیرہ ملا کر کوئی بیس ہزار کی جمعیت رکھتے تھے اور آٹھ توپیں اُن کے ساتھ تھیں۔ اس طرف نوشہرے میں سید صاحبؒ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا ڈیرہ تھا۔ یہ مُلکی بھی خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں کے ہمراہ اسّی ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔ آپ

---

[1] مجموعۂ خطوط قلمی ص۱۵۵

[2] اصل لفظ غالباً پیرپیائی ہوگا

نے نوشہرے میں دو تین مقام کیے۔ نوشہرے سے لشکر نے شیدو[1] کی طرف کوچ کیا۔ لشکر میں تقریباً لاکھ آدمیوں کی جمعیت تھی اور کوئی آٹھ دس ہزار فقط نشان تھے۔ ملکی لوگ دف بجاتے اور چار بیت گاتے، ننگی تلواریں ہلاتے اور اچھلتے کودتے جاتے تھے۔ جاتے جاتے جب موضع اکوڑہ کوس یا ڈیڑھ کوس رہ گیا، تو تمام لشکر نے ڈیرہ کیا۔

زہر خورانی سید صاحبؒ کا کھانا اور میوہ دونوں وقت درانیوں کے لشکر سے آتا تھا۔ رات کو سردار یار محمد خاں نے کھچڑی اور گنے کی گنڈیریاں ولی محمد اور نذر محمد کے ذریعے (جو یار محمد خاں کی طرف سے سید صاحبؒ کا کھانا لانے پر مقرر تھے) بھیجیں۔ آپ نے کھچڑی کھائی اور چند گنڈیریاں چوسیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ کی طبیعت بگڑ گئی۔ کبھی غشی آتی تھی، کبھی افاقہ ہوتا تھا۔ لشکر میں چرچا تھا کہ یار محمد خاں نے آپ کو زہر دلوایا ہے اور سب علامتیں زہر ہی کی ہیں۔ پچھلے پہر دو تین گھڑی رات رہے کوچ کا نقارہ ہوا۔ یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لیے اپنا ہاتھی بھیجا اور یہاں یہ حال تھا کہ آپ کبھی بیہوش ہو جاتے تھے، کبھی ہوشیار۔ استفراغ جاری تھا۔ ادھر خان مذکور کی طرف سے لحظہ بہ لحظہ تاکید آتی تھی کہ جلد حضرت کو لاؤ۔ لشکر روانہ ہوگیا۔ اس عرصے میں آپ کو قدرے ہوش آیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کی: "سردار یار محمد خاں کی طرف سے کئی آدمی آپ کو سوار کرانے کو آچکے ہیں۔ کیا ارشاد ہے؟" آپ نے فرمایا: "خیر بہتر ہے اور ہمارا سفید گھوڑا، جو فتح خاں نے ہم کو دیا ہے، شادل خاں گنج پورے والے سے کہو کہ اس پر سوار ہو کر فتح خاں کے ہمراہ جائیں اور باقی ہندوستانی سب کے سب ہمارے ساتھ رہیں۔"

یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لیے جو ہاتھی بھیجا تھا، اس پر آپ کو سوار کیا گیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خواصی میں بیٹھے۔ شیدو کے میدان میں جانب مغرب سردار یار محمد خاں کا لشکر پہاڑ کے متصل پرا باندھے کھڑا تھا، اس کی بائیں طرف سلطان محمد خاں کا لشکر تھا اور اس کی بائیں طرف سردار پیر محمد خاں کا لشکر اور اس کی بائیں طرف اور تمام خوانین یوسف زئی، فتح خاں، اشرف خاں اور خادی خاں وغیرہ اپنے اپنے لوگ لیے کھڑے تھے۔ اسی طرف سکھوں نے اپنے سنگر سے آگے بڑھ کر ایک ٹیلے میں چار مورچے چار جگہ لگائے تھے۔

---

[1] شیدو، اکوڑے سے تقریباً چار میل جنوب مشرق میں ہے، یعنی اٹک کی سمت میں۔ سید صاحبؒ کے زمانے میں یہ گاؤں موجودہ جگہ کی بجائے مشرق میں دریا کے قریب آباد تھا۔ شیدو کی لڑائی اس وقت ہوئی تھی، جب گاؤں پہلی جگہ آباد تھا۔ گاؤں کے جنوب مغرب میں میل ڈیڑھ میل پر خٹک کی پہاڑیاں ہیں۔ (سید احمد شہیدؒ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۹)

جب مُسلمانوں کا لشکر ان کے قریب پہنچا، تو وُہ نالے سے بندوقیں مارنے لگے اور باقی سکھ سنگر سے توپ سر کرنے لگے۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی توپیں چلنے لگیں۔

یار مُحمّد خاں کا فرار اس عرصے میں سردار سلطان مُحمّد خاں، پیر مُحمّد خاں اور فتح خاں نے اپنے اپنے سوار لے کر گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور جا کر وہ نالہ لیا، جہاں سکھوں نے اپنے چار مورچے قائم کر لیے تھے۔ اس نالے کے چاروں مورچوں کے سکھ بھاگ کر اپنے سنگر میں جا گھسے۔ موضع شَیدُو کی طرف سے گودڑی شاہزادہ اپنی جماعت اور باقی اَور غازی لے کر سنگر میں جا کُودا۔ اس عرصے میں غازیوں نے سکھوں پر کئی حملے کیے یہاں تک کہ اُن کی توپیں چلنا مَوقوف ہو گئیں اور صاف نظر آنے لگا کہ لشکرِ اسلام کو فتح ہوئی یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سید صاحبؒ کو اس کی مبارکباد بھی دی۔ سید صاحبؒ کی طبیعت اب بھی خراب تھی۔ کبھی ہوش آ جاتا تھا، کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب مَیدانِ جنگ سے الگ آپ کی خدمت میں تھے۔ سردار یار مُحمّد خاں اپنے سوار لیے ہوئے جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہا، اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ناگہاں توپ کا ایک گولہ سکھوں کی طرف سے سردار یار مُحمّد خاں کے قریب آیا جس سے کئی سوار اُڑ گئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر یار مُحمّد خاں نے پیچھے کو باگ پھیری اور فرار اختیار کیا۔ اُس کے بھاگتے ہی اُس کے تمام سوار بھاگ گئے۔ اس طرف مَیدان خالی دیکھ کر سکھوں کے دو تین ہزار سوار اپنے سنگر سے نکلے۔ یہ حال دیکھ کر سکھ آ پہنچے، نالے والے سواروں نے حملہ کیا اور ان میں جا کر گڈمڈ ہو گئے۔ کئی بار اُنھوں نے اُن کا حملہ پھیر دیا۔ اس عرصے میں ایک سوار نے پُکار کر کہا کہ یار مُحمّد خاں تو اپنے سوار لے کر بھاگ گیا۔ یہ خبر سُن کر سکھوں کے مقابلے سے یہ تمام سوار پیچھے ہٹے اور بھاگ گئے۔ سکھوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ یہ حال دیکھ کر گودڑی شاہزادہ مع جماعت موضع شیدُو میں مورچہ پکڑ کر بیٹھ گیا اور جم کر مُقابلہ کیا۔ وُہ اپنی جماعت کو لیے ہوئے ایک آہنی دیوار کی طرح مُقابلہ کرتا اور دادِ شجاعت دیتا رہا یہاں تک کہ شہادت پا کر سُرخروئی حاصل کی۔

جب یار مُحمّد خاں بھاگ گیا، تو لوگوں نے مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب سے عرض کیا کہ لڑائی بگڑ گئی، فدائیوں نے دغا کی اور حضرت کو ہوش نہیں ہے! جلد یہاں سے چلنے کی تیاری کیجیے۔ مولانا سید صاحبؒ

کو ہاتھی پر لیے ہوئے چلے۔ ہندوستانی آپ کے ہمرکاب تھے۔ کچھ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ فیلبان نے اپنے پیچھے دیکھا کہ سکھوں کے سوار بندوقیں مارتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ مولانا سے کہا کہ میں آپ کی خیرخواہی کے واسطے عرض کرتا ہوں کہ اس وقت حضرت کو تو گھوڑے پر سوار کرکے چند آدمیوں کے ہمراہ پہاڑ کی طرف، جو ایک گاؤں ہے، اُدھر کو روانہ کر دیجیے اور آپ سب جمعیت کے ہمراہ اسی ہاتھی پر سوار رہیے کیونکہ سکھوں کے جو سوار آرہے ہیں، عجب نہیں کہ اسی ہاتھی کے اوپر حضرت کا خیال کرکے آئیں۔ یہ سن کر مولانا نے ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کرنا چاہا۔ اس اثنا میں آپ کو قدرے ہوش آیا۔ پوچھا کہ مولانا صاحب لڑائی کا کیا طور ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یار محمد خاں نے دغا کی، لڑائی بگڑ گئی۔ اس وقت یہ صلاح ہے کہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف تشریف لے جائیں اور میں اس ہاتھی پر لوگوں کو لیے ہوئے اور طرف سے آپ کے پاس آتا ہوں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر چند ہندوستانیوں کے ساتھ پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔

زخمی اور بیمار تورو میں مجاہدین کے پیچھے موضع شیدو میں توپ اور شاہین چلتی رہی۔ زشہرے میں مجاہدین نے اونٹوں پر کجاوے کس کر (جن کو سید صاحبؒ نے شیدو کی جنگ سے پہلے تیاری کا حکم دیا تھا) اور خچروں اور ٹٹوؤں کو تیار کرکے زخمیوں اور بیماروں کو سوار کیا اور موضع تورو میں لے گئے۔ بہادر خاں رئیس تورو نے اپنی گڑھی کا مکان خالی کرا کے بیماروں کو اُتارا اور جانوروں کے لیے حکم دیا کہ ہمارے کھیتوں میں چھوڑ دو۔

سید صاحبؒ سے محبت اس بستی کی تمام عورتیں آئیں اور لوگوں سے پوچھنے لگیں کہ کہو، سید بادشاہ کہاں ہیں۔ باوجودیکہ اُن کے تمام اعزّا و اقربا بھی اس لڑائی میں گئے تھے، مگر اُن کے متعلق کوئی عورت نہیں پوچھتی تھی۔ ہر ایک دُعا دیتی تھی کہ الٰہی، سید بادشاہ کو صحیح سلامت رکھ!

سردار بہادر خاں نے مجاہدین کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بھائیو، میں تمھارا خادم اور خیرخواہ ہوں، پر کیا کروں، عاجز و ناچار ہوں۔ سکھوں کے آنے کی اس طرف خبر ہے اور میں اُن کے مقابلے کے لائق نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم اپنے بیماروں کو یہاں سے جلد نکال کر اور کہیں امن کی جگہ میں لے جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرات تورو سے

پنجتار کے لیے روانہ ہو گئے ۔

سید صاحبؒ محفوظ مقام پر ہندوستانی سید صاحبؒ کو چارپائی پر لیے ہوئے گھاٹ پر آئے۔ گھاٹ پر بکثرت مُلکی بھی تھے اور دُرّانیوں کے لوگ بھی تھے۔ مُلکی کہتے تھے کہ ہم پہلے اُتریں اور دُرّانی کہتے کہ ہم اُتریں۔ اس ردّوبدل میں دُرّانی سید صاحبؒ کی چارپائی کشتی پر نہیں رکھنے دیتے تھے۔ بیچارے ہندوستانی شش و پنج میں تھے۔ پیچھے سے سکھوں کی آمد کی خبر بھی گرم تھی۔ اس عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ گھاٹ پر مسلّح آپہنچے اور سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر کشتی سے اُتار دیا۔ وہ شور و غل کرتے رہے۔ آپ نے جلد سیّد صاحبؒ کی چارپائی کشتی پر رکھ دی اور اپنے سب لوگ مل کر کشتی پر سوار ہوئے اور پار اُتر گئے۔ چارسدے کے سادات سیّد صاحبؒ اور ہندوستانیوں کو اپنے مکان پر لے گئے۔ سیّد صاحبؒ کو جب کچھ ہوش آتا، تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پوچھتے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ اُن کو تسلّی دیتے کہ اللہ کا فضل ہے، آپ کچھ اندیشہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس صدمے سے مجھ کو زندہ رکھے گا۔

چارسدے کے سیدوں نے یہ مشورہ کیا کہ سیّد صاحبؒ کو یہاں سے موضع مچی، جبلالا اور موضع پلئی کی طرف لے جائیں اور موضع باغ میں ہو کر موضع چنگلئی کو پہنچا دیں۔ رات رہے سیّدوں نے اپنا ایک رہبر ہمراہ کر کے اس طرف روانہ کیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سیّد صاحبؒ کو لے کر جماعت کے ساتھ موضع باغ میں مع الخیر پہنچ گئے۔ صبح کو سردار فتح خاں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے مشورہ کر کے سیّد صاحبؒ کو تمام مجاہدین سمیت موضع چنگلئی میں جو باغ سے ڈھائی یا تین کوس ہے لے گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جو لوگ سیّد صاحبؒ کو اُترنے نہیں دیتے تھے، اُن کو یار محمد خاں نے بھیجا تھا کہ تم گھاٹ پر ایسا شور و فساد مچانا کہ پہر ڈیڑھ پہر کا وقفہ اُن کے اُترنے میں ہو جائے۔ تب تک سکھوں کے سوار جا پہنچیں گے۔ تم الگ کے الگ رہو گے۔ وہ خود سیّد صاحب سے جیسا چاہیں گے، سمجھ لیں گے۔

رضا بالقضا اور دُعا موضع چنگلئی میں کئی روز کے بعد سیّد صاحبؒ کو بخوبی ہوش آیا۔ آپ نے لوگوں کو غمگین اور اُداس دیکھ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، کیا حال ہے اور یہ تمام ہمارے مجاہدین بھائی کیوں اُداس اور غمگین ہیں؟ جس روز سے آپ کو بے ہوشی ہوئی تھی، مولانا نے اس وقت تک

کا حال، جو بیان کرنے کے قابل تھا، بیان کیا۔ آپ نے پوچھا: ہمارے اور مجاہدین بھائی کہاں ہیں؟" مولانا نے کہا کہ پنجتار اور تورو میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب کو یہاں بلوا لو اور فرمایا کہ مولانا صاحب، ہمارے سب مجاہدین بھائیوں کی تسلی اور دلجمعی کیجیے کہ یہ جو کچھ حال ہم پر اور سب بھائیوں پر گزرا، کچھ جناب الٰہی میں ہم لوگوں سے خطا اور بے ادبی ہوئی ہے، اسی کا یہ بدلہ ہے، اور یہ بھی ایک امتحان الٰہی تھا۔ وہ سبحانہٗ تعالیٰ ایسی ایسی آزمائشوں پر ہم لوگوں کو اور ہمارے مجاہدین بھائیوں کو ثابت قدم رکھے اور ہماری تکلیف کو راحت سے بدل دے، اور ان لوگوں کا زہر دینا بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہم سے ادا ہوئی۔

پھر آپ نے ننگے سر ہو کر جناب باری میں الحاح و زاری کے ساتھ دعا کی کہ "الٰہی! یہ ہم سب تیرے بندے ذلیل و خاکسار، عاجز و ناچار ہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ محض تیرے ہی فضل و کرم کے امیدوار ہیں۔ ہم تیری آزمائش و امتحان کے قابل نہیں۔ ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ۔ اپنی رحمت سے معاف کر اور ہم کو اپنی راہِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں، ان کو ہدایت کر۔ اسی طرح کے الفاظ بار بار کہے۔ لوگ "آمین! آمین!" کہتے تھے۔ دعا کے بعد آپ نے سب کو تسلی اور دلاسا دیا کہ بھائیو، مت گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔

پنجتار کے سب غازی بھی بلائے گئے اور تمام اسی بستی میں آکر جمع ہوئے۔ بیس پچیس آدمی جو موضع تورو میں میاں عبد القیوم صاحب بہادر خاں کے پاس چھوڑ آئے تھے، ان کو بھی آپ نے وہیں بلوا لیا۔

کھانے کی تنگی اور مجاہدین کا مجاہدہ

مجاہدین کے لیے یہ بڑے ابتلا کا زمانہ تھا۔ گنتی کے چھ سات آدمی تو تندرست تھے، باقی سب بیماروں کی خدمت کرتے تھے۔ کھانے کی تنگی کا یہ حال تھا کہ ایک مٹھی مکئی ہر آدمی کو ملتی تھی۔ تندرست لوگ اس کو چکی میں پیس لاتے اور لپٹا پکا کر مریضوں کو کھلاتے اور خود کھاتے۔ ایک ترش تین پتی کی گھاس ہوتی تھی، جس کو فارسی میں سہ برگ کہتے ہیں؛ اس کو پیس چھان کر تھوڑا سا نمک ملا کر ان مریضوں کو پلاتے تھے۔ یہی دوا تھی۔ کسی دن وہ ایک مٹھی مکئی بھی نہ ملتی۔ اس دن گھاسوں کی پتیاں، جو بے مزہ نہ ہوتیں اور پکانے میں گل جاتیں، جنگل سے توڑ لاتے اور بڑی بڑی ہانڈیوں میں نمک ڈال

کر اُبلتے اور اُن مریضوں کو کھلاتے اور خود بھی کھاتے۔ کسی روز ایک بیمار مرتا، کسی روز دو، کسی روز تین، تار بندھا تھا۔ جو مر جاتے، اگر اُن کی کوئی چادر ہوتی، تو اسی کو پاک کر کے اس میں لپیٹ کر دفن کرتے۔ کئی جانمیں بھی دُھلی ہوئی رکھی تھیں۔ اگر مرنے والے کے پاس کوئی چادر بھی نہ ہوتی، تو انھیں جانموں میں سے ایک چادر پھاڑ کر اُس کے کفن کا انتظام کرتے تھے۔ جب متواتر فاقے ہوئے، تو ایک مرتبہ ایک پگڑی اور ایک تھان بیچ کر چند روز گزارا کیا۔ اس کے بعد پھر فاقے کی نوبت آگئی۔ اس عرصے میں فتح خاں پنجتاری کو اطّلاع ہوئی۔ اُنھوں نے چند روز کے لیے غلّے کا اِنتظام کر دیا۔ اس عرصے میں ایک چھوٹا سا ہندوستانی قافلہ آ گیا۔ اُنھوں نے وہ روپے، جو جماعت کے لیے لائے تھے، حوالے کیے۔ اسی طرح جب تک سید صاحبؒ تشریف لائے، کام چلتا رہا۔

مرنے والوں میں، جن کے نام معلوم ہیں، ایک مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کے چھوٹے بھائی مولوی طالب علیؒ تھے؛ دوسرے عبد اللہ بسم اللہ تھے، جو پہلے مخنّثوں کے طائفے میں شامل تھے، پھر لشکرِ مجاہدین میں شامل ہوئے اور مردانہ وار راہِ خدا میں جان دی۔

جنگِ شیدو اور یار محمّد خاں کا طرزِ عمل جنگِ شیدو کے موقع پر اسلامی افواج کی اتنی بڑی جمعیت فراہم ہو گئی تھی کہ جو نہ صرف سردار بدھ سنگھ کی فوج کو شکست دینے کے لیے، بلکہ پُورے صوبۂ سرحد کو سکھّوں سے آزاد کرانے کے لیے بھی کافی تھی۔ مسلمان تقریباً ایک لاکھ تھے، جن میں اسلامی ہند کا جاں نثار اور شوقِ شہادت میں سرشار عنصر بھی تھا، جو کئی ہزار میل کا سفر طے کر کے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے آیا تھا۔ ان میں یوسف زئی سرداروں کی فوجی طاقت بھی تھی، جو ستّر اسّی ہزار افراد پر مشتمل تھی اور ان سب کے علاوہ سردارانِ پشاور کی کار آزمودہ فوج بھی تھی۔ اگر سردارانِ پشاور اس موقع پر اِخلاص اور تعاوُن سے کام لیتے اور کچھ بھی ثابت قدمی اور استقامت دکھاتے، تو نہ صرف میدانِ جنگ کا، بلکہ ہندوستان کا نقشہ ہی دُوسرا ہوتا۔ لیکن عین اُس وقت جب کہ معرکۂ کارزار گرم تھا اور سکھ فوجیں پسپا ہو رہی تھیں، انھوں نے میدانِ جنگ سے علیحدگی اختیار کی اور نہ صرف خود میدان سے فرار اختیار کیا، بلکہ سیّد صاحبؒ کے ساتھ (جو جماعتِ مسلمین کے امام اور عساکرِ اسلامیہ کے قائدِ عام اور اس پُورے سلسلے کے رُوحِ رواں تھے) ایسا معاملہ کیا کہ نہ صرف

اس معرکے میں تزلزل و انتشار پیدا ہوا، بلکہ قریب تھا کہ پورا سلسلۂ دعوت و جہاد، جو صدیوں کے بعد اپنی صحیح شکل میں ہندوستان میں پیدا ہوا تھا، درہم برہم ہو جائے۔

یار محمد خاں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ اس قدر جلد اس کی طبیعت میں برگشتگی کیوں پیدا ہوئی؟ اُس کے حالات و مزاج سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ابتدا سے سید صاحبؒ اور اُن کے مقاصد سے خلوص نہ تھا۔ سید صاحبؒ تو یار محمد خاں کے لیے محض اجنبی اور پردیسی تھے اور اُن کی رفاقت کے لیے سوائے خلوص اور دینی جذبے کے کوئی اور محرک نہ تھا اور اس کا یار محمد خاں کے یہاں فقدان تھا۔ اس نے اپنے ذاتی اقتدار اور مصلحتوں کے مقابلے میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی وفاداری اور رفاقت کا معاملہ نہ کیا اور ہمیشہ لاہور کی سکھ حکومت سے اظہارِ وفاداری اور اپنی کاربرآری کرتا رہا۔ اس نے اپنے سیاسی و ملکی مصالح کی بنا پر سید صاحبؒ کی رفاقت کا فیصلہ کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شیدُو کی جنگ سے پہلے سردار بُدھ سنگھ نے اُس کو ملا لیا اور یہ منصوبہ تیار ہو گیا کہ وُہ عین معرکے میں میدانِ جنگ سے اپنی فوجوں کو لے کر علٰحدہ ہو جائے گا۔ سردار بُدھ سنگھ کے لیے ایک مُذبذب، موقع پرست، دُنیادار رئیس کو دُنیوی منافع کی لالچ دے کر اور اس جنگ کے عواقب سے ڈرا کر توڑ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ زہر خورانی کا واقعہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے۔ شیدُو اور اس کے گرد و نواح میں اس کی عام شہرت تھی۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب نے (جو ۱۰ر ذی قعدہ ۱۲۴۲ھ کو لشکر میں پہنچے ہیں) پنجتار سے اپنے دوستوں اور متعلقین کو جو خط لکھا ہے، اس میں یہی تذکرہ کیا ہے[1]۔ خود سید صاحبؒ نے بھی متعدد خطوط میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے[2]۔ معاصر مورخوں میں سے لالہ سوہن لال "عمدۃ التواریخ" میں لکھتے ہیں:

منقولِ السنۂ باشندگانِ آں روئے آب اٹک است کہ عالی جاہ یار محمد خاں بپاسِ ارتباط اتحادِ سرکارِ دولت مدار در عینِ اشتعالِ نائرۂ جدال و قتال احمد شاہ را شربتِ شیرین	دریائے اٹک کے اس پار رہنے والوں کے زبان زد ہے کہ عالی جاہ یار محمد خاں نے اس اتحاد و یگانگت کی بنا پر، جو اُن کو سرکارِ دولت مدار (مہاراجہ) سے ہے، عین معرکۂ کارزار میں احمد شاہ

---

[1] مجموعۂ خطوط قلمی صـ۲۳۰
[2] ایضاً صـ۵۹ و صـ۲۰۶

سِم قاتل نوشانیدہ قرار بر فرار دادند و تمامی	(سید صاحب) کو زہر پلا دیا اور میدانِ جنگ
لشکریان نیز بمتابعتِ او پرداختند۔[1]	کو چھوڑ کر چلا جانا طے کیا۔ ان کے تمام لشکریوں
	نے بھی اُن کی تقلید کی۔

جنگِ شیدو کے نتیجے پر دربارِ لاہور کی مسرت

یوسف زئی اور دُرّانی سرداروں کے اس اتحاد اور مجاہدین کی اس جمعیت سے (جس کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اطلاع ملتی رہتی تھی) لاہور میں بڑی تشویش اور خطرہ محسوس کیا جاتا تھا۔ اس جنگ کے نتیجے پر سکھ حکومت کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار تھا۔ یار محمد خاں کی بے وفائی نے جب جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور مسلمانوں کی فوج (جس سے تعداد میں بڑی فوج سکھوں کے مقابلے میں کبھی جمع نہیں ہوئی) منتشر اور پراگندہ ہو گئی، تو لاہور میں بڑی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا گیا اور خوشی میں چراغاں ہوا اور توپیں سر کی گئیں۔ لالہ سوہن لال لکھتے ہیں:

سرکارِ دولت مدار بعد از استماعِ این خبر	سرکارِ دولت مدار نے یہ مبارک خبر سُن کر حکم
میمنت اثر شلیک توپخانہ کنانیدہ، منادی در شہر	دیا کہ توپیں سر کی جائیں۔ شہر میں منادی ہوئی
جلوۂ ظہور پذیرفت کہ از روشنائی چراغاں	کہ بڑے اہتمام کے ساتھ چراغاں ہو۔ چنانچہ
دیدۂ بینندگان را روشن سازند موافقِ حکمِ عالی	فرمانِ شاہی کے مطابق شہر میں بڑے زور
ہنگامِ شب روشنائی بکمال لطافت و زیبائش	کا چراغاں ہوا۔
رونق اطلاق یافت۔[2]	

مہاراجہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ انھوں نے اس واقعہ کی خوشی میں جشن منایا اور ہزاروں روپے تقسیم کیے۔ دیوان امرناتھ لکھتے ہیں:

چراغاں در لاہور و تمامی ممالکِ محروسہ شُد و	لاہور اور تمام ممالکِ محروسہ میں چراغاں ہوا۔
سرکارِ والا ہزارہا بر محتاجین و فقرا ایثار کردہ	سرکار نے ہزاروں روپے محتاجوں اور فقرا پر
جشنِ شاہانہ فرمودند۔[3]	تقسیم کیے اور جشنِ شاہانہ منایا۔

---

[1] عمدۃ التواریخ، دفترِ دوم ص۳۴۰ [2] ایضاً ص۳۴۱ [3] ظفرنامۂ دیوان امرناتھ، ص۱۷۱

دُوسرا باب

بونیر و سوات کا دَورہ

چمله و بونیر شیدو کے غیر متوقع و دل شکن واقعے سے سیّد صاحبؒ کے عزم و ہمت اور حرارتِ جہاد کے انہماک میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ چنگلئی میں آپ نے ایک مہینہ گزارا، جس کا ابتدائی حصّہ علالت کے اثرات اور ان سے مکمل افاقے میں گزرا۔ مہینہ گزرتے ہی آپ نے بونیر و سوات کا دَورہ شروع فرما دیا۔

چنگلئی سے آپ علاقہ چمله کو روانہ ہوئے۔ اس علاقہ میں کرگا نام ایک بستی ہے۔ ظہر کے وقت اس میں تشریف فرما ہوئے۔ وہاں سے تھوڑی دُور سیّدوں کی ایک بستی نادگئی تھی۔ وہاں کے رئیس سیّد حسن رسول صاحب بہت لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے۔ دُوسرے خوانین اور اطراف و جوانب کے سردار بھی روزانہ ملاقات کو آتے رہے اور بیعت سے مشرف ہوتے رہے۔ چار روز آپ نے کرگا میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے علاقۂ بونیر کی طرف روانہ ہوئے۔ شام کو دامن کوہ میں ایک بستی میں قیام کیا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر تختہ بند کا رئیس سیّد میاں آپ کو لینے کو آیا اور صبح کو آپ کو اپنی بستی میں لے گیا اور اپنے مکان پر اُتارا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اس نواح کے بہت سے خوانین اور سردار ملاقات کو آئے۔ مجاہدین اور اُن لوگوں کو ملا کر پانچ چھ سو کی جمعیت ہو گئی۔ سیّد میاں اور اُن کی برادری والوں نے اس جمِ غفیر میں سب کے سامنے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن کے بعد اس نواح کے خوانین اور رُؤسا میں سے جو اُس

وقت حاضر تھے۔ دو ڈھائی سو آدمیوں نے بیعت کی اور سب نے کہا کہ ہم جان و مال سے آپ کے فرماں بردار ہیں؛ جو آپ فرمائیں، ہم بسر و چشم بجا لائیں۔

سُوات آپ نے تختہ بند میں چار روز قیام کیا۔ اسی عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور شیخ سعد الدین پھلتی، جو زخمی تھے، بیمار ہو گئے۔ ان دونوں صاحبوں کو آپ نے تختہ بند میں چھوڑا۔ باقی لوگوں کو لے کر آپ علاقۂ سوات کی طرف روانہ ہوئے۔ موضع ائی، تُورسک، جُوڑ[1] ٹھیرتے ہوئے کڑاکڑ پہاڑ کی چڑھائی چڑھ کر اس کی چوٹی پر گئے، جہاں سے علاقۂ بونیر کے مواضعات صاف نظر آتے تھے اور دوسری طرف علاقۂ سوات کی ایک ایک بستی دکھائی دیتی تھی۔ پھر اُس پہاڑ سے اُتر کر علاقۂ سوات میں داخل ہوئے۔ شاخیوں کے ایک موضع[2] میں سے ہوتے ہوئے، جو پہاڑ سے اُترنے پر ملا، موضع نری کوٹ، موضع تھانہ میں قیام فرمایا۔ وہاں سے موضع اُچ کے سادات میں سے بہت سے لوگ آپ سے ملنے کو آئے اور اپنی بستی میں لے گئے۔ اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

موضع اُچ میں آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ اس عرصے میں مولوی محمد یوسف صاحب بیمار ہو گئے۔ موضع کوٹی گرام کے سادات آپ کو لینے کو آئے تھے۔ آپ مولوی محمد یوسف صاحب کو بھی اپنے ساتھ کوٹی گرام میں لے گئے۔

مولوی قلندر صاحب کا قافلہ چوتھے یا پانچویں دن مولوی قلندر صاحب کا ستر اسّی آدمیوں کا قافلہ کوٹی گرام پہنچا۔ آپ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مصافحہ و معانقہ کیا اور ہندوستان کا حال پوچھا۔ پھر آپ نے سر کھول کر بطورِ معمول دیر تک دعا کی۔

نمازِ عید اور قاضی احمد اللہ صاحب کا قافلہ کوٹی گرام میں آپ نے نمازِ عید پڑھی اور دیر تک دعا کی۔ یہ ۱۲۴۲ھ کی عید الفطر تھی۔ آپ جب تک اس بستی میں رہے، صدہا لوگوں کو ہدایت ہوئی۔ وہاں زیرِ سوات کے علاقے کے لوگ بھی حاضر تھے۔ انھوں نے اپنے یہاں آپ کو لے جانے کی درخواست کی۔ عید کے تیسرے دن آپ نے

---

[1] یہ سالار زئی پٹھانوں کی بستی ہے۔ نواب امیر خاں بانیِ ریاستِ ٹونک اسی قبیلے اور اسی بستی سے تعلق رکھتے تھے۔

[2] شاخیوں کی اس بستی کا نام "تاڑگئی" ہے۔

کوٹلی گرام سے کوچ فرمایا اور بر سوات کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں موضع اُچ کی دوسری بستی میں تین دن قیام فرمایا۔ وہاں سے روانگی پر راستے میں قاضی احمد اللہ صاحب کا قافلہ ملا۔ قافلے میں ساٹھ ستر آدمی تھے۔ آپ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہر ایک سے مصافحہ و معانقہ کیا اور مزاج پرسی کی۔ یہاں جن بستیوں کے درمیان تپنہ داری (گروہ بندی) تھی، اُن کے درمیان مصالحت فرمائی۔ اسی دوران میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی تندرست ہو کر قافلے میں شامل ہو گئے۔ جمعدار عبدالحمید خاں جن سے ٹونک میں ملاقات ہوئی تھی، چند آدمیوں کے ساتھ آکر آپ سے ملے۔

مولوی محمد یوسف صاحب کی وفات مولوی محمد یوسف صاحب نہایت علیل تھے، مگر ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک جگہ اُن کی وفات ہو گئی۔ سید صاحبؒ کو بہت ہی رنج ہوا۔ دیر تک اُن کی خوبیاں اور بزرگیاں بیان فرماتے رہے۔ پھر اُن کے واسطے دعائے مغفرت کی اور اُن کی نعشِ مبارک لانے کے لیے چھلت کے چند آدمیوں کو بھیجا۔ سید رستم علی صاحب نے عرض کیا کہ وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بستی میں ایک بڑے ولی کا مزار پُر انوار ہے۔ وہیں پر مولوی صاحب کو دفن کرو۔ اُن کے ہمسایے میں اُن کو بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب آپ اللہ کے ولی ہیں۔ ہم اُن کو اسی بستی میں دفن کریں گے۔ اُن کی برکت سے یہاں کے مُردوں کو فائدہ ہوگا۔ پھر وہ صاحبان وہاں سے نعشِ مبارک لائے اور تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ کے بعد اس بستی کے گورستان میں دفن کیا۔ مولوی محمد یوسف صاحب کے انتقال کا ہر شخص کو بڑا رنج تھا، خصوصاً چھلت والوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس لیے کہ وہ اُن پر باپ سے زیادہ شفیق تھے۔

مولوی رمضان صاحب کا قافلہ بستی باندہ میں رشکی والے مولوی رمضان صاحب سَو آدمیوں کا قافلہ لے کر آئے اور آپ سے ملے۔

منگورے میں آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ وہاں سے منگلور (پرگنہ بابوزئی) ہوتے ہوئے آپ چار باغ آئے، جو اس نواح میں بڑا آباد اور پُر رونق شہر تھا۔ بستی میں آپ کی آمد پر نقارہ ہوا۔ وہاں کے ملک اور خوانین آئے۔ دعوتوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ ایک وقت میں کئی کئی جگہ دعوت ہوتی اور مجاہدین میزبانوں کی خوشی کے لیے سب جگہ تھوڑا تھوڑا کھا لیتے۔ تین دن میں صدہا آدمیوں نے بیعت کی۔

گُگی باغ کے سرداروں نے کوس، سوا کوس باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا۔ مُلّا اپنی زبان پشتو میں آپ کی سواری کے آگے آگے آپ کے فضائل بیان کرتے ہوئے چلتے تھے۔ گُگی باغ کے ملک اور خوانین بیعت سے مشرّف ہوئے۔

شاہِ چترال کو تحفہ خواجہ خیل بستی میں چند لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ سے کاشکار (چترال) کی باتیں کہنے لگے کہ وہاں کا بادشاہ بڑا دیندار اور غازی ہے۔ اکثر اپنے ملک کے کفّار و روافض سے جہاد کیا کرتا ہے۔ اگر آپ اس ملک میں تشریف لے جائیں، تو خوب ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں ہم سے اپنی رضامندی کا کام لے۔ یہاں بھی جہاد موجود ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، وہاں بھی دعوتِ جہاد اور ترغیبِ خدا کے واسطے اپنے چند آدمی بھیجیں گے۔

خواجہ خیل سے آپ نے خونے کی طرف کوچ فرمایا۔ وہاں کے ایک سیّد اور رئیس، جو بڑے پیرزادے بھی تھے، آپ کو اپنی بستی میں لے گئے اور اپنا مہمان کیا۔ رفقاء اُن کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ وہیں سے آپ نے اخوند فیض محمد کو کئی آدمیوں کے ساتھ کاشکار کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے بادشاہ کے لیے ایک قرآن مجید، پستول کی ایک جوڑی اور ایک پیش قبض تحفے کے طور پر بھیجے۔

خونے سے روانہ ہو کر موضع اشالہ[1]، درشت خیل، خنجرہ، شکر درہ، بانڈہ ہوتے ہوئے، دریا اُتر کر چار باغ میں داخل ہوئے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کی آمد چار باغ میں آپ کو اطلاع ملی کہ مولانا عبدالحی صاحب موضع چکدرہ میں مع الخیر داخل ہوئے۔ صبح کو، کچھ دن رہے، سیّد صاحبؒ نے بیس پچیس غازی، جن میں اکثر پلٹن والے تھے، کہاروں کے ساتھ مولانا کو لانے کے لیے بھیجے۔ یہ لوگ چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اُدھر سے مولانا دریا پر پہنچ گئے۔ سیّد صاحبؒ کو اطلاع ہوئی۔ آپ استقبال کے لیے دریا پر تشریف لائے۔ مصافحہ و معانقہ ہوا۔ مولانا نے آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔ سیّد صاحبؒ کو مولانا سے ملنے کا کمال اشتیاق تھا، اُدھر مولانا صاحب کو آپ سے ملنے کی بے حد آرزو تھی۔ وہاں سے باتیں کرتے ہوئے آپ

---

[1] اشالہ فتح پور اور خواجہ خیل کے درمیان ہے۔ (سیّد احمد شہید، ج ۱، ص ۴۲۶)

چار باغ کو آئے اور مولانا کو علیحدہ مکان میں اُتارا۔

چار باغ سے بنگورہ ہوتے ہوئے آپ ہوڈی گرام تشریف لائے۔

میاں مقیم کا قافلہ ہوڈی گرام میں میاں مقیم صاحب رامپوری تیس چالیس آدمیوں کے قافلے کے ساتھ پہنچے۔ وُہ اپنے ساتھ کچھ نقد روپیہ اور کئی ضرب قرابین لائے تھے۔ وُہ اُنھوں نے نذر کیں اور آپ کے دستِ مُبارک پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بیعتِ ہدایت اور بیعتِ جہاد کی۔ جیسے اس قافلے کے رگ چالاک اور چُست اور سلاح و پوشاک سے دُرست تھے، ایسے جوان کسی قافلے کے نہیں تھے۔ جُرأت و شجاعت میں یکتا اور بانکے ترچھے ایسے تھے کہ کھانسی اور تھوکنے پر تلوار مارتے تھے۔ مگر جس وقت سے اُنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، ایسے صالح و پرہیزگار اور غمخوار و بُردبار ہو گئے کہ جو کوئی چار باتیں اُن سے ناحق کہتا، وُہ دیدہ و دانستہ پی جاتے اور کوئی کلام بیجا زبان پر نہ لاتے۔

پنجتار کو واپسی ہوڈی گرام سے بری کوٹ ہوتے ہوئے کڑاکڑ کی چڑھائی کے کنارے شافعیوں کی بستی میں کچھ دیر ٹھیرتے ہوئے چُوڑ، تورسک، موضع باجا، شل بانڈی، تختہ بند، کرگا ہوتے ہوئے چنگلئی تشریف لائے۔ وہیں آپ نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی اور قربانی کی۔ وہاں سے پنجتار کا رُخ کیا۔ فتح خاں کو خبر ہوئی۔ وُہ چند سواروں کے ساتھ استقبال کو آیا اور باتیں کرتے کرتے اپنے ہمراہ پنجتار میں لے گیا۔ اس کے گرد سنگین کوٹ ہے۔ اس کے باہر ایک دیوان شاہ کا باغ مشہور تھا، وہیں سب لوگ اُترے۔ سید صاحبؒ نے بھی وہیں قیام فرمایا۔ کئی سفری ڈیرے خیمے تھے؛ وہ کھڑے کیے گئے۔

دَورے پر ایک نظر بونیر و سوات کا یہ دَورہ تبلیغ و دعوت، افادہ و ہدایت اور جہاد کی تبلیغ و تحریض کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ اس دَورے میں اللہ کے ہزاروں بندوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت توبہ و جہاد کی اور آپ سے اور آپ کے خُلفا سے باطنی فیوض حاصل کیے اور اُن کی خدا پرستانہ و سرفروشانہ زندگی دیکھی۔ بہت سے قبائل میں، جن میں سخت کینہ داری اور نزاع و مناقشہ تھا، مصالحت ہوئی۔ چنگلئی میں مہینہ بھر جس تنگی اور عُسرت اور بیماری کی حالت میں فاقے کے ساتھ وقت بسر ہوا، یہاں اُسی قدر فراغت اور آسودگی رہی۔ آپ جس وقت علاقہ چلہ کو روانہ ہوئے تھے، پہاڑ کی چوٹی پر آپ نے ننگے سر ہو کر دیر تک بہت گریہ زاری

کے ساتھ دُعا کی تھی۔ دُعا کے بعد فرمایا تھا کہ جنابِ باری میں دُعا قبول ہوئی اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہماری تکلیف دُور کی اور اپنا فضل ارزانی فرمایا۔ اس سفر میں ہر جگہ دُعا کی قبولیت کے آثار نظر آئے۔ اسی دَورے میں ہندوستان سے تازہ دم مُجاہدین اور سراپا اشتیاق مخلصین کے چار قافلے پہنچے، جن میں مجموعی طور پہ پونے تین سَو کے قریب مجاہدین تھے اور مولوی قلندر صاحب، قاضی احمد اللہ صاحب، جمعدار عبدالحمید خاں، مولوی رمضان صاحب، میاں مقیم رامپوری جیسے ممتاز حضرات تھے، جنھوں نے بعد کی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور آخر وقت تک رفاقت کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی سفر میں مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی تشریف لائے جن کا خود سیّد صاحبؒ کو بڑا اشتیاق و انتظار تھا۔ غرض، بونیر و سوات کا یہ دَورہ جماعت کے دائرے کی توسیع، مقاصدِ جہاد کی اشاعت اور مجاہدین کی تقویت کا پورا سامان رکھتا تھا اور نفسیاتی اور انتظامی حیثیت سے اس کی بڑی ضرورت تھی

خوشا وقتِ شوریدگانِ غمش
اگر ریش بینند وگر مرہمش

تیسرا باب

پنجتار کا مرکزِ مجاہدین

پنجتار کی اسلامی چھاؤنی جنگِ بازار کے بعد جب آپ ہُنڈ کے قریب مقیم تھے، خدو خیل کے سردار فتح خاں پنجتاری نے بیعت کی تھی اور پنجتار کو، جو علاقہ سوات کے قریب پہاڑوں کے بیچ میں ایک محفوظ مقام تھا، مرکز بنانے کی دعوت دی تھی۔ اس کے بعد ہی شَیدُو کا معرکہ پیش آیا اور آپ کو اور رُفقاء کو ایک مہینہ چِنگلئی میں قیام کرنا پڑا۔ اس کے بعد آپ نے بُنیر و سوات کا دَورہ فرمایا اور اس میں تقریباً تین مہینے لگ گئے۔ اس دَورے کے اختتام اور سفر سے واپسی پر آپ نے پنجتار ہی کا رُخ فرمایا۔ مجاہدین کے قیام، رُفقاء کی تعلیم و تربیت اور مجاہدانہ نقل و حرکت کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور مقام نہ تھا۔ اسی مقام کو بالآخر طویل ترین عرصے کے لیے سیّد صاحبؒ اور آپ کے رُفقاء کا مُستقر، اسلام کی چھاؤنی اور مرکزِ اصلاح وارشاد بننے کی سعادت حاصل[1] ہوئی اور یہاں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا صحیح نمونہ اور عبادت و مجاہدہ، اُخوّت و مساوات، خدمت و مواسات، ایثار و ہمدردی، سادگی و بے تکلّفی اور محنت و جفاکشی کے ایسے جیتے جاگتے مناظر دیکھنے میں آئے، جو قرونِ اُولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یہاں پر اُس زندگی کی، جو کم سے کم ہندوستان کی سرزمین

---

[1] صوبۂ سرحد کے زمانۂ قیام میں کسی مقام کو اس طرح مسلسل اور اتنے طویل عرصے کے لیے سیّد صاحبؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مستقر و مرکز بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

پر صدیوں کے بعد وجود میں آئی تھی۔ مختلف روایات و بیانات اور خطوط کی مدد سے ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مولانا عبدالحیؒ نے اپنے ہندوستانی احباب کو پنجتار سے اپنی خیریت کا خط لکھا ہے جس میں وہاں کے بہت سے حالات بھی تحریر میں آگئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

سرحد میں مجاہدین کی نوآبادی

"ان دنوں ۱۱ ذی الحجہ سے آج پنجشنبہ ۲۲ ذی الحجہ تک حضرت کا قیام پنجتار میں ہے۔ یہاں کا رئیس فتح خاں نامی بڑا صاحب ایمان اور مخلص شخص ہے۔ اس مُلک میں اس کی نظیر نہیں۔ مہاجرین کے ساتھ اس کا سلوک اور طرزِ عمل حضراتِ انصار کے سلوک اور طرزِ عمل کی یاد تازہ کرتا ہے، جو اُن حضرات نے مہاجرین کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ دوسرے مواضعات کے رؤسا کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ کسی کا کم، کسی کا زیادہ۔ عوام بھی اسی طرح ہیں اِلّا ماشاء اللہ۔

مہاجرین مواضعات میں متفرق طور پر قیام پذیر ہیں۔ سات سَو آدمی گرد و نواح کے قصبات میں اور تین سَو حضرت کے ساتھ ہیں۔ یہ مواضعات ایک دُوسرے سے متصل اور قریب قریب ہیں، گویا ایک شہر کے دُور دُور کے محلّے ہیں، جیسے ہمارے وطن کے قریب بارہ سادات یا بارہ بستی۔ دس بارہ من جنس سرکار (بیت المال) سے روزانہ تقسیم ہوتی ہے۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق کپڑے بھی ملتے ہیں۔

ایک شخص نے، جو شاید ہندوستان سے آیا ہُوا تھا، مجھ سے پُوچھا: "یہاں سے واپس جانے والوں کو کیا حکم ہے؟" مَیں نے کہا: "گُناہگار ہیں"۔ کہنے لگا: "اگر بھُوک کے رہنے کی وجہ سے ہو؟" اس کا اصل جواب تو وقت کی تنگی اور اُس کے حال کے اِشتباہ کی وجہ سے کہ سمجھے گا یا نہ سمجھے گا، مَیں نے دیا نہیں؛ اس کی اس طرح تسلّی کر دی کہ میرے علم میں یہ عُذر یہاں موجود نہیں، اس لیے کہ جو لوگ یہاں بیمار ہیں، اُن سے سچ سچ پوچھو کہ تمھاری بیماری کا کیا سبب ہے۔ وُہ کہیں گے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے۔ کم سے کم میرے علم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں آیا، جو محض بھُوک کے رہنے

کی وجہ سے بیمار ہوا ہو۔ تم ایسے دو تین بھوک کے لے آؤ؛ میں بیس ایسے آدمی پیش کر دوں گا، جو محض اپنی بسیار خوری کی وجہ سے بیمار پڑے۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسان کے معدے کے تین حصے ہیں؛ ایک حصہ غذا کے لیے ہے، ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس لینے کے لیے۔ ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کو اس کے معدے کے تیسرے حصے بھر کھانا نہ ملتا ہو؛ بلکہ ایسا آدمی بھی مشکل سے ملے گا جس کو دو حصے نہ پہنچتے ہوں۔ جو اس سے زیادہ کی بھی فکر کرے، وہ ضرور مصیبت میں مبتلا ہوگا۔ اس پر مجھے ایک قصہ یاد آیا کہ ایک بے دین نے یہ حدیث سن کر کہا: ”میں تو پورے معدے کو غذا سے پُر کر لیتا ہوں۔ پانی لطیف چیز ہے، وہ آپ اپنی گنجائش پیدا کر لیتا ہے سانس کا کچھ نہیں، آئے، آئے؛ نہ آئے، نہ آئے، مجھے اس کی فکر نہیں۔ بہرحال جس کا اعتماد مضمونِ حدیث پر ہے، وہ تو یہاں خوش و خرم ہے اور جس کو یہ بات حاصل نہیں، وہ بے شک تکلیف اور کوفت میں مبتلا ہے۔ باقی اصل جواب تو ان آیات میں ہے:

(۱) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (اَلْبَقَرَةُ : ۱۵۵)	(۱) البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے کچھ بھوک سے۔ (۲ : ۱۵۵)
(۲) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (اَلتَّوْبَةُ : ۱۲۰)	(۲) یہ اس واسطے کہ نہ کہیں پیاس کھینچتے ہیں، نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہ زیادہ ٹھیرتے ہیں کہیں، جس سے ناراض ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز، مگر لکھا جاتا ہے اس پر ان کا نیک عمل۔ بے شک اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا۔ (۹ : ۱۲۰)
(۳) لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ	(۳) اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین پر اور

الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ	انصار پر، جو ساتھ رہے نبیؐ کے مشکل
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ	کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب ہوئے
الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ	کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ	سے[1]
(اَلتَّوْبَة : ۱۱۷)	(۹ : ۱۱۷)

مجاہدین کی معاشرت اور طرزِ زندگی مجاہدین کا عجیب عالم تھا۔ تکبّر، شان، خودی، ننگ و عار کا نام نہ تھا۔ ایک دوسرے کی خدمت کرتے، ہر کام میں للّٰہ فی اللّٰہ شریک ہوتے، دُوسرے کا ہاتھ بٹاتے، کسی کو محنت کا کام کرتے دیکھتے، تو بے کہے شریک ہو جاتے اور کرنے لگتے، اگرچہ اس کام کی اس روز ان کی باری نہ ہوتی۔ فقط ثواب جان کر کہ یہ کام خدا کا ہے، دُنیا کے سب کام کرتے: چکّی پیستے، کھانا پکاتے، کپڑے دھوتے اور سیتے، لکڑی چیرتے، گھاس چھیلتے، گھوڑا ملتے، بیماروں کی خدمت کرتے، اُن کا پیشاب، پاخانہ، قے اُٹھاتے، آپس میں ایک دُوسرے کی حجامت بناتے، پیر دباتے، زمین پر سوتے، پھٹے پُرانے کپڑے پہنتے۔ فحش گوئی، بدزبانی، حسد، عداوت کوئی نہ جانتا تھا۔ جہادِ کفّار کے ساتھ جہادِ نفس بھی اور مجاہدۂ رُوحانی بھی خانقاہوں سے زیادہ ہو رہا تھا اور ان تمام کاموں میں بڑے بڑے مخدوم اور امیرزادے شریک ہوتے اور اپنی سعادت و عزّت سمجھتے۔

جو لوگ بعد میں قافلوں کے ساتھ آئے اور آپ کے صحبت یافتہ نہ تھے، اُن کو یہ کاروبار دیکھ کر ننگ و عار معلوم ہوتا۔ وُہ کہتے کہ یہ رذیلوں کے کام ہیں، شُرفاء کی شان کے لائق نہیں۔ سیّد صاحبؒ کو اُن کا عندیہ معلوم ہُوا۔ آپ کی عادت تھی کہ جو نصیحت کرتے، کسی کی طرف خطاب کر کے یا کسی کا نام لے کر نہ کرتے تاکہ لوگوں میں اُس کو ندامت نہ ہو۔ حکایت کے طور پر مثالیں بیان کرتے چنانچہ آپ نے ایک مثال دی کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اس کا

---

[1] مکتوباتِ فارسی قلمی، مکتوب مولانا عبدالحی از پنجتار۔

خاوند کچھ مال و دولت چھوڑ کر نہیں مرا۔ وہ بیچاری چرخہ کاتتی ہے، پسائی کرتی ہے، سلائی کرتی ہے اور ہر طرح کی محنت مزدوری، جو بن پڑتی ہے، کرتی ہے اور بچوں کو پالتی ہے صرف اس اُمید پر کہ یہ پرورش پاکر جوان ہونگے، نوکری چاکری کریں گے، بڑھاپے میں مجھ کو روٹی دیں گے، خدمت کریں گے، میرا بڑھاپا آرام سے بسر ہوگا۔ اُس کی یہ اُمید موہوم ہے، یقینی نہیں۔ اگر وہ لڑکے زندہ رہے اور صالح اور لائق ہوئے۔ اپنی ماں کا حق پہچانا، تو اُس کی آرزو پوری ہوئی اور اگر وہ نالائق اور نکمے نکلے، تو وہ بھیک مانگ کر مری۔ یہاں جو ہمارے بھائی محض خدا کے واسطے خالص نیت سے چکی پیستے ہیں، کھانا پکاتے ہیں، لکڑی چیرتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں، گھوڑا ملتے ہیں، کپڑے سیتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے ہیں اور اسی طور کے سب کام کرتے ہیں، یہ تمام داخلِ عبادت ہیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہیں، سب اولیاء اللہ آج تک ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں۔ جتنے کام شرع کے موافق ہیں، کسی کے کرنے میں عار نہیں۔ ان سب کاموں کا اجر اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنا یقینی ہے۔ سب بھائیوں کو چاہیے کہ ان کاموں کو فخر و عزّت اور سعادتِ دارین سمجھ کر بلا عار و انکار کیا کریں اور یہ ہمارے صاحبِ ایمان مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش و تبار، ناموس و نام، عیش و آرام ترک کر کے محض اللہ و رسولؐ کی خوشنودی کے لیے آئے، ہمارے لیے گوہرِ نایاب اور لعلِ بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔ ان باتوں سے اور ماحول کے اثر سے رفتہ رفتہ نئے بھی پُرانے لوگوں کے رنگ میں رنگ جاتے۔

کاموں میں سید صاحبؒ کی شرکت ایک مرتبہ آپ ایک طرف کو گئے۔ وہاں دیکھا کہ میاں الٰہی بخش رامپوری بیٹھے چکی پیس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تکیے میں چکی پیسی ہے، یہاں پر بھی پیسیں گے۔ یہ کہ کر آپ بھی بیٹھ کر پیسنے لگے۔ شہرت ہوئی، تو سب لوگ جمع ہو گئے اور جن کو اس سے پہلے اس کام سے عار تھی جاتی رہی۔

آپ کے باورچی خانے کا ایندھن جب ختم ہو جاتا، تو قادر بخش گنج پورے والے عرض کرتے

کہ حضرت، باورچی خانے میں ایندھن نہیں ہے۔ آپ فرماتے کہ آج لشکر کی سب کلہاڑیاں لا رکھو، کل چلیں گے۔ شام کو قادر بخش سب کلہاڑیاں منگوا رکھتے۔ صبح کی نماز پڑھ کر گھوڑے پر چڑھ کر آپ جنگل کو روانہ ہوتے اور کلہاڑیاں لے کر قادر بخش آدمیوں کے ساتھ جاتے۔ لشکر میں خبر ہوتی کہ آج حضرت امیر المؤمنین لکڑیاں لینے کو گئے ہیں۔ کھانا پکانے والے تو چار چار آدمی ہر بہیلے میں رہتے، باقی سب جاتے اور آپ کے واسطے لکڑیاں کاٹتے۔ آٹھ آٹھ آدمی آپ کے ساتھ کاٹتے کاٹتے تھک جاتے اور آپ اکیلے نہ تھکتے۔ جب لکڑیاں کاٹ کر فارغ ہوتے، تب ہر کوئی پشتارہ باندھ کر اپنے سر پر اٹھا لاتا اور آپ کے باورچی خانے میں جمع کر دیتے۔ پھر ایک روز وہ لوگ جاتے، جو کھانا پکانے کو اس دن بہیلے میں رہ گئے تھے اور اپنے اپنے حصے کا ایک ایک پشتارہ آپ کے باورچی خانے میں پہنچا دیتے۔ یہ اہتمام لکڑیوں کا صرف مہمانداری کے واسطے تھا کیونکہ جتنے مہمان لشکر میں آتے تھے وہ سب آپ ہی کے باورچی خانے سے کھاتے تھے

ایک جگہ نمازِ جمعہ کے لیے خط کھنچا ہوا تھا۔ وہاں سنگریزے بہت تھے۔ نمازیوں نے شکایت کی۔ آپ نے سید اسمٰعیل صاحب بریلوی سے فرمایا کہ درانتیاں رات کو لے کر جمع کر لینا، کل گھاس چھیلنے چلیں گے۔ صبح اُٹھ کر گھاس چھیل کر لائے اور مسجد میں بچھا دی

ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمے میں دھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درانتیاں جمع کر دینا۔ صبح اُٹھ کر آپ تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت انتظام سے خوبصورت ہوادار، کھڑکی دار جھونپڑے بنا دیے جنہیں دیکھ کر لوگوں میں بہت شوق پیدا ہوا اور بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے۔[1]

مجاہدین کی خوراک و پوشاک سب لوگوں کو ایک تالوٹ گیہوں اور دو مٹھی دال ملتی تھی۔ ہر بہیلے میں کھانا پکانے کا یہ معمول تھا کہ ہر روز اپنی اپنی باری سے چار آدمی بہیلے بھر کا کھانا پکاتے۔ ہر بہیلے میں بیس آدمی سے کم اور پچیس سے زیادہ نہ تھے۔ اسی طور آٹا پیسنے کا معمول تھا کہ چار چار آدمی

---

[1] وقائع احمدی

اپنی اپنی باری سے پیستے تھے۔

لکڑی لانے کا یہ دستور تھا کہ بہیلے وار چار آدمیوں کو تو اپنے بہیلے میں کھانا پکانے کو چھوڑ جاتا اور باقی سب کو جنگل میں لے جاتا اور وہاں سے کلہاڑیوں سے لکڑی کاٹ کر پشتارہ باندھ کر ہر کوئی اپنے اپنے سر پر لے آتا اور دوسرے روز وہ چار آدمی، جو کھانا پکانے کو رہتے تھے، اپنے اپنے حصے کا ایک پشتارہ لکڑی کاٹ لاتے۔

جتنے مہمان لشکر میں آتے تھے، وہ سید صاحبؒ کے باورچی خانے سے کھاتے تھے۔ آپ نے وہ باورچی خانہ فقط مہمانوں کے لیے رکھا تھا، وہ خاص آپ کی ذات کا نہ تھا۔ البتہ جہاں سب مہمانوں کا کھانا پکتا، وہیں آپ کا بھی پک جاتا۔

تقسیم لباس کا یہ معمول تھا کہ سال بھر میں دو جوڑے جوتی کے، اور تین جوڑے موٹی کھادی کے ہر کسی کو ملتے تھے۔ اس کے علاوہ جاڑوں میں ایک دگلا اور رضائی کے واسطے ایک دوہر اور سیر بھر روئی ہر شخص پاتا تھا۔ اس کے سوا جس کا کپڑا جلد پھٹ جاتا یا گم ہو جاتا، اُس کو ملتا تھا۔

کپڑے دھونے کے لیے ہر جمعرات کو سب کو صابون کی دو، دو ٹکیاں تقسیم ہوتی تھیں لوگ ندی نالے یا چشمے پر جا کر اپنے اپنے کپڑے دھولاتے تھے۔ سید صاحبؒ نے ترغیب کے لیے کئی بار اپنا حال بیان کیا کہ جب ہم نواب امیر خاں کے لشکر میں تھے، ہماری عادت تھی کہ جب اپنے کپڑے دھونے کو جی چاہتا، تو پانچ سات دوستوں کے میلے کپڑوں کی گٹھری باندھ کر کندھے میں ڈالتے۔ سب دوست "نہیں" "نہیں" کرتے رہتے، ہم ایک نہ سُنتے اور ایک دیگچہ اور صابون اور آگ لے کر جہاں پانی ہوتا، چلے جاتے اور سب کپڑے دھولاتے اور سب دوستوں کو لا کر دیتے وہ خوش ہو جاتے تھے۔

آپ کی اس ترغیب سے سُننے والوں کو بھی رغبت ہوئی اور ایسا ہی کرنے لگے کہ ایک آدمی یا دو آدمی اپنے بہیلے بھر کے کپڑے اور سب کے حصے کا صابون لے جاتے اور دھولاتے تھے۔

سیّد صاحب کی مصروفیت مولانا عبدالحی صاحب پنجتار سے اپنے دوستوں کو لکھتے ہیں کہ اپنے کام کی مصروفیت کے باوجود ارشاد و تلقین، بیعت و اجازت اور دور و سیر کا سلسلہ بھی بڑی سرگرمی اور انہماک سے جاری ہے؛ علماء و سادات، مشائخ زادوں اور عوام و خواص کا تانتا لگا رہتا ہے۔ ہندوستانی، سندھی اور ولایتی علماء و طلبہ سے مسائلِ دینیہ کا مذاکرہ بھی جاری رہتا ہے، آنے والے معززین و رؤسا کی ملاقات، ان سے مشورہ، غرباء اور معذورین کی دلجوئی، جو حصولِ برکت کے شوق میں دور دور سے آتے ہیں، ہندوستان اور افغانستان سے آنے والے مجاہدین کے قافلوں کی خبرگیری اور دیکھ بھال، لوگوں کو جہاد کی دعوت و ترغیب کے سلسلے بھی ایک وقت میں جاری ہیں۔ میں جب سے آیا ہوں، نگرانی اور دیکھ بھال میں کمی نہیں دیکھی۔ ان حالات اور مشاغل کو دیکھ کر یہاں کے خوانین اور سردار بھی سمجھ گئے ہیں کہ یہ شخص (حضرت سیّد صاحب) ان علماء و مشائخ کی طرح نہیں ہیں، جنھوں نے ہندوستان یا افغانستان میں کوئی شورش برپا کی اور دو تین دن کی مدت میں جیسے چراغ پھونک کر بجھا دیا جائے، پراگندہ ہو گئے؛ بلکہ یہ ایک صاحبِ عزم شخص ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مختلف تائیدیں ہیں۔[1]

○

---

[1] مجموعۂ خطوط (قلمی)

چوتھا باب

ہزارے کے سرداروں کی امداد

سوات کے دورے کے بعد سید صاحبؒ نے ہزارے کی طرف توجہ فرمائی، جو ایک عرصے تک آپ کی توجہات اور مجاہدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس علاقے کے خوانین جو سکھ حکومت کے عہد میں اپنی ریاستوں اور جاگیروں سے محروم اور اپنے علاقوں سے جلاوطن ہو گئے تھے، فوجی امداد کے لیے خود حاضر ہوئے یا اپنے وکیلوں اور عزیزوں کو بھیجا۔ بالآخر اسی علاقۂ ہزارہ کو آپ کی آخری مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بننا نصیب ہوا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس علاقے کی سیاسی تاریخ اور اس انتشار کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے، جو تقریباً ایک صدی سے وہاں قائم تھا اور یہ اندازہ بھی ہو جائے کہ اگر وہاں کے رؤسا اور سرداروں میں اسلامی حمیت اور سیاسی شعور ہوتا، تو وہ کس طرح اس مخلص جماعت اور مجاہدانہ طاقت سے فائدہ اُٹھا کر ایک نئی اسلامی حکومت کے قیام میں مدد دے سکتے تھے۔

ہزارہ دُرّانی عہد میں نادر شاہ کے جانشین احمد شاہ دُرّانی نے ۱۷۴۸ء میں پنجاب پر حملہ کیا اور ۱۷۵۲ء میں پنجاب اور کشمیر پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ہزارے کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ احمد شاہ کے عہد میں ہزارے کے نظم و نسق میں کسی قدر استحکام تو ضرور پیدا ہوا،

لیکن لگان میں اضافہ کرنا خود افغانی حکمرانوں کے مفاد میں نہ تھا۔ ضرورت کے وقت اُن کو اس ضلع سے اچھے سپاہی مل جاتے تھے اور کشمیر کا ایک بہترین راستہ اس سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لیے اُنھوں نے مقامی سرداروں اور امیروں کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر دیے اور اس سے جو بچتا، اس پر وُہ قناعت کرتے تھے۔ شمالی ضلع کا اِنتظام سواتی قبیلے کے سردار کے سپرد تھا، تناوُل، کڑال اور گکھڑ کے پہاڑی خطّے کی نگرانی وہاں کے اُمراء کے ذِمّے تھی اور میدانی علاقے کا اِنتظام کاروارو یا ترین کے سردار کے سپرد تھا۔ مگر انیسویں صدی شروع ہوتے ہی دُرّانی حکومت کی طاقت بہت گھٹ گئی تھی اور اسی کی مناسبت سے ہزارے کی اطاعت میں بھی کمی آ گئی تھی۔ اگرچہ یہ بات دُرّانی فرمانرواؤں اور کشمیر میں اُن کے نائبوں کو زیادہ متفکّر نہ کر سکی۔ اُن کی توجّہ کا مرکز دراصل کشمیر کی دولتمند وادی تھی اور وُہ راستے میں وقت صرف کرنا ایک فضُول بات سمجھتے تھے۔ کشمیر جاتے ہُوئے اُن کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ جلد از جلد وہاں پہنچ جائیں اور واپسی کے وقت یہ خواہش اور بھی زیادہ قوی ہوتی تھی۔ ایک غیر نفع بخش راہ میں قیام کرنا اُن کے دلوں کو بالکل نہیں بھاتا تھا۔ اس زمانے میں امن و اطمینان کے اِن حالات کا، جنھوں نے ہزارے کو اس کی موجُودہ خوشحالی عطا کی ہے، کہیں پتہ نہ تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع کی تاریخ نفاق، دغابازی، قتل قبائل کی خانہ جنگی اور عام بدامنی کی داستان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

سِکھ حکُومت کی اِبتدا سِکھوں کی طاقت بڑھنا شروع ہو گئی تھی اور تقریباً ۱۸۰۳ء ہی میں اُنھوں نے کابل کی سلطنت کے خلاف آزادی کا اعلان کر دیا۔ ہزارے میں سکھوں کی حکومت ۱۸۱۸ء میں قائم ہُوئی۔ اس سال مانک رائے کے ترک ہاشم خاں نے اپنے قبیلے کے دُوسرے سردار کمال خاں کو قتل کر دیا۔ ترین کے سردار محمد خاں نے کمال خاں کے خون کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ ہاشم خاں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر کی کہ مُلک سکھوں کو سونپ دیا۔ اس کی دعوت پر راولپنڈی کے سکھ گورنر مکھن سنگھ نے پانچ سو سوار لے کر ہزارے پر حملہ کر دیا، سرائے صالح میں قلعہ بنا لیا اور ہری پور کے میدان پر خراج

باندھ دیا۔

دوسرے سال مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر فتح کیا اور مکھن سنگھ نے غالباً اپنے آقا کی روز افزوں کامیابیوں سے حوصلہ پاکر ترین کے سردار پر خراج کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ نتیجے میں ہزارے کی رعایا مکھن سنگھ کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دریائے دوڑ کے کنارے شاہ محمد نامی مقام پر جنگ ہوئی، جس میں مکھن سنگھ کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ دوسرے روز اس کی فوج سرائے صالح کا قلعہ خالی کرکے اٹک لوٹ گئی۔ اٹک کے گورنر حکما سنگھ نے سرکشوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور فوج لے کر وہاں سے چلا۔ راستے میں موتا، سلطانپور اور ہرّوہ میں مخالفین سے جھڑپیں ہوئیں، جن میں اس نے محسوس کیا کہ اس کی فوج اس مُہم کے لیے کافی نہ تھی اور وُہ اٹک لوٹ گیا۔ لاہور سے اُس نے مزید فوج طلب کی، جہاں سے دیوان رام دیال اور کرنل الٰہی بخش اس کی مدد کو آئے۔ ہزارے کا کچھ حصّہ سکھوں کے قبضے میں آگیا، مگر ترین کے سردار محمّد خاں اور سید خانی اُتمان زئی اور مشوانی قبائل نے کوہِ گنگر کے دامن میں ناڑا کے مقام پر زبردست مقابلہ کیا۔ دیوان رام دیال نے پوری احتیاط برتے بغیر اُن پر حملہ کر دیا، اُس نے مُنہ کی کھائی اور مارا گیا۔

امر سنگھ مجیٹھہ کی گورنری رنجیت سنگھ نے امر سنگھ مجیٹھہ کو جنوبی ہزارے کا گورنر مقرر کیا۔ شمالی ہزارے، یعنی، مشوانی علاقے اور تناوُل کا انتظام اب تک کشمیر سے ہوتا تھا۔ نیا گورنر ایک نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے تمام اُمرا کو بلا لیا اور ہزارے کے میدانی علاقے سے جو لگان اور خراج وغیرہ سابقہ دُرّانی حکومت وصُول کیا کرتی تھی، وُہ خُود وصُول کرنے لگا، مگر کرال کے سردار حسن علی خاں کے خلاف کامیاب لشکر کشی کرکے جب وُہ ناڑا کی راہ سے واپس آرہا تھا، تو قبائلیوں نے ایسا چھاپہ مارا کہ پس لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا اور امر سنگھ کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ واقعہ "سمندر" کے کنارے پیش آیا تھا، جو دریائے ہرّوہ کا ایک معاون چشمہ ہے۔ اس کے بعد مائی سدا کور اور رنجیت سنگھ کے لڑکے شیر سنگھ کی سرکردگی میں لاہور سے مزید کمک آئی۔ یہ فوج ہری پور کے میدان میں اُتری اور تربیلہ میں اس نے قلعہ تعمیر کر لیا۔ سرداروں سے جو خراج وصُول کیا جاتا تھا، اس پر نظرِثانی

کی گئی اور سدا کور نے ایک باقاعدہ جشن منعقد کر کے ترین کے سردار محمد خاں کو متبنّیٰ کر لیا۔

سردار ہری سنگھ نلوہ کی آمد مگر بڑے اہم واقعات ہزارے کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ مہاراجہ نے کشمیر کے مشہور و معروف گورنر ہری سنگھ نلوہ کو اپنی عملداری کا حساب پیش کرنے کے لیے طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ سات ہزار پیادہ سپاہیوں کے ہمراہ مظفر آباد اور پکھلی کے راستے سے روانہ ہوا۔ منگل پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ جدون اور تناول قبیلوں کی بہت بڑی تعداد کوئی پچیس ہزار اس کا راستہ روکنے کو موجود تھی۔ ہری سنگھ نے پہلے مصالحت کی گفتگو کی۔ مگر جب وہ ناکام رہی، تو اُس نے اس زور کا حملہ کیا کہ قبائلی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہری سنگھ نے شہر کو نذرِ آتش کر دیا۔ ان جل کر مرنے والوں اور اُن کے علاوہ، جنھوں نے فصیلوں پر سے پھاند کر جان دے دی تھی تقریباً دو ہزار قبائلی جنگ میں مارے گئے۔ نیز ہری سنگھ نے جدونوں پر پانچ پانچ، چھ چھ روپے فی گھر جرمانہ بھی مقرر کیا اور نواں شہر میں قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد اس نے جنوبی ہزارے کی طرف کوچ کیا۔ اس فتح اور کشمیر سے وہ جو بیش بہا تحائف اور عظیم دولت ساتھ لایا تھا، ان سے خوش ہو کر رنجیت سنگھ نے اسے حساب داخل کرنے سے معاف کر دیا اور اسے کُل ہزارے کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔

ہری سنگھ کے عہد میں ہزارے کے حالات ۱۸۲۲ء سے لے کر اپنے آخر وقت، یعنی ۱۸۳۷ء تک ہری سنگھ ہزارے پر حکومت کرتا رہا۔ اُس نے قبائل کو بڑی سختی سے دبایا اور سکھوں کی طاقت میں خوب اضافہ کیا۔ اس کے اولین کاموں سے ایک کام ہری پور کے قلعے کی تعمیر تھی، جو نہایت درجہ مضبوط تھا۔ اس کا نام اُس نے ہری کشن گڑھ رکھا۔ اس نے سواتیوں اور تناولیوں کو زبردست سزائیں دیں، جنھوں نے اس کے ڈیرہ جات کے سفر سے فائدہ اُٹھا کر نواں شہر، شنکیاری اور دربند کے قلعوں پر چڑھائی کر دی تھی۔ جدونوں کو تہ تیغ کر ڈالا گیا۔ اگرور، ٹکاری اور کونش پر پانچ سو سواروں سے حملہ کیا گیا۔ سواتیوں کی ایک ہزار عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ بلال تنولی کے سردار سربلند خاں کے صدر مقام شنگری کو آگ لگا دی گئی۔ خود سردار کو بانڈہ لوہاران کے قریب شکست دی گئی اور اس کے فرزند شیر خاں کو ہری سنگھ نے اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔

ناڑا میں ہری سنگھ کو شکست اس کے بعد ہری سنگھ گنگر کی پہاڑیوں کی طرف متوجّہ ہُوا جہاں مُحمّد خاں اور کچھ دُوسرے باغی سردار پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ اس سے قبل ۱۸۲۲ء میں سکھ اس پہاڑی سلسلے کے دامن میں سرائے نامی مقام پر فتحیاب ہونے کے بعد سری کوٹ کو زیر کرنے کی کوشش کر چکے تھے، مگر ناکام رہے تھے۔ اب ۱۸۲۳ء میں اُنھوں نے دوبارہ کوشش کی اور پھر ناکام رہے ناڑا میں، جو ایک سری کوٹ جانے والے راستے کے ابتدائی سرے پر واقع ہے، مشوانیوں اور سید خانی اُتمان زئیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور سکھ افواج کو، جن کی تعداد تقریبًا آٹھ ہزار تھی، شکستِ فاش دے کر ہری پور لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ ۵۰۰ سکھ سپاہی مارے گئے۔ قبائلیوں کی اس فتح کی یادگار کے طور پر کرنل ایبٹ نے یہاں ایک سفید ستون نصب کرایا ہے، جو دُور سے نظر آتا ہے۔ خُود ہری سنگھ ایک پتّھر سے زخمی ہو کر، جو کسی نے گاؤں سے پھینک مارا تھا، زمین پر گرا اور لڑھکتا ہُوا نیچے کھڈ میں جا پہنچا۔ وہاں وہ دیر تک بے ہوش پڑا رہا۔ اس اثنا میں اس کی موت کی افواہ پھیل گئی، مگر ہوش آتے ہی وہ اچانک موضع بگلا میں آ دھمکا، جہاں بہت سے قبائلی جمع ہو گئے تھے۔ ہری سنگھ کو وہاں جو بھی مسلح آدمی نظر آیا، اس کو موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔

ہزارے میں رنجیت سنگھ کی آمد ہری سنگھ کی شکست کی اطلاع پاتے ہی رنجیت سنگھ ایک بڑی فوج لے کر ہزارے آیا۔ اس نے ان تمام سرداروں اور دُوسرے ممتاز افراد کو، جنھوں نے سری کوٹ میں پناہ لے لی تھی، طلب کیا، لیکن صرف ترین کے مُحمّد خاں، تنولی کے سربلند خاں اور مشوانیوں کے شاہ مُحمّد نے اس کے حُکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ اس نے سری کوٹ کی پہاڑیوں پر ایک ساتھ کئی مقاموں پر حملہ کر دیا اور جو بھی مقابلے پر آیا، اس کو زیر کرتا ہُوا دو رات وہاں مقیم رہا اور پھر تُربیلہ کو کوچ کر گیا۔ وہاں وہ ہاتھی پر سوار دریا کے کنارے سیر کر رہا تھا کہ کھبّل کے اُتمان زئیوں نے دُوسری طرف سے اس پر گولی چلا دی۔ اس سے برہم ہو کر اس نے دُوسرے روز صبح اپنے سواروں کو دریا عبُور کرنے کا حُکم دیا اور کھبّل اور کایا کے مواضع برباد کر کے رکھ دیے۔ اُن کے باشندے پہاڑیوں پر بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ ترین کے مُحمّد خاں کو ساتھ لے کر یُوسف زئی اور سرائے کالا ہوتا ہُوا لاہور لوٹ آیا۔

رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد سردار ہری سنگھ کے سخت اقدامات

رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد ہری سنگھ کڑال کی طرف متوجہ ہُوا، جنھوں نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ اُن کے سردار حسن علی خاں کو ایک بڑی جاگیر عطا ہُوئی اور ناڑا میں قلعہ تعمیر کیا گیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر ہری سنگھ نے موہن سنگھ کو نائب گورنر مقرر کیا اور خود لاہور چلا گیا۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دن بعد محمّد خاں، جو لاہور میں اسیر تھے، ان کے بھتیجے بوستان خاں ترین نے سری کوٹ میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس لیے وُہ پھر واپس ہُوا اور بغیر کسی خاص دِقّت کے بغاوت کا سر کُچل دیا۔ آئندہ کے لیے شورشوں کا سدِّباب کرنے کی خاطر اس نے سخت ترین کارروائی کی۔ محمّد خاں کو، جسے اُس نے رنجیت سنگھ سے پچاس ہزار روپے میں خرید لیا تھا، اُس نے زہر دلوا دیا۔ بوستان خاں ترین اور دو مشوانی اُمرا اور چند دُوسرے ممتاز اشخاص کو توپ سے اُڑا دیا گیا۔ مشوانیوں کو سری کوٹ سے دریائے سندھ کے اس پار مُلک بدر کر دیا گیا، جہاں سے ۱۸۳۰ء میں اُن کی واپسی ہُوئی۔ وہ پچاس ہزار جن کے عوض محمّد خاں کو خریدا گیا تھا، ہزارے کے قریب کُل مواضع سے ڈھائی روپیہ فی گھر کے حساب سے بطور جُرمانہ وصُول کیے گئے۔[1]

فوجی امداد کے لیے خوانین کی آمد

اس دَورِ انتشار میں ہزارے میں کوئی ایسی بلند اور مرکزی شخصیت نہ تھی جس کی قیادت میں یہ مختلف و منتشر عناصر جمع ہو کر اپنے مُشترک حریف کا مقابلہ کرتے اور نہ کہیں کوئی ایسی فوجی طاقت پائی جاتی تھی جس سے یہ اپنے علاقے کو بازیافت کرنے کے لیے مدد لیتے۔ عین اسی حالت میں سیّد صاحبؒ نے پنجتار کو اپنا فوجی مستقر اور اسلامی امارت کا مُستقر بنایا اور سَمہ کے نامی گرامی سردار، بالخصُوص فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں زیدے والا وغیرہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہُوے۔ ہزارے کا یہ علاقہ پنجتار کے علاقے سے متّصل تھا۔ ہزارے کے ان زخم خوردہ سرداروں نے اس نئی اُبھرتی ہُوئی اسلامی طاقت کے دامن میں پناہ لینے کے سوا اپنے لیے کوئی اور راستہ نہ دیکھا۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے خود سے یا اپنے وکیلوں اور عزیزوں کو بھیج کر سیّد صاحبؒ سے

---

[1] ترجمہ و اقتباس از ہزارہ گزیٹیر، ترجمہ ڈاکٹر محمّد آصف قدوائی۔

اپنے تعلق اور عقیدت کا اظہار اور اپنی حمایت اور امداد کی درخواست کی۔

علاقۂ پکھلی سے سربلند خاں نے آکر سید صاحبؒ سے بیعت کی اور اپنی جلاوطنی کا حال عرض کیا اور کہا کہ سکھوں نے ظلم و تعدی کرکے مجھے نکال دیا اور درخواست کی کہ آپ اس کی فوجی امداد کریں اور وہ اپنی ریاست کو دشمن کے قبضے سے نکال لے۔ اسی طرح حبیب اللہ خاں کا وکیل؛ مظفر آباد سے سلطان نجف خاں اور سلطان زبردست خاں کا وکیل، اجمل کا رئیس راجہ پارس، علاقہ اگرُور سے عبدالغفور خاں کا بھائی کمال خاں، امان اللہ خاں خان خیل اور ان کا بیٹا عنایت اللہ خاں، ناصر خاں بھٹ گرامی (علاقہ تنڈھیاٹ) بھی اسی غرض کے لیے آنے والوں میں تھے۔ اسی اثنا میں امب کے پائندہ خاں تنولی کی عرضی آئی کہ میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں اور جان و مال سے حاضر ہوں۔

آپ نے خوانین اور ان کے وکلاء کو رخصت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ پہنچ کر اپنے موافقین کو جمع کریں، ہمارے آدمی بھی پیچھے سے آتے ہیں۔

پائندہ خاں سے استصواب شیدو کے واقعہ کے بعد سید صاحبؒ کو تردد تھا کہ پہلے پشاور کا بندوبست اور امرائے پشاور کا تصفیہ کیا جائے جنھوں نے عین موقع پر مجاہدین کو دغا دی اور بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا یا ہزارے کی طرف رخ کیا جائے، جہاں بہت سے سردار اور والیان ریاست مجاہدین کی امداد کے طالب اور سکھوں سے جنگ کرنے پر آمادہ تھے۔ ان سرداروں میں سید صاحبؒ کا سب سے زیادہ رجحان پائندہ خاں والیِ امب کی طرف تھا۔ سید صاحبؒ نے اس کی مردانگی اور سکھوں کے مقابلے میں پامردی اور استقلال کی بہت تعریف سنی تھی۔ سید صاحبؒ کو طبعاً مردانگی و شجاعت، سپاہیانہ اوصاف اور دشمنانِ اسلام سے نبرد آزمائی اور معرکہ آرائی اتنی عزیز تھی کہ جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ اس میں یہ اوصاف ہیں، اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ پائندہ خاں کی عرضی پہنچی گئی، تو جو خوانین حاضر تھے، وہ اس کی مذمت کرنے لگے اور اس کی بدعہدی اور بے وفائی کے واقعات بیان کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "بھائیو، ایسی بات نہ کہنی چاہیے۔ وہ خان بڑا نامی بہادر اور جوانمرد ہے۔ اس نے ہم کو اس طرح لکھا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ ہم اس پر کیونکر بدگمانی کریں؟ ہدایت اور

ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ایک دم میں بُرے کو بھلا اور بھلے کو بُرا کر دیتا ہے۔[1]

سید صاحبؒ نے ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کو ایک خط لکھا، جس میں اس کی حمیت و شجاعت اور کفار سے مسلسل جنگ کرتے رہنے کی بڑی داد دی اور تحریر فرمایا: "جب سے اس علاقے میں آیا ہوں، تمھاری دینی غیرت اور بہادری کی تعریف سن رہا ہوں، خصوصاً میاں سید شاہ کی زبانی تمھارا جو تذکرہ سنا، اس سے تعلق بہت بڑھ گیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دو مہمیں درپیش ہیں: ایک پشاور کی مہم اور ایک کفار سے جہاد۔ اس کے بارے میں تمھارا مشورہ بھی مفید اور وقیع ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ملا شاہ سید اخوندزادہ اور خان عالی شان سید مقیم کو، جو اس فقیر کے بڑے عزیز و معتمد اور بڑے عاقل و فرزانہ شخص ہیں، روانہ کیا جا رہا ہے۔ آپ ان کو اپنے خیالات سے آگاہ فرمائیں۔ اس وقت اس معاملے میں تعویق کی گنجائش نہیں۔"[2]

◆

---

[1] وقائع احمدی، جلد سوم صفحہ ۱۲۶۴

[2] مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید صفحہ ۱۲۲، ۱۳۰

پانچواں باب

اگرُور اور پکھلی کے علاقے میں

لشکر کی تیاری سیّد صاحبؒ نے پکھلی کے لیے لشکر مرتب فرمایا جس کے لیے سید مُحمّد مقیم صاحب رامپوری اور اُن کے ساتھیوں کا انتخاب ہُوا۔ یہ جب سے آئے تھے، درخواست کر رہے تھے کہ ہم لوگ یہاں روٹیاں کھانے کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ کچھ خدا کا کام ہمارے ہاتھوں سے ہو۔ اس قافلے کے لوگ سلاح و پوشاک سے بھی خوب آراستہ اور کار آزمودہ تھے۔ آپ نے اس پورے قافلے کو اور اس کے علاوہ سَو آدمی اور ہر بھیلے سے دو دو، چار چار چُن کر مقرر کیے مولانا مُحمّد اسماعیل صاحب ہی کو سب کا امیر مُقرر کیا اور بارُود کا سامان بھی سپرد کیا۔ گولی بارود کے علاوہ بانس کے پانچ سات سَونل بھی دیے گئے تھے، جو ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت لمبے تھے۔ ان میں بارُود بھری ہُوئی تھی۔ ان نلوں کو آگ دے کر دشمنوں پر پھینکتے تھے۔ رُخصت کے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک دُعا فرمائی اور لوگ مُصافحہ کر کے رُخصت ہُوئے۔

اگرُور اور اَمْب کے حالات مولانا اسمٰعیل شہید کی زبانی مولانا اسمٰعیل شہید نے، جو امیرِ جیش بھی تھے، اگرُور اور اَمْب سے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں متعدد مراسلے ارسال کیے جن میں سفر کی پوری روئداد، چشم دید حالات اور اس علاقے کے خوانین اور اُمراء کے خیالات،

مزاجی کیفیت اور اس علاقے میں جہاد کے امکانات اور مشکلات کا بڑے مُبصرانہ طریقے پر جائزہ لیا گیا ہے۔ ان خطُوط کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جو حالاتِ سفر کے متعلق ایک قیمتی دستاویز ہے۔ ان خطوط سے مولانا کی بیدار مغزی، سیاسی ہوشمندی اور قائدانہ صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔[1]

ستھانے میں "جنابِ والا سے ہم لوگ رخصت ہو کر موضع ٹوپی میں پہنچے۔ وہاں ایک رات گزارنے کے بعد ہم کھبل میں آئے۔ تیسرے روز وہاں سے اَمب کا رُخ کیا۔

فدوی محمد اسمٰعیل نے راستے میں سُنا کہ مقام ستھانہ میں، جو راستے سے ذرا ہٹا ہوا ہے، کسی تقریب کے سلسلے میں کھبل کے مُلک حضرات اخون خیل کے معززین اور مُلا اسمٰعیل اخوند زادہ، سید اعظم شاہ اور سید اکبر شاہ کے پاس، جو اس علاقے کے مشاہیر اور اکابر میں سے ہیں، مجتمع ہیں۔ اس بنا پر سیدھا راستہ چھوڑ کر شاہ سید کو اپنے ہمراہ لے کر چند رُفقاء کے ساتھ ستھانے پہنچا۔[2] میں نے ستھانے میں کچھ دیر قیام کیا اور اُن تمام حضرات کو، جو وہاں مجتمع تھے، جہاد کی ترغیب دی اور اُن سے جنابِ والا کی بیعتِ امامت لی۔ میں نے یہ بھی چاہا کہ ان لوگوں کو ہمراہ لے کر اَمب آؤں، لیکن اُنھوں نے بعض عُذر پیش کیے اور کہا کہ آج تو ہمارا جانا مشکل ہے، ایک دو روز کے بعد اگر آپ طلب کریں گے، تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔[3] میں نے اخوند زادہ

---

[1] یہ خطوط تعداد میں پانچ ہیں۔ عام طور پر فارسی میں ہیں۔ بعض حصّے ٹھیٹ عربی میں ہیں۔ ان میں سے بعض تینوں صاحبوں کی طرف سے ہیں، بعض صرف مولانا محمد اسمٰعیل اور میاں محمد مقیم صاحب کی طرف سے۔ ایک عربی کا رقعہ بھی ہے جو مولانا کی طرف سے ہے اور اس میں دونوں ہمراہیوں سید محمد مقیم اور شاہ سید کے متعلق مولانا نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

[2] کھبل سے لشکر کو براہِ راست اَمب بھیج دیا گیا تھا اور شاہ صاحب ایک مختصر جماعت کے ساتھ ستھانے آ گئے تھے۔

[3] وقائعِ احمدی میں ہے:

> "ستھانے میں سید اکبر صاحب جو غائبانہ سید صاحبؒ کے نہایت مُعتقد تھے، کمالِ اخلاق اور تواضع و تعظیم سے ملے اور مولانا سے بطریقِ خیر خواہی کہا کہ آپ کو یہاں کے رئیسوں کا حال معلوم نہیں، ہم سے دن رات معاملہ رہتا ہے، یہ آپ کو خوشامد و چاپلوسی سے لے جائیں گے اور سکھوں سے بھڑا دیں گے اور خود دُور سے تماشا دیکھیں گے۔ اگر آپ نے فتح پائی، تو مال و اسباب لُوٹنے کو موجود ہوں گے اور اگر خدا نخواستہ شکست ہوئی، تو پھر الگ ہی الگ اپنی راہ لیں گے۔ آپ ان سے ہوشیار رہیے گا اور ان کے عہد پر اعتماد نہ کیجیے گا۔"

مُلّا اسمٰعیل کو، جو اُن میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اپنے ہمراہ لے لیا۔

اُمب اور اُس کا محلِّ وُقوع موضع امب میں سردار پائندہ خاں نے اپنے مکان سے باہر نکل کر ہمارا استقبال کیا، لیکن بمطابق أَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ (احتیاط بدگمانی کا نام ہے) اپنی رہائش گاہ سے فاصلے پر مجاہدین کو ٹھیرایا۔ اس روز مشورے کا وقت باقی نہیں رہا تھا۔ ہم نے صرف ملاقات پر اکتفا کی۔ علی الصباح امب کے محلِّ وقوع اور ماحول کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہُوا کہ امب دریائے سندھ کے ایک کنارے[1] پر واقع ہے، دُوسرے کنارے[2] پر سکھوں کے چھوٹے چھوٹے قلعے اور سلسلۂ کوہ میں دُشوار گزار اور تنگ گلیاں مسلسل واقع ہیں۔ چنانچہ ہم لوگوں کے قیام گاہ کے بالکل محاذات میں ان کا ایک چھوٹا قلعہ ایک گولی کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ دونوں طرف کی آوازیں سُننے میں آتی رہتی ہیں۔

پائندہ خاں گفتگو سے اندازہ ہُوا کہ میزبان (پائندہ خان) ہم خدّام کا ساتھ دینے کی بالکل ہمّت اور آمادگی نہیں رکھتا اور جان و مال اور اپنے اعوان و انصار کسی کے ساتھ بھی ہماری رفاقت و نُصرت کے لیے تیار نہیں۔

دریائے سندھ کے مشرقی جانب وہ مقام جہاں پہنچنا تھا، دریا کے مشرقی کنارے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اگر امب ہی سے دریا کو عبور کیا جاتا، تو دشمنوں کے قلعے راستے میں پڑتے تھے اور اُن سے جھڑپ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ہم نے اس گھاٹ کو چھوڑ دیا اور ایک دُوسرے گھاٹ[3] کا انتخاب کیا، جو اُمب سے تین میل یا کچھ زیادہ تھا۔ دریا سے اُس مقام کو جاتے ہُوئے، جو ہماری منزلِ مقصود تھی، اُن مسلمانوں کا علاقہ پڑتا تھا، جو کبھی کسی حکومت کے ماتحت نہیں رہے اور خاص طور پر سکھوں سے ہمیشہ آزاد رہے اور وہ پائندہ خاں سے تعلق کا اظہار کرتے تھے۔

---

[1] مغربی کنارے پر [2] مشرقی کنارے پر [3] یہ گھاٹ چھترابائی کا تھا

مصلحت معلوم ہوئی کہ دریائے سندھ کے کناروں پر جو قبائل آباد ہیں، مثلاً، عیسٰے زئی، امان زئی، حَدُون اُتمان زئی ان کو دعوت و ترغیب کے لیے کسی معتمد و مخلص شخص کو بھیج دیا جائے۔ چنانچہ مُلّا عصمت اللہ اخوندزادہ اور مولوی عبداللہ خاں کو دو تین آدمیوں کے ہمراہ صاحبزادہ شاہ محمّد نصیر صاحب کے پاس، جو اس علاقے کے اکابر میں سے ہیں بھیج دیا، ایک خط اپنی طرف سے اور ایک اعلام نامہ، جو جنابِ والا کی مُہر کے ساتھ مُزیّن ہے، بھیج دیا گیا۔ خود رُفقا کی ایک جمعیّت کے ساتھ جمعے کے دن امب سے کُوچ کر کے اس گھاٹ پر، جو تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے، پہنچے۔ چُونکہ اس گھاٹ پر صرف ایک جالا تھا اور تمام ساتھیوں کا ایک دن میں اس سے پار ہو جانا ناممکن معلوم ہوتا تھا اور ساتھیوں کی اس طرح کی تفریق بھی نامناسب تھی کہ کچھ لوگ اِس پار رہ جائیں اور کچھ لوگ اُس پار پہنچ جائیں اور رات ہو جانے کی وجہ سے انتظار کرنا پڑے۔ اِس بنا پر ایک جماعت کو دُوسرے گھاٹ پر، جو وہاں سے دو تین کوس کے فاصلے پر تھا، بھیج دیا گیا۔ وہاں دو جالے تھے۔ رات ہم نے دریا کے کنارے گزاری اور ہفتے کے روز نمازِ صبح کے بعد یہ فدوی چند تفنگچیوں کے ساتھ پہلے جالے میں بیٹھ کر دریا کے پار پہنچ گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جاتے آتے رہے اور سب ساتھی خیر و عافیت کے ساتھ پار آ گئے۔[1]

موضع نکّاپانی یہاں سے دربند کا قلعہ ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس لیے اگرچہ دن تھوڑا رہ گیا تھا، لیکن اس مقام پر رات گزارنا نامناسب معلوم ہُوا۔ اس لیے دو تین کوس وہاں سے چل کر ایک دوسرے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اِس نواح کے لوگ پائندہ خاں کی ہدایت و اشارہ سے بہت خوش خُلقی اور کُشادہ رُوئی سے پیش

---

[1] مکتوب مؤرخہ ۲۴ محرم ۱۲۴۳ھ

آئے اور رات بھر اُنھوں نے لشکر کے گرد پہرہ دیا۔ علی الصباح وہاں سے کوچ کر کے موضع تکّاپانی پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی جو خانِ ممدوح سے تعلّق رکھتے ہیں، خاطر مدارات کی۔ اِس نواح کے چند علما بھی مُلاقات کرنے آئے اور جہاد کی نیت ظاہر کی اور کہا کہ اگر ابھی طلب کیا جائے، تو سات آٹھ سَو آدمیوں کے ساتھ ہم رفاقت کریں گے۔ مصلحۃً اُن سے کہہ دیا گیا کہ چند دن کے بعد ہم آپ کو طلب کریں گے۔ ہمارا خط پا کر آپ تشریف لے آئیں، کچھ اعلام نامے اس نواح میں بھیجے گئے۔"

پائندہ خاں سے تعلّق یا بے تعلّقی؟ گرامی ناموں سے اظہار ہوتا ہے کہ پائندہ خاں سے دوستی کا تعلق اور رفاقت کی اُمید منقطع کر لی جائے اور عجلت کے ساتھ پکھلی کا رُخ کیا جائے۔ لیکن اس نواح میں سوائے ان مقامات کے، جن کا تعلق پائندہ خاں سے ہے، کوئی محفُوظ و مامون مقام نظر نہیں آتا اور ابھی تک اُس کی طرف سے سوائے حُسنِ سلوک کے اور کوئی معاملہ نہیں ہُوا، اگرچہ اس سے عملی شرکت کی بالکل توقع نہیں ہے لیکن مخالفت اور بدخواہی کا بھی اس سے خدشہ نہیں۔ اُس نے مُلا اسمٰعیل اخوند زادہ کو ہماری رفاقت کے لیے مقرر کیا ہے اور خانِ ممدوح نے اپنے پُورے علاقے کے رُؤسا اور معزّزین کو ہماری خدمت و رفاقت کے لیے خطُوط لکھ کر ان کو دے دیے ہیں۔

جفاکش اور فرماں بردار غازیوں کی ضرورت یہ بھی گزارش ہے کہ چُونکہ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور راستے نہایت دُشوار گزار ہیں، اس لیے کسی ایسے آدمی کو یہاں نہ بھیجا جائے، جو سواری کا عادی یا محتاج ہو اور انقیادِ کُلّی اور اطاعتِ مُطلق اس کی فطرت نہ بن گئی ہو جس کو جناب والا کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کا پورا تعلّق نہیں ہے، وہ آپ کے نائبین کے ساتھ اطاعت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے؟

ایسے لوگوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ جناب کی تربیت و صحبت میں رہیں تاکہ ان کے اخلاق درست اور نفس مزکّٰی ہو جائے۔ اس وقت یہاں کے مجاہدین کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ غازیوں کی جماعتوں کو سامانِ جنگ کے ساتھ آہستہ آہستہ بھیجا جائے؛ اس طرح سے کہ ایک ایک دو دو اور تین تین روز کے فاصلے سے پے در پے جماعتیں پہنچتی رہیں۔ یہ اہلِ ایمان کے لیے ہمت و رغبت اور اہلِ کفر و ارتیاب کے لیے مرعوبیت اور دہشت کا باعث ہوگا۔"[1]

ضلع اگروڑ اور عبدالغفور خاں نکا پانی سے ہم لوگ کوچ کرکے شیر گڑھ پہنچے۔ یہ بھی پائندہ خاں کی ریاست کا علاقہ ہے۔ یہاں کے جمعدار جانو نے ہماری خاطر مدارات کی وہاں قیام مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اس لیے صبح ہی وہاں سے کوچ کرکے علاقہ اگروڑ آئے۔ یہاں کے رئیس عبدالغفور خاں کو ہمارے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ اس کا بھائی کمال خاں ہمارے استقبال کو آیا اور ہر طرح سے ہماری خاطر مدارات کی۔ اثنائے گفتگو میں اس نے بیان کیا کہ عبدالغفور خاں کی طبیعت کچھ روز سے علیل ہے، اس لیے خود نہیں آئے۔ کمال خاں نے ہم کو موضع کلکٹی تک پہنچایا اور یہ کہا کہ آج یہیں ڈیرہ کرنا چاہیے صبح اس موضع میں جس میں عبدالغفور خاں مقیم ہیں، چلیں گے۔ میاں محمد مقیم صاحب کو مجاہدین کے پاس چھوڑ کر میں اخوند زادہ مُلا محمد اسمٰعیل، شاہ سیّد اور چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ کمال خاں کی معیت و رہبری میں عبدالغفور خاں کی قیام گاہ پر آیا۔ وہاں احمد خاں پکھلی والا، حیدر شاہ ابنِ عم سیّد محمد علی شاہ پکھلی والا اور ارسلان خاں برادر زادۂ عبدالغفور خاں بھی بسلسلۂ عیادت آئے ہوئے تھے۔ ان سب سے بھی ملاقات ہوئی اور ان سب نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعتِ امامت کی۔

---

[1] مکاتیب شاہ اسمٰعیل، مکتوب دوم

مجاہدین کا مرکز اثنائے گفتگو میں ہم نے یہ مسئلہ اُٹھایا کہ ہمارے قیام کے لیے بطور گڑھی کے کوئی محفوظ مقام تجویز کر دیا جائے۔ عبدالغفور خاں نے کہا کہ چھتر گڑھی تو میرے قبضے میں نہیں ہے۔ ایک گڑھی جبی کوٹ ہے اور دوسری گڑھی شمدڑہ، یہ دونوں حاضر ہیں۔ چونکہ گڑھی جبی کوٹ بہت دُور ہے، جہاں سے بیٹھ کر جہاد مُشکل ہے، اس لیے شمدڑہ کو میں نے انتخاب کیا۔ مَیں نے محمد اسمٰعیل کو وہیں چھوڑا۔ سیّد شاہ کو اس نواح کے مُسلمانوں کو، جو عبدالغفور خاں کی برادری ہیں، لیکن اس کے تابع نہیں ہیں، جہاد کی دعوت و ترغیب دینے کے لیے بھیجا اور اپنے لشکرگاہ کلکٹی میں آگیا۔

مزید لشکر اور کمک کی ضرورت شاہ غلام حسین کی طرف سے آدمی آیا اور اس کا پیغام لایا کہ جب تک دُوسرا لشکر نہیں آتا، یہاں کے لوگ جہاد اور آپ کی رفاقت کے لیے نہیں اُٹھیں گے۔ یہ لشکر کی قلت کی وجہ سے کچھ اعتبار نہیں کر رہے ہیں۔ صاحبزادہ سید محمد نصیر صاحب کا بھی خط آیا کہ یہاں کے آدمی لشکر کی اس مقدار پر جہاد کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اگر دُوسرا لشکر، خصُوصًا بونیر کا لشکر، کمک پر آتا ہے، تو یہاں بہت لوگ اکٹھا ہو جائیں گے۔[1]

ارسلاں خاں برادر زادہ عبدالغفور خاں کچھ آدمیوں کے ساتھ حبیب اللہ خاں کی کُمک کے لیے گیا۔ مصلحت معلوم ہوئی کہ تھوڑا سا لشکر حبیب اللہ خاں کی سمت روانہ کیا جائے، اس لیے کہ جب تک ہم لوگ ہاتھ پاؤں نہیں ماریں گے اور ہماری کچھ مجاہدانہ سرگرمی دیکھی نہیں جائے گی، یہاں کے لوگ نہیں اُٹھیں گے۔ اس بنا پر غازیوں کی ایک جماعت کو میاں محمد مقیم صاحب کی سرکردگی میں متعین کر دیا۔[2]

اہلِ علاقہ کا تردّد اور سکھوں سے وابستگی سیّد محمد علی شاہ اور ناصر خاں کے خطوط آئے جن کا

---

[1] مکتوب سوم

[2] مکتوب چہارم

مدّعا یہ تھا کہ ابھی مجاہدین اگرُور ہی میں قیام کریں اور قرب و جوار کی طرف رُخ نہ کریں۔ بظاہر وُہ سکھوں کے ساتھ بھی دُنیوی مصالح کی بنا پر وابستگی رکھتے ہیں لشکرِ اسلام کے غلبے کا (ظاہری ساز و سامان کی کمی کی بنا پر) اُن کو ابھی تک یقین نہیں ہے۔ اس بنا پر وُہ سکھوں کے ساتھ اپنے تعلّق و ارتباط کو مُنقطع کرنا اور آپ کے ساتھ اپنی وابستگی کو مشہور کرنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھتے۔ اس وجہ سے اُنھوں نے لشکرِ مجاہدین کو مُعطّل اور بیکار کر رکھا ہے۔ اس بنا پر ہم نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ ہم پائندہ خاں، خوانین اگرُور اور حبیب اللہ خاں کے ساتھ اپنے رابطۂ اتّحاد کو منقطع کریں۔ اس کا راستہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ لشکرِ مذکور اگرُور میں قیام کیے اور حبیب اللہ خاں کی تائید کا قصد ظاہر کرتا رہے اور مَیں چند رُفقا کے ساتھ اُن رؤسا کی مُلاقات کے لیے جاؤں۔ اس بنا پر مَیں عبدالغفور خاں کی ملاقات کو گیا اور اپنے ساتھ اُس کے بھائی کمال خاں کو لے گیا۔ ارسلاں خاں برادرزادہ عبدالغفور خاں کو وہیں بُلوا لیا۔ احمد خاں علاقۂ پکھلی، سیّد حیدر شاہ (برادرزادہ محمد علی شاہ) بھی وہیں مل گئے۔

خوانین پکھلی کی اصل کیفیت بہرحال ان تمام خوانین سے وہیں ملاقات ہو گئی اور اچھی طرح گفتگو اور مشورے کی نوبت آئی۔ اس ساری گفتگو کی تفصیل لکھنی مشکل ہے، لیکن حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگرچہ یہ خوانین زبانی ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر خاطر تواضع کی بات کرتے ہیں یہاں تک کہ اُنھوں نے اس فقیر کے ہاتھ پہ جناب کی بیعتِ امامت بھی کی، لیکن ان کی باتوں سے صاف ٹپکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمانی غیرت، اسلامی حمیّت اور قلبی اخلاص کا ایک ذرّہ اور اطاعتِ الٰہی کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ ان کا مطمحِ نظر اور منتہائے فکر محض دُنیاوی مال و متاع کا حصُول اور ہمچشموں پر تفوق و امتیاز ہے۔ مَیں نے انھیں کے مسلک کے مطابق اُن سے گفتگو کی اور ان

کے مقاصد کے حصول کا اظہار کیا۔ اثنائے گفتگو میں وعظ و تذکیر کے مضامین بھی آ گئے۔ بہرحال کسی قدر رابطۂ اتحاد کی شکل پیدا ہوئی۔ وہاں سے میں اپنے لشکر گاہ پر آیا۔

خرچ کی تنگی اور بعض مجاہدین کا اضطراب اس درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میاں محمد صاحب کے پاس نقد و خرچ میں سے صرف اشرفی تھی، روپیہ بالکل نہ تھا۔ اگروڑ کے آدمی اشرفی کے نرخ سے بالکل بے خبر تھے۔ اس لیے غلہ فروخت کرنے کے لیے بالکل تیار نہ تھے اور جب تک اشرفی کہیں بھیج کر تڑائی جائے، غلے کا بطورِ قرض ملنا اس وقت تک مشکل معلوم ہوتا تھا، جب تک کہ وہاں کے رؤسا کو اس بات کا پورا الیقین نہ ہو جائے کہ مجاہدین کا لشکر حبیب اللہ خاں کی تائید میں جائے گا۔ دو روز لشکر میں خرچ کی ایسی تنگی رہی کہ اکثر اہلِ قافلہ عموماً اور اہلِ رامپور خصوصاً بڑے مضطرب ہوئے اور وہاں پر (بغیر مشغلۂ جہاد کے) پڑا رہنا اُن کو بہت دشوار معلوم ہوا۔ ان میں سے بعض رفقا نے واپسی کا مشورہ دیا، بعض بغیر اجازت چلے گئے۔ میاں محمد مقیم خاں نے اپنی فطری شجاعت اور جرأت کی بنا پر سلسلۂ جہاد شروع کرنے کا بہ شدت تقاضا کیا، اگرچہ میں نے حسنِ تدبیر اور لطفِ کلام سے اُن کو بہت کچھ روکا، لیکن ایک ایک دن اُن کو ایک سال معلوم ہوتا تھا۔ میں نے منشی خواجہ محمد کو اشرفی دے کر سربلند خاں کے پاس بھیج دیا کہ اُن سے مشورہ بھی ہو جائے اور اشرفی بھی فروخت کر کے روپیے لے آئیں۔

حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے اُن کے جانے کے بعد ارسلاں خاں نے آ کر کہا کہ میں تو حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے جاتا ہوں۔ اگر تم میں سے کسی کو جہاد کا شوق ہو اور مظلوم مسلمانوں کی حمایت کا جذبہ ہو، تو ہمارے ساتھ ہو جائے۔ خرچ میرے ذمے ہوگا۔ اس خبر کو سُن کر بہت سے اہلِ قافلہ اور خاص طور پر میاں محمد مقیم خاں اُن کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئے اور مجھ سے اجازت لی۔ اگرچہ ان کو اجازت دینا خلافِ مصلحت

تھا، لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق اُن کی دلجوئی بھی ضروری تھی۔ میں نے لشکر کو دو حصّوں پر تقسیم کر دیا۔ میاں محمد مقیم خاں کے ساتھیوں کو اور ان سب لوگوں کو جو عُجلت کر رہے تھے، ارسلاں خاں کے ساتھ بھیج دیا اور خود باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ جبسی کوٹ میں مقیم رہا۔

سربلند خاں اور اُس کے ساتھی ارسلاں خاں اور میاں محمد مقیم خاں کی روانگی کے بعد مع اپنے ہمراہیوں کے، جن کی تعداد چالیس کے قریب ہے اور جن میں ملا محمد اسمٰعیل اخوندزادہ اور مُلّا شاہ سید وغیرہ ہیں، سربلند خاں کی طلب پر اُن کی مُلاقات کے لیے گئے۔ مُلّا عصمت اللہ با در شاہ سید بھی وہاں ملے۔ سربلند خاں اس وقت اس مقام پر مسافرانہ ٹھیرا ہُوا ہے۔ اس مقام کا اصل رئیس شاہی خاں ہے، جو خان ممدوح کا دوست اور حامی و مددگار ہے۔ سربلند خاں اور شاہی خاں اور ان کے بھائیوں سے مُلاقات ہوئی۔ اگرچہ اُنس و اتحاد اور محبت کی بہت سی باتیں ہوئیں لیکن ایسا اندازہ ہُوا کہ وُہ یکسوئی اور یک روئی کے ساتھ گروہ مجاہدین میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں۔ دو دن اور دو رات ہمارا اُن کے یہاں قیام رہا اور ہم نے اُن کو ترغیب دینے میں کوئی کمی نہیں کی

سربلند خاں کا مقصودِ اصلی لیکن اُن کی باتوں اور قرینوں سے معلوم ہُوا کہ اُن کا مقصودِ اصلی پائندہ خاں کی سرکوبی اور شکست ہے۔ یہ اُس وقت تک مُجاہدین کی رفاقت اختیار نہیں کریں گے، جب تک اُن کو قوّت و شوکت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ اگر مجاہدین کو کُفّار پر غلبہ حاصل ہو گا، تو یہ بڑی تیزی کے ساتھ ہوا [illegible] کے [illegible] ہو جائیں گے ورنہ اُن کی مخالفت و موافقت کے درمیان سلامتی کا راستہ اختیار کریں گے اتنی بات یقینی ہے کہ یہ مجاہدین کو نقصان پہنچانے میں کوئی حصّہ نہیں لیں گے لیکن فی الحال اُن کی نُصرت و حمایت میں دلیرانہ اور مردانہ طریقے پر میدان میں بھی اُترنے

کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر اُن کے حریف (پائندہ خاں) کی بیخ کنی پر کمر باندھ لی جائے، تو یہ بھی ساتھ دینے کے لیے کمر بستہ ہیں، لیکن اگر بیخ کنی کا وعدہ کیا جائے، تو یہ بھی موافقت کے وعدے پر ٹال دیں گے۔

پائندہ خاں کی مخالفت خلافِ مصلحت یہ فدوی پائندہ خاں سے اظہارِ بیگانگی کو کئی وجُوہ سے مضر سمجھتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دریاے سندھ کے دونوں طرف کے گھاٹ اور علاقۂ اگرُور اس کے زیرِ حکومت ہے۔ اس سے رابطۂ دوستی ختم کر دینے کی صُورت میں مجاہدین کا دریا سے گزرنا مُشکل ہو جائے گا۔ دُوسرے یہ کہ اس ضلع کے بقیہ خوانین کے مقابلے میں پائندہ خاں سب سے زیادہ صاحبِ حشمت و اقتدار ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے خوانین کی موافقت کچھ مفید نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کے درمیان اور حبیب اللہ خاں اور دوسرے خوانینِ اگرُور کے درمیان رابطۂ اتحاد نہایت مستحکم ہے۔ میاں محمد مقیم صاحب مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ حبیب اللہ خاں کے یہاں گئے ہُوئے ہیں۔ اگر خوانینِ اگرُور کو یہ علم ہو گیا کہ ہمارا پائندہ خاں سے رابطۂ اتحاد منقطع ہو گیا، تو میاں محمد مقیم خاں اور اُن کے ساتھیوں کو مضرّت پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چوتھے یہ کہ سلطان زبردست خاں، جو نواحِ کشمیر کا رئیسِ اعظم ہے، حبیب اللہ خاں کے ساتھ زمانۂ قدیم سے رابطۂ اتحاد و اخلاص رکھتا ہے، ممکن ہے کہ ہمارا اور حبیب اللہ خاں کا تعلق سلطان زبردست خاں کے ساتھ تعلق کا ذریعہ بن جائے۔

خوانین کے متعلق عام تاثر اس علاقے کے جن خوانین سے میں مِل چکا ہُوں، اُن کے متعلق براہِ راست اور ناصر خاں، حسن علی خاں اور سیّد محمد علی شاہ، جن سے ابھی تک ملاقات کا اتفاق نہیں ہُوا، اُن کے متعلق بطریقِ قیاس اندازہ ہے کہ ان سے لشکرِ اسلام کے شوکت و غلبہ کا ذریعہ بننے اور کفّار سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی سلسلہ جُنبانی کی

اُمید نہیں۔ البتہ اگر ہم کو حشمت و شوکت حاصل ہو جائے، تو یہ ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ان سے کسی نقصان اور مضرّت کا اندیشہ بھی بہت بعید ہے۔ ان کی حیثیت ان ساکتین اور قاعدین کی ہے کہ جو دل سے تو اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں، لیکن معرکۂ کارزار میں کوئی حصّہ لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فی الحال سربلند خاں اور شاہی خاں کے مشورے سے مقام جویان ستور میں اقامت اختیار کی ہے یہاں سے مختلف سرداروں اور معززین کے نام ترغیبی خطوط لکھے ہیں اور مختلف سمتوں کی طرف ترغیب جہاد کے لیے قاصد و مبلغین روانہ کیے ہیں۔ بہرحال اپنی طاقت اور اپنی استطاعت کے مطابق سعی میں مشغول ہوں اور سررشتۂ کار کو قادرِ مختار کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

اس علاقے کے لیے صحیح طریق کار اس علاقے میں آکر ایسا معلوم ہوا کہ اگرچہ طویل مُدّت میں خدا کی مہربانی سے مقصُود کا حصُول متوقع ہے لیکن ابھی اس نواح میں لشکر کے آنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی تو اس کی ضرورت تھی کہ یہ فدوی چند خدمت گزاروں کے ساتھ اس نواح میں آتا اور دیہاتوں اور بستیوں کا خُفیہ اور علانیہ دَورہ کرتا جب اس علاقے کے رُؤسا تیار ہو جاتے اور لشکر کے قیام کے لیے کوئی جگہ معین ہو جاتی؛ اس وقت لشکرِ اسلام رونق افروز ہوتا یا ابتدا ہی میں ایک بڑا لشکرِ جرار یہاں کا رُخ کرتا اور یہاں کے باشندوں کی موافقت یا مُخالفت سے قطعِ نظر کرتے ہوئے عَلمِ جہاد بلند کرتا اور بغیر کسی تردُّد اور دغدغہ کے کفار و مُنافقین پر دست اندازی کرتا پھر جو مخالفت کرتا، وہ سزا پاتا۔ بہرحال اَلْخَیْرُ فِیْ مَا وَقَعَ۔ اگر یہاں مجاہد مقیم فتحیاب ہو جاتے ہیں، تو مقصُود بہ آسانی حاصل ہو جاتا ہے، ورنہ اس میں کچھ مُدّت لگے گی۔

جہاد کی حقیقت ایک دِقّت یہ ہے کہ ہمارے اکثر ساتھیوں کے مزاج میں عجلت ہے

بعض پورے طور پر معتقد و مطیع ہیں اور اس بات کو خوب سمجھ چکے ہیں کہ جہاد صرف اس بات کا نام ہے کہ دین کی نصرت کے سلسلے میں مساعیِ جمیلہ کام میں لائی جائیں، جو وقت کے مناسب حال ہوں۔ وہ تو ہر حالت میں اپنی شرکت باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔ اس وقت ہماری واپسی بھی مقصد کے لیے مضر ہے اور بغیر غور و فکر اور تدبیر کے حملہ اور دست اندازی بھی خلافِ مصلحت ہے، بلکہ عجب نہیں دینی اور عقلی طور پر ممنوع ہو۔ اس وقت تو اس کی ضرورت ہے کہ خوراک و پوشاک کی تنگی پر صبر کریں، پہاڑوں کے نشیب و فراز اور گھاٹیوں کے طے کرنے کے لیے مستعد رہیں اور ہر طرح کی ضروری اور مناسب کوششیں عمل میں لائیں اور اس کو جہاد کی اعلیٰ قسم شمار کریں۔ بارگاہِ الٰہی سے امیدِ واثق ہے کہ اس فدوی کے رفقاء عموماً اور اس کے اہلِ شوریٰ خصوصاً اس بارے میں اس فدوی کے ساتھ پورے طور پر شریکِ حال ہوں گے۔ انشاء اللہ کچھ مدت کے بعد مقصود میں کامیابی حاصل ہوگی۔[1]

---

[1] مکتوب پنجم (مکاتیب شاہ اسمٰعیلؒ)

چھٹا باب

ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں اور ہندوستانی مجاہدین کے قافلے

ڈمگلا کا شب خون اِس اثنا میں شہرت ہوئی کہ مجاہدین ڈمگلا پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ [1] یہ مقام خاص فوجی اہمیت رکھتا تھا۔ اِس کے فتح ہو جانے سے مظفرآباد و کشمیر کی طرف پیش قدمی کا راستہ کھل جاتا تھا۔ ہری سنگھ نلوہ نے پھول سنگھ کی ماتحتی میں دو تین ہزار سکھوں کا لشکر مقابلے کے لیے بھیجا۔ لشکر نے ڈمگلا میں ڈیرہ کیا۔

میاں مقیم رامپوری اور رئیسوں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے مشورہ کیا کہ سکھوں کا لشکر ڈمگلا میں داخل ہوا۔ عجب نہیں کہ کل ہم سے اور اُن سے مقابلہ ہو۔ مناسب یہ ہے کہ آج ہی رات کو ہم اُن پر شبخون ماریں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔

اُسی روز میاں مقیم کے تمام ہمراہی اور پچاس دُوسرے مجاہدین اور چودہ پندرہ سو مُلکی چھاپے کے واسطے مقرر ہوئے۔ باقی ہندوستانی اور ملکی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے پاس رکھے۔ گولی بارُود سب کو بانٹ دی اور وُہ چھ سات سو بانس کے بارُود بھرے ہُوئے نل تین تین، چار چار ہر غازی

---

[1] وقائع احمدی اور دُوسرے قدیم ماخذ سے پتہ نہیں چلتا کہ میاں مقیم اور ارسلان خان کے ساتھ مجاہدین کی جو جمعیت [illegible] کی مدد کے لیے روانہ ہوئی تھی، اس نے کیا کیا اور کیا واقعات پیش آئے اور کس طرح ڈمگلا پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا۔ مناقب احمدیہ میں اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا گیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔

کے حوالے کیے اور سمجھا دیا کہ جدھر مخالفوں کا مجمع دیکھنا، ادھر ایک دو نل داغ کر پھینک دینا۔ وہ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور تم اس طرف سے بندوق اور قرابین مارنا شروع کرنا، اور چار پانچ چارپائیاں بھی سنگر سے اُترنے کے لیے ساتھ کر دیں۔ ہر ایک سے فرمایا کہ سورۂ لِاِیْلٰف گیارہ گیارہ بار پڑھ کر روانہ ہو۔ سب کا امیر میاں مقیم صاحب کو کیا اور مولوی خیرالدین صاحب کو شریک کیا اور شناخت کے لیے اپنے لشکر کے شبخون والوں کا نام عبداللہ رکھ دیا اور دُعا کر کے رُخصت فرمایا۔ سوا پہر رات باقی ہو گی کہ آگے پیچھے حملہ آور جمع ہو کر آگے بڑھے۔ جب سنگر کے قریب آئے اور سب نے مل کر ارادہ کیا کہ تکبیر کہہ کر سنگر میں گھسیں، اس وقت تخمیناً تین سو ساڑھے تین سو آدمی باقی رہے اور خدا جانے کدھر چھپ گئے۔ ادھر سکھوں کی جماعت مُلکی اور سکھ ملا کر پانچ چھ ہزار سے کم نہ تھی۔ پھر میاں مقیم وہ چارپائیاں سنگر پر ڈال کر خود آگے ہوئے اور اُن کے پیچھے مجاہدین چلے۔ مجاہدین نے میاں مقیم کے پیچھے یکبار بآوازِ بلند أَللّٰهُ أَكْبَرُ! أَللّٰهُ أَكْبَرُ! کہہ کر بندوق اور قرابین مارتے ہوئے حملہ کیا۔ سکھ بھی ہوشیار ہو گئے کہ چھاپہ آپہنچا۔ اُنھوں نے جلد نقارہ بجایا اور غول غول ہو کر کئی جگہ جمع ہو گئے اور بندوقیں مارنے لگے۔ اس وقت مجاہدین نے وہی نل داغ کر اُن کے غول میں پھینکے اور پیچھے سے قرابینوں سے حملہ کیا۔ اس وقت میاں مقیم کے لوگوں نے ایسی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا کہ (وقائعِ احمدی کے راوی کے بقول) لوگ رُستم و اسفندیار کی جُرأت و دلیری بھول گئے۔ وہ اس طرح بیباک ہو کر سکھوں کی جماعت میں گھستے تھے، جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے یہاں تک کہ تین چار ریلوں میں اُن کو سنگر سے نکال کر باہر کر دیا۔

اس عرصے میں وہ مُلکی لوگ، جو طرح دے کر پیچھے دب رہے تھے، وہ بھی آ کر سنگر میں داخل ہوئے اور سکھوں کا مال و اسباب لُوٹ لُوٹ کر چلنے لگے۔ مجاہدین سکھوں کے مقابلے میں جمے رہے۔ اس عرصے میں سکھوں نے موضع ڈمگلا کی دو تین جھونپڑیوں میں آگ لگا دی۔ اس کی روشنی سے تمام سنگر اور اُس کے اطراف میں دن سا ہو گیا۔ اِس اُجالے میں سکھوں نے دیکھا کہ سنگر میں لُوٹ مچی ہے، ہر کوئی مال و اسباب لیے ہوئے چلا جاتا ہے۔ اس وقت مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی نے

میاں مقیم سے کہا کہ مُلکیوں نے لڑائی بگاڑ دی، وہ تو لُوٹ لُوٹ کر اپنا رستہ لیتے ہیں اور آپ زخمی ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ آپ بھی جلد یہاں سے نکلنے کی تدبیر کریں۔

زخمیوں کا جذبہ مولوی خیرالدین صاحب چند مجاہدین کے ساتھ سکھوں کے مقابلے میں رہے اور اُن کو مشغول رکھا اور لوگوں سے کہا کہ جو زخمی اُٹھانے کے قابل ہوں، اُن کو سنگر کے باہر اُٹھا لے چلو اور باقیوں کو رہنے دو۔ مجاہدین نے چھ یا سات زخمیوں کو، جو لے چلنے کے قابل تھے، اُٹھایا۔ دو صاحب سیّد لُطف علی اور عبدالخالق مُحمّد آبادی زیادہ زخمی تھے۔ جب اُن کو لے چلنے کے لیے اُٹھایا، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے ہتھیار لے لو اور ہم کو تکلیف نہ دو، ہم کو یہی مَیدان پسند ہے۔ مجاہدین نے ان کے ہتھیار لے لیے اور اُن کو وہیں چھوڑ دیا۔ وُہ ظاہراً گھڑی، دو گھڑی کے مہمان تھے۔ چند ہندوستانی شہید ہُوئے اور چند غازی تھوڑے تھوڑے زخمی۔ اُنھیں میں میاں مقیم بھی تھے۔

جب سب زخمی سنگر کے باہر نکل چکے، تب مولوی خیرالدین صاحب بھی استقامت اور دل جمعی کے ساتھ اپنے لوگوں کو لے کر سنگر سے نکلے اور سب کو لے کر روانہ ہُوئے۔ اس وقت سکھوں کو ایسی شکست فاش نصیب ہوئی تھی کہ باوجودیکہ کئی ہزار تھے، کسی کو تعاقب کی جرأت نہیں ہُوئی۔

جنگِ شنکیاری مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی فوج میں دو روز سے فاقہ تھا۔ ڈمگلے کی شبخون کی شام کو کچھ غلّہ میسّر آگیا تھا۔ لوگ کھانے کے انتظام میں مشغول تھے۔ سکھوں کا ایک لشکر، روندگشت کے طور پر شنکیاری کی گڑھی سے، جو مجاہدین کی قیام گاہ سے تھوڑے فاصلے پر تھی، باہر نکلا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو، جن کی نگاہ اس گڑھی کی طرف تھی، یہ گمان ہُوا کہ دشمن مقابلے کو آتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو کمر بندی کا حکم دیا اور ایک دو باڑھ مار کر اُن پر حملہ کر دیا۔ سکھوں نے بھاگنا شروع کیا۔ اُس وقت ایک شخص نے سکھ لشکر کے عقب میں سے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا کہ یہ تھوڑے سے آدمی ہیں، تم کیوں بھاگتے ہو؟ یہ پکار سُن کر لشکر لوٹ آیا اور مقابلہ شروع ہُوا۔ اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب کے ہمراہ کُل بارہ آدمی تھے، باقی سب آدمی لشکر کے نگراں تھے۔ مگر یہ بارہ آدمی سیسے کی دیوار کی طرح وہیں جم گئے اور پھر مار شروع کی۔

وقائع میں ہے کہ: کہ حملہ کرتے ہوئے نزدیک آئے، تو مجاہدین نے مورچوں سے نکل کر قرابینوں سے مقابلہ کیا جب اور قریب آئے، تو نوبت تلوار کی پہنچی۔ اس وقت لوگوں نے مولانا کی شجاعت و دلیری کا تماشا دیکھا۔ آپ نے تلوار سے لاش پر لاش بچھا دی۔ منظورہ میں ہے کہ ایک سکھ تلوار کھینچ کر مولانا پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے وار کرنے سے پہلے اُس کو گولی سے ختم کر دیا۔ جب آپ دوسری بار بندوق بھر رہے تھے، اس وقت دوسرے شخص نے تلوار سے آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپ نے اُس کو بھی گولی سے اُڑا دیا۔ جب آپ تیسری بندوق بھر کر پیالے میں رنجک ڈال رہے تھے اُس وقت ایک سکھ کی گولی آپ کی انگلی میں لگی۔ اس گولی کے صدمے سے آپ کا ہاتھ بندوق کے پیالے سے جُدا ہو گیا۔ اس حالت میں بھی آپ نے بندوق چلا دی۔ لیکن جب آپ نے چوتھی بار بندوق بھرنے کا ارادہ کیا، تو اُس زخمی اُنگلی سے اتنا خون بہا کہ بارُود بھی تر ہو گئی اور ہاتھ میں بندوق بھرنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ اس بے بسی کی حالت میں ایک سکھ نے ننگی تلوار سے مولانا پر حملہ کیا۔ مُولانا نے اُس کو ڈرانے کے واسطے خالی بندوق اُس کے سامنے کر دی۔ وہ گھبرا کر بھاگ گیا اور مُولانا اُس کی ضرب سے بچ گئے۔ مُولانا بارہا اُس اُنگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، تو یہ میری انگشتِ شہادت ہے، ورنہ بہت سے زخم لگتے ہیں اور ان میں کوئی ثواب نہیں۔ بالآخر سکھ میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

ادھر میاں مقیم اور اُن کے ساتھی ڈمگلا سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں اُنھوں نے بندوقوں کی آواز سُنی۔ معلوم ہوا کہ مجاہدین کی قیام گاہ پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہمراہیوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ میاں مقیم اور مولوی خیر الدین صاحب جب مولانا کے پاس پہنچے، تو سکھ جا چکے تھے۔ دیکھا، تو چھ سات آدمی مجاہدین میں شہید ہوئے ہیں اور نو دس زخمی۔ مولانا کی اُنگلی میں گولی لگی تھی اور دگلے میں چھ سات سوراخ گولیوں کے ہو گئے تھے۔ سکھوں کے دو ڈھائی سو آدمی مارے گئے تھے

مجاہدین کی واپسی مولانا نے کمال خاں اور ناصر خاں کے مشورے سے اگڑور میں قیام کیا۔ وہاں سے شمدڑہ اور وہاں سے اوگئی آئے۔ وہاں آٹھ روز قیام فرمایا۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ یہاں سے نکل کر

سکھوں کی بستیوں پر شبخون ڈالیں گے۔ اس اثنا میں سیّد صاحبؒ کا فرمان پہنچا کہ آپ وہاں سے جلد تشریف لے آئیں، ہندوستان سے مجاہدین کے بہت سے قافلے آئے ہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے منزل بمنزل کُوچ کرتے ہوئے مرکز میں پہنچ گئے۔ سیّد صاحبؒ نے پنجتار سے نکل کر ڈھائی، تین سو آدمیوں کے ساتھ مولانا اور اُن کے ہمراہیوں کا استقبال کیا۔ مولانا سیّد صاحبؒ کی سواری دیکھ کر کمالِ اشتیاق کے ساتھ تیز قدم ہو کر چلے مُصافحہ و مُعانقہ ہُوا اور آپ نے سیّد صاحبؒ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ تمام لوگ آپس میں ایک دُوسرے سے ملے۔

ہندوستان کے قافلے اوپر گزر چکا ہے کہ بونیر و سوات کے دَورے میں پانچ ہندوستانی قافلے پہنچے، جن میں پونے تین سَو کے قریب آدمی تھے۔ جب ہندوستان میں سیّد صاحبؒ اور اُن کے رُفقاء کے صُوبۂ سرحد میں استقرار اور معرکہ آرائیوں کی اطلاع پہنچی اور رُفقاء اور اہلِ سرحد نے سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت وجہاد کی اور اس کے اطلاعی خطوط اور اعلام نامے ہندوستان پہنچے، تو وہاں سے مخلصین کے قافلے، جن میں سے اکثر پہلے سے مستعد و عازم تھے اور مختلف دینی اور انتظامی مصلحتوں سے جن کا بہ یک وقت چلنا مناسب نہ تھا، جُوق در جُوق آنا شروع ہُوئے۔ چنانچہ اس عرصے میں کہ شاہ صاحب اور میاں مقیم ہزارے کے محاذِ جہاد پر تھے، پندرہ قافلے تھوڑے تھوڑے وقفے سے پہنچے۔ ان قافلوں میں بڑے بڑے عُلما، ذی وجاہت اور پُرجوش مجاہد تھے۔ ایک قافلہ سیّد صاحبؒ کے بڑے بھانجے سیّد احمد علی صاحب رائے بریلوی کا تھا، دُوسرا قافلہ مولانا عنایت علی[1] کا، تیسرا مولوی قمر الدین صاحب کا، چوتھا باقر علی صاحب کا۔ پانچواں عثمان علی صاحب کا، چھٹا مولانا مظہر علی عظیم آبادی کا، ساتواں مولوی خرّم علی بلہوری کا، آٹھواں مولوی عبد القدوس کانپوری کا، نواں مولانا سیّد محمد علی رامپوری کا، دسواں مولوی عبد اللہ امروہی کا، گیارھواں حافظ قطب الدین پھلتی کا، بارھواں مولانا محبوب علی دہلوی کا، تیرھواں حکیم محمد اشرف دہلوی کا، چودھواں میرن شاہ نارنولی کا، پندرھواں مولوی عبد الحق نیوتنی کا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور پشاور کے درمیان ایک بستی کنڈوہ ہے۔ کئی قافلے وہاں دُرّانیوں کے

---

[1] برادر مولانا ولایت علی عظیم آبادی

خوف سے رُکے رہے اور دریا عبور نہ کر سکے۔ کم و بیش دو مہینے اس تشویش و تردد میں گزرے۔ بالآخر سید صاحبؒ نے اپنے کچھ آدمی بھیجے۔ اُنھوں نے مقامی لوگوں سے مل کر ان قافلوں کے دریا عبور کرنے کا بندوبست کیا اور تقریباً دو مہینے کے توقف کے بعد اپنی منزلِ مقصود پر پہنچے جب یہ قافلے درے میں داخل ہوئے، تو سید صاحبؒ نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا اور مصافحہ اور معانقہ کر کے اُن کو اپنے ساتھ لائے۔

مولوی محبوب علی صاحب کا اختلاف

مولوی میر محبوب علی صاحب حضرت شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ کے مشہور شاگردوں اور نامی علماء میں سے تھے۔ سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ سے پُرانا تعارف اور تعلق تھا۔ جن ہندوستانی علماء و احباب کے نام سرحد سے خطوط و اطلاعات جاتی تھیں اُن میں مولوی محبوب علی صاحب بھی تھے۔ آپ نے سید صاحبؒ کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں جہاد و ہجرت کی دعوت جاری رکھی اور آپ کی ترغیب و تحریض سے مجاہدین کا ایک قافلہ آپ کی ہمراہی میں روانہ ہوا۔ راستے کی مشکلات اور ناگوار طبع اُمور کے پیش آنے، نیز طبیعت کی اُفتاد سے اُن کی گرانی اور کدورت بڑھتی گئی۔ مولانا نے راستے سے سید صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس میں اس بات پر ناگواری کا اظہار اور اعتراض تھا کہ آپ نے دُرّانیوں سے صلح کر لی ہے، جو مجاہدین و مہاجرین کے سدِّ راہ بن رہے ہیں اور اس کو توکّل و عزیمت کے منافی بتایا اور صاف صاف مشورہ دیا تھا کہ پہلے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرنا چاہیے اور کچھ قرآن مجید کی آیتیں بھی اس مضمون کی لکھ کر بھیجی تھیں۔ سید صاحبؒ نے ۱۱ محرم ۱۲۴۲ھ کو اُن کو بڑا محبت آمیز خط لکھا جس میں تشریف لانے اور حالات کا خود مطالعہ کرنے اور صبر و تحمل سے کام لینے اور اعتماد کرنے کی دعوت دی اور اپنے موقف کی وضاحت کی[1]۔ مولوی صاحب اس انتظام کے مطابق جس کا اہتمام خود سید صاحبؒ نے فرمایا تھا، پنجتار کے مرکز میں تشریف لائے۔ سید صاحبؒ نے جب مولوی صاحب کی آمد کی خبر سُنی، تو آپ استقبال کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کا سبزہ گھوڑا جو سردار سید محمد خاں نے نذر کیا تھا، کوتل چلا آ رہا تھا۔ اُس پر زریں

---

[1] مکاتیب شاہ اسمٰعیل صاحبؒ ص۹۸-۱۰۰

حاشیے کا مخملی زین پوش پڑا ہوا تھا۔ سیّد صاحبؒ خود پیادہ پا تھے۔ مولوی صاحب کی نظر پہلے گھوڑے پر پڑی۔ فرمایا! گھوڑے پر زرّیں زین پوش! جہاں ایسا امیرانہ ٹھاٹھ ہو، وہاں دیکھا چاہیے، انجام کیا ہو۔ سیّد صاحبؒ سے مصافحہ و معانقہ کے بعد آپ اپنے خیمے میں رہنے لگے لیکن آپ کے اعتراضات اور شبہات بڑھتے گئے۔ کبھی کہتے کہ آپ امام ہو کر ایسے نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور ایسے عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور مجاہدین بیچارے چکی چلاتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں اور پاؤ پاؤ غلہ پاتے ہیں۔ یہ آپ کو زیبا نہیں۔ سیّد صاحبؒ نے نرمی سے فرمایا کہ مولوی صاحب، اب تو آپ ہمارے یہاں مہمان آئے ہیں۔ جو کچھ میں کھاتا ہوں، وہ آپ بھی کھائیں گے، تب آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔

اِس گفتگو کا چرچا بھیلے بھیلے، ڈیرے ڈیرے، تمام لشکر میں ہونے لگا اور نااتّفاقی اور فساد کی ایک صُورت ظاہر ہونے لگی۔

کھانے کی تفصیل سیّد صاحبؒ کے یہاں یہ طرز تھا کہ اس مُلک کے جو لوگ آپ کی ملاقات کو آتے تھے، وُہ تحفہ کے طور پر کوئی دو مُرغ لاتے، کوئی سیر دو سیر شہد یا گھی لاتے، کوئی چاول، کوئی مُرغی کے انڈے لاتے۔ آپ یہ تمام چیزیں بحفاظت تمام اپنے باورچی خانے میں رکھوا دیتے۔ مہمانوں کا حال یہ تھا کہ کبھی بیس، کبھی تیس چالیس بھی آتے۔ ان کے کھلانے کی بھی کئی صُورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اگر وُہ سویرے لشکر والوں کے کھانے کے قبل آگئے، تو آپ ایک ایک، دو دو، گنجائش کے موافق، ہر بھیلے میں بھیج دیتے اور ان میں جو ذی عزّت، دو چار مُلّا مولوی یا خان و سردار ہوتے، ان کو اپنے ساتھ کھلاتے۔

دُوسری صورت یہ تھی کہ اگر وہ مہمان دیر سے لشکر کے کھانے کے بعد آتے، تو آپ اِسی تحفے اور سوغات میں سے جو مُرغ، چاول، انڈے وغیرہ ہوتے، اُن کے لیے کھانا پکواتے اور اُن کو کھلاتے اور اُن کے شریک ہو کر آپ بھی کھا لیتے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ کسی روز اپنے لوگوں کے موافق کھانا پک چکا اور دس پندرہ مہمان آ گئے، تو اسی کھانے میں اُن کو بھی شریک کر لیتے۔ اگر پندرہ آدمی کے لائق کھانا پکا ہے اور اسی قدر مہمان بھی آگئے، تو جہاں فی اسم آدھ سیر کھانا تھا، اب پاؤ بھر سر[1] اسم ہوا۔ جس قدر مہمان زیادہ ہوتے،

---

[1] اس سے مراد فی کس ہے۔

اُسی قدر ہر کسی کے حصے میں کھانا کم آتا۔ اکثر اوقات کھانے میں کمی کا خیال کرکے خود سید صاحب نہ کھاتے کہ یہ مہمان کھالیں، ہم کسی کے بیلے میں کھالیں گے۔ مگر وہ مہمان ہرگز نہ مانتے، اصرار سے کھلاتے اور کہتے کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ کھانے کو آئے ہیں۔ اگر آپ نہ کھائیں گے، تو ہم اپنے بھائی بندوں کے یہاں چلے جائیں گے، ہمارے واسطے وہاں بھی کھانا موجود ہے۔ اُن کی خاطر سے آپ کو ضرور ہی کھانا پڑتا۔ اسی کش مکش میں ایک ہفتہ مولوی محبوب علی صاحب نے سید صاحبؒ کے ساتھ کھانا کھایا اور گھبرا گئے اور کہا کہ ہم سے تو آپ کے ساتھ کھانا نہ کھایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے؟ آخر ہم بھی تو کھاتے ہیں۔ کہا: ہر روز بھوکا نہیں رہا جاتا۔ سید صاحبؒ نے دو تین آدمی مولوی محبوب علی صاحب کے معتقدین میں سے اور دو تین آدمی اپنے لوگوں میں سے پہلے ہی دن سے کھانے کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے مولوی صاحب کے شریک کر رکھے تھے۔ آپ کے لوگوں نے مولوی صاحب کے معتقدین سے کہنا شروع کیا کہ ایسے ہی کھانے پر تمہارے مولوی صاحب سید صاحبؒ پر اعتراض کرتے تھے کہ خود ایسے عمدہ اور نفیس کھانے کھاتے ہیں اور لشکر والے خشک روٹی بمشکل پاتے ہیں۔ اب وہ عمدہ کھانا مولوی صاحب کیوں نہیں کھاتے ہیں؟

پوشاک پر اعتراض اور اس کا جواب دوسرا اعتراض مولوی صاحب کا پوشاک اور خرچ وغیرہ پر تھا۔ اس کا حال یہ ہے کہ شیخ غلام علی صاحب الٰہ آبادی بیلے ہوئے کپڑوں کے گٹھے کے گٹھے خاص آپ کی ذات کے لیے بھیجتے رہتے تھے اور جوتوں کے جوڑے بھی وہیں سے آتے تھے۔ اسی طرح اور مریدین کے یہاں سے ہر قسم کے تھان اور سیکڑوں، بلکہ ہزاروں روپے خاص آپ کے خرچ کے واسطے آتے تھے۔ یہ روپیہ آپ اپنی مرضی کے موافق جہاں مناسب سمجھتے، صرف کرتے۔ چنانچہ آپ نے ہزار، دو ہزار روپے کی اسی قسم کی قبائیں سلطان محمد خان، یار محمد خان اور سید محمد خان کو عطا فرمائیں۔

جہاد و قتال میں فرق مولوی محبوب علی صاحب اہلِ لشکر سے کہتے تھے کہ تمہارے اوپر بیوی بچوں اور والدین کے حقوق ہیں، تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے کہا: جہاد کے واسطے۔ مولوی صاحب نے کہا: جہاد کہاں ہے اور کون کفار سے مقابلہ ہے؟ کس ملک میں تمہارا عمل دخل ہوا؟ صبح سے

شام تک تم لوگ کمانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو۔ جہاد کا محض بہانہ ہے۔ تمھاری دُنیا و آخرت دونوں خراب ہیں۔

لوگوں کو ایک معتبر عالم کی زبان سے یہ سُن کر خواہ مخواہ انتشار ہُوا اور لشکر میں اس کا عام چرچا ہُوا۔ آخر ایک روز مولوی محمد حسن رامپوری[1] نے سیّد صاحبؒ سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ نماز کے بعد سب لوگ موجود تھے، آپ نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ یہاں کے لوگوں کو کس طرح خارج از جہاد سمجھتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ تم کس سے جہاد کر رہے ہو، اور کون سا جہاد ہو رہا ہے؟ مولوی محمد حسن نے کہا کہ جنگ کا نام ہی جہاد نہیں ہے، جنگ کو قتال کہتے ہیں، اور وہ کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ جہاد کے معنے ہیں "اِعلاءِ کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا"۔ یہ مدّتِ دراز تک باقی رہتا ہے اور اس کی مختلف صُورتیں ہوتی ہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے اور اُن کوششوں کو جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے لوگ کر رہے ہیں، عبث قرار دیتے ہیں۔ میں آپ سے پُوچھتا ہوں کہ اس وقت جہاد کا انکار کر کے آپ وطن دہلی تشریف لے جائیں اور کسی دن کفّار سے مقابلہ اور قتال، جس کو آپ جہاد کہتے ہیں، پیش آ جائے، تو کس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر آپ کو اطلاع دی جائے گی؟ اور آپ یہ اپنی کون سی کرامات سے اُڑ کر داخلِ جہاد ہوں گے؟

مولوی محبوب علی صاحب کی واپسی ان اعتراضات و اختلافات اور نا اتفاقی سے سیّد صاحبؒ بہت تنگ آئے۔ جب کسی طرح مولوی صاحب نہ سمجھے، تو ایک روز سیّد صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ مولوی صاحب اِس لشکرِ اسلام میں آپ نے اپنی نفسانیت سے تفرقہ ڈالا ہے اور تو میں کیا کہوں؟ میدانِ حشر میں آپ کا گریبان ہو گا اور میرا ہاتھ۔[2]

---

[1] مولوی محمد حسن رامپوری لشکر کے اہم اور ممتاز افراد میں سے تھے۔ مولوی سیّد جعفر علی کے الفاظ ہیں: "مولانا محمد اسمٰعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے وزیر آنجناب بُودند"۔ (ص ۳۳، وقائع)

[2] "منظورہ" میں مذکور ہے کہ سیّد صاحبؒ نے مولانا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کو میری امامت پر اعتراض ہے تو آپ خود ہی منصبِ امامت قبول فرمائیں کہ عالم، فاضل، مُہاجر و سیّد ہیں۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہُوں، مگر مولانا نے منظور نہیں فرمایا۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ڈمگلا و شنکیاری سے واپسی سے تین روز پہلے ایک دن مولوی محبوب علی صاحب رات کو بے بتلے اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے آکر سنا، تو بڑا افسوس کیا اور فرمایا: افسوس! مولوی صاحب چلے گئے۔ اگر میرے آنے تک توقف کرتے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں اُن کو سمجھاتا، اُنھوں نے سید صاحبؒ کو پہچانا نہیں۔

میرن شاہ نارنولی اپنی آمد کے تیسرے ہی روز کچھ لوگ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے، راستے میں چمکنی ہی میں چند دن بیمار رہ کر انتقال کیا۔ حکیم محمد اشرف دہلوی بھی واپس چلے گئے۔

ہندوستان سے امدادی رقمیں ہندوستان سے احباب و معاونین صاحبزادہ شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی کی معرفت برابر مالی امداد کرتے رہتے اور بیش قرار رقموں کی ہنڈیاں ہندوستان سے آتی تھیں[1]۔ چنانچہ ان دنوں میں بھی ایک پانچ ہزار کی، دوسری بارہ سو کی، تیسری دو سو ستر روپے کی پہنچی، جو میاں دین محمد کی دانائی و سلیقہ مندی سے ٹوٹ کر مہاجرین کے مصارف میں آئیں۔

داعیوں اور مبلغوں کی روانگی اسی اثنا میں سید صاحبؒ نے محمد قاسم صاحب پانی پتی کو وعظ و نصیحت اور جہاد کی دعوت کے لیے بمبئی روانہ کیا۔ اُن کے بعد آپ نے مولانا محمد علی رامپوری سے فرمایا کہ آپ حیدر آباد دکن جائیے۔ اُنھوں نے عذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی عالم سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ یہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے مجمع میں وعظ و درس کروں۔ مجھ کو تو آپ کسی کام کو کہیں بھیجیں کہ وہ کام کر کے چلا آؤں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ جس بات کا عذر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ عذر دور کر دے۔ آپ نے اپنا کُرتا، پائجامہ اور تاج اُن کو پہنایا اور کہا کہ میں اپنی زبان نکالوں، آپ اپنی زبان سے چاٹ لیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے چار پانچ آدمی اُن کے ہمراہ کیے اور فرمایا کہ یہاں سے سندھ جائیے گا، وہاں سے پیر کوٹ میں بی بی صاحبہ سے ملتے ہوئے کراچی جائیے گا، وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر بمبئی اُتریے۔ وہاں سے حیدر آباد جائیے۔

---

[1] شاہ اسحٰق صاحبؒ کے نام شاہ اسمٰعیل صاحبؒ و سید صاحبؒ کے عربی خطوط ہیں، جو رقوم کی وصول یابی اور طلب کے سلسلے میں اصطلاحات اور رموز میں لکھے گئے ہیں۔

آپ نے مولوی صاحب کو وصیت کی کہ کلمۂ حق کہنے سے باز نہ رہیے گا، کوئی خوش ہو یا ناخوش؛ کوئی مارے یا سرفراز کرے۔ خیر و برکت اسی میں ہے۔

کئی دن کے بعد مولوی ولایت علی عظیم آبادی کو بھی دکن بھیجنے کی تجویز ٹھیری۔ آپ نے اُن کو اپنا ملبوس خاص، تاج اور کرتا اور پاجامہ پہنا کر سینے اور پُشت پر ہاتھ پھیرا اور دُعا کی کہ اللہ تعالےٰ تمھاری مدد کرے، اور وصیت فرمائی کہ کلمۂ حق کے بیان کرنے میں کسی کا خوف اور لحاظ نہ کرنا۔

اُنھیں دنوں رامپور سے خط آیا کہ میاں مقیم کے بھائی کریم اللہ خاں کا، جو نواب احمد علی خاں کے نائب کل تھے، انتقال ہو گیا۔ آپ نے میاں مقیم سے فرمایا کہ تمھارے بھائی کا انتقال ہوا، مناسب ہے کہ تم جا کر اُن کے اہل و عیال کے خبر گیراں ہو اور اُن کی جگہ نواب احمد علی خاں کے یہاں کام کرو۔ میاں مقیم نے عُذر کیا کہ میں وہاں سے جہادِ فی سبیل اللہ کی نیت کر کے آیا ہوں، اب وہاں جا کر کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو بھیجتے ہیں۔ تمھارے بغیر وہاں کا کاروبار ابتر ہو جائے گا اور تمھارے وہاں رہنے سے خُدا کا بھی بہت کام نکلے گا۔ وہ مجبوراً جانے پر راضی ہوئے اور سب سلاح و اسباب، جو اُن کے پاس تھا، وہیں چھوڑا۔

ان کے علاوہ حافظ قطب الدین اور مولوی عنایت علی کو بھی ہندوستان بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ آپ نے مولوی عنایت علی کو بُلا کر فرمایا کہ آپ کو جہاد کی ترغیب کے لیے بنگالے کو بھیجتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں، مگر دل چاہتا ہے کہ یہاں کا بھی کوئی واقعہ دیکھ لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں تمھارے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کا بہت کام نکلے گا۔ خُدا کے کام کی کوشش کے لیے تمھارا وہاں رہنا گویا ہمارے ساتھ یہاں کا رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو وقائع بہت دکھائے گا۔[1]

مولوی مظہر علی عظیم آبادی کی آمد مولوی عنایت علی کی روانگی کے چند ہی دن بعد آپ کے پاس خبر آئی کہ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کا قافلہ زیارت میں آ کر داخل ہوا۔ آپ اُن کے آنے سے کمال خوش

---

[1] چنانچہ مولانا ولایت علی صاحب کے بعد مولانا عنایت علی خانی ہی مجاہدین کے قائد اور ستھانہ میں مجاہدین و مہاجرین کے امیر رہے۔

مجھ سے اور فرمایا کہ مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی کی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے مولوی مظہر علی صاحب کو بھیجا۔

شاہِ چترال کے تحائف آپ نے پنجتار سے اخوند فیض محمد کو کچھ تحفے دے کر شاہ کاشکار (چترال) کے پاس جہاد کی دعوت کے لیے روانہ کیا۔ اخوند صاحب چترال سے واپس آئے اور شاہ کے تحائف بھی لائے۔ شاہ نے ایک سیدہ صاحبزادی اور ایک پشمینے کی نہایت باریک اور بیش قیمت چادر، ایک خوشخط و مطلا قرآن مجید اور ایک فولادی شیر ماہی کے دستے کی پیش قبض، جس کا دستال و دستال نقرئی تھا، بھیجا۔ ان تحائف کے ساتھ بادشاہ کا خط بھی تھا۔

ساتواں باب

خہر[1] کا قیام

ایک تبلیغی دورہ | پنجتار میں ارباب بہرام خانؒ[2] بیس پچیس سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور کئی دن قیام کیا۔ ایک روز انھوں نے سید صاحب سے مشورۃً عرض کیا کہ ان دنوں یہاں کوئی مشغولیت نہیں ہے۔ اگر مناسب سمجھیں، تو چند دن اس نواح میں دورہ فرمائیں اور جہاد کی ترغیب کے لیے وعظ و نصیحت فرمائیں۔ اس ملک کے اکثر لوگوں میں زمینداری کے سلسلے میں عداوتیں اور مخاصمتیں ہیں۔ اگر آپ ان کے درمیان مصالحت کرا دیں، تو وہ آپ کے شکر گزار اور فرماں بردار بن جائیں گے۔

آپ کو ارباب صاحب کی یہ صلاح پسند آئی۔ آپ نے بیمار اور ضعیف لوگوں کو پنجتار میں چھوڑا اور باقی لشکر لے کر وہاں سے کوچ کیا اور قرب و جوار کے مواضعات میں دورہ کر کے واپس پنجتار تشریف لائے۔ اس دورے میں شیوہ، چارگلی، موضع مرعلی، ہُنجی، اُتمان زئی، اسماعیلہ،

---

[1] عام طور سے خار کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

[2] ارباب صاحب تہکال متصلِ پشاور کے رہنے والے تھے۔ اس زمانے میں پنجتار کے قریب موضع مرعلی میں مقیم تھے۔ سرحد کے اہلِ تعلق و مخلصین میں ارباب بہرام خاں کو سب پر امتیاز و فوقیت حاصل تھی۔ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

کالوخاں، ٹھنڈکوئی، شیخ جانا مقامات پر جانا ہوا۔ ہر جگہ لوگوں نے بیعت کی۔ آپ نے وعظ و نصیحت فرمائی اور مضافات کے خوانین و شرفاء نے اہلِ سرحد کے دستور کے مطابق دعوت و ضیافت کا شرف حاصل کیا۔ اس دورے میں پندرہ روز صرف ہوئے۔

پنجتار آپ کی واپسی پر اطراف و نواح کے خوانین آکر جمع ہوئے اور چند روز تک متواتر ان سے مشورہ رہا۔ اس کے بعد دفعتاً آپ مع لشکر پنجتار سے روانہ ہوئے اور موضع شیوہ، بگی، کاٹ لنگ، رُستم، مُخزر، شاہ کوٹ[1] میں قیام کرتے ہوئے اور جہاد کی دعوت دیتے ہوئے عنایت اللہ خاں[2] سواتی کے مشورے سے درگئی ٹھیرتے ہوئے (جو ضلع مردان کا آخری موضع ہے) علاقۂ سوات میں خار تشریف لے گئے[3] اور وہیں لشکر کو طلب فرمالیا۔ امیر خاں مردانوی درگئی میں رہے اس لیے کہ لشکر کے اونٹوں کو چارے پانی کا وہاں زیادہ آرام تھا۔ یہاں خار میں پورے ایک سال سید صاحبؒ اور لشکر مجاہدین کا قیام رہا۔ اس نواح کے خوانین آپ کی ملاقات کو آئے اور مرید ہوئے اور سب نے اطاعت و شرکت جہاد کا عہد کیا اور آپ نے اس نواح کا بھی دورہ کر کے لوگوں کو مستفید فرمایا۔

مولانا عبدالحی صاحب کی وفات | مولانا عبدالحی صاحب مرض بواسیر میں مبتلا تھے۔ کوئی دوا مفید نہیں ہو رہی تھی۔ روز بروز بیماری بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ نزع کی حالت ہوئی۔ کسی وقت آپ بے ہوش ہو جاتے تھے، کسی وقت ہوش میں آتے تھے۔ یہ حال سن کر سید صاحبؒ آپ کے پاس تشریف لائے۔ جب مولانا کو ہوش آیا، سید صاحبؒ کو دیکھا اور پہچانا۔ آپ نے پوچھا: "کیا حال ہے؟" فرمایا: "نہایت تکلیف ہے۔ آپ میرے واسطے دعا کریں اور میرے سینے پر اپنا قدم رکھ دیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دے۔" آپ نے فرمایا: "مولانا صاحب!

---

[1] قدیم کتابوں میں شاہ کوٹ لکھا ہوا ہے، لیکن غالباً اس سے مراد "شاکوٹ" ہے، جو کوتل ملاکنڈ کے نیچے درگئی سے اس طرف پانچ میل پر ہے۔ پشاور اور مردان سے قدیم گاؤں درگئی کے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔

[2] یہ موضع الاڈنڈ کا رئیس تھا۔

[3]

آپ کے سینے میں قرآن و حدیث کا علم ہے۔ یہ اس لائق نہیں کہ میں اس پر اپنا قدم رکھوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مولانا کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار اَللّٰهُ الرَّفِيقُ الْأَعْلٰى! اَللّٰهُ الرَّفِيقُ الْأَعْلٰى! اپنی زبان سے کہا اور انتقال فرمایا۔

اُس وقت مولانا کے فرزند مولوی عبدالقیوم جو خُرد سال تھے اور مولوی عبدالقیوم کے دو ماموں شیخ جلال الدین اور شیخ صلاح الدین وہاں موجود تھے اور پُھلت والے تمام اعزّہ و اقربا حاضر تھے اور مجاہدین کا بھی اِزدحام تھا۔ سب نہایت غمگین و رنجیدہ تھے، خصُوصًا مولوی عبدالقیوم کا، جن کی عُمر بارہ تیرہ سال کی تھی، رنج و غم سے بُرا حال تھا۔ سیّد صاحبؒ بار بار اُن کو سینے سے لگاتے تھے اور تسلّی اور دلاسا دیتے تھے۔

مولانا کا انتقال پچھلی رات کو ہُوا۔ رات کو تجہیز و تدفین عمل میں نہ آسکی۔ صبح کو قبر کی تیاری اور غُسل شروع ہُوا۔ مولانا محمد اسمٰعیل، مولوی محمد حسن، قاضی علاء الدین، میاں جی چشتی، میاں جی محی الدین نے غُسل دیا۔ سیّد صاحبؒ مجمع میں مولانا کے فضائل و مناقب بیان کرتے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے کہ مولانا دین کے ایک رُکن اور بڑے برکت والے شخص تھے۔ اللہ نے اُن کو اُٹھا لیا۔ مالک کی مرضی۔ سیّد صاحبؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مقامی اصحاب کے علاوہ سات سَو غازی شریکِ نماز و دُعا تھے۔ پہر ڈیڑھ پہر دن چڑھے دفن سے فارغ ہُوئے۔

مولانا عبدالحی صاحب ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کے پہلے عشرے میں ہندوستان سے پنجتار تشریف لائے تھے اور شعبان کی آٹھ تاریخ کو آٹھ مہینے زندہ رہ کر خھر میں انتقال فرمایا[1]۔ سیّد صاحبؒ نے پُھلت والوں کو، جو مولانا کے عزیز و اقربا تھے، بُلا کر تسلّی دی اور سب کو کھانا کھلایا اور اسی دن سے مولوی عبدالقیوم صاحب کا کھانا اپنے ساتھ مقرر کیا۔

مولوی احمد اللہ صاحب کی آمد مولانا عبدالحی صاحب کے ایک دُوسرے بھائی تھے دوسری ماں سے، جن کا نام مولوی احمد اللہ صاحب تھا۔ وُہ ناگپور میں رہتے تھے اور بڑے عالم اور بڑے متّقی

---

[1] وقائع احمدی میں آپ کی وفات رجب کے اخیر عشرے میں بیان کی گئی ہے لیکن سیّد احمد علی صاحب کے ایک مکتوب (بنام وزیر الدولہ) میں ہے کہ آپ نے ۸ شعبان کو وفات پائی اور یہی صحیح ہے۔

تھے۔ دونوں بھائیوں میں کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی، صرف خط و کتابت تھی۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ وہ جہاد کے ارادے سے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر دہلی سے چلے اور مولانا عبدالحی صاحب کی وفات کے تیسرے یا چوتھے دن موضع ڈگئی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے سُنا کہ مولانا کا انتقال ہو گیا۔ دوسرے دن خہر میں آئے اور سید صاحبؒ سے ملے اور مصافحہ و معانقہ کیا۔ اپنا حال بیان کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مولانا کے انتقال پر بڑا افسوس و غم کیا کہ مجھ کو بھائی صاحب سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، مگر مرضیٔ الٰہی یوں ہی تھی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! آپ نے اُن کو سمجھایا اور تسلی دی اور مولوی عبدالقیوم کو بُلا کر اُن سے ملایا اور فرمایا کہ یہ آپ کے بھائی صاحب کے بیٹے ہیں۔ اُنھوں نے بڑی محبت سے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب اُن کو اپنے ڈیرے پر لے گئے اور وہیں اُن کو اور اُن کے لوگوں کو اُتارا۔ مولوی احمد اللہ صاحب برابر سید صاحبؒ کی رفاقت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

سید صاحبؒ کا تیسرا نکاح شَیدُو کے واقعے میں یار محمد خاں کی طرف سے آپ کو جو زہر دیا گیا تھا، اس کی گرمی کا اثر آپ کی طبیعت میں ظاہر ہونے لگا تھا۔ اُس کے دُور ہونے کے لیے لشکر کے تجربہ کار لوگوں کی رائے ہوئی کہ آپ کہیں نکاح کر لیں۔[1] آپ نے فرمایا: "بات تو مناسب ہے، مگر والدۂ سید محمد اسمٰعیل (زوجۂ ثانیہ) نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں اُن کے اُوپر کوئی اور شادی نہیں کروں گا۔ اس لیے میں اُن کی اجازت کے بغیر عقد نہیں کروں گا۔" لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اتنی ہی بات ہے، تو کسی قاصد کو سندھ بھیج کر اُن سے اجازت منگوا لی جائے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ سید محمد اسمٰعیل کو اس مضمون کا خط آپ کی طرف سے گیا کہ اِن دنوں مجھ کو ایسا عارضہ لاحق ہے اور تجربہ کار شخصوں نے اس کے دفعیہ کے لیے نکاح تجویز کیا ہے، لیکن یہ بات آپ کی اجازت پر موقوف ہے، اس لیے کہ آپ نے

---

[1] آپ کی دونوں زوجۂ محترمہ سندھ میں تھیں، سرحد کے پُرخطر اور غیر محفوظ راستوں سے گزر کر مستورات کا پنجاب میں پہنچنا بہت مشکل اور تقریباً ناممکن تھا۔ اس لیے وہیں کہیں عقد کی تجویز ہوئی۔

اپنے نکاح کے وقت یہ عہد لیا تھا کہ ہماری زندگی میں ہماری اجازت کے بغیر نکاح نہ کیجیے گا، اس لیے آپ سے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، آپ کے خلاف ہم نہیں کریں گے۔ کچھ عرصے کے بعد اس کا جواب آیا کہ آپ نے ہمارا عہد وفا کیا۔ ہمیں بخوشی منظور ہے۔ ہماری طرف سے اس کی پوری اجازت ہے۔ ایک تو آپ یہ کام بیماری کے عذر سے کرتے ہیں، دوسرے ابھی دو اور بیویاں کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُخصت ہے اور لونڈیوں کے رکھنے کی بھی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔ البتہ ہماری خواہش ہے کہ آپ ایسی جگہ یہ رشتہ کریں کہ ہمارے آپس میں کوئی قضیہ بکھیڑا نہ ہو۔ ہمارا آپ سے ملنا تو اللہ تعالیٰ کے ارادے ہی پر موقوف ہے۔

آپ نے خط پڑھ کر اُن کی ہمت و قوتِ ایمانی کی بہت داد دی اور دُعائیں دیں۔ پھر سب کی تجویز سے کاشکاری (چترالی) صاحبزادی سے آپ کا عقد ہُوا۔ میاں جی چشتی نے خُطبہ پڑھ کر ایجاب و قبول کرایا۔ بی بی صاحبہ کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے مولوی سعادت علی کو مقرر کیا اور مسائل و ضروریاتِ دین کی تعلیم کے لیے مولانا عبدالحی صاحب کے شاگرد قاضی علاء الدین صاحب کو متعین فرمایا اور قاضی صاحب موصوف سے فرمایا کہ کوئی مختصر منظوم رسالہ سلیس اُردو میں اُن کے لیے بنا دیجیے، اس لیے کہ نظم جلد یاد ہو جاتی ہے۔ اُنھوں نے نماز روزے کے مسائل پر رسالہ نظم کرنا شروع کیا، جو جو مسائل وہ نظم کرتے تھے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سُنا دیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب بالاکوٹ میں شہید ہوئے اور وُہ رسالہ ناتمام رہا۔

جنگی مشقیں خہر کے قیام کے دَوران میں ایک روز چند مجاہدین نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ اِن دنوں ہم لوگ یہاں مُعطّل بیٹھے ہیں۔ اگر اجازت ہو، تو قواعد بھرماری وغیرہ کی مشق کیا کریں اور لوگ رنجک بھی اُڑایا کریں تاکہ بندوق لگانے میں آنکھ نہ جھپکے۔ آپ نے پسند فرمایا۔ چنانچہ میر عبدالرحمٰن حافظ امام الدین رامپوری اور ایک دُوسرے رامپوری سید لوگوں سے توڑے دار بندوقوں کی قواعد لینے لگے اور حاجی عبداللہ رامپوری، میر امام علی عظیم آبادی، شیخ خواہش علی غازی پوری، شیخ بلند بخت، شیخ نصر اللہ خورجوی اور اکبر خاں، چقماق اور قرابین کی قواعد کراتے تھے اور رات کو سید صاحبؒ

حال بیان کرتے تھے اور آپ کبھی کبھی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ رنجک دن اور رات کو بھی اپنے اپنے ڈیروں پر اڑاتے تھے۔ یہ قواعد کم و بیش ڈھائی تین مہینے رہی۔ قواعد لینے والوں نے ایک روز آپ سے بہت تعریف کی اور کہا کہ الحمدللہ، اب ہمارے ساتھی بہت مشاق اور ہوشیار ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل صبح کو ہم بھی دیکھنے آئیں گے۔

آپ کے آنے کی خبر سن کر مجاہدین خاص جلد پر آراستہ ہو کر آئے اور خوب چستی اور چالاکی کے ساتھ قواعد کرنے میں مشغول ہوئے۔ کچھ دن چڑھے جماعت کے پچاس، ساٹھ خاص آدمیوں کے ساتھ آپ وہاں تشریف لے گئے اور دیر تک قواعد کو ملاحظہ فرمایا اور کہا کہ بھائیو، اب دو دو چار چار چوٹ بندوقیں بھر کر اسی پھرتی کے ساتھ لگاؤ۔ لوگوں نے بندوقیں بھی چلائیں اور قرابینیں بھی لگائیں۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر آپ نے جناب الٰہی میں سب کے واسطے دعا فرمائی اور فرمایا کہ بھائیو، قواعد پر اعتماد نہ کرنا۔ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، قواعد پر موقوف نہیں ہے۔ اگر تم صرف عنایت الٰہی پر اعتماد کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھیں قواعد والوں پر فتحیاب کرے گا۔ اب کل سے قواعد موقوف کرو جس کا دل چاہے، تنہا تنہا بھرماری کی مشق کر لیا کرے۔

سرحد کا ایک مخلص عالم خہر میں ایک روز کاٹرا، خُوزبند کے باشندے مولوی سید محمد حبان صاحب، جو اس نواح کے ایک بڑے ذکی الطبع اور خوش تقریر عالم تھے، آئے اور عرض کیا کہ میں اپنے گھر سے بہت آسودہ حال ہوں، اللہ تعالیٰ نے روپیہ پیسہ بہت دیا ہے۔ میں آپ کی خدمت بابرکت میں صرف خدا کے لیے آیا ہوں۔ اگر آپ کی برکت کا اثر دل میں پاؤں گا، تو بیعت کروں گا۔ آپ نے فرمایا: آپ پہلے بیعت کر لیجیے، پھر انشاء اللہ برکت کا اثر بھی معلوم ہو جائے گا۔ انھوں نے بیعت کی اور آپ کے حکم سے نظام الدین باولیا نے، جو ایک ناخواندہ آدمی تھے، ان کو توجہ دی۔ مولوی سید محمد حبان صاحب نے توجہ کے بعد کہا کہ میاں نظام الدین ایک عامی آدمی ہیں اور مجھ کو لوگ عالم جانتے ہیں؛ سو ان کی توجہ دینے سے مجھ کو وہ فائدہ ہوا کہ تمام عمر میں کبھی کسی سے نہ ہوا تھا، جیسے کسی اندھے کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، اس وقت ایسا ہی میرا حال تھا۔ میں نے اپنے دل میں جانا کہ میں از سر نو آج

مُسلمان ہوا ہوں، اگلی تمام عُمر میری یُوں ہی برباد ہوئی۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اللہ کے فضل سے آپ ہمیشہ کے مُسلمان ہیں، مگر اس کی حقیقت کا آپ کو آج احساس ہُوا۔

مولوی حبّان صاحب اس کے بعد برابر سید صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے اُن کو قاضی القُضاۃ کا عہدہ بھی دیا۔ مردان کی جنگ میں شہید ہوئے۔

◆

آٹھواں باب

اُتمان زئی کی جنگ

دُرّانیوں کے ستائے ہُوئے سردار ایک روز ظہر میں موضع اُتمان زئی کے عالم خاں اور جلالہ کے رسُول خاں سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور اپنی جلاوطنی کا شکوہ کیا اور کہا کہ دُرّانیوں نے ہمارے گھر کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا اور ہمیں ہماری بستی سے نکال دیا۔ آپ ہمارا کچھ انتظام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چند روز صبر کرو اور ٹھیرو۔ دیکھو، اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ تمہاری طرح چند لوگ اور بھی اُن کے ستائے اور جلاوطن کیے ہُوئے یہاں موجود ہیں، جیسے ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں وغیرہ۔ اس دُشمنی اور ایذا رسانی کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ لِلّٰہ فی اللّٰہ ہماری رفاقت کرتے ہیں اور ہم سے راہ و رسم رکھتے ہیں، اُن سے دُرّانیوں کو قلبی عداوت ہے۔ وہ سِکھوں کے خیرخواہ اور معاون و مددگار ہیں یہاں تک کہ ہمارے جو قاصد یا غازی اِکّا دُکّا ہندوستان سے آتے ہیں، اُن کو بھی وُہ طرح طرح کی ایذا دیتے ہیں اور اُنھوں نے وہاں کے سیٹھ ساہوکاروں کو روک دیا ہے کہ اُن کی ہُنڈیاں چلنے نہ پائیں۔ جب ہم لوگ پنجتار سے اس طرف کو آتے تھے، وہ ہمارے مقابلے کے لیے پانچ چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ شاہ کوٹ[1] پر آ کر جمع ہُوئے تھے۔ ہم نے مقابلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ طرح دے کر چلے

---

[1] غالباً ستاکوٹ مراد ہے جیسا کہ گزر چکا۔

آئے۔ اب دیکھو، اللہ کیا کرتا ہے۔

عُلماء سے استفتاء

یہ گفتگو سُن کر وُہ دونوں خان اس روز تو خاموش ہو گئے۔ کئی روز کے بعد ارباب بہرام خاں اور ارباب جُمعہ خاں وغیرہ کو لے کر پھر آپ کے پاس آئے اور یہ خبر لائے کہ دُرّانیوں کا لشکر دریائے کابل (لُنڈے) اُتر کر اُتمان زئی میں آیا ہے۔ اب آپ اس کا ضرور انتظام کریں ایسا نہ ہو کہ وُہ اس طرف کا رُخ کریں۔ یہ سُن کر آپ نے دُوسرے یا تیسرے دن الاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں، خہر کے زید اللہ خاں، گھڑیالے کے محمود خاں، چارگُلئی کے منصور خاں، نیز مولوی حبّان، تُوروکے مولوی عبدالرحمٰن، خہر کے مُلّا کلیم کو بُلایا۔ ان کے علاوہ اور جو عُلماء نزدیک تھے، ان سب کو جمع کیا اور عالم خاں اور رسُول خاں وغیرہ کی جلاوطنی کا حال سُنایا اور شروع سے اس وقت تک دُرّانیوں نے آپ کے ساتھ جو شرارتیں اور بغاوتیں کی تھیں، سب بیان کیں اور سب عُلماء سے اس امر میں فتوٰی طلب کیا کہ ان سے جہاد کرنا کیسا ہے۔ یہ لوگ باغی ہیں یا نہیں؟[1]

عُلماء میں اس مسئلے میں مختلف تقریریں رہی۔ آپ نے تُوروکے مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی حبّان کو، جو اِسی مُلک کے تھے، اپنی طرف سے مقرر فرمایا کہ آپ ان سے گفتگو کر کے اس کا تصفیہ کیجیے۔ آخر کچھ قیل وقال کے بعد اس پر اتفاق ہُوا کہ وُہ باغی ہیں، اُن سے لڑنا شرعاً درُست ہے۔

ارباب بہرام خاں کی خیبر کی طرف روانگی

جب تمام عُلماء نے متفق ہو کر اُن کی بغاوت کا فتوٰی دے دیا، تب آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر یہ تجویز ہُوئی کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں خیبر کی طرف روانہ کیجیے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب محض دو آدمیوں کی مدد کے لیے (جن کو اپنے مخالفین کی عداوت و ایذا رسانی سے ترکِ وطن کرنا پڑا تھا) لشکرِ اسلام کو حرکت دینے اور معرکۂ جہاد گرم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے سامنے یہ مقصد تھا کہ اُتمان زئی کی طرف کوچ کر کے پشاور کی طرف پیش قدمی کی جائے، جو مخالفت و ایذا رسانی اور صدٌّ عن سبیل اللہ کا مرکز بن گیا تھا۔ اِسی کے لیے آپ کو ان دُرّانیوں کی بابت علماء و خوانین کا نقطۂ نظر معلوم کرنے اور اُن سے جہاد کرنے پر اتفاقِ رائے حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اِسی منصوبے کے پیشِ نظر اِس کی ضرورت تھی کہ خیبر کی طرف کے قبائل کو متحد و متفق کیا جائے تاکہ سردارانِ پشاور کو نہ اُن سے کمک حاصل ہو سکے، نہ کابل کی طرف سے کوئی مدد آسکے۔

جائیں کہ وُہ وہاں سے اپنی قوم کو متفق کرکے پشاور پر لائیں اور اِدھر سے آپ باقی لشکر لے کر اُتمان زئی کی طرف کوچ فرمائیں اس لیے کہ ارباب بہرام خاں خیبر کی طرف اپنی قوم اور دُوسرے قبائل کو مِلا لیں گے، تو اس طرف سے دُرّانیوں کو مدد نہیں مِل سکے گی۔

یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور آپ نے ارباب بہرام خاں کو ساتھ بھیجنے کے لیے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو جماعت کے ساتھ اور شیخ ولی محمد پھلتی کی جماعت کے چند لوگوں کے ساتھ شیخ علی محمد دیوبندی اور مولوی نصیر الدین منگلوری کو مقرر فرمایا اور پوری جماعت کا امیر سید احمد علی رائے بریلوی کو، جو آپ کے بھانجے تھے، بنایا اور اُن کو رُخصت کرتے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک بڑے عجز و انکسار سے دُعا کی اور روانہ فرمایا۔

موضع ڈُٹی میں جب یہ لوگ خیریت کے ساتھ خیبر میں داخل ہُوئے اور ارباب بہرام خاں نے وہاں کے لوگوں کے متفق ہونے کی خبر بھیجی اور کہلایا کہ مہمند اور خلیل کے سرداروں اور خوانین کو بھی مَیں نے بُلایا ہے، تو آپ نے یہ معلوم کرکے کوچ کی تیاری کی، معذورین کو بی بی صاحبہ کی حفاظت کے لیے خہر میں چھوڑا اور میاں جی غلام محمد سہارنپوری کو انتظام اور بندوبست کے لیے مقرر کیا، پھر اَلاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں اور خہر کے نیب اللہ خاں وغیرہ خوانین کو مع لشکر اُتمان زئی کے عالم خاں تنگی کے محمود خاں، جلالہ کے رسُول خاں کے ساتھ موضع ڈُٹی کی طرف چلنے کی تیاری کی اور معمول کے مطابق دُعا کرکے روانہ ہُوئے۔ وہاں سے کوچ کرکے منزل بہ منزل موضع ڈُٹی میں داخل ہُوئے۔ وہاں ایک مہینے کے قریب قیام فرمایا۔ مُلکِ سوات اور سُمہ کے جو خوانین اور سردار آپ سے موافقت رکھتے تھے، وُہ اپنی جمعیت لے کر اور سوات کا سردار انبالی خاں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ وہیں حاضر ہُوا۔

مشورہ ہُوا کہ اتمان زئی پر چھاپہ مارا جائے۔ آپ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر کی نماز کے بعد مَیدان میں سب کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر رُخصت کے لیے حاضر ہوں۔ جب سب مجاہدین مَیدان میں جمع ہو گئے، آپ تشریف لائے، نمازِ عصر پڑھائی اور بڑی گریہ و زاری کے ساتھ دُعا کی اور مصافحہ کرکے سب کو رُخصت کیا۔

مجاہدین کی آزمائش مجاہدین نے مغرب سے قبل نالے پر پہنچ کر وضو کیا اور مشکیزوں اور لوٹوں میں پانی بھر لیا اور مغرب و عشا پڑھ کر رہبر کی رہنمائی میں روانہ ہوئے۔ راہبر گھاٹی سے نکال کر آگے لے چلا۔ وہاں کوسوں میدان ہی میدان نظر آتا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ راہبر سے راستہ چھوٹ گیا۔ تمام رات سراسیمہ و سرگرداں سب کو لیے اسی بیابان میں پھرا کیا یہاں تک کہ سورج نکلا اور دھوپ تیز ہونے لگی۔ جو پانی لوگوں نے نالے سے ساتھ لیا تھا، ختم ہو گیا اور پیاس معلوم ہونے لگی۔ پانی کا وہاں کوسوں نام نہ تھا۔ لوگوں نے رہبر کو تنگ کرنا اور الزام دینا شروع کیا کہ تم نے ہم کو کہاں لا کر ڈالا۔ اس نے دیر تک سوچ کر ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا کہ وہ جو ایک ٹیلا سا نظر آتا ہے، وہاں پانی ہے۔ وہ ٹیلا وہاں سے ڈیڑھ یا دو کوس تھا۔ آخر سب لوگ اس کے ساتھ چلے۔ وہاں جا کر دیکھا، تو پانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ لوگ گھبرا کر اس سے کہنے لگے: "تو کہاں ہم کو حیران و پریشان کرتا پھرتا ہے؟" وہاں دو ڈھائی کوس پر ایک دوسرا ٹیلا نظر آیا۔ اس نے کہا: "بھائیو، گھبراؤ نہیں، میرے ساتھ آؤ، وہاں پانی ملے گا" آخر سب اس ٹیلے کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگ دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت سے بیتاب تھے۔ بہ ہزار دقت گرتے پڑتے وہاں تک پہنچے، مگر وہاں بھی پانی کا پتہ نہ تھا۔ سوا پہر، ڈیڑھ پہر دن ہو چکا تھا۔ گرمی اور تشنگی سے ہر ایک کے بدن میں چنگاریاں سی لگ رہی تھیں، ہلاکت کا قوی اندیشہ تھا، ہر ایک شخص سمجھ رہا تھا کہ اسی میدان میں موت آنی ہے اور تڑپ تڑپ کر جان دینا ہے، مگر شکرِ الٰہی کے سوا کوئی شکایت کا کلمہ زبان پر نہ آیا۔ اگرچہ ہر ایک اضطراب اور پیاس سے نیم جان ہو رہا تھا، مگر دوسرے کو تسلی دیتا تھا کہ مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، خدا کی راہ میں مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، یہ پیاس کی تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر اس راہبر نے کہا: بھائیو، اب کچھ اندیشہ مت کرو، اب راستہ یہاں سے قریب ہے ایک تیسرا ٹیلا وہاں سے کوئی سوا کوس تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے بتایا کہ وہاں گوجروں کے جانوروں کی چراگاہ ہے، پانی بھی بہت ہے اور دودھ دہی سب موجود ہے۔ کسی طرح وہاں تک چلے

چلو۔ مجھ کو سُورج نکلتے ہی معلوم ہُوا تھا کہ راستہ اتنی دُور ہے۔ اگر مَیں پہلے سے پانچ چھ کوس بتا دیتا، تو تُم سب کے سب گھبرا کر بے حواس ہو جاتے، راستہ طے کرنا پہاڑ ہو جاتا۔ الغرض، سب کو اُمّید ہوئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں ضرور پانی ہوگا، اس لیے کہ وہاں سے اس ٹیلے کی طرف چار پانچ گوجروں کے جھونپڑے نظر آتے تھے۔ مگر پیاس سے سب کے سب جاں بلب تھے۔ رہبر نے کہا کہ مَیں آگے چل کر تمھارے واسطے پانی بھیجتا ہوں، تم بھی آہستہ آہستہ اسی طرف چلے آؤ۔ یہ کہہ کر وُہ آگے بڑھ گیا اور جو قوی دل اور باحواس تھے، وہ اُس کے ساتھ ہو لیے۔ ایک سقّہ بیل پر پکھال لیے ہُوئے اور ایک سقّہ مشک لیے ہُوئے اُن کے ساتھ ہُوا۔ تقریبًا پونے دو سَو آدمی آگے گئے۔ باقی لوگوں کا یہ حال تھا کہ جا بجا مارے دُھوپ کے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں سر ڈالے ہُوئے بے حواس پڑے تھے اور کچھ آہستہ چلے بھی جاتے تھے۔ اس عرصے میں آگے جانے والوں نے ایک پکھال پانی بیل پر اور دو مشکیں گدھے پر لاد کر پچھلے لوگوں کے لیے بھیجیں۔ گوجر بھی مشکوں میں چھاچھ، دُودھ اور پانی لے کر دَوڑے۔ جو لوگ راستے میں تھے، وُہ ایسے پیاسے تھے کہ سب پانی اور چھاچھ وغیرہ پی گئے اور جو جھاڑیوں میں جا بجا پڑے تھے، اُن تک پانی نہ پہنچا۔ جنھوں نے پیا تھا، وہ چراگاہ پہنچے اور پکھال، مشکیں اور مٹکے وغیرہ پانی سے دوبارہ بھر کر لے دَوڑے۔ چراگاہ سے جھاڑیوں تک آدمیوں کی ایک قطار سی بندھ گئی۔ سب سَیراب ہُوئے اور وہاں سے چراگاہ میں آ گئے۔ چراگاہ پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی تھی۔

سیّد صاحبؒ کی آمد اور مُجاہدین کی تشفّی

اسی روز سیّد صاحبؒ ڈھائی تین سَو سواروں اور پیادوں کے ساتھ عصر و مغرب کے درمیان چراگاہ میں آ گئے۔ تمام لوگ اس دن کی تکلیف سے بیتاب و پژمردہ پڑے ہُوئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر سب اپنی تکلیف بھُول گئے اور خوشی سے تر و تازہ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے دن کا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ہر ایک کو تسلّی دی اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مُصیبتوں سے آزماتا ہے: بھُوک سے، پیاس سے، خوف سے، نُقصانِ مال و جان سے۔ جو صبر کر کے اِن بلاؤں کو سہتا ہے اور دین کے راستے پر ثابت قدم رہتا ہے، اُس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بڑے بڑے درجے اور

سو تجھے عنایت فرماتا ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے اور کہتے کہتے دفعۃً دریائے محبتِ الٰہی نے جوش مارا اور آپ برہنہ سر ہو کر دُعا کرنے لگے۔ طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے اور گوہرِ اشک سے دامن بھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجیب عجیب الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے تھے۔ اُس وقت اِس دُعا کی تاثیر اور برکت سے ہر شخص کا عجیب حال تھا۔ دن بھر کی تکلیف خواب و خیال ہو گئی تھی، سب میں نئی زندگی اور تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ لوگوں نے دُعا کے بعد عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو، تو نمازِ مغرب کے بعد ہم لوگ اُتمان زئی کو روانہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اتنی عُجلت کی ضرورت نہیں تسلّی اور دل جمعی سے کام خوب ہوتا ہے۔ لوگ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل، مولوی حبّان، رسُول خاں، عالم خاں، محمود خاں اور منصور خاں، زُبید اللہ خاں، عنایت اللہ خاں اور بنالی خاں وغیرہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج ہمارے مجاہدین کو راستے میں بڑی تکلیف ہوئی۔ اگرچہ اپنی ہمّت و جرأت سے باتیں کرتے ہیں، مگر جان ہی جان باقی ہے۔ اب یہاں سے کوچ کی کیا تدبیر ہے؟

آخر مشورے میں یہ قرار پایا کہ اُتمان زئی تو یہاں سے کڑی منزل ہے، راستے میں پانی بھی نہیں ہے، وہاں تک تو پہنچنا دُشوار ہے۔ یہاں سے ڈھائی یا تین کوس موضع جبالا ہے۔ وہاں سے بھی موضع اُتمان زئی اسی قدر ہے۔ آج رات تو سب اسی چراگاہ میں رہیں تاکہ ماندگی بھی رفع ہو اور نیند کا خمار بھی دُور ہو، پھر کل یہاں سے چل کر جبالا میں ڈیرہ ہو۔

کوچ کی تیاری آپ کو یہ صلاح پسند آئی۔ رات کو اسی چراگاہ میں وُہ لشکر رہا، وہاں کے گوجروں نے دُودھ دہی کی خوب مہمانی کی۔ نمازِ فجر کے بعد کوچ ہوا۔ دن چڑھے موضع جبالا میں داخل ہوئے وہاں پانچ دن قیام رہا۔ دُرّانیوں کا حال معلوم کرنے کے لیے وہاں سے دو ٹکی اُتمان زئی کو روانہ کیے گئے۔ رسُول خاں کے مشورے سے مٹی کی ایک ہزار ٹلیاں بنوائی گئیں، جن میں دو ڈھائی سیر پانی سما سکتا تھا۔ دونوں جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ دُرّانیوں کا لشکر، پیادہ و سوار ملا کر، چار ہزار کے قریب ہو گا ان کے ساتھ دو توپیں بھی ہیں۔

یہ خبر سُن کر آپ نے رسُول خاں اور عالم خاں کو بُلا کر فرمایا کہ چالیس پچاس گھڑے پانی آج کسی وقت جس راستے ہم جائیں گے، یہاں سے روانہ کر دو اور جب تک ہمارا لشکر وہاں داخل ہو، تب تک مزدوروں کو وہیں اپنے ساتھ رکھنا۔ اس روز نمازِ عشا کے بعد، کوئی پہر رات گئے، پندرہ بیس بندوقچیوں کے ساتھ رسُول خاں اور عالم خاں پانی کے گھڑے مزدوروں کے سروں پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ صبح کو آپ نے وُہ ٹکلیاں منگوائیں اور چاروں جماعت داروں کو بُلا کر آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ چالاک و چُست اور صحیح تندرست ہوں کہ دس بارہ کوس جانے اور پلٹ آنے کی طاقت رکھتے ہوں، ان کو ایک ایک ٹکلی دے کر کہ دو کہ ہر کوئی دو دو وقت کی روٹیاں پکا کر باندھ لے۔ آج عصر سے پہلے کُوچ ہے اور جو لوگ بیمار اور چلنے سے ناچار ہوں، اُن کو یہیں رہنے دینا اور ہماری طرف سے اُن کی تسلّی و تشفّی کر دینا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پیچھے سے تم کو بھی بُلوا لیں گے یا ہم بھی آ کر ملیں گے۔

لوگ سب سامان درُست کر کے سو رہے کہ تمام رات چلنا ہوگا۔ جب ظُہر کی اذان ہُوئی، آپ نے اُٹھ کر وضُو کیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ پہر دن رہے سے سب بھائی کمر باندھ کر نالے پہ، جو یہاں سے پاؤ کوس ہے، جمع ہوں، عصر کی نماز وہیں پڑھیں گے۔ لوگ تیار ہو کر گئے۔ سیّد صاحبؒ بھی دو سو پیادہ اور سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ میدان میں نمازِ عصر پڑھائی اور بہُت الحاح و زاری کے ساتھ دُعا فرمائی اور اُن جاسُوسوں کو، جو اُتمان زئی سے دُرّانیوں کی خبر لائے تھے، آگے کیا اور وہاں سے کُوچ فرمایا۔

قریب پہر رات گئے اس پانی پہ، جو رکھایا تھا، جا پہنچے اور وہیں نمازِ عشا پڑھی۔ ہندوستانی اور مُلکی ملا کر قریب ہزار آدمی کے ہوں گے۔ آپ نے ان دو جاسُوسوں سے کہا کہ ایک تم میں سے آگے جائے اور دُرّانیوں کے لشکر کی خبر لائے کہ اُن کے لشکر میں کس طرف لوگ ہوشیار ہیں اور کس طرف غافل، اور ایک ہمارے لشکر کے ساتھ رہے۔ پھر ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ میں تو لشکر کو لے کر اُتمان زئی سے آدھ کوس جانبِ شمال فلاں جگہ ٹھیروں گا اور تم خبر لے کر وہیں آنا۔ پھر ایک اُدھر گیا اور دُوسرا لشکر کے ساتھ رہا۔ جاتے جاتے اس جاسُوس نے پتے کی

جگہ پر پہنچایا۔ اس عرصے میں دُوسرا مخبر بھی آیا اور کہا کہ موضع اُتمان زئی کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اُس وقت کوئی پانچ چھ گھڑی رات رہی ہوگی۔

کامیاب شبخون یہ سُن کر آپ نے اپنے لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے سپرد کیا اور فرمایا کہ آپ اس جاسوس کے ساتھ جا کر دُرّانیوں کے لشکر پر شبخون ماریں؛ اور ایک گروہ اپنے ہمراہ لے کر موضع اُتمان زئی کی طرف روانہ ہوئے کہ اگر دُرّانی چھاپے سے بھاگیں گے تو بستی میں آکر گھسیں گے، یہاں ہم اُن سے مقابلہ کریں گے۔ یہ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ جو کوئی تم سے مقابلہ کرے، اس کو مارنا اور جو تم سے امن مانگے، اُس کو امن دینا، اُس کا پیچھا نہ کرنا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھیوں سے بھی یہ فرما دیا تھا۔

جب مولانا اپنی جماعت لے کر دُرّانیوں کے لشکر سے توپ کی زد پر گئے اور وہاں کھڑے ہوئے، آپ نے سب لوگوں سے کہا کہ اب یہاں سے حملہ کریں گے؛ جب تک ہماری بندوق نہ چلے، کوئی دُوسرا نہ چلائے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ دُرّانیوں کا چوکیدار کھڑا تھا۔ اُس نے آواز دی: "کون ہے؟" اس طرف سے کوئی نہ بولا۔ دُوسری بار پھر اُس نے آواز دی۔ پھر ادھر سے کوئی نہ بولا۔ تیسری آواز پھر اس نے دی۔ جب کوئی ادھر سے نہ بولا، تب اُس نے بندوق ماری اور شور کرکے بھاگا کر لشکر آپہنچا۔ اِدھر سے سب نے بآوازِ بلند تکبیر کہتے ہوئے حملہ کیا۔ اُدھر سے گولنداز نے توپ سر کی۔ سب مُجاہدین بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھ کر دوڑے یہاں تک کہ اُن کے لشکر میں جا داخل ہوئے۔ پھر اُدھر سے دُوسری توپ چلی۔ اِدھر سے مولانا نے بندوق سر کی۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین کی ایک باڑھ چلی اور سب نے جا کر اُن کی دونوں توپیں لے لیں۔ اُن کا ایک گولنداز مارا گیا، باقی لشکر اور گولہ انداز بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ کسی نے بندوق بھی نہ چلائی۔ اِدھر فضلِ الٰہی سے نہ کوئی مارا گیا اور نہ زخمی ہُوا۔

مجاہدین کی مورچہ بندی اور دن بھر کی جنگ اِدھر سے سیّد صاحبؒ بھی اپنا غول لیے کھیا آپہنچے۔ آپس میں مُبارکباد ہوئی اور سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ سب طرح سے اللہ نے

خَیسکی۔ وہاں سے توپ کی زد پر ایک ٹیلا تھا۔ دُرّانیوں کا لشکر اُس کی آڑ پکڑ کر کھڑا ہُوا۔ سیّد صاحب نے فرمایا کہ دونوں توپیں جو بھری ہُوئی تیار ہیں، اس ٹیلے کے سامنے لگا دو۔ آدھے لوگ اُن کے مقابلے پر رہیں اور آدھے لوگ نماز فجر پڑھ لیں۔ اس کے بعد یہ مقابلے پر جائیں، وُہ نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اس عرصے میں کچھ مجاہدین دائیں بائیں سے مورچہ بندی کے طور پر پہلے قافلے کے بیچ میں گئے تھے۔ اُن کو دیکھ کر دُرّانیوں کے سوار دو دو، چار چار کر کے اس ٹیلے پر جمع ہُوئے۔ مُجاہدین نے سیّد صاحب سے عرض کیا کہ یہ سوار ٹیلے پر جمع ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم پر حملہ کریں۔ سیّد صاحبؒ نے آگے بڑھ کر مُجاہدین کے چار مورچے چار جگہ قائم کیے۔ جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں۔ پھر مجاہدین نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو، تو توپ چلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تأمّل کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ توپوں کے پاس آئے اور اُن کو پھرا کر ایک ٹیلے پر لگا دیا اور سواروں کے غول پر شست باندھی۔ مرزا احسن بیگ بانس بریلوی سے، جو توپ چلانے میں بڑے اُستاد تھے، فرمایا کہ دیکھو تو، شست ان توپوں کی اس غول کی طرف کیسی ہے۔ مرزا صاحب نے دیکھ کر کہا کہ دُرست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بتّی دو۔ اُنھوں نے ایک توپ کو سر کیا۔ وہ گولہ ان سواروں کے سر پر ہو کر نکل گیا اس میں وہ سوار پراگندہ ہو گئے۔ مرزا صاحب نے دُوسری توپ سر کی۔ اس گولے میں ان میں سے دو سوار اُڑ گئے اور باقی اُوپر سے اُتر کر اسی ٹیلے کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور پیادوں کی بندوقیں چلتی رہیں۔ جب مجاہدین ان کے کسی مورچے کا زیادہ زور دیکھتے، تو اس طرف ایک یا دو گولے مار دیتے یا جب دس بیس سواروں کا مجمع ٹیلے پر ہوتا، تب ایک یا دو گولے مار دیتے۔

اسی طرح صبح سے شام تک اُس روز لڑائی رہی، مگر مجاہدین میں سے نہ کوئی زخمی ہُوا اور نہ مقتول۔ ظہر اور عصر کی نماز فجر کی نماز کی طرح دو بار کر کے آدھے آدھے لوگوں نے پڑھی۔ جب مغرب کا وقت آیا، اُس وقت دُرّانیوں نے بہت زور دیا۔ شاید اُن کو کسی طرف سے کچھ کمک آ گئی، اس لیے کہ ان میں دو شاہینیں اُن کی طرف سے چلنے لگیں، جو پہلے نہ تھیں۔ گولیوں کا مینہ سا مجاہدین پر برستا تھا، مگر سرد گولیاں آتی تھیں۔ مغرب کی نماز مجاہدین کو پڑھنی دُشوار ہو گئی۔ پھر اسی تقسیم و انتظام سے

نماز پڑھی۔ شاہینوں کی گولیاں ایسی تیز آتی تھیں کہ مجاہدین میں سے کوئی سر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ اُس وقت لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو، تو ہم لوگ اُن پر حملہ کریں: سامنے سے تو مورچے والے ماریں، اور کچھ لوگ اُن کے بائیں جانب سے جا کر ماریں۔ پھر جس کو اللہ فتح دے، وہ لے۔ آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور فرمایا کہ آفرین ہے تم کو! اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ جرأت و بہادری نصیب کرے، مگر ابھی توقّف کرو۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے کیا راستہ نکالتا ہے؛ لیکن آگے بڑھ کر اُن کے بائیں جانب مورچہ لگا کر بندوقیں مارو اور ہماری اجازت کے بغیر حملہ نہ کرنا۔ ہم سیّد ابو محمّد صاحب کو بھیجیں گے۔ جیسا وہ کہیں، ویسا عمل میں لانا۔

آپ کے فرمان کے موافق لوگوں نے آگے بڑھ کر وہیں دُرّانیوں کے بائیں جانب مورچہ لگایا اور سَو سوا سَو مجاہدین کے ساتھ سیّد صاحبؒ توپوں کے پاس تشریف لائے اور مرزا حسن بیگ سے فرمایا کہ دُرّانیوں کی شاہینوں نے ہمارے غازیوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے کسی طرح اُن کو بند کرو۔ اُنھوں نے عرض کی کہ بہت خوب، دیکھیے، انشاء اللہ تعالیٰ بند کرتا ہوں۔ سیّد صاحبؒ تو وہاں سے ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے اور مرزا صاحب نے اُن کی شاہینوں کی طرف شست باندھی۔ جیسے ہی ایک شاہین کی رنجک اُڑی ویسے ہی مرزا صاحب نے ایک توپ کو بتی دی۔ مگر وہ گولا خالی گیا۔ اس دوران میں اُنھوں نے توپ کے جواب میں دُوسری سرکی۔ مرزا صاحب نے فوراً اُس کی رنجک پر ایک توپ کی شست باندھی۔ اس عرصے میں دوسری شاہین بھی چلی۔ مرزا صاحب نے اس کی رنجک پر دوسری توپ کی شست باندھی اور دونوں توپوں کو آگے پیچھے بتی دی۔ واللہ اعلم اس طرف کیا حال گزرا کہ پھر ان شاہینوں میں سے ایک بھی نہ چلی، مگر بندوقیں بدستور دونوں طرف چلتی رہیں۔ کچھ دیر کے بعد مرزا صاحب دو ایک توپ بھی اپنے موقع پر چلاتے رہے۔

عالم خاں کی کمزوری اور معذرت اس عرصے میں اُتمان زئی کا عالم خاں، جس نے دُرّانیوں پر حملے کی تحریک اور دعوت دی تھی، سیّد صاحبؒ کے پاس آیا اور رونے لگا اور اپنے سر کی پگڑی اُتار کر آپ کے قدموں پر ڈال دی اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھ سے منحرف ہو کر اور میرے طرفداروں کو

اپنے ساتھ لے کر دُرّانیوں سے جا ملا۔ اب کوئی بات میرے قابو کی نہیں رہی، اس لیے کہ جن سے مجھ کو زور اور طاقت حاصل تھی، وہ سب اُس کے ساتھ چلے گئے۔ اب آپ جیسا مناسب جانیں، ویسا کریں۔

یہ خبر سیّد صاحبؒ کو اُسی روز عصر سے پہلے پہنچ چکی تھی کہ عالم خاں کی نیت میں کچھ فتور آ گیا ہے، مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ فی الحقیقت اُس کا بیٹا اُس سے منحرف ہو کر دُرّانیوں سے جا ملا، یا اس میں اسی کی سازش ہے۔ سیّد صاحبؒ نے عالم خاں سے کہا کہ خان بھائی، تم اپنے گھر جا کر تسلّی سے بیٹھو، ہم کو تمھارے بیٹے اور کسی دوسرے کی پروا نہیں کہ کوئی ہماری مدد کرے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

خیبریوں کا اختلاف اور دُرّانیوں سے اتّحاد

عالم خاں اپنے مکان کو چلا گیا۔ اس عرصے میں مولوی نصیر الدین منگلوری ایک آدمی کے ساتھ عشا کے قریب آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ارباب بہرام خاں وغیرہ کی کوششوں سے خیبریوں میں جو اتّحاد ہُوا تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سب کے سب پھُوٹ کر دُرّانیوں کی طرف ہو گئے۔ یہ خبر سُن کر آپ نے فرمایا کہ کیا اندیشہ ہے، ہمارا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم نے تو انھیں لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے سبب وہاں خیبر کو بھی لوگ روانہ کیے تھے اور یہاں بھی اپنے لشکر کو لے کر آئے تھے، مگر یہ لوگ کوئی بھی اپنے عہد و پیمان کے پُورے نہیں ہیں۔ اب یہ جانیں، ہم سے کچھ کام نہیں۔

مراجعت کی تجویز

آپ نے نمازِ عشا کے بعد سب جماعت داروں اور بہیلہ داروں کو اپنے پاس بُلا کر مشورہ کیا کہ عالم خاں کی تقریر آپ سب سُن چکے۔ خیبریوں کا حال بھی مولوی نصیرُ الدّین صاحب کی زبانی معلوم ہو گیا کہ ارباب بہرام خاں نے جن لوگوں کو متّفق کیا تھا، اُن میں اختلاف پڑ گیا، سب کے سب پھُوٹ کر دُرّانیوں کی طرف ہو گئے۔ اس لیے اب یہاں سے چلنے کی تدبیر کرنی چاہیے، مگر اس طرح کہ ہر مورچے میں دو یا تین آدمی تو رہنے دینے چاہئیں کہ وہ بندوق چلاتے رہیں، باقی سب کو بستی اُتمان زئی سے کوئی پاؤ کوس پہ جو درخت ہے، وہاں جمع کیجیے، اُن سے یہ کہیے کہ یہ صلاح ٹھیری ہے کہ دُرّانیوں کی پُشت پر چل کر شبخون مارا جائے۔

پھر آپ نے بستی سے عالم خاں کو بھی وہیں بُلوایا اور فرمایا کہ ہم نے سُنا ہے کہ سردار سید محمد خاں کا بھائی دوآبے سے ان دُرّانیوں کی مدد کو لشکر لا رہا ہے، اس لیے تم تسلّی سے اپنے مکان میں جا کر بیٹھو۔ ہم اس وقت جا کر اُن پر شبخون ماریں گے۔ یہ سُن کر عالم خاں بہت گھبرایا، وہاں سے جلد اپنے مکان پر آیا اور اپنا ایک آدمی دُرّانیوں کی طرف روانہ کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ، سید بادشاہ کا چھاپہ تمھارے کُمک والوں کے لشکر پر آتا ہے اور عجب نہیں کہ تم پر بھی آ پڑے۔ سید صاحب بھی اسی وقت سو سوا سو مجاہدین کے ساتھ اس درخت کی طرف تشریف لے گئے اور جماعت دار، بیلے دار سب مورچوں کو روانہ ہُوئے اور آپ کے ارشاد کے موافق ہر مورچے میں دو یا تین غازی رہنے دیے اور باقی سب کو وہاں سے لا کر اسی درخت کے پاس سید صاحب کی خدمت میں جمع کیا۔ آپ نے سب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ جبالہ کی طرف رخصت کیا اور کوئی پچاس آدمی اپنے پاس رکھ لیے۔ پھر سید ابو محمد صاحب کو مورچوں میں بھیجا کہ جو لوگ وہاں ہیں اُن کو بھی اپنے ساتھ لے آؤ۔ ابو محمد صاحب سب کو آپ کے پاس لے آئے۔ اُن کو آپ اپنے ساتھ لے کر روانہ ہُوئے۔ صرف ایک ہندو راجہ رام سلون ضلع رائے بریلی کے پاس کا رہنے والا اور مولوی احمد اللہ صاحب کا ساتھی توپوں پر رہ گیا۔ اُس کو آپ کے کُوچ کی خبر نہ ہُوئی۔ وہ خود ہی دونوں توپوں کو بھرتا تھا اور آپ ہی چلاتا تھا۔ مجاہدین راستے میں اُس کی توپوں کی آواز سُنتے چلے جاتے تھے۔ بستی والے بھی اس سے مزاحم نہیں ہوتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ سید بادشاہ کے ساتھی دُرّانیوں پر چھاپہ مارنے گئے ہیں۔ وہاں سے وہ لوگ پھر یہاں آئیں گے۔

جُونہیں مُجاہدین کے مورچوں سے بندوقیں چلنی موقُوف ہُوئیں، مقابل کا لشکر بھاگا، کیونکہ عالم خاں سے شبخون کی خبر اُن کو مل چکی تھی۔

جبالہ سے دُوسرے دن ظُہر کے وقت جب مُجاہدین نماز سے فارغ ہُوئے، یکبارگی غُل ہُوا کہ ٹیلے کی طرف کچھ سوار اور پیادے نظر آتے ہیں۔ سب کو احتمال ہُوا کہ دُرّانی آ پہنچے۔ سید صاحب نے لوگوں کو حکم دیا کہ جلد کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر تیار ہو جاؤ۔ اور رسُول خاں جبالہ والے سے کہا کہ چند

آدمی اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور خبر لاؤ کہ کون لوگ آتے ہیں۔ کچھ دیر میں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنے ہی لشکر کے آدمی ہیں، جو پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ ۲۵، ۳۰ آدمی تھے، جن میں شیخ امجد علی غازی پوری سوار، اور راجہ رام راجپوت پیادوں میں تھا۔ آپ نے راجہ رام کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت نصیب کرے! تم نے خوب ہی بہادری کا کام کیا۔ شیخ امجد علی کو دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا ہمارے شیخ بھائی گویا زندہ شہید ہیں، جس نے شہید نہ دیکھا ہو، وہ ان کو دیکھے کہ ایسی خطرناک جگہ سے زندہ سلامت بچ آئے۔

اسی روز کئی ملکیوں کی زبانی جو اُتمان زئی سے آئے تھے، معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ تو لشکر کے ساتھ رات کو کوچ کر کے جلالہ کی طرف روانہ ہوئے، مگر درانی خوف کے مارے پہر دن چڑھے تک توپوں کے پاس نہ آئے کہ ایسا نہ ہو بستی میں غازیوں کا لشکر چھپا ہو جب اُن کو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں، تب وہ آکر توپیں لے گئے۔

خہر کو واپسی جلالہ سے آپ مع لشکر خہر واپس آئے۔ وہیں سید احمد علی، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، حسن خاں، شیخ علی محمد دیوبندی، ارباب جمعہ خاں وغیرہ بھی خیبر سے واپس آگئے اور وہاں کے لوگوں کی بدعہدی کا حال بیان کیا۔

دس پندرہ دن کے بعد آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد سے فرمایا کہ لوٹی میں جو روپے ہم اُتمان زئی کے کوچ سے پہلے دفن کر آئے تھے، لے آئے جائیں۔ چنانچہ وہ واپس لائے گئے۔

بخارا کی طرف سفارتِ جہاد لشکر کے چند اہل الرائے اور اہل علم حضرات نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مناسب سمجھیں، تو ایک جماعت، دعوت جہاد کے لیے بخارا روانہ فرمائیں آپ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے میاں جی چشتی صاحب کو اس مہم کے لیے تجویز کیا آپ نے فرمایا کہ بالکل قرار داد ہوا۔ چنانچہ میاں جی چشتی کو نو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور ایک قرآن مجید کا نہایت خوشخط و مطلا نسخہ، جو آپ کو نواب امیر خاں نے ہدیہ کیا تھا، شاہ بخارا کے لیے دیا اور دعوت و جہاد کا ایک عام اعلام نامہ بھی سپرد کیا۔

تنخواہ دار سپاہی اور اُن کی برطرفی

ایک مرتبہ خبر میں لشکر کے چند لوگوں نے سیّد احمد علی صاحب کے توسّط سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی سیّد محبوب علی صاحب کے چلے جانے اور اُن کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے واپس ہو جانے، نیز اُن کے اثر سے ہندوستان کے قافلوں کی آمد بند ہو جانے کی وجہ سے آدمیوں کی کچھ کمی ہو گئی ہے۔ اگر اس وقت دو ڈھائی سَو پردیسی آدمی چار چار روپے کی شرح پر ملازم رکھ لیے جائیں، تو بہتر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام آپ بناتا ہے، وہ کسی کا مُحتاج نہیں ہے۔ چاہے تو قلیل جماعت کو کثیر جماعت پر غالب کر دے؛ اور چاہے، اس کے برعکس کرے۔ اُس کو سب قُدرت ہے۔ وُہ اپنا کام بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے بناتا ہے، مگر خیر، اگر آپ کی رائے میں یہی ہے، تو دو سَو آدمی نوکر رکھ لیں۔

دونوں صاحبوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت کی مرضی تو نہ تھی، مگر تم لوگوں کی خاطر سے آپ نے دو سَو آدمیوں کی اجازت دی ہے۔ ان سب نے اخوند ظہُور اللہ کو تجویز کیا۔ آپ نے اُن کو رخصت دی۔ وہ اپنے وطن کو گئے اور کوئی ڈیڑھ یا پونے دو مہینے کے بعد اُن کی عرضی آئی کہ میں نے آپ کی اجازت کے موافق دو سَو پنجابی مسلمان چار چار روپے کی شرح سے نوکر رکھے ہیں۔ وُہ اُن کو کاٹ لنگ میں لے کر آئے۔

کچُھ عرصے کے بعد اُن کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور اُنھوں نے اخوند ظہُور اللہ کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اسی عرصے میں ہندوستان سے کچھ رقمیں آئیں۔ لشکر کے بعض مُخلص خیر خواہوں اور مُخلصین نے آپ سے عرض کیا کہ یہ جو اتنے لوگ آپ نے نوکر رکھے ہیں، یہ کس مُلک کی آمدنی پر رکھے ہیں۔ ڈھائی ہزار روپے اُن کی تنخواہ کے چڑھ گئے ہیں اور ابھی تک ایک پَیسے کا کام اُن سے نہیں نکلا۔ مُناسب یہ ہے کہ اُن کا چڑھا ہُوا اُن کو دے کر جلد اُن کو برطرف کر دیا جائے۔ آپ بارہا ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا جو کام کسی صاحب کے نزدیک نامناسب ہو، وُہ بے تکلُّف مجھے اطلاع کرے۔ مَیں یا تو جواب دے کر اُس کو تسلی کر دُوں گا یا مَیں اُس کام کو چھوڑ دُوں گا۔ اس امر میں جو کوئی جان بُوجھ کر سکوت کرے گا،

میں قیامت کے دن اُس کا دامنگیر ہوں گا۔ اس لیے ہم لوگ اس سلسلے میں اپنی رائے بے تکلّف عرض کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت خُوب کیا۔ ہمارے چند غازیوں نے آکر مجھ سے کہا کہ ان دنوں مولوی محبوب علی صاحب کے جانے سے بہت سے آدمی ہندوستان چلے گئے، اگر کچھ لوگ رکھ لیجیے، تو لشکر میں آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔ ان کے کہنے سے میں نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تم نے بہتر صلاح دی ہے۔ اب تم جا کر اس کا مشورہ کرو اور جو کچھ مشورے میں قرار پائے، اُس کی اطلاع کرو۔

مولانا اسمٰعیل اور دوسرے اہل الرائے حضرات کے مشورے سے یہ طے پایا کہ اُن کا حساب صاف کر دیا جائے۔ آپ کو اس مشورے کی اطلاع ہُوئی اور آپ نے اس کی منظوری دی۔ چنانچہ اُن کا حساب بیباق کر دیا گیا۔

ترغیبِ فضائل کی قوّت جب حساب ہو چکا، آپ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب صاحبوں کو ہمارے پاس لاؤ۔ جب وُہ سب آئے، تو آپ نے پوچھا کہ تم سب اپنا جو کچھ حق تھا، پا چکے؟ سب نے عرض کی کہ پا چکے۔ پھر آپ نے اُن کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کیے اور مجاہدینِ مُخلصین اور شُہدا کے مراتب کا ذِکر کیا اور فرمایا کہ جو کوئی نوکر ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے اور کُفّار کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، کم درجے کا وُہ بھی شہید ہوتا ہے، بہ نسبت اور موتوں کے اُس کی موت بہتر ہوتی ہے۔ مگر جو لوگ خالصًا لوجہ اللہ جہاد کرتے ہیں اور کُفّار کے مقابلے میں مارے جاتے ہیں، اُن کے درجۂ شہادت کو کوئی نہیں پہنچتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ غازی جو خُدا کے واسطے ہمارے ساتھ ہیں، یہ سب اپنے گھر کے کھاتے پیتے خوش حال تھے، کوئی تو اُن میں بیش قرار نوکری چھوڑ کر آیا ہے، کوئی اپنی جاگیر زراعت اور کوئی پیشہ اور تجارت چھوڑ کر آیا ہے اور یہاں یہ سب ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے لیے رہتے ہیں، فقر و فاقہ سہتے ہیں، خُوش و خُرّم راضی برضا صابر بقضا ہیں۔ اگر اسی طرح تم صاحب بھی رہو، جو کچھ ہمارے یہ بھائی کھائیں پہنیں، وُہ تم کھاؤ پہنو، اس امر میں ہم حاضر ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو کسی اور طور کی فراغت دے گا، تب

ہم تم کو اس کے سوا اور بھی دیں گے اور وُہ تم کو تمھاری نوکری سے زیادہ پڑے گا، مگر اس کا ہم ابھی سے اقرار نہیں کرتے ہیں کہ کل کو کوئی ہم سے مُطالبہ کرے۔

یہ سُن کر پنجاب کے ایک احمد بیگ[1] مرزا بولے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کے واسطے حاضر ہوں۔ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ یہ بات سُن کر اُن میں کے تیس چالیس آدمی اور بھی بولے کہ ہم بھی خدا کے واسطے آپ کا ساتھ دینے کے لیے حاضر ہیں۔ پھر جب آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا، وُہ سب دو سَو آدمی آپ کے ہمرکاب پنجتار تک آئے، پھر وُہ تیس چالیس آدمی تو رہے اور باقی رفتہ رفتہ چند روز میں اپنے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

---

[1] مرزا احمد بیگ پنجابی بڑے مخلص مجاہد اور وفادار رفیق ثابت ہوئے اور بالاکوٹ کے معرکے تک شریک رہے۔

نواں باب

بیعتِ امامت کی تجدید اور نظامِ شرعی کا قیام
اور
اُس کے اثرات

احکامِ شریعت کا نفاذ و اجرا [1] سوات میں یہ خیال اور پختہ ہوا کہ باقاعدہ شرعی جہاد جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اور اُس کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ ہے، اُس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان اطراف کے مسلمانوں کو احکامِ شرع کے قبول کرنے اور رسومِ افغانی کے ترک کرنے اور امام کی اطاعت کی ایسی دعوت دی جائے کہ بدعات و منکرات اور امام کی مخالفت و سرتابی کا سدِ باب ہو جائے اور اللہ و رسولؐ اور اُولی الامر کی اطاعت پُورے طور پر ہونے لگے۔ اسی صُورت میں جہاد کا پورا نظام قائم ہو سکے گا۔

اس بنا پر خبر میں وضاحت اور قوّت کے ساتھ اس کی دعوت دی گئی اور سادات، عُلماء و خوانین و عوام میں سے ہزاروں آدمیوں نے فرداً فرداً بیعت کی اور احکامِ شرعیہ کے اجراء کا اقرار کیا، لیکن چونکہ ہر ہر شخص نے انفرادی طور پر اقرار کیا تھا اور مسلمانوں کی کسی جماعت نے اجتماعی طور پر اس کا عہد نہیں کیا تھا، اس لیے بہت بعید معلوم ہوتا تھا کہ ان متفرق اشخاص سے اس عظیم الشان مقصد

---

[1] اس باب کا سارا مضمون ایک قلمی تحریر سے ماخوذ ہے جو قلمی مکتوبات کے مجموعے میں شامل ہے۔ اُس کا عنوان ہے:
"ذکر سرگزشت حضرت امام ہمام دریں ایام بر ایں نمط است" ص۹۵

کی تکمیل ہو سکے گی۔ اس لیے آپ یہاں سے کسی دوسرے مناسب مقام کو منتقل ہونے کا قصد رکھتے تھے

سردار فتح خاں اور اشرف خاں کی دعوت

اسی اثنا میں سردار فتح خاں اور سردار اشرف خاں کی طرف سے اس مضمون کا عریضہ پہنچا کہ اگر جنابِ والا غریب خانے پر رونق افروز ہوں تو ہم ضرور احکامِ شریعت کی بے کم و کاست تعمیل کی ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی رعیت پر بھی اُن کو جاری کریں گے۔ اس معاملے میں جان و دل سے کوشش کریں گے۔

ڈاگئی میں علما کا ایک اجتماع اور بیعتِ امامت

چونکہ اُن کے اس مضمون کے عریضے متواتر و مسلسل پہنچے، اس لیے سید صاحبؒ نے خہر سے کوچ فرمایا اور پنجتار کا رُخ کیا[1]۔ راستے میں ضلع سمہ صدہ میں جو مندن قوم کے علما، داعیان کے دو مرکزوں میں سے ایک مرکز ہے اور موضع ڈاگئی میں جو اس علاقے کا صدر مقام ہے، ڈیرہ کیا۔ آپ کی ملاقات کے لیے علما میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو سو افراد سے کم نہ ہوگی، آئی۔ ان سب علما کا اس موضع میں قیام ہوا اور آپ نے امام کے تعیّن و وجوب اور اُس کی اطاعت کا مسئلہ اُن کے سامنے پیش کیا۔ کچھ قیل و قال اور سوال و جواب کے بعد اس مسئلے کی تنقیح ہوئی۔ مولانا نیاز محمد، جو سرگروہ علما تھے، اور دوسرے علما نے صاف صاف اعتراف کیا کہ ہم نے امام کے تقرر کے بارے میں واقعی بڑے تساہل سے کام لیا اور ہم خطاوار ہیں۔ انھوں نے اس موقع پر قوم کے سربرآوردہ اشخاص اور سرداروں کو بھی نصیحت آمیز ملامت کی کہ انھوں نے مسائل میں عموماً اور جہاد اور امام کے تقرر کے بارے میں خصوصاً مجرمانہ غفلت اور سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ اکثر اہلِ مجلس اُن کی اس مؤثر اور پُرخلوص گفتگو سے متاثر ہوئے اور مولانا نے اور تمام حاضرینِ مجلس نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی۔

پنجتار میں آمد اور فتح خاں سے گفتگو

اس کے بعد آپ موضع پنجتار میں تشریف لائے اور بار بار جلوت و خلوت میں مختلف طریقوں سے آپ نے فتح خاں کو سمجھایا کہ صلح و جنگ میں ہماری

---

[1] سید صاحبؒ خہر میں جمادی الآخرہ ۱۲۴۳ھ سے جمادی الآخرہ ۱۲۴۴ھ تک کچھ کم یا زیادہ ایک سال رہے۔ رمضان بھی وہیں ہوا اور عیدین اور محرم بھی وہیں ہوا۔ (وقائع احمدی)

تمھاری شرکت اور تمھارے وطن کی سکونت کی شرط یہی ہے کہ ریاست و سیاست کی تمام رُسوم اور باقی تمام خلافِ شرع رسم و آئین، جو محض حُصُولِ مال و جاہ کی غرض سے چلی آ رہی ہیں، یک قلم ترک ہو جائیں اور تم اپنے کو معمولی آدمی کی طرح ہمارے نظام کے تابع کر دو، احکامِ شرع کے اجرا میں اپنے احباب و اعزا کی پاسداری کا خیال بالکل چھوڑ دو اور مال و دولت کے حصُول کے تمام خلافِ شرع راستوں اور ذرائع سے دست بردار ہو جاؤ اور معاش اور گزران کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کفالت پر توکّل کرو۔

چند دن گزرے تھے کہ علاقۂ اُتمان نامہ کا سفر پیش آ گیا، جو قوم مندن کے سربرآوردہ لوگوں کا دوسرا مرکز ہے۔ جب آپ موضع باجا میں، جو اُتمان نامہ کا صدر مقام ہے، پہنچے، اس نواح کے عُلماء آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہوئے اور وہی واقعہ پیش آیا، جو ضلع سمہ صدہ کے موضع ڈاگئی میں پیش آیا تھا۔ وہاں سے پنجتار کو واپسی پر آپ نے فتح خاں کے سامنے پھر وہی مضمون پیش کیا۔ آخرکار خانِ ممدوح نے اقرار کیا کہ کچھ دنوں کے بعد آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کروں گا۔

عُلماء اور رُؤساء کا اجتماعِ عظیم انھیں دنوں میں آپ نے کسی تقریب سے سمہ صدہ اور اُتمان نامہ کے عُلماء کو پنجتار میں مدعو کیا۔ چنانچہ اساتذہ و عُلماء میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو ہزار آدمیوں سے کم نہ ہو گی اور ایک جمِّ غفیر اُن کے تلامذہ کا، کہ وُہ بھی دو ہزار ہوں گے، پنجتار میں جمع ہُوا۔ آپ نے اُنھیں دنوں میں اشرف خاں اور خادی خاں کو بھی آنے کی دعوت دی اور عُلماء و خوانین کے لیے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ جمعے کے دن یکم شعبان ۱۲۴۴ھ کو عُلماء و رُؤساء کے اس مجمع میں فتح خاں کو پھر وُہی مضمون سمجھایا اور فرمایا کہ اگر ہمارے اس مُطالبے کو قبول کرتے ہو تو اِسی مجمع میں قبول کرو، ورنہ ہمارے اِتحاد سے دست بردار ہو جاؤ۔

فتح خاں کا اِقرار فتح خاں نے بڑے غور و فکر کے بعد کہا کہ اگرچہ اس کا اِقرار و معاہدہ بڑا دُشوار کام ہے کہ جاہ و دولت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا، معاش کے دروازے بھی بند کرنے ہوں گے اور مُروّجہ رُسُوم کو، جو سیکڑوں برس سے جاری ہیں، ترک کر کے پٹھانوں سے لڑائی مول لینی پڑے گی، لیکن محض لِلّٰہ فی اللہ، اللہ کی رِضا کے لیے اور اللہ کی کفالت پر بھروسہ کرتے ہُوئے میں نے اس

ذمہ داری کو جان و دل سے قبول کیا اور تمام احکامِ عبادات و معاملات میں خدا و رسولؐ اور صاحبِ امرؒ کا اتباع اختیار کیا، دینی نفع کو فوری ضرر پر، آخرت کی صلاح کو معاش کی بربادی پر ترجیح دی۔ ان شاء اللہ تعالےٰ نمازِ جُمعہ کے بعد مجمعِ عام میں بیعتِ امام کی تجدید کروں گا اور اس مضمون کا تحریری عہدنامہ بھی پیش کروں گا اور دُوسرے خوانین کو بھی اسی بات کی ترغیب دُوں گا۔

اسی روز آپ نے عُلماء کو بھی حُکم دیا کہ جو بیعتِ امامت وُہ پہلے کر چُکے ہیں، اس مجمع میں اس کی پھر تجدید کریں۔ چُنانچہ اُنھوں نے بھی عہدنامہ تحریر کیا اور اس پر مشاہیر عُلماء کی مُہریں ثبت کر کے اس کو تیار کیا کہ نمازِ جُمعہ کے بعد تجدیدِ بیعت بھی کریں گے اور عہدنامہ بھی پیش کریں گے۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک استفتاء تحریر کروایا جس میں مخالفِ امام اور باغی کے احکام دریافت کیے گئے تھے اور فرمایا کہ تجدیدِ بیعت اور عہدنامے کے بعد یہ استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے اور اس کا جواب مشاہیر عُلماء کی مُہروں کے ساتھ طلب کرنا چاہیے۔

بیعتِ امامت کی تجدید نمازِ جُمعہ کے بعد تمام عُلماء و رؤساء نے بیعتِ امامت کی تجدید کی۔ عُلماء نے اپنا عہدنامہ، جو عربی زبان میں تھا اور جس پر اُن کی مُہریں بھی لگی ہُوئی تھیں، پیش کیا اور خوانین نے عہدنامہ، جو فارسی زبان میں تھا، اپنی مُہروں کے ساتھ خدمت میں گُزارا۔ اس کے بعد علماء نے استفتا کا مفصّل و مُدلّل جواب لکھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سیّد صاحب کی امامت از رُوئے قوانینِ شرعیّہ و تعامُل ثابت و برحق ہے، آپ کی اطاعت فرض اور اس سے خارج باتفاقِ کتاب و سُنّت و اجماعُ و نُصوصِ فقہ باغی، اس کا قتل واجب، اُس کا خُون حلال اور وُہ ناری ہے۔ اس پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہیے، مع حوالہ جاتِ آیات و احادیث و کُتبِ فقہ۔ اس پر پچیس مشاہیر و اکابرِ عُلماء نے اپنی مُہریں اور دستخط کیے۔[1]

تیسرے جُمعے، ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ کو فتح خاں نے اپنی رعیّت کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور اُن سے بھی سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کرنے، احکامِ شرعیہ کا اجراء اور رُسُوم

---

[1] ان عہدناموں، اِفتاء اور دُوسری دستاویزوں کی نقل مجموعۂ خطوطِ قلمی میں موجود ہے۔

جاہلیت کے ترک کا مطالبہ کیا، ان مخلصین نے بھی نمازِ جمعہ کے بعد بیعتِ امامت کی اور دونوں باتوں کا اقرار کیا۔

قضاۃ کا تقرر اور اقامتِ شریعت اسی مجمع میں ایک دیندار اور بڑے عالم مولانا سید محمد میر کو ضلع پنجتار کا منصبِ قضا سپرد ہوا، دستارِ قضا اُن کے سر پر باندھی گئی اور فرمانِ قضا عطا ہوا۔[1] اور اُس کے بعد احکامِ شرع جاری ہو گئے۔ پنجتار کے اضلاع میں مقدمات و تنازعات کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ ہونے لگا۔

ایک دوسرے بزرگ ملا قطب الدین ننگرہاری کو جو بڑے دیندار و متقی تھے، بے نمازیوں پر احتساب کی خدمت سپرد کی گئی اور تیس قندھاری تفنگچی اُن کی ماتحتی میں دیے گئے۔

نظامِ شرعی کے برکات اس نظامِ شرعی کے برکات جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ شریعت کے احکام جاری ہو گئے، مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہونے لگے اور شریعت کے سامنے لوگوں کے سر جھک گئے۔

افغانیوں کی بھی عربِ جاہلیت کی سی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص حقوق اللہ یا حقوق العباد کا کوئی گناہ کرتا، تو دوسرے کسی گاؤں میں چلا جاتا اور اُس کے رؤسا کی حمایت حاصل کر لیتا، وہ جان و مال سے اُس کی پوری جانبداری و حمایت کرتے۔ اس طرح کسی جرم کا استیصال اور مجرم کی گوشمالی نہ ہو سکتی۔ لیکن اس نظام کے بعد کوئی کسی کی بیجا حمایت و پاسداری نہیں کر سکتا تھا، عبرتناک سزائیں دی جاتیں، علانیہ تعزیر جاری کی جاتی اور کوئی مداخلت نہ کرتا۔

مانیری کا واقعہ ایک واقعہ ایسا بھی ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نظام کامیاب ہے اور بڑی بڑی حکومتوں سے زیادہ اس میں قدرت و طاقت ہے۔

ہنڈ کے علاقے میں، جو خادی خاں کے زیرِ حکومت تھا، مانیری ایک گاؤں تھا، جس کے باشندے نہایت سرکش و شورہ پشت تھے۔ دو ہزار تفنگچی دیہات میں رہتے تھے اور چھ ہزار اس کے

---

[1] سندِ قضا مندرجہ خطوطِ قلمی مؤرخہ ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ۔

گرد کے گاؤں میں تھے۔ نوّے برس ہُوئے، جب اُن لوگوں نے ایک مرتبہ اتّفاق کر کے اپنے گاؤں کے رؤسا، و زمینداروں کی زمینوں اور املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا اور اُن کو بے دخل کر دیا۔ ان مظلوموں نے بھاگ کر دُوسرے مقامات پر، جو اشرف خاں کے قبضے میں تھے، پناہ لی اور مدد چاہی۔ وہاں کے لوگوں نے اُن کی امداد کی اور اس گاؤں پر حملہ کیا۔ سخت جنگ ہُوئی اور بڑا کُشت و خُون ہُوا۔ اُس وقت سے دونوں قوموں اور دونوں مقامات کے باشندوں میں عداوت مستحکم اور موروثی ہو گئی اور ہمیشہ جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ ایک صدی گزر گئی اور فریقین کے تین چار ہزار آدمی قتل ہُوئے۔ جب اس نظام کی شہرت و کامیابی ہُوئی، تو یہ مظلوم سیّد صاحبؒ کے پاس حاضر ہُوئے اور فریاد کی۔ سیّد صاحبؒ نے خادی خاں، فتح خاں، اشرف خاں اور دُوسرے مُعززین اور قُرب و جوار کے خوانین کو جمع کیا اور معاملے کی تحقیق کی۔ تفتیش کے بعد اُنھیں مظلوموں کا حق ثابت ہُوا۔ وہاں کے قوانینِ عُرفیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اگر کسی جائدادِ منقولہ یا غیر منقولہ پر قبضہ مخالفانہ ہو جائے اور اس پر کُشت و خُون بھی ہو، تو وُہ قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ چُونکہ اس جائداد پر ہزاروں آدمیوں کا کُشت و خُون ہو چکا تھا اور بڑی طویل مدّت گزر گئی تھی، اس لیے اصل مالکوں کا حق منقطع سمجھ لیا گیا تھا۔ آپ نے اصل حقداروں کو حُکم دیا کہ اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں اور اپنے باپ دادا کے گھروں میں آباد ہوں۔ اوّل مانیری والوں نے مزاحمت کی اور خادی خاں نے اُن کی حمایت کی۔ سیّد صاحبؒ فتح خاں، اشرف خاں اور اُن کے لشکروں اور اپنے لشکر و عُلما، و طلبہ کی معیّت میں اُن کی تادیب کے لیے چلے۔ عُلما نے اُن کے مُستحَلّ الدّم ہونے کا فتویٰ دیا۔ وہ مرعُوب ہو کر خود حاضر ہُوئے اور مُدّعیوں کو لے جا کر اُن کی زمینوں اور مکانات پر قبضہ دِلا دیا اور خود اُن کی رعایا بن گئے۔ اس طرح سے اللہ کے فضل سے وُہ قضیہ جو سو برس سے طے نہیں ہُوا تھا اور جس پر ہزاروں آدمیوں کی جانیں گئیں، چُٹکیوں میں فیصل ہو گیا۔ سارے دیکھنے والوں اور سُننے والوں کو سخت حیرت تھی کہ آج تک اس مُلک میں ایسا نہیں ہُوا۔

احتساب کا ایسا اثر ہُوا کہ کوسوں تک ڈھونڈے سے کوئی بے نمازی نہیں مِلتا تھا۔ لوگوں

پر ایسی ہیبت طاری ہوتی کہ اگر کوئی ہندوستانی یا قندھاری کسی دیہات میں پہنچتا، تو شور مچ جاتا اور وہاں کے رؤسا، و حکام باہر نکل آتے اور عرض کرتے کہ یہاں کوئی بے نمازی نہیں ہے۔[1]

◆

---

[1] مجموعہ خطوط قلمی

دسواں باب

پنجتار کا نظارہ

ممتاز مجاہدین کے ڈیرے پنجتار کی چھوٹی سی پہاڑی[1] مجاہدین کی ایک بارونق چھاؤنی اور زندہ مسلمان نوآبادی تھی، جس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد اور ذکر و عبادت، جہاد اور مجاہدے اور محبت اور اخوت سے گلزار تھا۔

شہر پناہ کے مشرق اور شمال کے کونے پر جو برج تھا، اس میں سید صاحبؒ نے مع اپنی جماعت خاص کے قیام فرمایا۔ دوسرا برج جو شمال اور مغرب کے کونے پر تھا، اس میں آپ کا باورچی خانہ اور غلّے کی تقسیم کا کوٹھا تھا۔ اس حجرے کے جنوب کی طرف مسجد کے دو حجرے تھے۔ ان میں سے جو ایک مشرق کی طرف تھا، اس میں منشی خانہ مقرر ہوا۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی منشی تھے۔ نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین بھی وہی پڑھاتے تھے اور کبھی کبھی نمازِ پنجگانہ بھی پڑھاتے تھے۔ دوسرے حجرے میں، جو مغرب کی طرف تھا، مروانزاں کے پیر خاں اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ مسجد کے جنوب میں جو برج تھا، اس میں مولوی سید مظہر علی عظیم آبادی اپنی جماعت کے ساتھ فروکش تھے۔

---

[1] یہ پہاڑی اب بالکل کھنڈر اور پتھروں کا ایک ڈھیر ہے، جہاں اب فتح خاں مرحوم کے خاندان کے چند مکانات کے سوا کوئی آبادی نہیں۔

جنوب و مشرق کے کونے کے برج میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ فصیل کے مشرقی دروازے کے متصل مسجد اور ایک حجرہ تھا۔ اس میں مولانا عبدالحیؒ کے ملاقی بھائی مولوی احمد اللہ ناگپوری اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مقیم تھے۔

سید صاحبؒ کے برج کے متصل جانب مغرب مولوی وارث علی بنگالی اپنے رفقاء کے ساتھ، اور ان کے متصل، جانب مغرب مولوی امام الدین بنگالی اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان سے مغرب میں متصلاً سید صاحبؒ کے اعزہ، سید احمد علی، سید ابو محمد، دادا سید ابوالحسن اور سید موسیٰ فرزند سید احمد علی اپنے رفیقوں کے ساتھ حجروں میں مقیم تھے۔ اس حجرے کے جانب جنوب جو مکان تھا اس میں امان اللہ خاں لکھنوی، جو سید صاحبؒ کے شتر خانے کے منتظم تھے، مقیم تھے۔ ان کے مشرق اور جنوب کے کونے میں پانی پت کے حافظ جانی اور حافظ مانی اپنے رفیقوں کے ساتھ، اور ان کے جانب مشرق قاضی حمایت اللہ اور قاضی برہان الدین اور شیخ عبدالوہاب مقیم تھے۔

سید صاحبؒ والے برج میں آپ کے اہل خانہ کا قیام تھا۔ اس برج کے آگے ایک وسیع میدان تھا، جس میں چھپر کے اندر آپ کا پلنگ بچھا تھا۔ اس چھپر میں شیخ عبدالحکیم پھلتی اور سید اسمٰعیل رائے بریلوی اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔ یہ فصیل کے اندر کی آبادی تھی

فصیل کے باہر فصیل سے متصل سید صاحبؒ کے برج کے قریب ابراہیم خاں خیرآبادی اور ان کے بھائی امام خاں اپنے بیٹے کے ساتھ مقیم تھے۔ ان کے ڈیرے کے متصل جانب جنوب شیخ حسن علی اپنے بیٹے کے ساتھ، ان کے متصل صوفی نور محمد صاحب بنگالی اپنے بیٹے کے ساتھ، صوفی صاحب کے متصل مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی، ان کے متصل شیخ صلاح الدین صاحب پھلتی، جو مولانا عبدالحی صاحب کے برادر نسبتی تھے، اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔

پنجتار سے متصل کے دیہاتوں میں مجاہدین کا قیام تھا۔ موضع قاسم خیل میں، جو پنجتار کے قریب شمال جانب میں ہے، حاجی زین العابدین خاں رامپوری اپنے رفقاء کے ساتھ اور پنجتار کے جانب مغرب تھوڑے فاصلے پر شیشم کے چند درخت اور ایک نالہ تھا۔ وہاں نماز جمعہ بھی ہوتی تھی۔ ان درختوں کے

سایے میں مرزا احمد بیگ پنجابی اپنی چھاؤنی ڈالے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب سے ایک بندوق کی زد پر جنوب کی طرف موضع غورغشتی ہے۔ وہاں حاجی حمزہ علی خاں لوہاروی اپنے رفیقوں کے ساتھ اور اُن کے جنوبی جانب اسی بستی میں مولوی نصیر الدین منگلوری اپنے جیلے کے ساتھ مقیم تھے۔ مولوی نصیر الدین صاحب سے جانب جنوب ایک تیر کی زد پر موضع سنگ بُنی میں قندھاری قافلہ مقیم تھا، جن میں چار سردار بڑے نامی تھے: ایک لال محمد، دوسرے ملا قطب الدین، تیسرے ملا زر محمد، چوتھے ملا عظمت۔ ان قندھاریوں کے جنوب کی طرف ایک تیر کی زد پر موضع خل کلے میں متفرق ولایتی وغیرہ مقیم تھے۔ پنجتار کے مغرب اور جنوب کے کونے پر ایک تیر کی زد پر شہتوت کا باغ تھا۔ اس میں ارباب بہرام خاں، اُن کے بھائی ارباب جمعہ خاں اور ان کے بھتیجے محمد خاں اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔ باقی ہندوستانی متفرق پانچ پانچ، دس دس کر کے پنجتار کے اندر اور باہر جہاں کہیں جگہ ملی، چھپر ڈال کر پڑے ہوئے تھے۔

غلے کی تقسیم میں میر امانت علی کی امانت

میر امانت علی پیران ساڈھور ضلع پٹیالہ کے رہنے والے خاندانی پیرزادے اور بڑے محتاط اور متقی تھے۔ اُن کے مزاج میں یہاں تک احتیاط تھی کہ غلے کی تقسیم کرتے ہوئے اگر کوئی جیلے دار اُن سے کہتا کہ آج میرے جیلے میں ایک یا دو مہمان آگئے ہیں، اُن کا بھی غلہ دو، تو وہ غلہ بانٹنا موقوف کر کے وہاں سے سید صاحبؒ کے پاس جاتے اور آپ سے اجازت لاتے، باوجود کہ آپ کی طرف سے اُن کو اجازت تھی، آپ نے فرما دیا تھا کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی خیر خواہی اور حفاظت جیسی مجھ پر ہے، ویسی ہی تم پر ہے، جس کو مستحق جانو، مجھ سے بے پوچھے دیا کرو۔ مگر وہ اپنی احتیاط نہیں چھوڑتے تھے۔ لوگ تو غلہ لینے کو اپنے اپنے تھیلے لیے ہوئے بیٹھے رہتے اور وہ دو دو بار، تین تین بار اجازت لینے جاتے۔ لوگوں کا حرج ہوتا اور وہ تنگ ہوتے۔ آخر کئی بار سید صاحبؒ سے اس کی شکایت کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کام کے لیے کسی اور کو تجویز کر کے مجھے بتلاؤ۔

مولوی عبدالوہاب کا تقرر لوگوں نے مولوی عبدالوہاب صاحب اور بعض اور آدمیوں کو تجویز کیا۔

آپ نے مولوی عبدالوہاب کو پسند کیا اور اُن کو بُلوایا۔ مولوی صاحب بہت دنوں سے بیمار اور دائم المرض سے تھے۔ نہایت لاغر ہو رہے تھے، چہرہ زرد تھا۔ اس بیماری کی حالت میں قرآن مجید بھی حفظ کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ ہم نے آج سے تم کو میر امانت علی صاحب کے عُہدے پر قائم کیا۔ تم ہی لوگوں کو غلّہ اور آٹا تقسیم کیا کرو۔ اُنھوں نے عرض کی کہ مَیں حاضر ہوں مگر کئی عوارض میں گرفتار ہُوں اور اسی حال میں تھوڑا تھوڑا قرآن مجید بھی حفظ کرتا ہُوں اور یہ محنت کا کام ہے، اس کے واسطے طاقت اور تندرستی چاہیے۔

آپ نے یہ سُن کر سکوت کیا۔ پھر فرمایا: "مولوی صاحب، تم بسم اللہ کہہ کے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لیے کمر باندھو، ہم تمھارے واسطے دُعا کریں گے۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ تمھارے سب عارضے جاتے رہیں گے اور طاقت و توانائی بھی آجائے گی اور اسی خدمت عُظمیٰ کے انجام دینے کے دَوران میں تم کو قرآن شریف بھی حفظ ہو جائے گا۔"

یہ بشارت سُن کر وُہ خوش ہُوئے اور اسی روز غلّہ بانٹنے لگے۔ تمام لوگ اُن سے راضی تھے اور سیّد صاحبؒ سے اُن کی خوبیاں بیان کرتے تھے۔ چند روز میں اسی خدمت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام امراض دُور کر دیے اور وُہ بالکل صحیح سالم اور طاقتور ہو گئے۔ اسی خدمت کے اندر قرآن مجید ان کو حفظ ہو گیا۔ ایک روز سیّد صاحبؒ نے خُوش ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب، اب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو خُوب تندرست و توانا کر دیا اور قرآن مجید بھی تم کو یاد ہو گیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کی برکت سے میری دونوں مرادیں پوری کر دیں، اب میرے واسطے آپ دُعا کریں کہ میرا قرآن شریف پُختہ ہو جائے۔ میری یہ آرزو ہے کہ ایک بار تراویح میں قرآن مجید اوّل سے آخر تک آپ کو سُنا دُوں۔ آپ نے فرمایا: بہت خُوب، ہم دُعا کریں گے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ قرآن شریف تم نہ بھولو گے۔ تم جو خالصاً للہ مسلمان بھائیوں کی خدمت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تم کو گویا مزدُوری میں یہ عنایت کیا ہے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب کا ہر روز یہ عمل تھا کہ قرآن شریف پڑھتے جاتے تھے اور غلّہ یا آٹا

لوگوں کو تقسیم کرتے جاتے تھے۔ بعض اوقات بیس بیس، پچیس پچیس آدمیوں کا آٹا غلہ ایک ایک کو دیتے اور زبان سے نہ گنتے مگر کبھی کسی کے آٹے غلے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آتی۔

ایثار و بے نفسی ایک روز آٹا تقسیم کر رہے تھے۔ میر امام علی عظیم آبادی آٹا لینے کو آئے۔ وہ زور دست تھے اور بڑے قوی اور جسیم تھے۔ آٹا وار سے تقسیم ہوتا تھا۔ جو پہلے آتا، وہ پہلے پاتا؛ جو پیچھے آتا، وہ پیچھے پاتا۔ وہ پہلے مانگنے لگے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تمھارا ابھی وار آتا ہے، ٹھیر جاؤ۔ وہ جلدی کرنے لگے۔ اُنھوں نے نہ مانا۔ آخر میر امام علی نے مولوی صاحب کو دھکا دیا اور وہ گر پڑے۔ وہاں قندھاری بھی آٹا لینے کو بیٹھے تھے۔ اُن کو بُرا معلوم ہوا اور سب مل کر میر امام علی کو مارنے پر تیار ہوئے۔ مولوی صاحب نے قندھاریوں کو روکا اور کہا: "وہ ہمارا بھائی ہے۔ دھکا دیا، تو ہم کو دیا؛ تم سے کیا مطلب؟" وہ سب نادم ہو کر چُپ ہو رہے۔ مولوی صاحب نے اُن کو آٹا دیا۔ وہ اپنے ڈیرے کو گئے۔ لوگوں نے سید صاحبؒ سے جا کر یہ قصہ بیان کیا۔ جب اُس دن مولوی صاحب رات کو حضرت کے پاس گئے، آپ نے پوچھا کہ مولوی صاحب، آج میر امام علی نے تم سے کیا قصہ کیا۔ انھوں نے کہا: "میرے نزدیک اُنھوں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ تو بڑے نیک بخت آدمی ہیں۔ وہ آٹا لینے کو آئے اور مجھ سے مانگا۔ اُن کا وار نہ تھا، اُنھوں نے جلدی کی، اس میں اُن کا دھکا میرے لگ گیا، بس اتنی بات تھی۔" سید صاحبؒ یہ بات سُن کر خاموش ہو رہے۔ کسی نے یہ بات میر امام علی کو پہنچائی کہ مولوی عبدالوہاب نے تمھارے متعلق سید صاحب سے ایسی گفتگو کی۔ وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوئے اور اسی وقت سید صاحبؒ کے سامنے آ کر مولوی عبدالوہاب سے اپنی خطا معاف کرائی اور مصافحہ کیا۔

کئی سال کے بعد موضع راج دواری میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے سید صاحبؒ کو تراویح میں قرآن شریف سُنایا اور اس کے بعد ہی ذی قعدہ میں بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

سرداروں کے درمیان مصالحت خہر سے واپسی کے چھ سات مہینے پیشتر سے فتح خاں اور اُن کے چھوٹے بھائی ناصر خاں سے بگاڑ ہو گیا تھا۔ گرد و پیش کے دیہاتوں کے جتنے رئیس اور سردار فتح خاں کے طرفدار و مددگار تھے، اُن سب کو ناصر خاں نے توڑ کر اپنی طرف کر لیا تھا اور فتح خاں کو یہاں

تک تنگ کیا کہ یہ مجال نہ تھی کہ وہ پنجتار کے باہر قدم رکھیں۔ سید صاحبؒ نے ان سرداروں کو ایک ایک، دو دو کرکے بلا کر وعظ و نصیحت فرمائی اور سب کو فتح خاں سے ملا دیا اور پھر آپ نے دونوں بھائیوں کو ملایا اور فتح خاں سے ناصر خاں کی خطا معاف کرائی اور فرمایا کہ اب آپس میں اتفاق کرکے کفار کے مقابلے کے لیے کمر باندھو اور ان سے جنگ کرو۔

گیارھواں باب

خادی خاں کی مخالفت و سازباز ونٹورہ کی آمد و پسپائی اور قلعۂ اٹک کی مہم

خادی خاں کا اختلاف و انحراف خادی خاں والیٔ ہنڈ، جو اس علاقے کا ایک بااثر اور صاحب رسوخ سردار تھا، اپنی اُفتادِ طبع کی بنا پر روز بروز زیادہ کبیدہ خاطر اور آزردہ ہوتا جا رہا تھا۔ فتح خاں کا علاقۂ پنجتار مُجاہدین کا مُستقر بن گیا تھا اور روز بروز مجاہدین کی طاقت اور اُن کے میزبان اور حلیف ہونے کی وجہ سے فتح خاں پنجتاری کی اہمیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس سے خادی خاں کی عظمت و انفرادیت اور اُس کی خود داری اور جاہ پسندی کو ٹھیس لگتی تھی۔ نیز جس قدر شریعت کا دائرۂ عمل وسیع ہوتا جاتا تھا اور احکام شریعت کا نفاذ ہوتا تھا، خادی خاں کو جو اپنی سرداری کے آئین اور افغانی رسُوم کا سختی سے پابند اور حامی تھا، بُعد ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مانیری کے واقعے سے (جس میں اس کے علی الرّغم اور سرحد کے عُرفی قوانین کے برخلاف ایک صدی کی غصب شدہ جائدادیں اصل مالکوں کو دلائی گئی تھیں) اس کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا تھا۔ آخر یہ رنجش مخالفت اور ضرر رسانی تک پہنچ گئی۔ ہندوستان اور پنجاب کے جو غازی متفرق طور پر پنجتار کے مرکز کی طرف آتے اور اُس کے علاقے سے گزرتے اُن کو لُوٹ لیا جاتا تھا۔ ایک بار ایک مُہاجر ہندوستان سے سیّد صاحبؒ کے پاس آ رہا تھا۔ وہ بے خبری سے ہنڈ کے گھاٹ پر آیا اور کشتی پر سوار ہو کر اُترا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کا حال اور ارادہ دریافت

کیا۔ جب اُن کو معلوم ہُوا کہ وُہ ہندوستان سے آیا ہے اور سیّد صاحبؒ کے لشکر کو جائے گا، تو وُہ اُس کو پکڑ کے خادی خاں کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ ہندوستانی سیّد بادشاہ کے پاس جاتا ہے۔ سیّد صاحبؒ کا نام سُن کر خادی خاں نے اُس کا سب اسباب چھنوا لیا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ اس کو دریائے سندھ میں دو چار غوطے دے کر یہاں سے نکال دو۔ سردی کا موسم تھا اور دریا کا پانی نہایت سرد تھا۔ وُہ غریب لُٹا پِٹا پنجتار آیا اور اپنا سب حال بیان کیا۔ سیّد صاحبؒ کو اِن سب واقعات کا علم ہوتا رہتا تھا اور آپ کو خادی خاں کے انحراف اور اس کی ایذا رسانی کا بہت قلق تھا۔

اشرف خاں سے جنگ اور ہزیمت سیّد صاحبؒ کے مُخلصین میں اشرف خاں زیدے والے بھی تھے۔ فتح خاں پنجتاری کے بعد سرحد کے مُتخلص خوانین میں اُنھیں کا نمبر تھا۔ خادی خاں اگرچہ اُن کا داماد تھا اور اشرف خاں کا بیٹا مُقرّب خاں خادی خاں کا بہنوئی، لیکن خادی خاں کو اشرف خاں سے سخت مخالفت تھی۔ زیدے کی جو زمین ہنڈ سے متّصل تھی، خادی خاں نے اُس پر قبضہ کر لیا تھا۔ سیّد صاحبؒ سے موضع سوائی اور مانیری کے لوگوں نے بھی خادی خاں کے ظُلم و تعدی کی شکایتیں کی تھیں۔ ایک روز اشرف خاں نے اپنا آدمی بھیج کر سیّد صاحبؒ کو اِطّلاع کی کہ خادی خاں زیدے پر حملہ کرنے کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے خان موصُوف کو اطمینان دلایا اور اگلے دن مولانا مُحمد اسمٰعیل صاحب کو مُجاہدین کی ایک جمعیت کے ساتھ زیدے کی طرف روانہ کیا اور اشرف خاں اور خادی خاں کے درمیان صُلح کرا دینے کی تاکید کی اور ہدایت کی کہ حتّی الامکان جنگ و جدل کی نوبت نہ آنے پائے۔ مولانا دو سو یا پونے دو سو مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے۔ موضع مانیری پہنچے، تو شاہ منصُور کی طرف سے بندوقوں کی آوازیں سُنیں۔ سب کو گمان ہُوا کہ شاید دونوں جانب سے لڑائی شروع ہو گئی، لیکن شاہ منصور پہنچتے پہنچتے بندوقوں کی آوازیں موقوف ہو گئیں اور دیکھا کہ اشرف خاں اپنے لوگوں کے ساتھ زیدے کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ مولانا نے پوچھا کہ یہ لڑائی کیونکر چٹ پٹ ہو گئی، ہم کو تو حضرت نے تمھارے اور خادی خاں کے درمیان صُلح کرانے کے لیے بھیجا تھا۔ اشرف خاں نے بتا دیا کہ ہم اپنی گڑھی میں بے خبر بیٹھے تھے کہ خادی خاں میدان میں سُورج نکلتے ہی آ پہنچا۔ جب ہم نے اس کے لشکر کے نشان دیکھ

تو جو لوگ موجود تھے، ان کو لے کر گڑھی کے باہر نکلے۔ دونوں طرف سے بندوقیں چلیں۔ کوئی چار پانچ گھڑی لڑائی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی۔

اشرف خاں کی اچانک موت اور فتح خاں کی جانشینی

یہ گفتگو کر کے اشرف خاں اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور مولانا کو ہمراہ لے کر زیدے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت اشرف خاں بڑے مسرور اور ہشاش بشاش تھے۔ وہ اپنے گھوڑے کو پھیرتے اور کداتے چلے جا رہے تھے۔ جب شاہ منصور کے قریب پہنچے، تو ایک بارگی اُن کا گھوڑا جھجکا اور دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا اور الٹا گر پڑا۔ اشرف خاں گھوڑے کے نیچے تھے۔ گھوڑے کی زین کا ہرنا اُن کے سینے میں گڑ گیا۔ تمام لوگ گھوڑے کے گرد جمع ہو گئے۔ اشرف خاں کو اُٹھایا کچھ رمق باقی تھی، مگر ہوش نہ تھا تھوڑی دیر میں فوت ہو گئے۔ سب کو ایسے نیک بخت، سخی، خوش اخلاق اور محسنِ خلائق کے مرنے کا بہت غم تھا۔ دفن کے وقت خادی خاں بھی آیا اور نماز و دفن میں شریک ہوا اور مولانا سے خان مرحوم کے فضائل اور اوصافِ حمیدہ مغموم ہو کر بیان کرتا رہا۔

اشرف خاں مرحوم کے سوم کو قرب و جوار کے رئیس و سردار ماتم پرسی اور فاتحہ خوانی کے لیے آئے۔ خادی خاں بھی آیا۔ خان مرحوم کے تین فرزند تھے۔ بڑا مقرب خاں، جو کچھ فاتر العقل سا تھا، خادی خاں کا بہنوئی بھی تھا۔ اس سے چھوٹا فتح خاں تھا۔ وہ بڑا لائق، ہوشمند اور بامروّت تھا۔ اس سے چھوٹا ارسلاں خاں تھا۔ وہ بھی ہوشیار اور بامروّت تھا۔ خانِ مرحوم نے اپنی حیات میں فتح خاں کو اپنا ولی عہد کیا تھا۔ اسی خیال سے فتح خاں پنجتاری اور خوانین و ملک وغیرہ، جو وہاں حاضر تھے سب نے فتح خاں کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھی اور اس کو اپنے باپ کا جانشین کیا۔ خادی خاں اس بات پر رنجیدہ اور ناخوش ہوا اور مقرب خاں کو اپنے ہمراہ لے کر ہنڈ کو چلا گیا۔ اس واقعہ سے بھی خادی خاں کی مخالفت اور ناراضگی میں اضافہ ہوا۔

ونٹورہ کی آمد

رنجیت سنگھ کی فوج کا برسوں سے یہ دستور تھا کہ ہر سال دسہرے کے بعد ایک بار علاقہ چھچھ[1] میں آتی تھی اور اس کا بڑا افسر سمہ کے رؤسا اور خوانین سے نعل بندی کے طور پر رنجیت سنگھ

---

[1] دریائے اٹک کے مشرقی کنارے کا علاقہ، جو سابقہ پنجاب کی سرحد ہے اور ضلع کیمبل پور میں واقع ہے۔

کے لیے گھوڑے، باز اور شکاری کُتّے لے جاتا تھا۔ فتح خاں پنجتاری یہ نعل بندی کبھی نہیں دیتا تھا۔ دُوسرے خوانین اس خوف سے دیتے تھے کہ سکھوں کی فوج دریا کو پار کر کے ہمارے مُلک میں نہ آجائے اور رعایا کو ایذا نہ پہنچائے۔ جب سیّد صاحبؒ جہاد کے لیے اس مُلک میں اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لائے اور تمام رُؤسا، وخوانین وسادات وعُلماء نے آپ کو اپنا امام اور پیرومُرشد بنایا، اُس وقت سے نہ کسی نے اُن سے نعل بندی طلب کی، نہ اُنھوں نے دی۔ بُنیر اور سوات سے واپس آکر آپ نے اُن خوانین اور رُؤساء کو، جو سکھوں کو نعل بندی دیا کرتے تھے، بُلا کر جمع کیا اور فرمایا کہ اب تک تم لوگ کُفّار کی اطاعت کرتے رہے اور اُن کو نعلبندی دیتے رہے، اب تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ پر توکّل و اعتماد کر کے وُہی نعل، جو تم سے ہو سکے، جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کیا کرو۔ یہ تمھارے لیے دُنیا اور آخرت دونوں میں بہتر ہے۔ سب نے اس کو قبول کیا اور دُعائے خیر کر کے اپنی اپنی بستیوں کو رُخصت ہُوئے۔

خادی خاں کی سازباز ایک مُدّت کے بعد اپنے موسم میں ونٹورہ نامی[1] فرانسیسی آفیسر فوج لے کر

---

[1] سر لیپل گریفن اپنی کتاب" رنجیت سنگھ" کے صفحات ۹۰ تا ۹۹ میں لکھتا ہے:

"پردیسیوں میں سے جو مہاراجہ کی ملازمت کے سلسلے میں داخل ہُوئے، جنرل ونٹورا سب سے زیادہ باوقعت تھا۔ وُہ اطالیہ کا معزز و معروف شخص تھا۔ اس نے اسپین واٹلی کی افواج میں نپولین کی ماتحتی میں خدمات انجام دی تھیں اور صلح کے بعد جب اس نے دیکھا کہ وہاں اس قسم کے کاموں کی قدر نہیں ہی، تو وہ قسمت آزمائی کرنے کے لیے نکل کھڑا ہُوا۔ دُنیا کے جس قطعۂ مُلک میں اسے موقع مِلا، وہاں جا پہنچا۔ اسی طرز حیثیت کا ایک دُوسرا شخص جنرل الرڈ تھا۔ یہ بھی نپولین کا ایک عہدے دار تھا، جو اپنی قابلیت بہادری کے جوہر سے اکثر مہمات میں ممتاز رہا تھا۔ ان دونوں نے پہلے تو اپنی قسمت آزمائی مصر و ایران میں کی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ شاہ عباس کے یہاں جو بادشاہِ وقت تھا، اُن کی رسائی ناممکن ہے، تو وہ ہرات و قندھار کے راستے سے ہندوستان چلے آئے۔ یہاں مہاراجہ نے بہت لیس و پیش اور عرصے تک اُن کے اوصاف کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد انھیں مامور کیا۔ دونوں نے رنجیت سنگھ کی خدمت نہایت وفاداری سے اور عرصے تک انجام دی۔ الرڈ کو سواروں کی فوج بھرتی کرنے کی اجازت دی گئی اور ونٹورا کو فوجِ خاص کی کمان سپرد کی گئی۔ یہ حصّۂ فوج تربیت و ساز و سامان کے لحاظ سے تمام سکھ فوج میں اوّل درجے میں شمار ہوتا تھا اس کی اصل تعداد ۴ بیادے اور ۲ سوار دستے تھے اور اگرچہ مہاراجہ نے بعد میں اس پر اضافہ کر کے ۵ بیادے اور ۴ سوار دستے قائم کیے، لیکن ونٹورا کی درخواست پر اسے پھر اگلی تعداد پر قائم کر دیا۔ جنرل ونٹورا نے اس فوج کے ہمراہ بہت سی مہمات میں کارہائے نمایاں انجام دیے، علی الخصوص پہاڑیوں کے گرد اور پشاور کے اطراف میں مہاراجہ ہمیشہ اس کو معتبر سمجھتا اور اس کی عزت کرتا تھا۔ اس نے اسے لاہور کا قاضی یا صوبے دار مقرر کیا جس کی وجہ سے دربار میں اس کا درجہ تیسرا شمار کیا جانے لگا۔

جنرل ونٹورا نے اس فتنہ و فساد سے تنگ آکر جس میں یوماً فیوماً ترقی ہو رہی تھی اور آنے والی تباہی کے اندیشے سے جس کا پیش آنا لازمی تھا، ۱۸۴۳ء میں (مہاراجہ رنجیت سنگھ کے انتقال کے چار سال بعد) استعفا دے دیا۔

چھچھ میں آیا اور معمول کے موافق سُمّہ کے رئیسوں سے نعل بندی طلب کی۔ خادی خاں کے سوا کسی رئیس نے نہیں دی۔ خادی خاں نے ایک گھوڑا، ایک باز، ایک شکاری کُتّا دستور کے موافق بھیجا اور لکھا کہ اگر آپ اپنی فوج لے کر اِس پار آجائیں، تو جن جن رئیسوں کو نعل بندی دینے سے اِنکار ہے، ان سے دِلوانے کا میں ذمّے دار ہوں۔ ونٹورہ نے اِس کے جواب میں خادی خاں کو لکھا کہ تمھارا بُلانا ہم کو قبول ہے، مگر تم ولایتی لوگوں کے قول و قرار کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر ہماری تسلّی کر دو گے، تو ہم آئیں گے۔ اس پر خادی خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو ضمانت کے طور پر بھیجا۔ فرانسیسی فوج کے ساتھ دریا سے سندھ پار کر کے ہُنڈ میں آیا۔ اس کی آمد کی خبر سُن کر سُمّہ کے لوگ بھاگنے لگے۔ خادی خاں نے اپنے اطراف و نواح کے رئیسوں کو لکھا کہ تم جو ہمیشہ سے حاکم لاہور کو سالیانہ دیتے تھے، وُہ لے کر حاضر ہو جاؤ۔ سب نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہ دیں گے اور اپنا اپنا اسباب لے کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ موضع شاہ منصور، موضع کالا دَرہ، موضع صوابیؔ اور مانیریؔ کے لوگ بھاگ کر پنجتار آئے۔ زیدے سے اشرف خاں مرحوم کے بیٹے فتح خاں اور ارسلاں خاں بھی خوف کے مارے پنجتار چلے آئے۔ خادی خاں نے فتح خاں پنجتاری کے پاس گھوڑے اور باز وغیرہ کے لیے پیام بھیجا اور کہلایا کہ تم بھی نذرانہ لے کر فرانسیسی کے پاس حاضر ہو، نہیں تو سکھوں کا لشکر پنجتار پر حملہ کر دے گا۔ اس کے جواب میں فتح خاں نے خادی خاں کو کہلا بھیجا کہ گھوڑا اور باز وغیرہ نہ ہم نے کسی کو دیا ہے اور نہ اِنشاء اللّٰہ تعالیٰ دیں گے، باقی سکھوں کا ہمیں کوئی اندیشہ نہیں، اُن سے کہو کہ شوق سے جب چاہیں چلے آئیں؛ ہم دیکھ لیں گے۔

ونٹورہ کی سید صاحب سے خط و کتابت یہ سخت جواب سُن کر خادی خاں نے ونٹورہ سے کہا کہ فتح خاں نے ایسا سخت جواب دیا ہے۔ وہ سیّد بادشاہ کے بھروسے پر یہ باتیں کرتا ہے، نہیں تو اس کی کیا مجال؟ اب جو تدبیر مناسب جانیے، وہ کیجیے۔ یہ تقریر سُن کر ونٹورہ نے فوج کے ساتھ کوچ کر کے کالا درے کے مغربی جانب میدان میں ڈیرہ ڈالا اور ایک خط سیّد صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا۔ خلاصۂ مضمون یہ تھا کہ آپ سیّد عالی خاندان، حاجی و غازی، با خدا اور بڑے صاحب تاثیر

ہیں اور اس ملک کے لاکھوں آدمی آپ کے مرید ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کی ذات میں کسی طور کا شر و فساد اور خلق اللہ کی ایذا رسانی کا خیال نہیں ہے۔ یہ ملک خالصہ جی کے زیرِ حکومت اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عملداری میں ہے۔ یہ یہاں کے رئیس ہمارے خالصہ جی کو ہمیشہ سے نعل بندی دیتے رہے ہیں، مگر جب سے آپ اس ملک میں تشریف لائے ہیں، تب سے یہ تمام لوگ ہم سے منحرف ہو گئے اور نعل بندی دینے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اس ملک میں آپ کے آنے کا ارادہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوا۔ اس کا جواب آپ تحریر فرما کر اپنے وکیل کے ساتھ ہمارے پاس روانہ کریں۔

سید صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ تمہارا خط آیا، اس کا مضمون معلوم ہوا۔ تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے حاکم کے تابعدار ہو، جہاں وہ حکم کرتا ہے، وہاں جاتے ہو اور حتی الامکان اُس کے فرمان کو بجا لاتے ہو تاکہ وہ تم سے راضی ہو، اسی طرح مَیں بھی اپنے آقائے عالیجاہ، شہنشاہِ عالم پناہ کا ایک ادنیٰ فرماں بردار ہوں۔ جو کچھ وہ احکم الحاکمین فرماتا ہے، اُس کو بجا لاتا ہوں، اور اسی حاکم برحق اور قادرِ مطلق کے حکم سے میں اس ملک میں آیا ہوں، اسی کی طرف سے ہر ایک کو دعوتِ اسلام دیتا ہوں۔ جو قبول کرے گا، وہ میرا بھائی ہے، مَیں اُس کا بھائی ہوں۔ تم اہلِ کتاب ہو، ان باتوں کو خوب سمجھتے ہو۔ یہی دعوت تم کو بھی ہے اور تمہارے آقا رنجیت سنگھ کو بھی۔ اور دعوتِ اسلام کا یہ اعلام نامہ پہلے ہم نے بدھ سنگھ کو لکھا تھا اور یہ بھی سُنا تھا کہ وہ خط بدھ سنگھ نے رنجیت سنگھ کو بھیج دیا تھا۔

تم نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ملک ہمارے خالصہ جی کا ہے، سو یہ تمہارا دعویٰ بلا دلیل ہے، اس لیے کہ یہ ملک مسلمانوں کا ہے، اس میں تمہارے خالصہ جی کا کیا دخل؟ دوسرے یہ کہ تمام ملک مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ کے قبضہ و تصرف میں ہیں۔ وہ جس کی تلوار کو زور دیتا ہے، وہ لے لیتا ہے۔ یہاں جو ہم لوگ آئے ہیں، کچھ سمجھ بوجھ کر آئے ہیں اور اس بات کو تم بھی جانتے ہو کہ کفار سے جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر قوت و ہمت دے، تو حتی الامکان ملک کو کفر سے پاک کریں

اور اسلام کو رواج دیں اور کافروں کے ظُلم سے مسلمانوں کو بچائیں۔ تم لوگوں نے مُسلمانوں کو اپنے ظلم و جَور سے تباہ کیا ہے اور بے شمار مسجدوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا ہے۔ اوّل تو ہم تم کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اگر تم قبول کروگے، تو ہمارے بھائی ہوگے، تمہارا مُلک تم کو مبارک رہے۔ اگر نہیں مانو گے، تو ہم تمہارے خلاف جہاد کریں گے۔ اس تحریر کے بعد ہم اپنا وکیل بھی بھیجتے ہیں۔ اُن سے زبانی گفتگو بھی کر لینا۔

مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو آپ نے یہ خط وینٹورہ کے آدمی کے ہاتھ روانہ کیا۔ اگلے روز آپ نے مولوی خیر الدین صاحب کو چند آدمیوں کے ساتھ سمجھا بُجھا کر وینٹورہ کے پاس روانہ کیا۔ مولوی صاحب اُس کے پاس گئے اور مُلاقات کی۔ وینٹورہ نے مولوی خیر الدین صاحب سے وہی سوال کیا، جو سیّد صاحبؒ سے خط میں دریافت کیا تھا اور جو کچھ سیّد صاحبؒ نے لکھا تھا، وُہی مولوی صاحب نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ کہا۔ اس کے علاوہ وینٹورہ نے جو کچھ پوچھا، مولوی صاحب نے اُس کا معقول جواب دیا۔ آخر اُس نے خفا ہو کر کہا کہ یہ مُلک ہمارے خالصہ جی کا ہے اور ہم ہمیشہ یہاں کے رئیسوں سے نعل بندی لیتے آئے ہیں اور اب بھی لیں گے۔ تمہارے واسطے یہی بہتر ہے کہ تم اس مُلک سے کوچ کر جاؤ، نہیں تو ہوشیار ہو جاؤ، ہم پنجتار پر آتے ہیں۔

جب اُس نے اس طرح سختی سے کلام کیا، تو مولوی صاحب نے بھی سپاہیانہ شان سے سختی سے جواب دیا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو کہ مُلک ہمارے خالصہ جی کا ہے اور ہم کو یہاں کے رئیس ہمیشہ نعل بندی دیتے رہے۔ یہ مُلک یہاں کے مسلمانوں کا ہے۔ اس میں تمہارے خالصہ جی کا کوئی دعوےٰ نہیں محض ظُلم و زیادتی سے تم اُن سے نعل بندی لیتے رہے ہو۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اب کبھی تم کو نعلبندی نہ دیں گے۔ اب تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اپنی فوج کو لے کر یہاں سے اپنی عملداری میں چلے جاؤ اور تم جو اس پر مغرور ہو کہ ہمارے خالصہ جی کی بہت فوج ہے اور یہ تھوڑے ہیں، تو اس بات کا ہم کو خطرہ نہیں اللہ تعالیٰ کا لشکر بڑا قوی اور غالب ہے۔ ہمارا اسی پر اعتماد ہے۔ اور جو پنجتار پر حملہ کرنے کا تمہارا خیال ہے، تو بسم اللہ ہم بھی تیار ہیں۔

اس کے علاوہ مولوی صاحب نے اور بھی کڑی کڑی باتیں کیں اور وہاں سے سوار ہو کر سید صاحبؒ کے پاس آئے اور جو کچھ ونٹورہ سے گفتگو ہوئی تھی، آپ کے سامنے دہرائی۔

ونٹورہ کی پسپائی اگلے روز آپ نے مولوی صاحب ممدوح کو تین سو مجاہدین پر امیر کر کے فرمایا کہ تم پنجتار کے درے کا بندوبست کرو اور وہیں اترو۔ اول تو انشاء اللہ تعالیٰ مقابلے کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر آئی، تو کچھ اندیشہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہم بھی وہیں آ جائیں گے۔ پھر آپ نے دعا کر کے مولوی صاحب کو روانہ کیا۔ مولوی صاحب گئے اور اس درے سے باہر نکل کر میدان میں ڈیرہ کیا۔ وہاں سے کوئی ڈھائی کوس کے فاصلے سے ونٹورہ کی فوج پڑی تھی۔ لوگوں کی زبانی ونٹورہ کو اطلاع ملی کہ سید صاحبؒ کا لشکر درے سے نکل کر میدان میں آ گیا ہے اور اس نے درے کا بخوبی انتظام کر لیا ہے۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو ہم لوگوں پر شبخون ماریں۔ اس خیال سے اس نے بھی خوب بندوبست کیا۔ موضع صوابی اور مانیری کے جو لوگ ونٹورہ کے خوف سے پنجتار کو چلے آئے تھے اور کچھ ادھر ادھر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ مجاہدین کا لشکر درے کے میدان میں اترا ہے، ان کو تسلی ہوئی اور جا بجا سے سوار و پیادہ اپنے گھروں کی خبر گیری کو چلے۔ ونٹورہ کی فوج کا شبینہ اس وقت گشت کر رہا تھا۔ ان لوگوں کو دور سے دیکھ کر ونٹورہ کو جا کے خبر کی کہ خلیفہ کا چھاپہ آ پہنچا ہے، ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ خبر سن کر ونٹورہ بدحواس ہو گیا۔ جو کچھ اسباب فوراً لیا گیا، وہ لے لیا اور باقی ڈیرہ، خیمہ، سلاح و اسباب چھوڑ کر مع فوج فرار ہو گیا اور دریائے اٹک عبور کر کے پنجاب کی سرحد میں پہنچ گیا۔

قلعۂ اٹک پر مہم خیر الدین نامی ایک شخص بہت عرصے سے قلعۂ اٹک[1] سے آپ کے پاس آیا کرتا تھا اور آپ سے کہتا تھا کہ قلعے کے بہت سے مسلمان یکدل اور متفق ہیں، اس قلعے کا بندوبست و انتظام ہمارے ہی سپرد ہے۔ اگر آپ سو پچاس مجاہدین یہاں سے روانہ کریں، تو ہم ان کو قلعے کے اندر داخل کر دیں گے۔ اگر آپ کے یہاں سے ہتھیار اور اسلحہ کے لیے کچھ خرچ بھی مل جائے، تو اور لوگوں کو بھی ہم

---

[1] قلعۂ اٹک پنجاب کا پھاٹک ہے۔ اگر اس پر مجاہدین کا قبضہ ہو جاتا، تو گویا پنجاب کا راستہ صاف ہو جاتا۔

موافق کر لیں گے۔ اسی طرح کی باتیں وُہ اکثر آ کے کرتا تھا۔ آخر آپ نے بمبئی والے امام الدین کو اور دو اور آدمیوں کو خیرالدین کے ساتھ وہاں کا حال دریافت کرنے کے لیے ہمراہ کر دیا۔ وُہ تینوں شخص آٹھ دس روز وہاں جا کر رہے اور وہاں کا حال دیکھ کر آئے اور خیرالدین کے بیان کی تصدیق کی۔ کئی بار آپ نے امام الدین کو بھیجا اور وہ وہاں کئی کئی روز رہ کر آئے۔ جب آپ کو اطمینان ہو گیا، تو آپ نے اسلحہ کی خریداری اور تیاری کے لیے پانچ سو روپے دیے اور فرمایا کہ جب تم وہاں کا انتظام خاطر خواہ کر کے آؤ گے، تو جتنے آدمی کہو گے، ہم تمھارے ساتھ کر دیں گے۔ گڑھی امان زئی میں خیرالدین آیا اور عرض کی کہ میں سب انتظام کر کے آیا ہوں، وہاں سپاہی اور رعایا ملا کر پانچ سو آدمیوں کے قریب میں نے متفق کیے ہیں اور جن لوگوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں، اُن کے لیے ہتھیار بھی خرید لیے ہیں اور رسّوں کی کئی سیڑھیاں بھی بنا کر رکھ آیا ہوں اور اپنے بھائی اور سید جمیل شاہ، اُن کے بہنوئی سید محبوب شاہ، فتح میر خاں اور اُن کے بھائی منگا خاں، محمود خاں، قادر بخش اور محمد بخش سے کہ آیا ہوں کہ تم سب بارات لانے کے بہانے سے فلاں دن رات کو قلعے سے نکل کر دریا کے کنارے فلاں وقت فلاں جگہ آنا، میں وہیں مجاہدین کو لے کر آؤں گا۔ سو آپ لوگوں کو بھیجنے کا انتظام فرمائیں۔

آدمیوں کا انتخاب اور روانگی یہ سُن کر آپ نے لشکر سے ساٹھ ستر اچھے اچھے، چست، چالاک اور کارآزمودہ جوان انتخاب کیے اور ارباب بہرام خاں کو امیر کیا اور فرمایا کہ اُن کے بعد حاجی بہادر شاہ خاں امیر ہیں، اُن کے بعد امام خاں، اُن کے بعد جس کو لوگ اتفاق کر کے امیر بنا دیں، وُہ امیر ہے اور اخوند ظہور اللہ صاحب[1] کو، جو اِس مُلک کے واقف کار تھے، رہبر کیا۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق سب مقرر جگہ پر جمع ہوئے۔ آدھی رات کے قریب اخوند صاحب سب کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ موضع جلسئی کے اِسی طرف دو کوس ایک نالے پر فجر ہو گئی۔ دن بھر سب لوگ وہیں اِدھر اُدھر چھپے رہے، رات کو عشا کے بعد وہاں سے چلے اور جہانگیرہ کے گھاٹ پر پہنچے۔ اس وقت فتح شیر خاں، سید جمیل شاہ، سید محبوب شاہ، محمود اور قادر بخش وہاں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ دریا اُترنے کے لیے جالے باندھنے کی

---

[1] اخوند ظہور اللہ صاحب جہانگیرے کے رہنے والے تھے جو قلعۂ اٹک کے سامنے ہے۔

تدبیر ہونے لگی۔

قلعہ دار کو اطلاع اسی عرصے میں شنائی پر سوار ہو کر محمد بخش اُس پار سے اِدھر آئے اور کہا کہ وہاں تو معاملہ بگڑ گیا، اب یہاں سے پلٹ چلو۔ خیر الدین نے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ محمد بخش نے کہا کہ فلاں پنجابی جو ہم لوگوں کے مشورے میں شریک تھا، اُس نے جا کر لالہ خزانہ مل قلعہ دار سے کہا کہ تمہارے فلاں فلاں ملازم جو آج بارات لانے کو تم سے پوچھ کر گئے ہیں، وہ سید بادشاہ کے چھاپے کو لینے گئے ہیں تم ہوشیار ہو جاؤ۔ قلعہ دار نے یہ بات سن کر اُس سے کہا کہ تو دیوانہ ہے، سید بادشاہ کا چھاپہ لانے کی کیا غرض؟ وہ ہمارے نمک حلال اور معتبر ملازم ہیں، اُن سے ایسی حرکت ہرگز نہ ہوگی۔ اس نے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں، دو چار گھڑی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ اگر اس میں فرق ہو، تو آپ مجھ کو توپ سے اُڑا دیجیے گا۔ اس غرض سے اُنھوں نے بہت سے ہتھیار بھی خریدے ہیں اور رسّی کی کئی سیڑھیاں بھی بنائی ہیں۔ اگر یہ سامان اُن کے گھر میں سے نکلے، تب تو مجھے سچا جانو گے اور اس خیر خواہی کا انعام دوگے؟

خادی خاں کی مخبری اس عرصے میں خادی خان کا ایک آدمی آیا اور قلعہ دار سے کہا کہ ہمارے سردار خادی خاں کو کسی کی زبانی خبر ملی ہے کہ سید بادشاہ کا چھاپہ مُلک پکھلی میں جاتا ہے، تمہارے پاس مجھ کو اسی اطلاع کی غرض سے بھیجا ہے۔ یہ حال سُنتے ہی قلعہ دار کو پنجابی کی تمام باتوں کا یقین ہوا اور اُس کے ساتھ اپنے چند آدمیوں کو بھیجا کہ فلاں فلاں شخص کے گھر کی تلاشی لو اور اُن لوگوں کو جلد تلاش کر کے لاؤ۔ یہ خبر سن کر میں تو وہاں سے چل دیا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھی گرفتار ہو جاؤں۔ یہ خبر سن کر ارباب بہرام خاں مع مجاہدین وہاں سے روانہ ہو گئے اور امازئی کی گڑھی میں آپ کے پاس آئے اور محمد بخش نے وہ سارا ماجرا آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ کو بہت افسوس ہوا اور اس کی فکر ہوئی کہ وہاں کے باقی مسلمانوں کے ساتھ وہ قلعہ دار کس طرح پیش آئے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

کئی دن کے بعد خیر آباد سے ایک شخص خیر الدین کے پاس آیا اور اُس نے بتلایا کہ قلعہ دار نے مکانوں کی تلاشی لی، اُن میں سے ہتھیار اور سیڑھیاں نکلیں۔ اُس نے تمہاری عورتوں اور لڑکوں کو گرفتار کر لیا اور تمہارے بھائی کو توپ سے اُڑا دیا۔

بعد میں سنگا خاں قلعے سے بچ کر نکل آئے۔ عورتوں اور بچوں کی اس طرح خلاصی ہوئی کہ وینٹورہ فرانسیسی قلعۂ اٹک میں آیا اور سب حال معلوم کر کے کہا کہ جنھوں نے وہ فساد کیا تھا، وہ تو تمھارے ہاتھ نہ آئے، ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے؟ ان کو چھوڑ دو۔ قلعہ دار نے سپاہیوں سے کہا کہ ان کو یہاں سے نکال کر دریا کے پار اُتار دو۔ جہاں چاہیں، چلے جائیں۔ وہ سب دریا سے اُتر کر اکوڑہ چلے گئے۔ وہاں سے پنجتار آ گئے۔

بارھواں باب

عُلما اَور خوانین کا دُوبارہ اجتماع اَور نیا عہدوپیمان

مُسلمانوں کی نااتفاقی کا شکوہ | گڑھی امازئی سے پنجتار تشریف لانے کے چھ سات دن بعد سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل، سید احمد علی، ارباب بہرام خاں، مولوی مُحمّد حسن اور فتح خاں پنجتاری کو بُلایا اور خانِ موصوف کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ خان بھائی ہم نے تم کو اس مشورے کے واسطے بُلایا ہے کہ ہم لوگ اس مُلک میں صرف جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں اور مسلمانوں کی ریاست سمجھ کر یہاں فقط اس نیت سے اُترے ہیں کہ سب مسلمان بھائیوں کے اتفاق سے کچھ دینِ اسلام کا کام درست ہو اور یہاں کے مُسلمان بھائیوں کی نااتفاقی کا یہ حال ہے کہ اگر ہم کُفّار کے زیر کرنے کی کوئی صُورت نکالتے ہیں، تو انھیں مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک حامی بن کر آڑے آتا ہے اور اُن کو خبر کر دیتا ہے۔ چنانچہ شَیدو کی لڑائی، جس میں اَسّی نوّے ہزار آدمی ہماری طرف جمع تھے، سردار یار مُحمّد خاں کی شرارت سے شکست ہوگئی اور مسلمانوں کی جمعیّت پراگندہ ہُوئی۔ اسی طرح سے خادی خاں نے چند مہینوں سے کیسی کیسی بیجا حرکتیں کرنی شروع کی ہیں۔ چنانچہ تم کو خود معلوم ہے کہ جو غازی ہندوستان سے جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کرکے آتا ہے، سکھوں کے مُلک سے زندہ سلامت چلا آتا ہے، مگر اُن کے ہاتھ سے کسی طرح نہیں بچتا۔ کسی کو لُوٹ کر دریائے سندھ میں غوطے دیتے ہیں، کسی کا مال واسباب

چھین کر بزورِ پنجہ دباتے ہیں۔ سردار اشرف خاں مرحوم پر انھوں نے محض اس وجہ سے فوج کشی کی کہ وہ خانِ مرحوم ہم سے موافق تھا۔ اس کے بعد یہ فساد کیا کہ وینٹورہ فرانسیسی کو چڑھا لائے۔ اُنھوں نے اپنی طرف سے حتی المقدور کچھ درگزر نہیں کی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے اُس کو دفع کیا۔ اس کے بعد ایک تازہ فساد یہ کیا کہ اِدھر سے اٹک پر ہمارا چھاپہ چلا، اُدھر سے خادی خاں نے اپنا آدمی بھیج کر وہاں کے قلعہ دار کو خبر کر دی۔ اسی طرح اور بھی بہت فساد اُس نے کیے ہیں اور ابھی دیکھا چاہیے، اَور کیا کیا فساد کرے۔ اس نے جو شرارتیں ہمارے ساتھ کی ہیں، اُس کی کدُورت ہمارے دل میں بالکل نہیں ہے۔ جو کچھ اُس نے کیا، اپنے واسطے کیا۔ جو جیسا کرے گا، اپنے واسطے کرے گا۔ مقصود یہ ہے کہ اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ مسلمانوں میں اِتّفاق ہو، جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا کام نکلے اور دینِ اسلام کی کچھ ترقی ہو۔

اجتماع کی تجویز و انتظام فتح خاں نے عرض کیا کہ میری ناقص رائے میں یہ آتا ہے کہ آپ مُلک سمہ کے سادات، عُلما، اور خوانین کو جمع کریں اور یہی بات ان کو سمجھائیں۔ ان سب نے آپ کے دستِ مُبارک پر بیعت کی ہے اور آپ کو امیر المومنین تسلیم کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے فرمانے سے کوئی باہر نہ ہوگا، اِس لیے کہ آپ تو صرف اللہ کے واسطے یہ تدبیر کرتے ہیں، اس سے آپ کی کوئی غرض متعلق نہیں۔ اور جو کوئی نہ مانے گا اَور بد عہدی کرے گا، وُہ اُس کی سزا اپنے خدا سے پائے گا۔

فتح خاں کی یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور اسی پر مشورہ قرار پایا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم یہاں کے رئیس ہو، ہماری طرف سے آپ ہی سب کو بُلاؤ۔ خانِ ممدوح نے اپنے آدمی ہر طرف یہ پیام دے کر روانہ کیے کہ ایک ضروری دینی کام کا مشورہ کرنا ہے، سب صاحب یہاں تشریف لائیں۔ مقررہ تاریخ میں تمام سادات، عُلما اور خوانین پنجتار میں جمع ہُوئے۔ تمام لوگ دس گیارہ سَو تھے۔ اس روز پنجتار کی پانچوں بستیوں والوں نے اُن کی دعوت کی اور اپنے مکانوں میں اُن کو اُتارا۔ مغرب کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نے عبد القیّوم کو فرمایا کہ صُبح طلوع

آفتاب سے پہلے کھانا پک کر تیار ہو جائے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اہتمام پر مقرر کیا۔ دوسرے دن جب سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے، تو مولانا نے فرمایا کہ آج جُمعے کا دن ہے، سب بھائی نالے پر شیشم کے درختوں کے نیچے ہماری مسجد میں جمعے کی نماز پڑھیں۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی نے خطبہ پڑھا اور سیّد صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔

سیّد صاحبؒ کی تقریر: آمد کا مقصد

نماز پڑھ کر سیّد صاحبؒ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سب بھائی اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھے رہیں۔ جو کچھ ہم کہیں، توجُّہ سے سُنیں۔ آپ نے منگل تھانہ کے کامل آخون زادے کو، جو بڑے سیّاح، جہاں دیدہ، پنجابی، پشتو، فارسی، ترکی اور ہندی کے ترجمان اور بڑے بزرگ آدمی تھے، حرمین اور بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ کے مُرید اور بڑے مُعتقد تھے، اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ جو کچھ میں کہوں، تم ان بھائیوں کی زبان میں اُن کو سمجھاتے جاؤ۔ آپ نے اوّل اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت اور قُدرت کو طرح طرح سے بیان کیا۔ اس کے بعد سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ سب اس بات کو خُوب جانتے ہیں کہ دُنیا میں لوگ اپنی معاش اور میراث حاصل کرنے میں کیسی کیسی کوششیں اور جانفشانی کرتے ہیں اور اس رنج کو راحت جان کر ہرگز نہیں گھبراتے، فقط اس خیال سے کہ اگر وہ معاش و میراث ہاتھ آجائے گی، تو چین سے کھائیں گے اور یہ امر موہوم ہے۔ اگر یہ امر خواہش کے موافق حاصل ہُوا، تو خیر؛ نہیں تو کچھ نہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ سے، جو دین کی دولت ہے، اس کی وجہ سے دُنیا و آخرت کی فلاح، اسلام کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ لوگ غافل ہیں۔ مجھ کو جنابِ باری تعالیٰ سے ارشاد ہُوا کہ تُو دارُالحرب ہندوستان سے ہجرت کر کے دارُ الامن میں جا اور کفّار سے جہاد فی سبیل اللہ کر۔ مَیں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مامون ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں اور جہاد کی تدبیر کروں۔ باوجُود اس وسعت کے کہ صدہا کوس میں مُلکِ ہند واقع ہُوا ہے، کوئی جگہ ہجرت کے لائق خیال میں نہ آئی۔ کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اسی مُلک میں جہاد کرو۔ جو کچھ مال، خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہو، ہم دیں گے، مگر مجھ کو منظور نہ ہُوا، اس لیے

کہ جہاد سُنّت کے موافق چاہیے، بلوہ کرنا منظور نہیں ہے۔ تمھارے اس مُلک کے ولایتی بھائی بھی یہاں حاضر تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا مُلک اس کے واسطے بہت خُوب ہے۔ اگر وہاں چل کر کسی مُلک میں قیام اختیار کریں، تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے خصوصاً اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے اور مُسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے۔ جب اُس کی فوج کے لوگ اس مُلک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں، مال و اسباب لُوٹ لیتے ہیں، بلکہ عورتوں بچوں کو پکڑے جاتے ہیں اور اپنے مُلک پنجاب میں جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔ اور پنجاب میں وُہ مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں، گاؤکُشی کا تو کیا ذِکر، جہاں سُنتے ہیں کہ کسی مُسلمان نے گائے ذبح کی، اُس کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔

یہ سُن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھیریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کُفار سے جہاد کریں اور اُن کے ظُلم سے مسلمانوں کو چُھڑائیں۔ سو محض اسی ارادے سے تمھارے اس مُلک میں ہم آئے ہیں۔ تم سب نے اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی، اپنا اِمام گردانا اور تمھیں سب نے جہاد کا کام مجھ سے شروع کرایا۔ اب تمھیں لوگ اس میں کوشش اور تندہی نہیں کرتے، بلکہ تمھیں لوگوں میں سے بعض بعض اس امر میں حارج ہوتے ہیں۔ تم عالِم اور وارثُ الانبیا کہلاتے ہو۔ تم کو لازم ہے کہ سب مل کر اس میں کوشش اور جانفشانی کرو کہ اسلام کی ترقی ہو۔

تقریر کی تاثیر اس وقت آپ کے کلام میں عجیب رقّت اور تاثیر تھی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور طبیعت میں حمیّتِ اسلام کا ایک جوش تھا۔ بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ تقریر فرماتے تھے اور طرح طرح کی مثالوں سے سمجھاتے تھے۔ جو لوگ وہاں حاضر تھے، کیا عالِم اور کیا عامی سب پر ایک حال سا واقع تھا، بلکہ بعض بعض گویا اپنی ہستی سے گزر گئے تھے۔ بعض لوگ روتے تھے اور بعض غمزدہ سے عالمِ سکوت میں تھے۔ پھر آپ نے دُعا کی اور فرمایا کہ باقی جو کچھ گفتگو مولانا اسمٰعیل صاحب

اس امر میں کریں، وُہ سُنیے اور اس کا جواب دیجیے۔ مَیں تو اس وقت مکان پر جاتا ہوں۔

مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی گفتگو اور حکیمانہ مثال

یہ فرما کر آپ رُخصت ہُوئے اور مولانا ان صاحبوں میں بیٹھے اور ان سے امام کی اطاعت کے بارے میں گفتگو شروع کی اور یہ مثال بیان کی کہ ایک بادشاہ نے اپنے ملازمین میں ایک شخص کو افسر بنایا اور اپنے ملازمین کی ایک جماعت سے فرمایا کہ فلاں مہم پر اسی کے ساتھ جاؤ۔ اور جو کچھ یہ افسر تم سے ہمارے احکام کی تعمیل کے واسطے کہے، بلا انکار بجا لاؤ۔ اس مہم پر اس کو جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ اس افسر نے وہاں جا کر اس جماعت سے ایک کو افسر کیا اور چند لوگ اس کے ساتھ گئے اور اُن سے کہا کہ بادشاہی احکام کی تعمیل کے واسطے یہ افسر جو کچھ تم سے کہے، بے تأمّل اس کو کرنا۔ اس نے وہاں جا کر اپنے لوگوں میں ایک کو افسر کیا اور کئی شخص اس کے تابع کیے اور اُن سے کہا کہ شاہی کام کی درستی کے واسطے یہ شخص جو حکم کرے، بلا انکار بجا لانا اور کسی کام پر اُن کو روانہ کیا۔ اگر اِن لوگوں میں سے بعضوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی اور اُن کے حکم کے خلاف کام کیا۔ اگر وُہ اپنے زعم میں یہ سمجھیں کہ ہم نے تو بادشاہ کی حکم عدولی نہیں کی؛ اگر کی، تو اس افسر کی کی، تو کیا کوئی عاقل صاحبِ تمیز تسلیم کرے گا کہ اُنھوں نے بادشاہ کی نافرمانی نہیں کی، ان افسروں کی کی، اِس لیے کہ افسر کو اس بادشاہ نے اپنی طرف سے مختارِ کار کیا تھا اور اس کی اطاعت کا سب کو حکم دیا تھا اور اس نے اپنی طرف سے اسی کے حکم کی تعمیل کے واسطے دوسرے کو افسر کیا اور اس دُوسرے نے تیسرے کو۔ اسی طرح پر سلسلہ جہاں تک چلا جائے حقیقت میں حاکم ایک ہے اور حکم بھی ایک ہے جنھوں نے ان افسروں کی اطاعت کی، فی الحقیقت اسی بادشاہ کی کی؛ اور جنھوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی، تو اس بادشاہ کی کی؛ اور ان افسروں کے مُطیع بادشاہ کے مطیع ہیں، اور اس بادشاہ کے نزدیک وُہ شاباشی کے لائق اور خلعت و انعام کے مستحق ہیں؛ اور وہ جو ان افسروں کی نافرمانی میں ہیں، وُہ حقیقت میں اس بادشاہ کے نافرمان ہیں اور اس کے نزدیک لائقِ ملامت اور سزاوارِ تعزیر ہیں۔ سو مَیں سب علماءِ دین کی خدمتِ بابرکت میں عرض کرتا ہوں کہ جو مَیں نے یہ مثال بیان کی ہے، وہ بجا ہے یا بیجا؟ اس کا جو کچھ جواب باصواب

ہو، ارشاد فرمائیں۔

مولانا کا استفسار یہ پُوری تقریر کابل اخوند زادے نے ان سب عالموں کی زبان میں سمجھائی۔ ان سب نے مولانا صاحب کو داد دی اور کہنے لگے سُبحان اللہ! آپ نے خُوب مثال بیان فرمائی اور حقیقت یہی ہے کہ ان افسروں کے مطیع بادشاہ کے مطیع اور بخشش اور انعام شاہی کے لائق ہیں اور جنھوں نے اِن افسروں کی نافرمانی کی، وُہ بادشاہ کے نافرمان اور تعزیر و عذاب کے مستحق ہیں۔ اس میں کچھ شک و شُبہ نہیں۔

اخوند زادے نے افغانی علماء کے جواب کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان سب بھائیوں نے اِس مثال کو پسند کیا اور ان مطیعوں کے انعام اور نافرمانوں کے عذاب کے مُعترف ہُوئے۔ اب ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ اس کا جواب سوچ سمجھ کر دیں کہ جب دُنیاوی بادشاہ کے تابعدار و نافرمان اُن کے نزدیک انعام و سزا کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹) یعنی، اے اِیمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب حکُومت ہیں اُن کی بھی اطاعت کرو، اور مُسلمان حاکم قاضی مُفتی اور امامِ جہاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سیّد احمد صاحب کو امامِ زماں اور ہادیِ دَوراں کیا ہے اور آپ سب عُلماءِ کرام اور سادات عظام اور خوانین ذوی الاحترام نے اُن کے دست مبارک پر بَیعت کی ہے۔ اب جو کوئی بَیعت کرنے اور اپنا امام تسلیم کرنے کے باوجُود اُن کی اطاعت نہ کرے، بلکہ اُس کے خِلاف عمل کرے، تو آپ سب عُلماءِ دین کے نزدیک اُس کا حُکم کیا ہے؟

عُلماء کا اقرار یہ تمام گفتگو اخوند زادہ نے اُن کی زبان میں سمجھائی۔ سب نے اِقرار کیا کہ وُہ شخص مُجرم اور عند اللہ اور عند النّاس قصُوروار ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ وُہ مُجرم اور قصُوروار کیسا؟ وُہ صاف صاف باغی ہے۔ اگر اپنی بغاوت اور نافرمانی سے تائب نہ ہو، تو اس پر جہاد ہے۔ امام کی بغاوت اور نافرمانی کا یہ مسئلہ اپنی فلاں فلاں فقہ کی کتاب میں فلاں باب اور فلاں فصل میں نکال کر دیکھیے۔ وُہ

کتابیں ان علماء کے پاس وہیں موجود تھیں، سب نے دیکھ کر عرض کیا کہ آپ حق فرماتے ہیں۔ بیشک یوں ہی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے ایک بڑے سے کاغذ میں اپنی وہی تقریر بطور سوال لکھ کر فرمایا کہ اس پر اپنی اپنی کتاب کی عبارت اور دلیل لکھ کر مہر اور دستخط کر دیجیے۔ سب نے آپ کے سوال کے موافق جواب تحریر کرکے اپنی اپنی مہر ثبت کی اور جن کے پاس مہر نہ تھی، انھوں نے دستخط کیے اور وہ کاغذ مولانا کو دے دیا۔ آپ نے ان سب کے جواب کو دیکھ کر فرمایا کہ جن کتابوں کی یہ عبارتیں لکھ کر آپ نے مہر و دستخط کیے ہیں، یہ کتابیں تو مدت سے پڑھی ہیں اور ان مسائل کے آپ پرانے عالم ہیں، یہ کتابیں آپ نے آج نہیں پڑھی ہیں۔ کئی سال کا عرصہ گزرا کہ حضرت امیر المومنین آپ کے اس ملک میں جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے تشریف لائے اور آپ سب نے اُن کو اپنا امام مانا۔ یہاں کے رؤساء اور بے علم خوانین بغاوت سے اس کارِ خیر میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے ہیں اور کافروں کے شریک ہیں۔ آپ لوگ علماءِ دین اور وارث الانبیا کہلاتے ہیں اور آپ ہی کا اس ملک میں غلبہ ہے۔ دین کے معاملے میں سب خان اور رئیس آپ کے محتاج اور فرماں بردار ہیں۔ آپ نے اب تک اُن لوگوں کو اس مسئلے سے آگاہ نہ کیا۔ سارا قصور و غفلت آپ ہی کی ہے اور آپ سب واجب التعزیر ہیں۔ اگر آپ لوگ حق پوشی نہ کرتے اور اُن کو خدا و رسول کا حکم صاف صاف سناتے اور سمجھاتے رہتے، تو بغاوت کی نوبت کیوں آتی؟ اب آپ سب مل کر خوب سوچ سمجھ کر معقول جواب ارشاد فرمائیں۔

مولانا کی یہ تقریر سن کر ہر ایک عالم نے اپنا اپنا عذر بیان کیا اور اپنی خطا اور غفلت کا اعتراف کیا کہ بیشک ہم سب اس امر میں خطاوار ہیں اور ہمیں سے غفلت ہوئی اور بے شبہ ہمیں لوگوں کا یہاں غلبہ ہے، مگر اب ہم اپنی خطا سے توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ہم سے مواخذہ نہ فرمائے، آپ بھی ہماری خطا معاف کریں، اب ہم اس کارِ خیر میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ ہر ایک کے سمجھانے میں حتی الامکان تساہل و تغافل نہ کریں گے، وعظ و نصیحت سے راہِ راست پہ

لائیں گے اور جو نہ مانے گا، وہ اپنی بغاوت کی سزا پائے گا۔

خادی خاں کو تفہیم اس کے بعد مولانا نے دُعاءِ خیر فرمائی۔ خادی خاں بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ وُہ دُعا میں شریک نہیں ہُوا۔ ناخوش ہو کر اُٹھ گیا۔ اس عرصے میں عصر کی اذان ہُوئی۔ سیّد صاحبؒ اپنے مکان سے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد جو علماء و خوانین نزدیک نزدیک کے تھے، آپ سے رُخصت ہو کر اپنی بستیوں کو گئے۔ باقی، جو دُور دُور کے تھے، وُہ رہ گئے۔ کال آخوند زادہ نے مولانا اور عُلماء کا سارا مکالمہ آپ کے سامنے نقل کیا اور یہ بھی کہا کہ خادی خاں دُعا کے وقت اُٹھ گیا اور دُعا میں شریک نہیں ہُوا۔ سب حال سُن کر حضرت بہت خوش ہُوئے، مگر خادی خاں کا حال سُن کر ملُول ہُوئے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا دانا اور ہوشیار شخص جو ہمارے انصارِ سابقین میں سے ہے، اُسی نے بغاوت میں سبقت کی۔ پھر اُسی روز نمازِ مغرب کے بعد آپ نے خادی خاں کو بلایا اور جو عُلماء وہاں موجود تھے، اُن کے بیچ میں بٹھایا اور سمجھانا شروع کیا کہ خان بھائی، تمھیں نے ہم لوگوں کو اِس مُلک میں ٹھیرایا تھا اور تمھیں سب سے پہلے ہمارے انصار بنے اور آج اس مجلسِ عُلماء کے مشورے سے منحرف ہو کر اُٹھے۔ یہ بات تمھاری دانشمندی سے نہایت بعید ہے۔ تم کو لازم تھا کہ اور کوئی منحرف ہو کر اُٹھتا، اُس کو تم سمجھاتے، نہ یہ کہ تم ہی نے اس میں سبقت کی۔ تم کو لائق ہے کہ جس بات پر علماء نے اتّفاق کیا ہے، اس سے اختلاف نہ کرو۔ اس میں تمھاری دین و دُنیا دونوں کی بہتری ہے اور اس کے خلاف میں دُنیا و عُقبیٰ دونوں کی خرابی ہے۔ یہ ہم تمھاری خیر خواہی کی راہ سے کہتے ہیں۔ آگے ماننے، نہ ماننے کا تمھیں اختیار ہے۔

خادی خاں کا متکبرانہ جواب خادی خاں نے اس کا جواب دیا کہ حضرت ہم تو پٹھان لوگ ہیں، ریاست ہمارا کام ہے۔ یہ مشورہ مُلّاؤں نے مِل کر کیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے یہاں اِسقاط اور خیرات کے کھانے والے ہیں، ریاست کے معاملات کا اُن کو کیا شعُور؟ اُن کا مشورہ، جو ہمارے ذہن میں آتا ہے، اُس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اُس کو ہم نہیں مانتے۔ اُن کی

صلاح اور مشورے کی ہم کو کچھ پروا نہیں۔ خود ہماری قوم اور جمعیّت بہت ہے۔ ہم پر اُن کا کسی طرح کا بھی دباؤ نہیں ہے۔ یہ ہمارے تابع ہیں، ہم اُن کے تابع نہیں۔

خادی خاں کی یہ بیہودہ گفتگو سُن کر سیّد صاحبؒ کو اِتنا غُصّہ آیا کہ آپ کا چہرہ مُتغیّر ہو گیا۔ آپ کا یہ خاصّہ تھا کہ کیسا ہی کوئی دوست ہوتا، جہاں اُس نے اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے حُکم کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالی، آپ اپنے آپے میں نہیں رہتے تھے اور اس کو دشمن سمجھتے تھے، لیکن آپ نے غُصّے کو تھام کر نرمی سے فرمایا کہ عُلَما، وارث الانبیاءؑ اور ہادیِ دین ہیں، اُن کی شان میں اِہانت آمیز کلام کمال نادانی اور بے ادبی ہے۔ دینی اور دُنیوی مُعاملات یہی لوگ خُوب سمجھتے ہیں۔ جو کچھ یہ لوگ دین یا دُنیا کی اصلاح کے واسطے خُدا اور رسُولؐ کے حُکم کے موافق فرمائیں، سب مسلمانوں کو جان و دِل سے بلا انکار ماننا چاہیے۔ اگرچہ وُہ حکم اپنے نفس اور عادت کے خلاف ہو، مسلمانوں کو ہر حال میں شریعت کا پابند ہونا چاہیے۔

خادی خاں نے کہا کہ ہم لوگ پشتون بے عِلم ہیں، ہماری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ خادی خاں، ہم پر جو سمجھانے کا حق تھا، وہ ادا کیا؛ چاہو، مانو یا نہ مانو۔ اب ایک بات یہ بھی سُن لو کہ تم نے حدِ شریعت سے اپنا قدم باہر نکالا، فقط اِس خیالِ خام سے کہ ہم اس مُلک کے خان ہیں، ہماری قوم اور جمعیّت بہت ہے، ہمارا کوئی کیا کر سکے گا؟ سو یہ گمراہی اور شیطان کا فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا قادر اور بڑی طاقت والا ہے، بڑے بڑے سرکشوں اور مفسدوں کے سر اُس نے ایک دم میں توڑ دیے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا کہ کبھی روز انشاءاللہ تعالیٰ تم سوتے سوتے اُٹھو گے اور دیکھو گے کہ ہمارے قلعے میں کسی اور کا انتظام اور بند و بست ہو رہا ہے، اور کسی جگہ کُتّے کی طرح مُردار ہو کر پڑے ہو گے۔

عشا کی نماز کے بعد خادی خاں سیّد صاحبؒ کو سلام کر کے جہاں اُترا تھا، وہاں گیا۔ اگلے روز کچھ دن چڑھے رخصت کے واسطے آیا۔ آپ نے فرمایا: کل ہم نے تم کو اتنا سمجھایا مگر تمھارے خیال میں نہ آیا، اب ہم مجبور رہیں، تم جاؤ۔ وہ رُخصت ہو کر ہنسنا کر چلا گیا۔

تیرھواں باب

ونٹورہ کی دوبارہ آمد اور جنگِ پنجتار

ونٹورہ کی دوبارہ آمد کئی مہینے کے بعد جب سکھوں کے دَورے کا موسم آیا، تو ونٹورہ فرنسیسی کی قیادت میں سکھوں کی ایک فوج نے سمہ کا رُخ کیا۔ سکھوں کا دستور تھا کہ جب اُن کا لشکر چھچھ میں موضع حضرو کے قریب اُترتا، تو توپوں کی ایک باڑھ سر کرتا، جس کو سُن کر تمام رئیسوں اور سمہ کی رعایا پر ہیبت طاری ہو جاتی اور لُوٹ مار کے خوف سے لوگ جا بجا بھاگنے لگتے۔ اِس مرتبہ جب اُنھوں نے حضرو میں آ کر توپیں چلائیں، تو سمہ والے تہ و بالا ہونے لگے کہ سکھوں کا لشکر آ پہنچا۔ مُخبروں نے سید صاحبؒ کو خبر دی کہ ونٹورہ لشکر کے ساتھ حضرو میں داخل ہُوا اور سردار خادی خاں نے جا کر گھوڑا، باز، کُتّا اُس کو نذر میں دیا اور اُس سے کہا کہ سید صاحبؒ کی رفاقت کی وجہ سے مُلک کے تمام لوگ آپ سے مُنحرِف ہیں، کوئی آپ کو سالیانہ نہیں دے گا۔ اگر آپ کو لینے کی قُدرت ہو تو پار چلیے، مَیں آپ کا شریک ہُوں۔ گزشتہ پسپائی پر مہاراجہ نے ونٹورہ پر الزام لگایا تھا کہ اُس نے سید صاحبؒ سے ساز باز کر لی ہے، ورنہ بے لڑے بھڑے اسباب اور ہتھیار چھوڑ کر کیوں بھاگ آیا۔ ونٹورہ کو اس کی ندامت تھی۔ خادی خاں نے اُس کو غیرت دلائی، تو وہ پار اُترنے پر راضی ہو گیا۔ کم و بیش

دس ہزار کی جمعیت اُس کے ساتھ تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا پنجتار پر آنے کا ارادہ ہے۔

اہلِ علاقہ کو خطوط اور دفاعی دیواریں

دُوسرے دن خبر آئی کہ سردار خادی خاں نے فرانسیسی کو لشکر کے ساتھ اُتار لیا ہے۔ سیّد صاحبؒ نے سردار فتح خاں کو بُلا کر فرمایا کہ خادی خاں فرانسیسی کو اس پار اُتار لایا ہے اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کو پنجتار پر لائے گا۔ اب کی وُہ بہت بھاری جمعیت سے آیا ہے۔ اس کی تدبیر جو کچھ تم سے ہو سکے، جلد کرو۔

خانِ موصوف نے کہا کہ مَیں حاضر ہوں؛ جو کچھ آپ کا ارشاد ہو، بجا لاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تمھاری قوم کے جو لوگ تمھارے شریک ہوں، اُن کو خطوط بھیجو۔ ان کے علاوہ جو علماء، سادات اور خوانین ہم سے مشورہ کر کے اتفاق کر گئے ہیں، اُن کو خطوط بھیج کر بلواؤ۔ خانِ موصوف نے اسی روز خطوط لکھ کر جابجا قاصدوں کے ہاتھ روانہ کیے۔ نزدیک کی بستیوں کے لوگ تو دُوسرے ہی دن حاضر ہو گئے اور آنے کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ سیّد صاحبؒ سوار ہو کر لڑائی کی جگہ تجویز کرنے کے لیے پنجتار کے درے کی طرف تشریف لے گئے۔ فتح خاں بھی ہمراہ تھے۔ موضع خلی کلے کے پاس جو دو پہاڑ ہیں، اُن کے درمیان کا میدان آپ کو پسند آیا۔ فتح خاں سے فرمایا: اس پہاڑ سے اُس پہاڑ تک چار ہاتھ چوڑی سنگین قدِ آدم دیوار جلد تیار کراؤ۔ تمھاری ہی حکومت اور کوشش سے یہ کام ہوگا۔

اگلے روز صُبح کو خانِ ممدوح تمام رعایا کو لے کر گیا اور اُس زمین کو ناپ ناپ کر سب لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن لوگوں نے پتھر لا کر دیوار اُٹھانی شروع کر دی۔ صدہا مزدور لگے ہُوئے تھے۔ فتح خاں نے پنجتار آکر سیّد صاحبؒ کو اطلاع کی۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ چملہ اور بُنیر کے علماء، سادات اور خوانین کو بھی خطوط بھیجو کہ خادی خاں ہم پر فرانسیسی کو چڑھا لایا ہے؛ تم بھی آکر ہمارے شریک ہو۔ یہ نہ خیال کرنا کہ ہمارا مُلک پنجتار سے الگ کوہستان میں ہے۔ یہ پنجتار تمھارے مُلک کا دروازہ ہے۔ اگر خدانخواستہ اُنھوں نے اس پر قبضہ کر لیا، پھر تمھارے واسطے بھی قباحت ہوگی۔ مناسب ہے کہ خط دیکھتے ہی یہاں آکر ہمارے شریک ہو۔ خانِ موصوف نے

اسی وقت خطوط لکھ کر دونوں مُلکوں میں قاصد روانہ کیے۔

اگلے روز نمازِ عصر کے بعد خانِ ممدوح سیّد صاحبؒ کو دیوار دکھانے کے واسطے لے گیا۔ اس میں کہیں کہیں کام رہ گیا تھا، باقی سب تیّار ہو گئی تھی۔ آپ اس دیوار کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خانِ مذکور کو بہت شاباشی دی اور فرمایا کہ خان بھائی، اللّٰہ تعالیٰ فرانسیسی کے لشکر کو یہاں نہ لائے۔ اُدھر سے اُدھر ہی دفع کر دے؛ اور اگر آئے، تو عاجز اور ضعیف بندوں کو ثابت قدم رکھے۔ اس دیوار کا سنگر بھی تم نے خوب بنوایا ہے۔ اس کی آڑ سے لڑنے کا خوب موقع ہے۔ اس کے بعد آپ نے وہاں چار جگہ چار پہرے مقرر کیے: دو ہندوستانیوں اور دو قندھاریوں کے۔ پھر وہاں سے پنجتار میں آئے اور رات کے لیے چار چوپہرے مقرر کیے: دو دو پنجتار کے دائیں طرف اور دو بائیں طرف اور اُن کو حکم دیا کہ جب کہیں یقینی کھٹکا دیکھنا، تب بندوق چلا کر دیوار کے پہروں میں آجانا۔ شبینے کے واسطے آپ نے فتح خاں کے سوار مقرر فرمائے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ فتح خاں نے دیوار بنوائی ہے، مگر اُس کے درے تناولی کی آمد کا جو راستہ ہے، اُس کا بھی بندوبست ضروری ہے۔ اگر کوئی بھیدی لشکرِ مخالف کو اِدھر سے نکال لائے، تو لا سکتا ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ بہت خوب، کل آپ تشریف لے چلیں، اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد آپ تمام مجاہدین کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور اُس کے روکنے کا موقع تجویز کیا۔ آخر نالے پر پنجتار کے قریب شیشم کے درختوں کے پاس، جہاں نمازِ جمعہ پڑھی جاتی تھی، جگہ پسند کی اور تجویز ہوا کہ نالے کے کنارے سے دائیں جانب کے پہاڑ تک ایک سنگین دیوار بنائی جائے۔ اس فاصلے کا طول چالیس پچاس گز ہوگا۔

غزوۂ خندق کی یاد آپ نے اس زمین کے پانچ حصے کیے: چار حصے اپنی چار جماعتوں کو دیے اور ایک حصہ متفرق لوگوں کو۔ جماعتِ خاص کے حصے میں آپ شریک ہوئے۔ مجاہدین نالے سے پتھر لا لا کر دیوار بنانے لگے۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینۂ منورہ میں غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کے

گرد خندق بنانے کی تجویز فرمائی اور تھوڑی تھوڑی زمین ہر جماعت کو تقسیم فرمائی اور ایک حصّہ اپنا بھی رکھا۔ چنانچہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر وہ خندق تیار کی۔ اسی طرح آج ہم بھی کفّار کو روکنے کے لیے دیوار بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ہم سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وہ سُنّت ادا کرائی۔ جو اس کاروبار میں شریک ہوگا اور محنت و مشقّت اُٹھائے گا، عنایتِ الٰہی سے ویسا ہی ثواب پائے گا۔

یہ سُن کر ہندوستانیوں کے علاوہ صدہا ولایتی بھی شریک ہوگئے۔ بعض بعض بھاری پتھر کئی کئی آدمی اٹھا کر لاتے تھے اور سیّد صاحبؒ اپنے دستِ مُبارک سے اُس کو دیوار پر جماتے تھے۔ چند دنوں میں وہ دیوار بن کر تیار ہُوئی۔

لشکر کی آمد دیوار تیار ہونے کے دُوسرے یا تیسرے روز مجاہدین نمازِ فجر کی تیاری کر رہے تھے کہ یکایک شیخ جیونے کے سواروں نے آکر خبر دی کہ فرانسیسی لشکر لے کر درے کے اس طرف آپہنچا۔ سیّد صاحبؒ نے نماز پڑھ کر جلد فراغت کی اور لوگوں کو کمر بندی کا حُکم دیا۔ مجاہدین ہتھیار باندھ کر تیار ہوگئے۔ اُس وقت ـــ تھوڑا اُجالا ہوگیا۔ اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ موضع اینری اور موضع صوابی کی طرف دُھواں اُٹھ رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بستیوں میں سکھّوں نے آگ لگا دی ہے۔

جب لشکر درۂ پنجتار میں آکر داخل ہُوا، تو اُس کے آدمی نظر آنے لگے۔ درے کے دہانے پر موضع سلیم خاں ہے۔ اُس کو بھی اُنھوں نے جلا دیا اور اس موضع کے مَیدان میں اپنا لشکر جمایا اور آگے بڑھا۔ اِدھر پنجتار سے سیّد صاحبؒ سب غازیوں کو لے کر باہر نکلے اور دیوار کے پاس تشریف لے گئے۔ سب مُلکی لوگ بھی وہیں آکر جمع ہوگئے۔ اگلے سنگر پر جہاں آپ نے چار پہرے مُقرر کیے تھے، آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابی کو سَو جوانوں کے ساتھ ہدایت دے کر روانہ کیا کہ ان چاروں پہروں کو جاتے ہی ہمارے پاس بھیج دو اور جب فرانسیسی کا لشکر تمھارے پاس آئے، تو تم اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جانا اور ان سے مقابلہ کرنا۔ جب وہ ہم سے آکر مقابلہ کریں،

تم اُتر کر پشت کی طرف سے حملہ کرنا۔ فتح خاں سے آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے پاس رہو اور اپنے چالیس پچاس سوار مرزا احمد بیگ کی تقویت کے لیے بھیج دو اور جو تمھارے پیادہ لوگ ہیں، اُن کو بائیں جانب کے پہاڑ پر روانہ کر دو کہ درۂ توتالی کا بندوبست کریں اور چملہ اور بُنیر کے لوگوں کو دائیں پہاڑ پر بھیجو اور اُن سب سے کہہ دو کہ خبردار، تم سکھوں کا کوئی مقابلہ نہ کرنا جب وُہ ہمارے مقابلے پر آئیں اور جانبین سے لڑائی شروع ہو، تب تم ان کے دونوں طرف سے پہلے پہلو مارنا۔ خانِ موصوف نے یہی تقریر سب کو سمجھا کر دو پہاڑوں پر روانہ کیا اور قندھاری اور ہندوستانی اور اس مُلک کے چند عُلماء و سادات وغیرہ آپ کے پاس حاضر ہُوئے۔

جہاد کی تحریص اور موت کی بیعت

اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس مسجد میں کھڑے ہو کر، جہاں نمازِ جُمعہ پڑھا کرتے تھے۔ آیتِ بیعت الرضوان کی تلاوت فرمائی اور اُس کا ترجمہ کیا۔ آپ نے اس بیعت کے فضائل بیان کیے اور سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "اس وقت سب صاحب، جو حاضر ہیں، حضرت امیر المؤمنین کے دستِ مُبارک پر خالص اس نیّت سے بیعت کریں کہ ہم انشاء اللہ میدان سے نہ ہٹیں گے: یا کفّار کو مار کر فتح پائیں گے یا اسی میدان میں شہید ہو جائیں گے۔ اس میں جو صاحب مشیّتِ ایزدی سے شہید ہوں گے، وُہ شہادتِ کُبریٰ کا درجہ پائیں گے؛ اور جو زندہ بچیں گے، وُہ اعلیٰ مرتبے کے غازی ہوں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سُن کر لوگوں پر بڑی بشاشت اور سُرور طاری ہُوا اور ہر ایک پر یہ شوق غالب ہُوا کہ مَیں شہید ہو کر سیدھا بہشت کو چلا جاؤں اور سب بیعت کرنے کو تیار ہو گئے۔

سب سے پہلے مولانا اسمٰعیل صاحب نے اپنا ہاتھ سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر رکھا، اس کے بعد اور صاحبوں نے اپنا اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ پر رکھا۔ جب ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا موقع نہ ملا، تو جنھوں نے ہاتھ رکھے تھے، لوگوں نے اُن کی پُشتوں اور کاندھوں پر ہاتھ رکھے۔ سیّد صاحبؒ سب کے بیچ میں تھے۔ اسی طرح سب نے بیعت کی۔ بیعت کے جو الفاظ آپ اپنی زبان سے بآوازِ بلند فرماتے تھے، وُہی سب کہتے جاتے تھے۔ جب بیعت لینے سے آپ فارغ ہُوئے، تو سر کھول کر دُعا فرمائی

اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد بڑی عجز و زاری کے ساتھ کہا کہ الٰہی، ہم تیرے عاجز و ناچار بندے صرف تیری مدد کے اُمیدوار ہیں۔ ہم پر اُن کافروں کو نہ لا اور ہم کو اُن کے شر سے بچا اور اگر تیری مشیّتِ ازلی میں لانا ہی منظور ہو، تو ہم عاجزوں اور ضعیفوں کو صبر و استقامت عطا کر اور اُن کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ اور اُن پر فتحیاب کر۔ اسی طرح کے بہت سے الفاظ آپ نے اپنی زبانِ مُبارک سے ادا فرمائے۔ اُس وقت یہ حال تھا کہ گویا ہر شخص اپنی ہستی سے گزر گیا تھا اور ایک دُوسرے عالم میں تھا۔

شہادت کی تیّاری اَور وصیت دُعا کے بعد ہر شخص بڑے تپاک اور اشتیاق سے ایک دوسرے سے گلے ملا، اپنی خطائیں معاف کرائیں اور کہنے لگا کہ اللہ نے فتحیاب کیا اور ہم کو تم کو زندہ رکھا، تو پھر ملیں گے، ورنہ اگر اللہ ملائے گا، تو جنّت میں ملیں گے اور آپس میں ایک دُوسرے کو وصیّت کی کہ بھائیو، جو کوئی شہید یا زخمی ہو جائے، تو اُس کے اُٹھانے سنبھالنے کا خیال نہ کرنا، آگے ہی بڑھنے کا ارادہ رکھنا۔

اس کے بعد سیّد صاحبؒ نے جنگی پوشاک پہنی اور ہتھیار لگائے۔ ہندوستانی اور قندھاری مجاہدین ملا کر آٹھ نَو سو ہوں گے۔ اُن کو لے کر آپ دیوار کے قریب گئے اور مَوقع مَوقع پر صف باندھ کر سب کو کھڑا کیا اور سب سے کہا کہ جب تک ہم بندوق نہ چلائیں، تُم میں سے کوئی نہ چلائے؛ اور جب تک ہم یہ دیوار پھاند کر نہ جائیں، کوئی نہ جائے۔ صف کے آگے آپ اِدھر سے اُدھر چہل قدمی کرتے تھے اور یہی کہتے جاتے تھے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سب بھائی، جن کو سُورۂ لِاِیلٰف یاد ہو، گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر لیں، اور اسی کا وِرْد رکھیں؛ اور جن کو یاد نہ ہو، اُن پر اور بھائی پڑھ کر دم کر دیں۔ یہ فرما کر اپنا رائفل دیوار سے کھڑا کر دیا اور آپ مُتوجّہ اِلَی اللہ ہو گئے۔

لشکر کے نِشان لشکرِ مُجاہدین میں صرف تین نِشان تھے۔ جو خاص جماعت کا نشان تھا، اُس کا نام سیّد صاحبؒ نے صِبْغَۃُ اللہ رکھا تھا۔ اُس پر پارہ الٓمٓ کا آخری رکوع وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ

مِلَّةِ إِبْرٰهِمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ سے آخرِ پارہ تک سُرخ ریشم سے کڑھا ہُوا تھا۔ وہ نشان دادا سید ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس تھا جس لڑائی میں سید صاحبؒ خود تشریف لے جاتے تھے، وُہ نشان بھی جاتا تھا۔ نہیں تو کہیں نہیں جاتا تھا۔ دُوسرا نشان ابراہیم خاں خیرآبادی اُٹھاتے تھے۔ اُس کا نام آپ نے مُطیع اللہ رکھا تھا۔ اس پر سُورۂ بقرہ کا آخری رُکوع لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے آخر تک سُرخ ریشم سے کڑھا ہُوا تھا۔ تیسرا نشان، جو مُحمّد عربؒ[1] کے پاس تھا، اُس کا آپ نے فتح اللہ نام رکھا تھا اور اُس پر سُورۂ صفّ کا آخر رکوع يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ سے آخیر سُورہ تک رکھا تھا۔

ونٹورہ کا اضطراب ونٹورہ موضع سلیم خاں کے میدان سے اپنی فوج کا پڑا باندھے چلا آتا تھا۔ موضع توتالی کے برابر داہنی طرف ایک پہاڑی ہے۔ وُہ کچھ فوج ساتھ لے کر اس پر چڑھا اور وہاں بیٹھ کر حاضری کھائی۔ اس عرصے میں خادی خاں کچھ سکھوں کو لے کر توتالی میں گیا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگا کر چلا آیا۔ جب ونٹورہ حاضری کھا کر فارغ ہُوا، تو دُوربین لگا کر دائیں بائیں دونوں پہاڑوں پر اور درے کے سامنے دیر تک دُوربین سے دیکھتا رہا۔ اُسے لشکرِ مُجاہدین کے لوگ دونوں پہاڑوں پر اور درے کے سامنے اس کثرت سے نظر آئے کہ وہ مرعُوب ہو گیا اور گھبرا کے خادی خاں سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ بڑا فریب کیا ہے۔ ہم سے تو تم نے یہ کہا کہ پنجتار میں تھوڑے سے لوگ ہیں۔ اس وقت تو دائیں بائیں دونوں پہاڑوں پر اور سامنے درے میں سواروں، پیادوں اور نشانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ وُہ یہ الزام خادی خاں کو دے کر وہاں سے اپنے لوگوں کو لے کر نیچے اُترا اور سنگین دیوار کے قریب اپنی فوج لا کر کھڑی کر دی۔

حملہ اور ونٹورہ کی پسپائی مرزا احمد بیگ پنجابی سید صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور سکھوں نے دیوار گرانی شروع کر دی۔ مُخبر نے آ کر حضرت کو خبر کی کہ سکھ آگے کی دیوار گراتے ہیں۔ آپ نے سواروں کو حُکم بھیجا کہ آگے بڑھیں اور مرزا حُسین بیگ

---

[1] مُحمّد عرب سید صاحبؒ کے بڑے مُخلص اور نہایت مُعتقد تھے۔ سفرِ حج سے آپ کے ہمراہ و رکاب آئے تھے۔

کو کہلا بھیجا کہ شاہ بینیں ماریں اور سکھوں کو وہیں روکیں۔ سواروں نے گھوڑے بڑھائے اور مرزا شاہ بینیں سر کرنے لگے اور دونوں پہاڑوں کے دائیں بائیں بھی ہلہ کر کے اُترنے لگے۔ ہر طرف سے لوگوں کی یورش دیکھ کر ونیٹورہ گھبرایا اور اُس کو یقینِ کُلی ہو گیا کہ مَیں اس لڑائی میں فتحیاب نہیں ہوں گا۔ کوئی ڈیڑھ پہر دن چڑھا ہو گا کہ وہ اپنی فوج کو لے کر بھاگا۔ لوگوں نے درۂ پنجتار تک اُس کا تعاقب کیا۔ اس اثنا میں اُس کے کئی آدمی بھی مقتول ہوئے۔ درحقیقت مُجاہدین کی اتنی تعداد نہ تھی، جتنی اُس کو دُور بین سے نظر آئی۔ یہ محض ایک تائیدِ غیبی تھی۔

نمازِ شُکر جب اُس کے بھاگنے کی خبر مخبروں نے سیّد صاحبؒ کو پہنچائی، تو سب کو کمال خوشی ہوئی اور وہیں سب نے نالے سے وضو کر کے شکرانے کی نماز ادا کی۔ سیّد صاحبؒ مجاہدین کے ساتھ پنجتار تشریف لے آئے۔

اگلے روز سردار فتح خاں نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرانسیسی کو یہاں سے دفع کر دیا، اب اجازت ہو کر سب لوگوں کو رُخصت کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی توقُّف کرو، اس کی تحقیق ہو جائے کہ اس کا ڈیرہ کہاں ہے۔ اُس سے اگلے روز شام کو مخبروں نے آ کر خبر دی کہ آج فرانسیسی اسباب و سامان کے ساتھ دریائے سندھ اُتر گیا اور خادی خاں کو اُس نے بہت تسلّی دی ہے کہ تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا جس وقت تم پر کچھ بھی دباؤ پڑے، فوراً خبر کرنا۔ خالصہ جی کی فوج تمہاری کُمک کو آئے گی۔ یہ سُن کر آپ نے فتح خاں سے فرمایا کہ اگلے روز سب صلحیوں کو رُخصت کر دو۔ صبح کو لوگ آپ سے رُخصت ہو کر اپنی اپنی بستی چلے گئے۔[1]

نظامِ شرعی کی توسیع اور استحکام پنجتار کی فتحِ مُبین اور ونیٹورہ کی پسپائی سے مُجاہدین کی استقامت اور اُن کی عنداللہ مقبولیت کا چرچا خُوب ہوا۔ اس زمانے میں جن عُلماء و رُؤسا نے ابھی تک، بیعت نہیں کی تھی، وُہ بھی حاضر ہوئے اور اُنھوں نے بھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔ سیّد صاحبؒ نے دیہاتوں کا اور قصبات کا دَورہ فرمایا اور کثرت سے لوگ بیعت اور توبہ سے مُشرّف ہوئے اور

---

[1] پنجتار کی جنگ (جیسا کہ منظورہ کے بیان اور دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے) ذی قعدہ ۱۲۴۳ھ میں پیش آئی۔

بعض ایسے نامی قبائل اور برادریاں جنھوں نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی تھی، اپنی خوشی سے بیعت اور امارتِ شرعی میں داخل ہوئیں۔ یہاں ایک قلمی تحریر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے :

> "اہلِ سمہ میں دو قبیلے اسمٰعیل زئی، دولت زئی بڑے طاقتور، قول و قرار کے بڑے پکے اور صداقت اور وفاداری میں بڑے مشہور ہیں۔ انھوں نے ابھی تک بیعت اور توبہ نہیں کی تھی اور وہ بہت بیگانہ اور دُور دُور تھے۔ مُلّا قطب الدین ننگرہاری، جن کو خدمتِ احتساب سپرد تھی، وہ دَورہ کرتے ہوئے ان قبائل کے مرکز میں پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے وعظ و نصیحت کی اور اس علاقے کے مسلمانوں کو غیرت دلائی کہ انھوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی اور نظامِ شرعی کو قبول نہیں کیا۔ انھوں نے اہلِ سرحد کے رواجِ اسقاط وغیرہ کی مخالفت کی[۱۵]۔ لوگوں کو اس پر بہت غصّہ آیا کہ ہم ناواقف عوام ہیں، ہمارے علما نے ابھی تک ہم کو صحیح دین کی تعلیم نہیں دی۔ انھوں نے اپنے علاقے کے مولویوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ وہ مُلّا قطب الدین ننگرہاری سے مناظرہ کریں۔ وہ علما، مُلّا قطب الدین کی تقریر سُن کر لاجواب ہو گئے۔ اور انھوں نے خوانین سے کہا کہ اخوند قطب صحیح کہتے ہیں، اس پر تمام خواص و عوام نے کہا کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں اور بیعت وغیرہ کے متعلق جو خدا و رسُولؐ کا حکم ہے، اس کو قبول کر کے اُس کو جاری کرتے ہیں۔

عیدُ الاضحیٰ سے فارغ ہو کر وہاں کے تمام رؤسا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے ساتھ (گڑھی امان زئی) لے گئے۔ اس نواح کے تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی۔ اور شریعت قبول کی اور سالہا سال کا

---

[۱۵] سرحدِ افغانستان میں رواج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو قرآنِ مجید کا ایک نسخہ ایک مجلس میں کسی ایک کو ہبہ کر دیا جاتا ہے پھر وہ چکر کھاتا ہُوا پہلے شخص کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ پھر کچھ نقد دے کر اس کو خرید لیا جاتا ہے۔ پھر وہ نقد اہلِ مجلس کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل کو اسقاط کہتے تھے، یعنی متوفّٰی کے ذمّے جو فرائض، حقوق و عبادات باقی تھے وہ ساقط ہو گئے اور گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

فتنہ و فساد اور نزاع ختم ہو گیا۔"

۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کے ایک قلمی خط سے بھی، جس کی تکمیل ۱۳ محرم ۱۲۴۵ھ کو ہوئی، چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

> "اوائل شعبان میں بیعتِ امامت سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر ہو چکی تھی اور انھیں دنوں سے مقدمات اور تنازعات کے فیصلے اور مجرمین کی تعزیر کے لیے دیہاتوں میں قاضی مقرر ہو گئے تھے اور جاہلی اور افغانی رسوم بالکل موقوف ہو گئی تھیں۔
>
> مایری کا واقعہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دُوسرے مقدّمے امیرالمؤمنین کے حکم سے فیصل ہوئے۔ یہاں کا دستور تھا کہ اگر کوئی فاسق کسی کی عورت کو نکال کر ایک دیہات سے دُوسرے دیہات کو لے جائے، تو اس دیہات کے لوگ اس مجرم کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور مجرم کو کسی طرح مدّعی کے حوالے نہیں کرتے۔ دو ایک آدمیوں نے اسی جرم کا ارتکاب کیا اور لشکر کشی سے بھی گرفتار نہیں ہوئے۔ اس نظامِ شرعی کے نفاذ کے بعد چند مجاہدین امام کے حکم سے آدھی رات کو گئے اور اُن کو گرفتار کر کے لے آئے اور سب لوگوں کے سامنے ان مجرمین کو جو سردار فتح خاں کی برادری کے تھے، سرِ راہ درخت پر لٹکا کر سزا دی۔ اسی طرح دو تین ڈاکو گرفتار ہوئے اور تحقیق کے بعد اُن کو سزا دی گئی اور بعض کو قصاص میں قتل کیا گیا۔
>
> کُفّار کے فرار کے بعد ضلع سُمہ کے دُور دُور کے مسلمانوں نے جنھوں نے اس سے پہلے نظامِ شریعت کو قبول نہیں کیا تھا، ذی الحجہ کے اوائل میں بخوبی قبول کیا۔ سُمہ میں ایک مقام ہے، جس کا نام گڑھی امان زئی ہے، جس میں دس بارہ ہزار جنگجو لوگ رہتے ہیں۔ اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ کُفّار مجاہدین کے مقابلے سے بھاگ گئے ہیں۔ آئندہ سال ضرور آئیں گے اور یہاں کا انتظام کریں گے اور ہم

لوگوں کو بہرصورت ایک سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ ہم امام المسلمین کے جھنڈے کے نیچے جنگ کرکے دارین کی سرخروئی حاصل کریں اُن لوگوں نے آپس میں اس کا اچھی طرح مشورہ کرکے امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کی اور عُشر دینا قبول کیا۔ چنانچہ آج روزِ تحریر کہ ذی الحجہ کی بارہ تاریخ ہے، حضرت امیر المومنین اس قوم میں بیعت لینے تشریف لے گئے ہیں۔

سردار اشرف خاں مرحوم کا بیٹا مُقرّب خاں بھی بڑا مخلص ثابت ہُوا۔ اُس نے بھی اپنے علاقے کے ہندوؤں میں جزیہ اور مسلمانوں میں عُشر مقرر کر دیا ہے اور خادی خاں منافق خفاش کی طرح ایک گوشے میں خائف اور ترساں پڑا ہُوا چاپلوسی اور معذرت خواہی میں لگا ہُوا ہے۔ اب اُس کے لیے دو ہی راستے ہیں: یا مسلمانِ کامل ہو جائے یا یار محمد خاں کے گروہ میں مخذول بنے۔

اس اثنا میں گڑھی امان زئی کے خوانین کا جرگہ امیر المومنین کو اپنے یہاں لانے کے لیے پنجتار گیا اور امیر المومنین کو گڑھی میں لاکر آپ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی اور وہاں کے تمام لوگوں نے امیر المومنین کے حلقۂ اطاعت کو اپنی گردن میں ڈالا اور شرعِ شریف کی پیروی کے لیے کمربستہ ہو گئے اور جائداد کا جو مناقشہ چلا آرہا تھا، آنجناب کی کوشش سے وہ فیصل ہو گیا اور جو کچھ تھوڑا بہت باقی ہے وہ بھی حکمِ الٰہی سے فیصل ہو جائے گا۔ اس خط کی تحریر کے وقت کہ ۱۳ محرم ۱۲۴۵ھ ہے، امیر المومنین کا قیام موضع بازار نامی میں ہے۔"

چودھواں باب

ہنڈ کی تسخیر اور تنگی کی مہم

خادی خاں سے شاہ اسمٰعیل صاحب کی ملاقات اور اتمامِ حجت

سیّد صاحبؒ نے ایک معتبر آدمی کے ذریعے خادی خاں کو دعوت دی اور فرمایا کہ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ خادی خاں نے جواب دیا کہ پنجتار میں ہمارا آنا نہ ہوگا۔ اگر آپ موضع سلیم خاں تشریف لائیں، تو وہاں ہم آ سکتے ہیں۔

آپ اگلے روز پنجتار سے کوچ کرکے کوئی تین سو آدمیوں کے ساتھ سلیم خاں تشریف لے گئے اور درے کے سامنے قیام کیا۔ پانچویں روز خادی خاں پچاس ساٹھ سواروں اور چار سو پیادوں اور سامانِ جنگی کے ساتھ تیار ہو کر آیا اور درۂ پنجتار کے باہر میدان میں ٹھیرا۔ سیّد صاحبؒ نے جانے کی تیاری کی، تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کیا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں۔ مجھ کو اجازت ہو، تو میں ہو آؤں۔ یہ مشورہ سب کو پسند آیا۔ آپ نے مولانا کو چند باتیں سمجھا کر دو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور سو غازی اپنے پاس رکھے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب نے خادی خاں کو اپنے آنے کی اطلاع کی۔ خادی خاں نے کہلوایا کہ مولانا دو چار آدمیوں کے ساتھ آئیں، میں بھی اتنے آدمیوں کے ساتھ آؤں گا۔ مولانا چار قرابینچی

اپنے ساتھ لے کر جانے کے لیے تیار ہوئے۔ غازیوں نے کہا کہ ہم صرف چار آدمیوں کے ساتھ آپ کو نہ جانے دیں گے، اس شخص کا کچھ اعتبار نہیں۔ مولانا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہم کو کسی چیز کا اندیشہ نہیں، تم اس وقت اس کارِ خیر میں حارج نہ ہو۔

مولانا تشریف لے گئے اور میدان میں خادی خاں سے ملاقات کی۔ آپ نے سیّد صاحبؒ کا پیغام خادی خاں کو پہنچایا کہ ہم کو تم سے یہ اُمید نہ تھی کہ تم مسلمانوں پر کفّار کو چڑھا لاؤ گے اور اُن کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ کرو گے۔ تم نے بالکل بغاوت ہی پہ کمر باندھ لی ہے۔ اب بھی خیریت ہے۔ کفّار کی شرکت سے توبہ کرو اور دائرۂ شریعت سے قدم باہر مت رکھو۔ اللہ تعالیٰ غفورٌ رّحیم ہے، تمھارا قصور معاف کر دے گا۔ نہیں تو دُنیا میں بھی ذلیل و رُسوا ہو گے اور آخرت میں بھی۔

خادی خاں کا صاف جواب خادی خاں نے جواب دیا کہ خفا نہ ہونا، ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، سیّد بادشاہ کی طرح مُلّا مولوی نہیں ہیں۔ ہماری شریعت جُدا ہے، اُن کی جُدا۔ اُن کی شریعت پر ہم پٹھان لوگ کب چل سکتے ہیں؟ بار بار سیّد بادشاہ ہمارے پیچھے کیوں پڑتے ہیں؟ ہمارے حق میں اُن سے جو کچھ ہو سکے، وہ درگزر نہ کریں۔

خادی خاں یہ جواب دے کر ہنڈ چلا گیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سیّد صاحبؒ سے آملے اور سب مجاہدین واپس پنجتار آگئے۔

تنگی والوں کی فریب دہی موضع تنگی[1] کے کئی آدمی عرصے تک سیّد صاحبؒ کے پاس آتے رہے اور کہتے رہے کہ جب سے ہماری بستی میں دُرّانیوں کا عمل ہوا ہے، وہ ہم لوگوں کو بہت ستاتے ہیں۔ ہم نے کوشش کر کے اپنی بستی کے تمام لوگوں کو ملا لیا ہے۔ اگر کچھ مجاہدین ہمارے ہمراہ کر دیں تو ہم اپنی بستی پر آپ کا قبضہ کرا دیں۔ اس سے پشاور کا راستہ کھل جائے گا اور ہم لوگ خود ہی پشاور والوں سے نمٹ لیں گے۔ سیّد صاحبؒ نے خوانین سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے بھی وہاں ایک مہم

---

[1] یہ قصبہ تحصیل چارسدّہ، ضلع پشاور، میں چارسدّہ سے بجانب شمال تقریباً ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

بھیجنے کی تائید کی۔

آپ نے کوئی تین سو آدمی اچھے چُست اَور چالاک انتخاب کیے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو امیر کیا اور ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین صاحب کو بھی آپ کے ہمراہ کیا۔ جب تنگی دو میل کے قریب رہ گیا، تو تنگی کے دو تین آدمی جو ساتھ تھے، اُنھوں نے مُجاہدین کو کھڑا کر دیا اور خود آگے بڑھے۔ تیس چالیس قدم پر چار زرہ پوش سوار نیزے باندھے انتظار میں کھڑے تھے۔ وہ اُن سے ملے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین صاحب کو بُلا کر اُن سے ملایا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ جن لوگوں کے مشورے سے ہم نے آپ لوگوں کو بُلایا تھا، اُن سب لوگوں نے صاف صاف جواب دے دیا اور سب جا کر دُرّانیوں سے مل گئے۔ اگر آپ ہم کو وہاں لے چلیں، تو ہم لوگوں کی بربادی اور خرابی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اب ہم لوگوں کی یہی صلاح ہے کہ آپ اپنے لوگوں کو لے کر پلٹ جائیں۔ اُنھوں نے تو ہم سے فریب کیا، مگر ہم آپ کے قصُور وار ہیں۔ آپ ہم کو جو چاہیں، سو کریں؛ صبح کو ہم بھی آ کر حاضر ہوں گے۔

یہ تقریر سُن کر مولانا نے غصّے ہو کر فرمایا کہ تُم جھُوٹے ہو، یہ تمام شرارت اور دغا بازی تم ہی لوگوں کی ہے کہ ہم لوگوں کو اتنی دُور سے بُلا کر حیران و سرگردان کیا اور اپنا مطلب نکال کر ہم کو صاف جواب دے دیا۔ بیشک تم لوگ تعزیر و ملامت کے لائق ہو۔

مولانا اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر سید صاحبؒ کے پاس واپس آ گئے اور پوری رُوداد سُنا دی۔ سید صاحبؒ بہت ناخوش ہُوئے اور فرمایا کہ اتنے مہینے سے وہ نامعقُول آتے جاتے تھے، بڑے فریبی اور دغا باز نکلے۔

قلعہ ہنڈ کی تسخیر کی تجویز فرانسیسی جنرل کی پسپائی اور مسلمانوں کی اس تائیدِ غیبی سے قُرب و جوار کے علاقوں اور عام سرداروں اور خوانین پر بڑا اچھا اثر پڑا اور کئی نئے علاقے اور قبائل و سردار اپنی خوشی سے نئے نظام میں داخل ہُوئے۔ یہ سلسلہ بہت وسیع ہوتا، مگر خادی خاں کی مخالفت اور علٰحدگی مُذبذب اشخاص اور قبائل کے لیے بہت بڑا بہانہ اور راستے کی بڑی رکاوٹ تھی۔ لوگ برملا

کہتے تھے کہ خادی خاں نے شریعت قبول نہیں کی، تو اس کا کیا ہو گیا اور ہم نہ قبول کریں گے، تو ہمارا کیا ہو جائے گا۔ دو ایک گاؤں والوں نے مجاہدین کے ساتھ دغا بھی کی اور اُن کو اپنے یہاں جہاد کی دعوت دے کر اور سرداروں سے اپنا ذاتی کام نکال کر واپس کر دیا۔ پشاور اور دُرانی سرداروں بالخصوص یار محمد خاں کا معاملہ کچھ کم اہم نہ تھا۔ ایک وقت میں جماعت کے سامنے یہ سب مسائل تھے، لیکن خادی خاں کا معاملہ پُرانا اور سب سے اہم تھا اور اس کی اہمیت اس لیے بھی سب سے زائد تھی کہ اس نے فرانسیسی جرنیل اور سکھوں کو مجاہدین کے خلاف جنگ کی دعوت دے کر اسلام اور شعائرِ اسلام کی بڑی ہتک کی تھی۔ ہنڈ کے علاقے اور پنجتار اور اس کے نواح میں نظم و اطاعت کی جو ایک فضا اور ماحول پیدا ہو رہا تھا، ہنڈ اس میں بہت رخنہ انداز تھا۔ وہ اپنے جائے وقوع اور فوجی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ان سب خصوصیات کی بنا پر خادی خاں اور ہنڈ کا مسئلہ اوّلین توجہ کا محتاج تھا۔

سیّد صاحبؒ اس زمانے میں موضع بازار (سُدُم) میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے مُبین خاں سے کہہ کر کسی کی ایک حویلی خالی کرائی۔ اس حویلی کے گرد کئی پہرے مقرر کر دیے اور وہاں آپ نے چیڑ کی لکڑی کے قلابے اور چار سیڑھیاں بنوائیں۔ تمام جماعتوں میں سے پانچ سو چُست و چالاک اور آزمودہ کار غازی انتخاب کیے۔ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کو اس کا امیر اور ارباب بہرام خاں کو اُس کا نائب امیر بنایا۔ ان دونوں صاحبوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ سب تیاری کس لیے کی جا رہی ہے۔ رُخصت کے وقت آپ نے سب کو سُنا کر مولانا سے فرمایا کہ آپ امان زئی کی گڑھی سے ہو کر جائیے۔ انشاء اللہ ہم بھی آپ کے پیچھے پنجتار آتے ہیں۔ اپنے باورچی خانے کا اسباب سامان بھی خچروں پر لدوا کر اُن کے ساتھ کر دیا اور شلیتوں میں لپیٹ کر دو اونٹوں پر وہ چاروں سیڑھیاں بھی لدوائیں اور اُن اونٹوں کو ارباب بہرام خاں کے ساتھ کیا۔

مولانا سُدُم سے گڑھی امان زئی ہوتے ہوئے ترکئی پہنچے۔ ارباب بہرام خاں بھی شیوہ ہوتے ہوئے ترکئی میں مولانا سے مل گئے اور وہاں سے سب نے مل کر ہنڈ کی طرف کوچ کیا۔

سفر کی رُوداد اِس مُہم کی رُوداد ایک خط میں موجود ہے، جو حالات کی اطلاع اور شرکتِ جہاد کی ترغیب کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا:

"تُرنگئی میں لشکر کا رُخ پنجتار کی طرف تھا جس کو لوگ سمجھتے تھے کہ پنجتار کو واپسی ہے۔ یہاں سے ہُنڈ کا قلعہ سات کوس کے فاصلے پر ہے۔ مولانا نے قلعے کو عبور کرنے کے لیے چوبی نردبان تیار کرلئے۔ ۱۰ صفر[1] کو عصر کے وقت جہاد کے ارادے سے کُوچ ہُوا جب دیہات سے نکلے، تو اہلِ دیہات نے خیال کیا کہ یہ خادی خاں کی طرف جاتے ہیں۔ وُہ اِس مُنافق کے دوست تھے۔ نردبان کے اونٹوں کا سامان اچھا نہ تھا۔ اس لیے وُہ بار بار گرتے تھے اور باندھے جاتے تھے۔ اس کی وجہ سے اسی دیہات کے قریب عشاء کا وقت ہو گیا۔ دیہات اور قلعۂ ہُنڈ کے درمیان اگرچہ صرف سات کوس کا فاصلہ تھا، لیکن یہ میدان ایک دشتِ بے نشان تھا جس میں سمت و جہت کی بھی تمیز نہ ہوتی تھی۔ محمد بیگ خاں نامی ایک شخص جو خادی خاں کا چچا تھا اور اُس کی زبردستی کی وجہ سے ایک مُدت سے مارا مارا پھرتا تھا، وُہ اس لشکر کا رہبر تھا اور اُس کو مَیدان مَیدان لیے جا رہا تھا اگرچہ راستہ سات کوس سے زیادہ تھا، لیکن رات کا بڑا حصہ اسی دشت میں گزر گیا اور ہُنڈ کا راستہ نہ معلوم ہو سکا اور خود رہبر بھی راستہ بھول گیا۔ لشکر بیحد خستہ و پریشان اور منزلِ مقصود سے مایوس ہو کر ٹھہر جاتا اور کبھی توکّل پر چلنے لگتا۔ چار پانچ گھڑی رات رہے یہ مشورہ ہُوا کہ اب کسی دُوسری جگہ واپس ہونا چاہیے، لیکن یہ خیال کرکے کہ اس قدر مشقّت اُٹھائی اور کچھ ہاتھ نہ آیا، اہلِ لشکر کو بڑا رنج و قلق ہوتا تھا۔ اس سے پہلے تنگی کی مُہم میں ناکام واپس ہوئے تھے۔ اس سے اہلِ لشکر کا دِل ٹوٹا جاتا تھا اور وُہ اپنی قسمت پر افسوس کر رہے تھے۔ آخر اللہ پر بھروسہ کرکے اس رہبر

---

[1] ۱۲۴۵ھ

کے پیچھے پیچھے ایک طرف کو چلے۔ اس اثنا میں ایک شخص، جو قلعۂ ہنڈ کے راستے سے خوب واقف تھا، پہنچ گیا اور اُس نے صحیح رہنمائی کی۔ لشکر میں اس وقت ایک ہزار آدمی تھے۔ گرمی کی شدّت، سایہ دار درخت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاس اور خستگی شدّت کی تھی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی اور قلعہ کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔

سب سے بڑا تردُّد یہ تھا کہ قلعے پر حملہ اندھیری رات ہی میں مناسب ہے۔ دن نکل آنے اور روشنی ہو جانے کے بعد یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ پانی کے بغیر بھی قلعہ کی لڑائی مشکل ہے۔ اس تمام تردُّد کے باوجود خُدا کے بھروسے پر دوڑے چلے جا رہے تھے کہ اب تو جو کچھ ہوگا، وُہ ہوگا، اپنی کوشش میں کمی نہیں کرنی چاہیے۔

قلعۂ ہنڈ کے اندر اتنے میں صُبح کی سفیدی ظاہر ہُوئی اور دیکھا، تو قلعے کے سامنے تھے اور قلعے کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ مولانا نے پچیس نفر قرابین باز اور تفنگچیوں کو، جو اپنی چابک دستی اور چالاکی میں تمام لشکر میں ممتاز تھے، پہلے روانہ کر دیا اور کہا کہ تم کمال ہوشیاری کے ساتھ خفیہ طریقے پر قلعے کے دروازے کے بہت نزدیک پہنچ جاؤ، اب نردبان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ لوگ رفعِ ضروریات کے لیے قلعے سے باہر آئیں گے اور دروازہ کھولیں گے۔ دروازے کھُلتے ہی یکبارگی حملہ کر دینا اور دروازے میں داخل ہو جانا اور قلعے میں داخل ہوتے ہی یکبارگی تفنگ اور قرابینیں چلا دینا۔ آواز کے سُنتے ہی ہم لوگ یورش کر دیں گے اور تمام خفیہ لشکر قلعے میں داخل ہو جائے گا۔ ان تمام باتوں کو انھیں اچھی طرح سمجھا کر روانہ کر دیا۔ پچیس آدمی ایک ایک دو دو کر کے روانہ ہُوئے۔ قلعے کا دروازہ کھُلتے ہی اُنھوں نے تفنگ اور قرابین کی باڑھ ماری۔ مولانا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ، جو اس وقت ایک سو پچاس کے قریب تھے، ایک دم حملہ کر دیا۔ جس وقت وہ داخل ہُوئے، چند غافل چوکیداران مقابلے میں پڑ گئے: دو ایک قتل ہو گئے اور باقی بھاگ گئے۔ چند

مجاہدین دروازے کے انتظام کے لیے دروازے پر کھڑے رہ گئے اور باقی خادی خاں کے مکان کی طرف چلے اور ایک بار اُس کے گھر کے اندر تفنگ اور قرابین کی باڑھ ماری۔

خادی خاں کا قتل خادی خاں کو اپنے فہم اور اپنے اقبال کا اِتنا غُرّہ تھا کہ رات کو لوگوں نے اس کو خبر دی تھی کہ سیّد صاحبؒ کا لشکر تمھارے سر پر آتا ہے، خبردار رہنا۔ خادی خاں بہت ہنسا اور خبر دینے والے کو بیوقوف بنایا اور کہا کہ سیّد کی یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ اس طرف کا رُخ کرے۔ وُہ بیچارہ درویش آدمی ہے۔ اگر وہ اس طرف کا ارادہ بھی کرے گا، تو ہمارے گرد و پیش کے دیہات کے لوگ اس کے لیے کافی ہیں، میں راستے ہی میں اُس کی خبر لے لونگا، یہاں کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ وہ اسی غفلت میں تھا کہ اُس کے لیے صُبح قیامت نمُودار ہُوئی اور صاعقۂ قومِ ثمُود کی طرح قرابین کی باڑھ اُس نے سُنی۔ وُہ ہر طرف گھبرا گھبرا کر دَوڑتا تھا اور اپنے لوگوں کو کمربندی کا حکم دیتا تھا۔ لوگوں پر افواجِ الٰہی کا ایسا ہراس طاری تھا کہ وُہ بھاگے جا رہے تھے۔ اُس کے بہت سے ساتھی اور بھائی بھاگ گئے۔ پہلی ہی باڑھ کے وقت اُس نے اپنے متعلقین کو اپنے مکان سے نکال کر سادات کے مکان میں بھیج دیا، جو اِس مُلک میں سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہوتی ہے اور غنیم اُس پر دست انداز نہیں ہوتا۔ خود اپنے گھر کے اندر اپنا مال و دولت لینے کے لیے ٹھیر گیا۔ جب مُجاہدین اس کے گھر کے اندر آئے، تو اُن کی نظر اُس پر نہیں پڑی۔ جب دوسری بار اُنھوں نے حملہ کیا، تو وُہ گھر کے اندر سے نکل کر اپنے کوٹھے کے اُوپر آگیا اور گھبراہٹ میں ہر طرف دَوڑنے لگا۔ وقت آچکا تھا۔ مُجاہدین کی پے در پے گولیوں سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ اس وقت قلعے میں لشکر میں زیادہ سے زیادہ صرف دو سو آدمی تھے، باقی میدان میں سرگرداں ہو کر پیچھے رہ گئے تھے۔ دو گھڑی دن چڑھے تک سب قلعے میں جمع ہو گئے۔ قلعے میں جو کچھ

> نقد روپیہ تھا، معلوم نہیں، وہ کہاں گیا اور اُس کو کون لے گیا۔ توفیقِ الٰہی سے مجاہدین کو لوٹ سے بہت احتراز ہے، لیکن دوسرے ولایتی لوگ اس سے باز نہیں آتے۔ البتہ چند گھوڑے اور اونٹ، جو لشکرِ مجاہدین کے کام آنے والے ہیں، سرکار میں داخل ہو گئے ہیں، جو مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت لشکر کو تقسیم کر دیے جائیں گے۔[1]

چار چھ گھڑی دن چڑھے مولانا نے سید صاحبؒ کو اطلاع دی کہ فضلِ الٰہی سے قلعہ ہنڈ میں ہم نے اپنا بندوبست کر لیا ہے، اور صرف خادی خاں اور ایک ہلواہا وہاں مارا گیا، عنایتِ الٰہی سے ہماری طرف کا کوئی زخمی بھی نہیں ہوا، سب لوگ سلامت ہیں۔[2]

خادی خاں کی لاش کو طالب علموں کے ذریعے ایک چارپائی پر رکھوا کر مکان کے پچھواڑے ایک حجرے میں رکھوا دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد خادی خاں کے بھائی امیر خاں اور غلام خاں نے چند ملاؤں کو خادی خاں کی لاش اور اہل وعیال کے لینے کو بھیجا۔ مولانا نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی اور اہل وعیال کے لیے فرمایا کہ بغیر سید صاحبؒ کی اجازت کے ہم نہیں بھیجیں گے۔ وہاں سے جیسا حکم ہوگا، ویسا ہم کریں گے۔ خادی خاں کے عزیزوں اور لوگوں نے خادی خاں کو اُس کے آبائی گورستان میں، جو ہنڈ کے قلعے سے آٹھ نو سو قدم کے فاصلے پر ہے، رات کو دفن کر دیا۔

مولانا کے حُسنِ تدبیر سے ہنڈ کا نامی قلعہ اس طرح سے فتح ہو گیا کہ مجاہدین میں سے کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی، مُخالفین میں سے صرف خادی خاں اور ایک ہلواہا قتل ہوا۔

○

---

[1] مکاتیب قلمی

[2] وقائع احمدی صفحہ ۱۲۸۸

پندرھواں باب

جنگِ زیدہ اور یار محمدؐ خاں کا قتل

جنگ کے مُحرکات و اسباب ہُنڈ کی فتح اور زیدہ کی جنگ اور اُس کے مُحرکات و اسباب کے متعلق قلمی مکتوبات کے ایک مجموعے میں ایک مُفصّل فارسی تحریر ہے جو سیّد صاحبؒ کے مرکز سے اطلاعِ احوال کے لیے بھیجی گئی تھی۔ یہ تحریر زیدہ کی جنگ کے اگلے مہینے ۶ ربیع الآخر کو لکھی گئی تھی۔[1] یہ ایک مسلسل یادداشت اور مُفصّل رُوداد ہے، جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

امیر خاں کی فتنہ انگیزی "خادی خاں، سردار اشرف خاں مرحوم کا داماد اور اُس کے جانشین مُقرب خاں کا بہنوئی تھا۔ سردار اشرف خاں مرحوم حضرت امیر المومنین کے مخصوص مُخلصین میں سے تھے اور اسی بنا پر وُہ اور اُن کے لڑکے خادی خاں کے مخالف تھے۔ سردار مُقرب خاں بھی جماعت میں داخل تھا اور خادی خاں کی مخالفت کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن اس کا بھی روادار نہ تھا کہ خادی خاں کو قتل کر دیا جائے۔ اس واقعے سے اُس کو کچھ ملال ہُوا، لیکن اُس نے خادی خاں کی علانیہ حمایت اور جماعت سے انحراف پسند نہ کیا۔ خادی خاں کا حقیقی بھائی امیر خاں مُقرب خاں

---

[1] زیدہ کی جنگ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۵ھ کے مہینے کی کسی تاریخ میں ہوئی، غالباً ۵ یا ۶ ربیع الاوّل کو۔

کے پاس آیا اور مُقرّب خاں سے یہ خواہش کی کہ وُہ بھائی کا اِنتقام لینے میں اُس کی مدد کرے اور اُس کو مُشتعل کرنے کی بہت کوشش کی۔ مقرّب خاں نے اُس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ مَیں صرف مرحوم کے متعلّقین کی رہائی اور تمھاری جانشینی کے لیے حضرت سے سفارش کرسکتا ہوں۔ چنانچہ وُہ امیرالمومنین کے پاس آیا اور درخواست کی کہ خادی خاں کے لواحق کو، جو محصُور ہیں، رہا کر دیا جائے اور امیر خاں کو جانشین تسلیم کرکے قلعہ اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت نے اُس کو بہت دلاسا دیا اور بڑی خاطرداری فرمائی اور خادی خاں کے متعلّقین کی رہائی کے لیے مولانا کو، جو لشکر کے امیر تھے، ایک شُقّہ تحریر فرمایا۔

ابھی قلعہ کو فتح ہُوئے تین ہی روز ہُوئے تھے۔ اسی دن واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا نے مُلّا سید شاہ نامی اپنے ایک معتمد کو ایک ضرب شاہین لانے کے لیے پنجتار بھیجا۔ مُلّا صاحب کے ساتھ چودہ آدمی غیر مسلح پنجتار سے آرہے تھے۔ ۱۲ صفر کی صُبح کو فصیلِ قلعہ کے بُرجوں پر سے چوکیداروں نے دیکھا کہ دُور سے کچھ سوار آ رہے ہیں۔ اُنھوں نے نقّارے پر چوٹ لگائی اور تمام لشکر کمربندی کرکے تیّار کھڑا ہوگیا، لیکن یہ قطعی طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ دشمن ہی ہیں۔ احتمال تھا کہ شاید اپنے ہی لوگ ہوں۔ بعد میں معلُوم ہوا کہ یہ غلام خاں اوز امیر خاں کے سوار ہیں، جو بندوقیں سر کرتے ہیں اور میدان میں گھوڑوں کو دَوڑاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہمارے آدمی شاہین لانے گئے ہیں، یہ لوگ اُن کو مارنے کے لیے دَوڑ رہے ہیں، جلد پہنچ کر اُن کی مدد کرنی چاہیے۔ اسی حَیص بَیص میں دو گھنٹے گزر گئے۔ اتنے میں شاہین والوں میں سے ایک شخص ظالموں کے ہاتھ سے بچ کر قلعے میں پہنچ گیا۔ اس نے اطّلاع دی کہ مُنافقین کے سوار شاہین کو لے گئے اور بارہ مُجاہدین شہید ہوگئے۔ اس خبرِ جانکاہ کو سُن کر خصوصیّت کے ساتھ اس لیے کہ یہ واقعہ قلعۂ ہنڈ کے

متصل ہی واقع ہوا تھا، نہایت درجہ تاسف و حسرت ہوئی اور اس پر سخت افسوس ہوا کہ کیوں پہلے ہی تحقیق کر کے اُن کی مدد نہیں کی، لیکن مشیتِ ایزدی سے چارہ نہیں۔

مُقرّب خاں کی کنارہ کشی جب خادی خاں کے متعلقین کی رہائی کی بابت حضرت کا شُقّہ مولانا کو ملا، تو آپ نے اس وجہ سے کہ ان متعلقین کے محصور ہونے کے باوجود ان منافقین نے اتنی شورش کی، تو اُن کے رہا ہونے کے بعد، واللہ اعلم، کیا فتنہ اٹھائیں گے، مصلحت کی بنا پر اس واقعے کو حضرت کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے بعد دو مرتبہ مُقرّب خاں کے پاسِ خاطر سے اور اس خیال سے کہ یہ لواحق محض بے قصور ہیں، اُن کو تکلیف دینا اور مُقیّد رکھنا خُوب نہیں، حضرت کے کئی شُقّے پہنچے، لیکن پھر یہاں عقلائے لشکر کے مشورے سے مولانا نے حقیقتِ حال عرض کرتے ہوئے اور متعلقین کی رہائی کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہوئے اپنی اصطلاحی زبان میں ایک عرضداشت مُقرّب خاں کی معرفت حضرت کی خدمت میں روانہ کی۔ مُقرّب خاں نے اس خط کو اپنے مُنشی سے پڑھوایا۔ اس بیچارے کو کیا خبر تھی؟ وہ ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا۔ اس نامانوس خط سے مقرب خاں کے ہوش اُڑ گئے اور اُس کو ڈر پیدا ہوا کہ مولوی مُحمّد اسمٰعیل صاحب نے کہیں میری شکایت تو نہیں کی اور کوئی خطرناک بات تو نہیں لکھی۔ چنانچہ وُہ اس ڈر سے نہ تو حضرت کی خدمت میں گیا اور نہ امیر خاں وغیرہ سے ملا بلکہ اپنے کو اس معاملے سے الگ کر کے گھر بیٹھ رہا۔

راستے مسدود ہو گئے جب یہ خبر تمام اطراف میں مشہور ہوئی، تو متعلقینِ خادی خاں کے رہا نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ لشکرِ مجاہدین سے بددل ہو گئے اور جو دیہات منافقین کے جانبدار تھے، وُہ جانی دشمن بن گئے اور اُنھوں نے ہندوستانیوں کا آنا جانا ہر طرف سے بند کر دیا۔ ہندوستان کے راستے مسدود ہو گئے اور خطوط کا پہنچنا بھی بے انتہا مُشکل ہو گیا۔

سیّد صاحبؒ زَیدہ میں مقرب خاں کی خانہ نشینی کے بعد اُس کے دو بھائی فتح خاں اور ارسلاں خاں، جو اشرف خاں کے سعادت مند بیٹے اور سیّد صاحبؒ کے مُخلصین میں سے تھے، سیّد صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا کہ ہم اپنے باپ کی طرح حضرت کے غلام اور حلقہ بگوش ہیں، تا دمِ زیست آپ کے فرماں بردار رہیں گے اور جان و مال آپ کی خدمت میں قربان کریں گے۔ ہماری آرزو ہے کہ بالفعل حضرت ہمارے غریب خانے میں، جو مقامِ زَیدہ میں ہے اور قلعۂ ہَنڈ سے دو کوس کا فاصلہ ہے، تشریف لے چلیں۔ ہماری قوم ہرگز سرکشی نہیں کرے گی اور آپ کے وہاں تشریف رکھنے سے سب زیر ہو جائیں گے۔ پس حضرت موضع زَیدہ میں تشریف لے آئے اور ہنڈ کے سامنے مُجاہدین کی کُمک پر بیٹھ گئے، لیکن ابھی اطراف کے راستے مُجاہدین کی آمد و رفت کے لیے نہیں کُھلے، جن لوگوں کو علاقۂ سُدوم میں بعض ضرورتوں سے چھوڑ کر چلے آئے تھے، وہ وہیں محصور رہ گئے۔ کچھ لوگ پنجتار میں سامان کی حفاظت کے لیے پڑے ہوئے ہیں اور لشکر کا بڑا حصّہ حصار کی حفاظت کے لیے قلعے میں ہے۔ باقی دو سَو آدمی حضرت کے ہمرکاب ہیں غرض یہ کہ ایک ہزار مُجاہدین، جو پہلے مجتمع تھے، اب متفرق و پراگندہ ہیں۔

امیر خاں کی یار محمد خاں کے ساتھ سازش حضرت نے فرمایا کہ اگر خادی خاں کا بھائی امیر خاں پہلے بیعت کر لے، تو ہم قلعۂ ہَنڈ اُس کو بخش دیں گے اور اس قضیّے کو ختم کر دیں گے، یا قلعے کو اُس کے بھائیوں میں سے کسی مستحق کے حوالے کر کے دُوسرے کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس کے بھائیوں نے حضرت کو قلعے مرحمت ہو جانے پر صُلح کا پیغام بھیجا۔

ایک طرف صُلح کی بات چیت ہو رہی تھی، دُوسری طرف امیر خاں جنگ کے بندوبست کے لیے اور دُرّانیوں کا لشکر اپنی مدد کے واسطے لانے کے لیے بڑی جدوجہد کر رہا

تھا۔ وہ یار محمد خاں سردار پشاور کے پاس گیا اور کمک کے لیے دس بارہ ہزار روپیہ پیش کیے۔

ہنڈ پر حملے کی تیاری سمہ کا ملک سردارِ پشاور کے قبضے میں کبھی بھی نہیں رہا تھا۔ گزشتہ سال یار محمد خاں نے فوج کشی کی تھی، مگر مجاہدین کے خوف سے ناکام واپس آیا۔ اس موقع پر جب اُس نے ان اطراف کی اکثریت کو حضرت کی مخالفت پر کمربستہ دیکھا اور اپنی کئی قسم کی منفعتیں دیکھیں، جن میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی کہ دس بارہ ہزار روپے محض فوج کشی کرنے سے مل جائیں گے، تو اُس نے ہنڈ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کیا۔ اُس کے بھائی سلطان محمد خاں نے اس کو بہت منع کیا اور کہا کہ تم ہرگز سید صاحبؒ کے مقابلے میں وہاں مت جاؤ۔ یہ وہی شخص ہے، جس کے مقابلے میں فرانسیسی جرنیل کو لشکرِ جرار اور ہزاروں کی فوج کے باوجود شرمندگی و ذلت اُٹھانی پڑی اور سید صاحبؒ بڑے تمکنت اور وقار کے ساتھ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے۔ اگر تم کو شکست ہو گئی، تو پشاور تک سلامتی کے ساتھ پہنچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

لیکن یار محمد خاں نے جو اپنی طاقت کے غرور کے نشے میں سرشار اور مجاہدین کی بے سروسامانی سے اچھی طرح واقف تھا، اس کی پروا نہ کی۔ پہلے تین سو معتمد سواروں کو چار بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ اپنے آگے روانہ کیا تاکہ وہ گڑھی ہریانہ میں جو خادی خاں کے بھائی کا مرکز تھا، ڈیرہ ڈالیں۔

مجاہدین سے مختلف معرکے وہاں سے قلعہ ہنڈ پورے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ پشاوری سواروں کے پہنچنے سے پہلے ملکی منافقین کے سوار روزانہ قلعہ کے گرد اہلِ قلعہ کے مویشیوں کو لوٹنے کے لیے حملہ کرتے تھے۔ اہلِ قلعہ جن کو صرف قلعے کی نگہبانی کا حکم تھا، قلعہ میں رہ کر جنگ کرتے رہتے تھے۔ البتہ اونٹوں کو چرانے کے لیے بیس تیس بندوقچی

حفاظت کے لیے اُن کے ساتھ جنگل تک جایا کرتے تھے۔ ایک دن لوگ اُونٹوں کو چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے اور تمام لشکر قلعے کے اندر تھا کہ زیدہ اور قلعہ ہنڈ کے بیچ میں مغرب و شمال کے درمیان موضع گنڈہ سے بندوقوں کی آوازیں آئیں تمام مجاہدین مولانا کے ساتھ دروازۂ قلعہ کے باہر تفتیش کے لیے گئے، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ وہاں سے لوٹ کر لوگ تو اپنی جگہ چلے گئے، لیکن مولانا اسی دروازے پر بیٹھے رہے جو لوگ فصیل اور بُرجوں کے رُوبرُو تھے، اُنھوں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے سواروں اور پیادوں کا لشکر خیل خیل قلعے کی طرف بڑے عزم و ارادہ کے ساتھ آ رہا ہے۔

یہ معلوم ہوتے ہی مولانا نے نقارہ بجانے سے منع کر دیا اور چند مجاہدین کو، جو بڑے چابک دست اور کارگزار تھے، حکم دیا کہ خفیہ طریقے پر جوار اور گنّے کے کھیتوں میں، جو سواروں کے ٹھیرنے کی پرانی جگہ تھی، چھپ کر بیٹھ جائیں جس وقت یہ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنی پرانی جگہ پر آ کر کھڑے ہو جائیں، یکبارگی اُن کے سینوں کو گولیوں کا نشانہ بنا لیا جائے۔ لیکن جب یہ لوگ مولانا کی اجازت سے قلعے کے اندر سے نکلے، تو یکدم مخالفین کے سر پر جا پڑے اور مولانا کی ہدایت کو بالکل بھول گئے بس فوراً جنگ شروع ہو گئی اور میدان کے وسط میں معرکۂ کارزار گرم ہو گیا۔

چونکہ مجاہدین نے مولانا کے مشورے سے تھوڑی سی جماعت کو باہر نکالا تھا، لیکن اپنے جوش میں مولانا کے مشورے کو بھول کر اپنے کو دو تین سو سواروں اور صدہا لشکر کے نرغے میں ڈال دیا تھا اور اُن میں گھر کر رہ گئے تھے، اس لیے چار و ناچار اُن کی کمک کے لیے دُوسرے مجاہدین کا نکلنا ضروری ہُوا اور تین سو کے قریب آدمی قلعے سے نکل کر اس معرکے میں شریک ہو گئے۔ وہ تین سو سوار، جن کو یار محمد خاں نے پیش خیمے کے طور پر پہلے بھیج دیا تھا، وہ دُور سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ مخالفین کی بندوقیں جتنی دیر میں ایک باڑھ مارتی ہیں، مجاہدین کی بندوقیں دس باڑھیں مارتی

ہیں۔ اس سے اُن کے قدم ڈگمگا گئے۔ اس وقت امیر خاں نے اُن سے کہا کہ اب تم بھی حملہ کرو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ ہندوستانی بلا کے لوگ ہیں۔ جتنی دیر میں تم ایک بندوق چلاتے ہو، اُن کی بے حساب چلتی ہیں۔ ہم آگ کی اس بارش میں گُھس نہیں سکتے۔ آخر کار وُہ سب کے سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور مُجاہدین آسمانی کمک سے مظفر و منصُور و نیک نام ہُوئے۔

اس دن سے ولایتیوں نے جان لیا کہ ہندوستانی شبخون کے علاوہ کُھلے میدان میں بھی خُوب لڑ سکتے ہیں۔ مُنافقوں کو غرُور تھا کہ ہم سوار ہیں اور ہندوستانی پیادہ، وُہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اُن کی جُرأت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ لیکن اُس دن وُہ افسردہ خاطر ہو گئے اور طرفین سے خاموشی ہو گئی اور مخالفین پر ایک طرح کا رُعب طاری ہو گیا کہ کہیں ہندوستانی شبخون نہ ماریں۔

یار مُحمد خاں ہریانے میں کچھ دنوں کے لیت و لعل کے بعد سردار یار مُحمد خاں چھ ضرب توپ اور شاہینوں کے ساتھ اور ہاتھیوں اور اونٹوں اور بے شُمار سوار و پیادہ لشکر کے ساتھ ہریانے میں داخل ہُوا اور داخل ہوتے ہی اُس نے توپیں چلائیں۔ حضرت امیر المومنین نے مولانا صاحب کو تمام لشکر کے ساتھ قلعۂ ہنڈ میں طلب کیا اور مولانا مظہر علی کو دو سو مُعتبر مُجاہدین کے ساتھ قلعے کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑا۔ ملکی آدمی (جو توپ سے بہت ڈرتے ہیں) توپ کی آواز سُنتے ہی اپنا اپنا سامان لے کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ مُنافقینِ پشاور کو خوب معلوم تھا کہ اس ملک کے لوگ توپ سے بہت ڈرتے ہیں۔ وُہ صُبح و شام فیر کرتے رہتے تھے۔ سمہ کے اکثر لوگ جو خادی خاں کے جانبدار تھے، پشاور کے لشکر میں شریک ہو گئے اور جو مخلص تھے، وُہ دُرّانی توپ خانے کے ڈر سے اسلامی افواج میں شرکت کرنے سے پہلو تہی کرنے لگے۔ اب خُدا کی کمک، کمزور مسلمانوں کے لشکر یا نیدہ والے فتح خاں پنجتاری اور فتح خاں اد

اُرسلان خاں کے سوا کوئی حامی اور مددگار نظر نہیں آتا تھا۔

دیہاتوں میں لُوٹ مار ایک دن پانچ سو مخالف سوار گنڈہ کی طرف گئے اور گنڈہ کے برابر ایک موضع شاہ منصور میں جمع ہوئے۔ اس طرف اس احتمال سے کہ شاید آج جنگ پیش آئے، وہ تمام سوار اور پیادہ، جو موجود تھے، جابجا سے اکٹھے ہو کر اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوئے، لیکن مخالفین صوابی، کالا، درہ اور مانیریٔ کے دیہاتوں کی طرف، جو زیدہ والوں کے ساتھ تھے، مال و مویشی لُوٹنے کے لیے کنارے کنارے حملہ کرتے رہے اور اُن گاؤں والوں کو سیّد صاحبؒ کے خلاف ورغلاتے رہے۔ مانیریٔ میں چند دلاور نوجوانوں نے حملہ کر دیا اور اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا اور اُن سے دو تین گھوڑے چھین لیے۔ حملہ آور شکست کھا کر وہاں سے بھاگے، ایک دُوسرے گاؤں میں گھس کر وہاں کے مال و مویشی کو بالکل تاراج کر دیا۔ غرض اسی طرح وہ لُوٹ مار کرتے رہے اور مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ ایک ہفتے تک یہی خبر پہنچتی رہی کہ یار محمد خاں کل مقابلے کے لیے آئے گا اور لشکر کی کمربندی ہوتی رہی، لیکن یہ موقع پیش نہ آیا۔

نامہ و پیام چند روز تک اسی طرح لشکروں کی آراستگی و صف آرائی اور کبھی کبھی معمولی جھڑپ ہوتی رہی، جس سے مخالفین کو مُجاہدین کی قوّت کا اندازہ ہوتا رہا۔ ایک دن مخالفین کی طرف سے ایک شخص، جو خاندانِ سادات میں سے تھا، مجاہدین کے لشکر میں صُلح کا سفیر ہو کر آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ صُلح بہر صُورت اچھی چیز ہے، لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس جنگ کا مقصد کیا تھا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمام مُسلمان شریعتِ الٰہی کو قبول کریں اور نظامِ شرعی کو جاری کر دیں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مطالبہ اور جھگڑا نہیں۔

اس گفتگو سے مصالحت میں شام کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ اگر ہم کو حُکم ہو، تو ہم رات ہی کے وقت شبخون ماریں۔ اگر مخالفین

غافل ہوئے، تو کیا کہنا؛ ورنہ رات کو لشکر کی قلّت و کثرت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ہم رات کے اندھیرے میں اپنی جان پر کھیل کر اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ صُلح کا پیغام درمیان میں ہے، مَیں چھاپہ مارنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہوں؟ یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں۔ اکثر ہندوستانی مولانا سے بڑی گریہ و زاری کے ساتھ کہتے تھے کہ اگر یہ رات گزر گئی، تو بہت حسرت ہوگی۔

یار محمّد خاں کا مُتکبّرانہ جواب اسی گفتگو میں رات کا کچھ حصّہ گزر گیا اور حضرت مخالفین کے جواب کے انتظار میں بیٹھے رہے اور تمام مُجاہدین تیار و کمربستہ اپنے اپنے بستروں پر اپنی کمر سیدھی کرنے لگے اور اُنھوں نے کمر کھولنا مصلحت نہ سمجھی۔ اسی اثنا میں جو آدمی صُلح کے لیے گیا تھا، مُتکبّرانہ جواب لے کر آیا کہ ہم کو صُلح بالکل قبول نہیں، بلکہ لشکر کے بعض مُتکبّروں نے کہا کہ اگر اب سیّد کی طرف سے کوئی صُلح کا پیغام لے کر آئے گا، تو ہم اُس کا سر اُڑا دیں گے۔

حملے کا حُکم یہ سُن کر حضرت امیر المؤمنین کی حمیّتِ ربّانی کو جوش آیا اور اُسی وقت فوراً حُکم دیا کہ لشکرِ اسلام کمربستہ ہو کر مولانا کے ساتھ جائے اور شبخون مارے[1]۔ پس تمام ہندوستانی و قندھاری مُجاہدین اور اس مُلک کے دُوسرے مُخلصین، جو زیادہ سے زیادہ آٹھ سو سوار و پیادہ ہوں گے، چھاپے کے لیے مولانا کے ہمراہ روانہ ہُوئے اور دو سَو آدمی حضرت کی خدمت میں کمربستہ موجُود رہے تاکہ بعد میں کُمک کے لیے جائیں۔

---

[1] وقائع میں ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد سیّد صاحب نے کھانا تناول فرمایا اور لوگوں کو آرام کرنے کا حکم دیا اور خود بھی آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ یکایک اُٹھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ مجھ کو جناب الٰہی سے الہام ہوا کہ تو کیوں اپنی تدبیر سے غافل ہے؟ تیرے دشمن تیری تدبیر کر رہے ہیں، فتح و شکست تو خدا کے ہاتھ میں ہے، تو بھی جو کچھ تدبیر کر سکے کر، یہی وقت ہے۔ چنانچہ چھاپے کی تیاری ہوئی اور مولانا بستی کے باہر گڑھی میں ٹھہرے۔ اس عرصے میں سردار یار محمد خاں کے افسروں (امیر بیگ خاں، فیض اللہ خاں اور حاجی کاکڑ وغیرہ) نے خفیہ خط بھیجا، جس میں اطلاع دی کہ یہاں لشکر میں رات کی تیاری ہو چکی ہے کہ صبح زیدہ کو توپوں کے گولوں سے مسمار کر دیا جائے گا اور مجاہدین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا جائے گا۔ اس لیے اس وقت جو کچھ ہو سکتا ہے، اُس میں تساہل نہ کیا جائے۔

زیدہ کی جنگ مولانا نے لشکر کو زیدہ کے باہر مرتّب کیا اور جنگ کے مقدمات اور رفتار کی وضع اچھی طرح سمجھا دی۔ ہندوستانی ولایتیوں سے الگ ہو کر سب سے آگے روانہ ہوئے اور بڑی پھرتی اور چالاکی کے ساتھ جس طرف مخالف توپ خانہ و شاہین خانہ اور مخالفین کا مورچہ تھا، چلے۔ لشکر بہت قریب تھا، لیکن کترا کر چلنے کی وجہ سے نصف کوس کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ اس اثنا میں لشکر کا ایک چوکیدار نظر آیا، جو اپنے ہاتھ میں مشعل لیے ہوئے تھا۔ اُس نے جب لشکر کو دیکھا، تو فوراً مشعل بجھا دی۔ مُجاہدین نے وہاں سے اپنے قدم اور تیز کر دیے۔ وُہ ابھی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ مخالفین کے لشکر کے سَو سوار ہمارے لشکر کے سامنے ظاہر ہُوئے، لیکن اُنھوں نے ہم سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ مُجاہدین نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ بعض آدمیوں نے چاہا کہ ان سواروں پر بندوق چلائیں لیکن مولانا اور دُوسرے عُقلا نے بڑی سختی سے روکا اور کہا کہ یہ وقت تیز رفتاری کا ہے، بندوق چلانے کا نہیں۔ جب ہم دو تیر کے فاصلے پر پہنچ گئے، تو ہمارے لشکر میں کسی نے بڑی جلدی کے ساتھ اُن سواروں پر بندُوق کا فیر کر دیا، جو ہمارے آگے آگے چل رہے تھے گویا کہ ہمارے رہبر ہیں۔ فَیر ہوتے ہی سوار یک لخت بھاگے اور اسی وقت یکبارگی مجاہدین کی بندوقیں بے تحاشہ چل گئیں اور تکبیر کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

مُجاہدین کی جانبازی اور توپوں پر قبضہ لیکن ابھی اصل لشکر یہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔ لوگ دَوڑنے سے تھک گئے۔ کچھ لوگ آگے بڑھے اور اکثر تھک کر پیچھے رہ گئے۔ تکبیر کے سوا صرف یہ آواز سُنائی دیتی تھی کہ بھائیو، آؤ، ہم نے توپ پر قبضہ کر لیا۔ یہ کمزور کسی نہ کسی طرح سے اُفتاں و خیزاں بڑھے۔ جب ایک بیگھے کا فاصلہ رہ گیا، تو توپ خانے میں مہتابی روشن ہُوئی اور اس کے روشن ہوتے ہی توپیں اور شاہین چلنے لگیں۔ اس موقع پر لشکر کا ہر گروہ ایک دُوسرے سے مُمتاز ہو گیا۔ مولانا صاحب اور بعض دوسرے

دیندار دلاور پیاسوں کی طرح توپوں کے سر پر پہنچ گئے اور اپنے کو اس آگ میں ڈال دیا۔ باقی دوسرے ہندوستانی بھائی اپنے اپنے مراتب اور ہمّت کے مطابق یکے بعد دیگرے وہاں پہنچ گئے۔ اس موقع پر ان دلیر بندگانِ خدا نے عجیب غریب قوّت سے کام لے کر آگ کی اس بارش میں کُود کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔

دُرّانی لشکر کا فرار جس وقت مُجاہدین کا توپوں پر قبضہ ہو گیا، دُرّانی بے تحاشا بھاگے اور پشاور کے سوا کسی طرف اُنھوں نے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ لیکن ابھی تک مخالفین کی صرف چار توپوں پر قبضہ ہُوا تھا، دو توپیں ابھی اُن کے قبضے میں تھیں اور کسی کو اُن کی خبر نہ تھی جب مُجاہدین کو اس کا علم ہُوا، تو مولانا نے حکم دیا کہ مردانِ خُدا، ہمّت کرو اور دونوں توپوں پر بھی قبضہ کر لو۔ مُجاہدین نے بڑھ کر وُہ دونوں توپیں بھی دشمن سے چھین لیں اور مُجاہدین کو شاندار فتح ہُوئی۔ خدا کی قدرت کا تماشا اور تُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ کا مضمون ظاہر ہُوا اور ثابت ہُوا کہ عسکر، سامان نمائش ظاہری کے سوا کچھ نہیں، اصل چیز نُصرتِ الٰہی اور جوشِ ایمانی ہے۔

ہندوستانی مُجاہدین، جن کا خدمتِ دین کے سوا کچھ کام نہیں، مالِ غنیمت کی لُوٹ مار سے بالکل مجتنب رہے، لیکن قندھاری اور ولایتی اپنی قدیم عادت کے مطابق لُوٹ مار میں لگ گئے۔

غلط خبر زیدہ میں مُجاہدین کی شکست کی خبر مشہور ہو گئی[1] اور اس کو باور کرنے کے تمام ظاہری

---

[1] وقائع میں ہے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب شبخون کے لیے آگے بڑھے تو سید صاحب مسجد میں چلے گئے اور ننگے سر ہو کر بہت دیر تک بڑی گریہ زاری کے ساتھ دُعا کرتے رہے۔ اس کے بعد گڑھی کے بُرج پر تشریف لے آئے۔ کچھ دیر میں بندوقوں کی ایک باڑھ چلی۔ پھر کچھ عرصے میں توپوں کی پانچ آوازیں ہوئیں۔ پھر کچھ دیر میں توپیں چلنی موقوف ہو گئیں، پھر ادھر سے توپ کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد مولوی امیر الدین ولایتی نے آکر عرض کیا کہ وہاں تو جتنے مُجاہد آپ نے بھیجے تھے، اس میں سے ایک نہیں بچا، سب شہید ہو گئے۔ یہ سُن کر سب لوگ بڑے غمزدہ ہوئے۔ سردار فتح خاں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اب آپ پنجتار کو تشریف لے چلیں۔ اگر آپ رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ پھر جہاد کا سامان درست کر دے گا۔ سید احمد علی صاحب کی بھی یہی رائے تھی۔ سید صاحب فرماتے تھے کہ نہیں، بندوقوں کی باڑھ کے بعد جو توپیں چلتی تھیں اُس کا شعلۂ رنگ لے اس طرف نظر آتا تھا اور کار توس کا شعلہ اس طرف جب توپیں کچھ دیر بند ہو کر پھر چلنے لگیں، تو اس کے برعکس معاملہ نظر آنے لگا، یعنی اس طرف شعلہ کار توس اس دلیل سے ہم کہتے ہیں کہ فتح اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے، لیکن دونوں صاحب اصرار کر کے آپ کو پنجتار لے گئے۔

اسباب موجود تھے۔ اس لیے دیہات کے تمام مخلصین اپنے دیہاتوں سے چلے گئے اور مخالفین کے جانبداروں نے ہر طرف سے یورش کی اور بندوقیں چلاتے ہوئے اس طرف بڑھے۔ اُن کی گولیوں کا جواب مجاہدین کے توپ خانہ نے اپنے گولوں سے دیا اور وہ اُلٹے پاؤں واپس ہُوئے۔ یہ چار پانچ گھڑی رات رہے کا واقعہ ہے۔

یار محمد خاں کی ہلاکت یار محمد خاں اور اُس کے لشکری فرار کے وقت کوئی سامان نہ لے جا سکے، یہاں تک کہ پاؤں کی جُوتیاں بھی وہیں رہ گئیں۔[1] یار محمد خاں کو کاری زخم لگا اور وہ پشاور پہنچنے سے پہلے اس دُنیا سے کوچ کر گیا۔[2] اُس کے لشکر کے سات بڑے بڑے سردار اور تین سو کے قریب لشکری مقتول ہوئے۔ مجاہدین کے لشکر میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے اور سات آدمیوں کو خفیف زخم لگا۔

مالِ غنیمت مالِ غنیمت میں ہندوستانیوں کے ہاتھ چھ ضرب توپ، آٹھ ضرب شاہین، چالیس قطار اُونٹوں اور ایک ہاتھی کے سوا کچھ نہ لگا، باقی اکثر مُلکی اور ولایتی لے گئے، جو فتح کی خبر سُن کر چاروں طرف سے آ گئے تھے۔ امیر المومنین نے فتح خاں پنجتاری اور فتح خاں زیدہ والے اور چند مجاہدین کو، جو پشتو زبان جانتے تھے، حُکم دیا کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ انھوں نے جو ڈیرے اور گھوڑے لُوٹے ہیں، وہ ہمارے ہی ہاتھ فروخت کر دیں، اس لیے کہ لشکر کو ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح سے کچھ خیمے اور کچھ گھوڑے اور جمع ہو گئے۔

پنجتار میں فاتحانہ داخلہ اس کے بعد حضرت امیر المومنین توپ خانے، لشکر، شتر، ہاتھی اور اپنے

---

[1] وقائع میں ہے کہ سردار یار محمد خاں کے باورچی خانے میں پلاؤ کی دیگیں پکی ہوئی تیار رکھی تھیں اور ہر قسم کا میوہ تھا۔ لشکر میں چند عورتیں بھی تھیں، جنھیں دُرّانی لوگ پکڑ کر لائے تھے۔ سیدِ والا نے انھیں اپنے اپنے گھر بھیج دیا۔

[2] وقائع میں ہے کہ اخوند ظہور اللہ اور امیر خاں خٹک نے بیان کیا کہ ہم نے اکثر معتبر لوگوں سے سُنا ہے کہ سردار یار محمد خاں ہریانہ اور دو ڈھیر کے درمیان فوت ہُوا۔

اہلِ ملک کے ساتھ پنجتار میں داخل ہُوئے[1]۔ مبارکباد کا غلغلہ زمین و آسمان سے بلند ہُوا اور شادمانی اور اظہارِ مسرّت کے لیے توپیں چلیں۔ مخالفین شرمندہ اور زرد رُو ہوئے۔ بعضوں نے جلاوطنی اختیار کی اور بعضوں نے توبہ و استغفار کیا۔ کیا دوست، کیا دشمن، ایک دُنیا تھی، جو اس خبر کو سُن کر نیازمندانہ حاضر ہوتی تھی اور مُبارکباد دیتی تھی۔

لُوٹ مار کی مذمّت کا پُراثر وعظ ایک روز حضرت نے لشکریوں اور تمام حاضرین کو جمع کیا اور وعظ فرمایا کہ لُوٹ بہت بُری چیز ہے، یہ حقیقت میں اسلام کی بدخواہی ہے۔ جس طرح جہاد دین کی اعانت اور قوّت کے لیے ایسا مقبول کام ہے کہ اکثر گناہ اس کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں، اسی طرح سے عین معرکے میں لُوٹ کرنا دین کی شکست ہے اور اس کے سبب سے تمام اعمالِ صالحہ اکارت ہو جاتے ہیں، اور اس کا مُرتکب جہنّم کا مستحق ٹھیرتا ہے۔ اس بات کا ایسا اثر پڑا کہ لوگوں نے لوٹ کا تمام مال پنجتار کی مسجد میں جمع کر دیا اور ایک سو ستائیس گھوڑے

---

[1] وقائع میں ہے کہ مولانا جب زیدے پہنچے، تو سید صاحبؒ کے استقبال کے لیے نقاروں اور نشان سمیت دو سو سوار روانہ کیے اور مرزا حسین بیگ اور کئی غازیوں سے فرمایا کہ جب حضرت کی سواری نزدیک آئے، تو اکیس فیر خوشی کے چلانا اور توپوں کے پیچھے غازیوں کی صف آراستہ کر کے کھڑی کی۔ جب موضع شاہ منصور میں حضرت کی سواری نمودار ہوئی، تو مولانا چند غازیوں کو ہمراہ لے کر آپ کی مُلاقات کو آگے بڑھے۔ سید صاحبؒ مولانا کو دیکھ کر اپنی سواری سے اُترے اور آکر مولانا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ادھر توپیں چلنی شروع ہوئیں۔ جب اکیس فیر ہو چکے، تو غازی لوگ قرابین و بندوق کی بھرماریں کرنے لگے، یہاں تک کہ سید صاحبؒ توپوں کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ بھائی، اب بھرماری موقوف کرو۔ پھر ننگے سر ہو کر جناب الٰہی میں بڑے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی اور طرح طرح سے اللہ تعالےٰ کی ثنا و صفت اور قدرت و عظمت اور اپنی مسکینی اور محتاجی کو بیان فرمایا، سب لوگ آمین! آمین! کہتے تھے۔

جب آپ زیدے سے پنجتار کی طرف روانہ ہوئے، تو ملکی لوگ دف بجاتے تھے اور پشتو میں چار بیت گاتے تھے، ننگی تلواریں لیے اچھلتے کُودتے تھے، خان اور ملک، جو سردار یار محمد خاں سے مل گئے تھے، آ آ کر اپنا عُذر بیان کرتے تھے۔ آپ اُن کی تسلی اور دلجمعی کرتے تھے۔ سواری کے آگے زیدے کی تمام عورتیں غول باندھ کر دف بجاتی چار بیت گاتی ہوئی آئیں۔ آپ نے ان کو پانچ پانچ روپے بطورِ انعام دلوائے۔ راستہ بھر یہی حال رہا۔ پنجتار پہنچ کر اوّل آپ مسجد میں گئے اور دو رکعت نفل پڑھی، پھر اپنے بُرج میں تشریف لے گئے اور جماعت مجاہدین اپنے ٹھکانوں پر اُترے۔

لشکر کی طرف سے اور کچھ دیہات کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب جمع ہو گئے اور بہت سے خیمے ڈیرے بھی اکھٹے ہو گئے۔ خدا کی راہ کا پانچواں حصہ نکال کر باقی شریعت کے احکام کے مطابق مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

فتح کا اثر اس طرح یہ کامیاب مہم شاندار فتح اور عظیم الشان نیکنامی پر ختم ہوئی اور یار محمد خاں کی سازشوں اور مخالفتوں سے غریب الوطن مجاہدین کو امان ملی، بند راستے کھل گئے، مجاہدین اور مہاجرین کی آمد و رفت شروع ہو گئی، ہندوستان کے خطوط پہنچنے لگے اور دُور دُور تک مجاہدین کی قوت و اقبال مندی کا سکہ دلوں پہ بیٹھ گیا۔

امیر خاں کا قتل امیر خاں خٹک، جو اس ملک میں سرگروہ منافقین تھا، وہ بھی اس فتح کے بعد کمال اخلاص مندی کے اظہار کے ساتھ حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضور بندے کے لیے ایک شقہ لکھ دیں کہ فلاں دیہات، جو قدیم سے ہماری مِلک تھا اور اب دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ مجھے واپس مل جائے اور وہاں کے لوگ مزاحم نہ ہوں۔ اس شقے کی وجہ سے میرا خاص اعتبار ہو گا اور کام نکل جائے گا۔ حضرت کو اس کا حال خوب معلوم تھا اور اس کی بدطینتی سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، بیعت اور توبہ کرو، اس کے بعد ہم تم کو اطمینان کے ساتھ تمھاری زمین پر قابض کر دیں گے۔ امیر خاں کے دل میں فتور تھا، وہ اس وقت آپ کے پاس سے چلا گیا اور حضرت کی طرف سے ایک جعلی تحریر بنائی اور اپنے لشکر کو لے کر اس موضع میں گیا۔ وہاں اہلِ دیہات نے اُس کا مقابلہ کیا، دونوں طرف سے بندوقیں چلیں، امیر خاں کو گولی لگی اور وہ بھی مقتول ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سال منافقین کی نکبت و زوال کا ہے۔[1]

قیدی کے ساتھ سلوک سردار یار محمد خاں کا ایک مصاحب زخمی مقید تھا۔ اُس کو آپ نے پنجتار کی شمالی

---

[1] مکتوباتِ فارسی (قلمی)

فصیل کے اندر ایک خیمے میں اپنے قریب اتارا۔ نور بخش جراح اس کی مرہم پٹی کرتے تھے اور ہر روز حلوا پکا کر کھلاتے تھے۔ پاؤ بھر گھی، پاؤ بھر گڑ اور آدھ سیر آٹا آپ کے باورچی خانہ سے روزانہ اُس کے لیے مقرر تھا۔ چند روز میں اُس کا زخم اچھا ہو گیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ اب اگر تمھارا جی چاہے، تو ہمارے لشکر میں رہو، سب بھائیوں کو جو کھانا کپڑا ملتا ہے، تم کو بھی ملے گا اور اگر کہیں جانے کا ارادہ ہو، تو وہاں تم کو بھجوا دیں۔ اس نے کہا کہ میں پشاور جاؤں گا۔ آپ نے کئی جوڑے عُمدہ کپڑے بنوا دیے اور سواری کو ایک عُمدہ گھوڑا عنایت کیا، اور راستے کا کچھ خرچ دیا اور کئی مُلکیوں سے کہا کہ ان کو نوشہرے تک پہنچاؤ۔ وہاں سے یہ آپ پشاور کو چلے جائیں گے۔ آپ کے فرمانے کے مطابق وُہ مُلکی نوشہرے تک چھوڑ آئے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم اور مجاہدین کا ایثار

غنیمت کے مال و اسباب کے پانچ حِصّے کیے گئے۔ اُن میں سے ایک حِصّہ بیت المال میں داخل کیا گیا اور چار حِصّے غازیوں میں تقسیم کیے گئے۔ ایک ایک حِصّہ پیادوں کو ملا اور دو دو سواروں کو۔ مُلکی لوگ، جو چھاپے میں شریک تھے، وہ تو اپنے اپنے حِصّے لے گئے، ہندوستانی غازیوں نے کہا کہ ہم تو بیت المال سے کھاتے پیتے ہیں، حِصّہ لے کر کیا کریں گے؟ یہ بھی بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے۔ یہ خبر سیّد صاحبؒ کو ہوئی، تو آپ نے سب کے سامنے فرمایا کہ بھائیو، یہ حِصّہ تمھارا حق ہے۔ تم جو چاہو، سو کرو۔ جو کوئی خوشی سے اسے بیت المال میں داخل کر دے، ہم اس کو رد کرتے نہیں۔ اس کا ثواب اس کو جُدا ہو گا۔ اس امر میں کسی پر جبر نہیں اور نہ فرض و واجب۔ یہ بات سُن کر اکثر نے تو داخل کر دیا اور کمتر لوگوں نے اور جن کو حاجت تھی، اُنھوں نے رکھ لیا۔ اور اپنے اپنے صَرف میں لائے۔[1]

---

[1] مناقبِ احمدی

سولھواں باب

پنجتار میں

قاضیوں کے تقرر کی درخواست ایک روز پنجتار اور زیدہ کے دونوں فتح خاں آپس میں مشورہ کرکے سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت، اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ہمارے اس مُلک کا بادشاہ کیا، ہم برضا و رغبت یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنا ایک ایک قاضی ہمارے یہاں مقرر کریں کہ وہ ہم لوگوں میں شرعی احکام جاری کرے اور ہماری بستیوں سے آپ کے واسطے عُشر بھی مقرر ہو اور ہم تمام مُلک سَمہ کے خوانین سے کہیں گے، انشا، اللہ تعالیٰ وُہ بھی اِس باب میں چُون وچرا نہ کریں گے۔

آپ نے کہا: ”جَزَاکُمُ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ! مُسلمانوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے، مگر ہم یہ بارِگراں کسی بھائی پر نہیں ڈالتے۔ اگر کوئی برضا و رغبت تمھارے کہنے سے قبول کرے، تو بہتر ہے“ اللّٰہ تعالیٰ تم کو اجر دے گا۔

دونوں فتح خاں آپ سے رخصت ہو کر اپنے اپنے مکان پر گئے اور مُلک سَمہ کے تمام خوانین کو اسی مضمون کا خط لکھ کر روانہ کیا اور کئی دن کے بعد دو دو چار ملک اور خان اپنی اپنی بستیوں سے سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے بخوشی شریعت کے احکام قبول کیے۔ ہمارے یہاں آپ قاضی مُقرر کر دیں کہ ہم لوگوں میں شریعت کے مُوافق احکام جاری کریں اور ہم آپ کو عُشر بھی شریعت کے مُوافق

دیں گے۔

آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی بستی کے عُلماء کو ہمارے پاس بھیجو، ہم انھیں تمھاری بستیوں کا قاضی مقرر کر دیں گے۔ وہ خوانین اپنی اپنی بستیوں میں جاکر اپنے اپنے عُلماء کو بھیجتے تھے اور آپ اُن کو قاضی مقرر کرکے روانہ کر دیتے تھے۔

چند دنوں کے بعد غلّے کی فصل آئی۔ ہر ایک ملک اور خان نے اپنی بستیوں سے خچروں، گدھوں پر عُشر کا غلّہ وغیرہ لاد کر بھیجنا شروع کیا، مگر اپنی مرضی کے موافق۔ سیّد صاحبؒ کسی سے کچھ کمی بیشی کے امر میں تعرّض نہیں کرتے تھے۔ جو وہ بھیجتے تھے، وُہ آپ لے لیتے تھے۔

توپ خانے کا مرکز اور گولے کا کارخانہ

ایک روز آپ چند غازیوں کے ساتھ موضع چنڈلئی کے درے کی طرف، جو پنجتار سے میل بھر کے قریب ہے، تشریف لے گئے۔ وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹیکرا ہے، اس کے اوپر ایک ہموار میدان ہے۔ آپ نے اس مقام کو توپ خانے کے واسطے پسند فرمایا اور فرمایا کہ پنجتار سے توپیں لاکر اس پر لگا دی جائیں اور بقدرِ حاجت گولہ بارُود وغیرہ رکھنے کو اور گولندازوں کے رہنے کو مکان بنائے جائیں۔

آپ وہاں سے مکان پر تشریف لے آئے۔ کئی روز کے بعد غازیوں نے آپ کے فرمانے کے مطابق وہاں مکان بنانے شروع کیے۔ چند روز میں بن کر تیار ہو گئے۔ آپ کو اطلاع کی۔ آپ نے اجازت دی اور غازیوں نے پنجتار سے توپوں کو لے جاکر اس ٹیکرے پر چڑھا دیا اور توپوں کے علاقے کے لوگ وہیں جاکر رہنے لگے۔ ہر ایک توپ کے پیٹے میں کچھ کچھ جنگی کارتوس تھے۔ آپ نے مولوی خیر الدین صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحبؒ سے فرمایا کہ توپوں کے گولے کم ہیں، ہر توپ کے پانچ پانچ سو گولے پورے کر لیے جائیں۔

چند دنوں کے بعد دونوں صاحبوں نے موضع قاسم خیل میں گولے بنانے کا کارخانہ جاری کر دیا۔ ایک روز سیّد صاحبؒ چند مجاہدین کو لے کر وہاں تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر گولے بنانے کا کام دیکھا۔

فنونِ سپہ گری کی مشق اور اکھاڑے نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ایک گھوڑا سمند میانہ اور خوبصورت ساز و یراق سے درست پنجتار بھیجا۔ آپ نے وہ گھوڑا مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری کے سپرد کر دیا، جو گھوڑے کی سواری کے بڑے اُستاد تھے اور فرمایا کہ اس کو لے جایئے اور اس کی خدمت پرورش کیجیے۔ اس پر ہم سوار ہوا کریں گے۔ دس بارہ دن کے بعد سید صاحبؒ اس پر سوار ہوئے اور مولوی احمد اللہ صاحب بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور نالے پر میدان میں شیشموں کے درختوں کے وہاں تشریف لے گئے اور اس کو پھیرنا شروع کیا اور اس کی طبیعت اور چال کی بہت تعریف کی۔

آپ کی عادت تھی کہ جس فن و ہُنر میں آپ کامل مہارت رکھتے تھے، اُس فن کا اگر کوئی اور بھی ماہر ہوتا، تو اُس پر اپنی اُستادی نہیں جتاتے تھے۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار ہو کر برچھی چلانے کی آپ کو بڑی مہارت تھی اور مولوی احمد اللہ صاحب بھی اس ہُنر میں مہارت رکھتے تھے۔ اس روز آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب، آپ برچھا خُوب چلاتے ہیں۔ ہم کو بھی دو چار ہاتھ سکھائیے۔ مولوی صاحب عُذر کرنے لگے کہ سُبحان اللہ! آپ خود اس فن میں اُستادِ کامل ہیں، آپ مجھ کو تعلیم فرمائیں۔ مَیں کیا آپ کو سکھاؤں گا؟ آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب، اللہ تعالیٰ نے ایک سے ایک کو زیادہ کیا ہے اور فضل و ہُنر دیا ہے اور خصوصاً اس ہُنر کے اُستاد تمھارے ہی مُلک میں ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے اور مولوی صاحب نے اس میدان میں نیزہ بازی شروع کی۔ بے شمار ہندوستانی اور ولایتی کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس چُستی و چالاکی سے دونوں صاحب اپنے اپنے گھوڑے پر نیزہ بازی کے پیچ کرتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت میں تھے؛ نہ وُہ اِن کی چوٹ کھاتے، نہ یہ اُن کی۔ پھر سید صاحبؒ نے اپنا گھوڑا ٹھیرا کر لٹّو دار بنیٹی اپنے ہاتھ میں لی اور ایک مولوی صاحب کو دی اور فرمایا کہ مولانا صاحب، خُوب ہوشیار رہنا۔ اب ہم تم پر چوٹ کریں گے، تم بھی اپنا وار کرنے میں درگزر نہ کرنا۔ پھر دونوں صاحبوں نے کسرت کرنی شروع کی۔ سید صاحبؒ پیچ کرتے کرتے کبھی مولوی صاحب کی کمر میں بنیٹی لگا دیتے اور کبھی پہلو میں، کبھی شانے میں، اور کبھی گردن میں۔ مولوی صاحب بہتیری

کوشش کرتے تھے، مگر نہیں بچ سکتے تھے۔ شام کے قریب آپ نے کسرت موقوف کی۔

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، میں نے کئی اُستادوں سے نیزہ بازی سیکھی، مگر جو پیچ آپ نے اس وقت مجھ پر کیے، یہ مجھ کو آج تک کسی نے نہیں بتائے۔ یہ پیچ آپ ضرور مجھ کو سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: ماشاء اللہ! مولانا صاحب، اِس فن میں آپ کو بھی خوب مہارت ہے اور آپ کے ہاتھ بھی خوب منجھے ہوئے ہیں۔ باقی اس کے جو نکات مجھ کو معلوم ہیں، اگر آپ سیکھیں گے، تو میں ضرور آپ کو سکھاؤں گا۔ پھر وہیں مسجد میں مغرب کی اذان ہوئی۔ سب نے نماز پڑھی۔ سید صاحبؒ اپنے مکان پر آئے اور مولوی احمد اللہ صاحب اپنے ڈیرے میں چلے گئے۔

اسی روز سے نیزہ بازی کی کسرت پنجتار میں شروع ہوئی۔ تیسرے چوتھے روز سید صاحبؒ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے اور عصر اور مغرب کے درمیان مولوی احمد اللہ صاحب کے ساتھ بنیٹھی لے کر نیزہ بازی کی کسرت کرتے اور مولوی صاحب کو سکھاتے۔ کچھ کم یا زیادہ دو مہینے تک اسی گھوڑے پر آپ نے برچھا ہلایا اور مولوی صاحب کو سکھایا۔

عبدالحمید خاں فنِ سپہ گری اور جرأت و دلاوری میں یکتا اور طبیعت کے نہایت تند اور تیز تھے۔ اُنھوں نے بھی سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو، تو میں بھی آپ کے ساتھ گھوڑا پھیرا کروں۔ میری کسرت بہت دنوں سے چھوٹی ہوئی ہے۔ وہ بھی تازہ ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا: بہتر ہے، آپ بھی آیا کیجیے۔ چنانچہ وہ بھی حضرت کے ساتھ کسرت کرنے لگے۔ چند دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم تو خود اس فن میں اُستاد ہو، ہمارے ساتھ کسرت کرنے کی تم کو کچھ ضرورت نہیں۔ تم ہمارے غازی بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم دیا کرو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت، اُستاد تو آپ ہی ہیں، مجھ کو کیا سلیقہ؟ مگر بہر حال فرماں بردار ہوں، جو کچھ مجھ کو آتا ہے، میں بھائیوں کو سکھاؤں گا۔ پھر جہاں سید صاحبؒ کسرت کرتے تھے، وہاں سے ساٹھ ستّر قدم کے فاصلے سے جنوب کی طرف دوسرے روز سے عبدالحمید خاں غازیوں کو لے کر جانے لگے اور سواری، نیزہ بازی، بندوق چلانے اور تلوار لگانے کی مشق کرانے لگے۔ اُن کے یہ کرتب دیکھ کر فتح خاں اور اُن کے سوار بھی سب غازیوں کے

ساتھ اس کسرت میں شریک ہونے لگے۔

اسی میدان میں ایک جگہ شیخ عبدالوہاب اور خُدا بخش نے پھری گدکے کا اکھاڑا قائم کیا اور لوگوں کو رُستم خانی پھینک سکھانے لگے۔ مرزا محمدی بیگ شاہجہان آبادی نے بھی وہیں اپنا اکھاڑا جُدا بنایا اور وُہ امردھج پھینکتے تھے۔ سیّد لُطف علی اور امام الدّین رامپوری نے غفور خانی پھینک کا اکھاڑا قائم کیا۔ اُستاد رجب خاں نے اپنا اکھاڑا الگ جمایا۔ سب کے شاگرد جُدا جُدا تھے۔ ہر روز نماز عصر کے بعد سے شام تک لوگ کسرت کرتے تھے اور وہیں نالے میں وضو کرکے مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے ڈیرے میں چلے جاتے تھے۔

ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کے مشورے سے آپ نے عبدالحمید خاں کو بُلایا اور فرمایا کہ خان بھائی، کئی دن سے ہمارے خیال میں تھا کہ لشکر کے سواروں میں کسی کو رسالدار کر دیں۔ تم ان بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم تو دیتے ہی ہو۔ آج سے ہم نے اُن کا رسالدار بھی تم ہی کو کیا۔

خاں صاحب نے جواب دیا کہ حضرت میں آپ کے فرمانے سے باہر نہیں ہوں، مگر بات یہ ہے کہ میری طبیعت تُند ہے اور یہ امر اختیاری نہیں کہ چھوڑ دوں۔ شاید بھائیوں کو اس سبب سے میری افسری گراں گُزرے۔ یہاں کا کام خدا کے واسطے ہے، رئیسوں کی فوج کا سا نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، اس کا اندیشہ نہ کرو، ہم تمھارے لیے دُعا کریں گے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نقصان دُور کر دے، اور تابعداری تو خُدا ہی والے لوگ کرتے ہیں، رئیسوں حاکموں کے لوگ تو تابعداری کیا کریں گے؟

خاں صاحب نے عرض کیا کہ اگر یہی بات ہے، تو مَیں حاضر ہُوں۔ آپ نے میاں دین مُحمّد صاحب سے فرمایا کہ ہمارے یہاں سے ایک دوشالہ، ایک رُومال لے آؤ۔ اُنھوں نے لا کر حاضر کیا۔ آپ نے اپنا خاص عمامہ اپنے دستِ مُبارک سے عبدالحمید خاں کے سر پہ باندھا اور فرمایا کہ خان بھائی، یہ دوشالہ، یہ رُومال ہے۔ اس میں جو پسند ہو، لے لو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ مجھ کو تو رُومال اچھا معلوم ہوتا ہے،

آگے جو آپ کو پسند ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بھی یہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے وہ خان صاحب کو اُٹھا دیا اور جو سمند گھوڑا نواب وزیر الدّولہ کا بھیجا ہُوا تھا، اُن کو عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ تم کو مبارک ہو! اللہ تعالیٰ تم کو کفّار پر فتحیاب کرے! پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کر برہنہ سر ہو کر جناب الٰہی میں بڑے تضرّع کے ساتھ دیر تک دُعا کی۔ دُعا کے بعد رسالدار صاحب نے پانچ روپے اور ایک اشرفی نذر کی۔ تمام حاضرینِ مجلس نے رسالدار صاحب کو مُبارکباد دی۔ وہ رُخصت ہو کر مسجد میں گئے۔ وہاں دو رکعت شُکرانہ پڑھ کر اپنے ڈیرے میں آ گئے۔ اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کو ایسا حلیم الطبع، سلیم المزاج اور خوش اخلاق کر دیا کہ گویا ہمیشہ سے یُوں ہی تھے۔

دو جاسُوسوں کا قبولِ اسلام دو سکھ پنجتار میں آپ کے پاس ملنے آئے۔ آپ نے اُن سے آنے کا سبب پُوچھا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی مُلاقات کو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: خیر تم ہمارے مہمان ہو، جب تک چاہو، رہو۔ آپ نے اُن کے واسطے اپنے یہاں سے دو سیر آٹا، پاؤ بھر دال اور آٹھ پیسے بھر کا گھی مقرر کر دیا۔ وہ دونوں روزانہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور آپ کی باتیں سُن کر اپنے بستر پر چلے جاتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ تمھیں جو کچھ ضرُورت ہُوا کرے، ہم سے کہ دیا کرو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا، مگر وہ کچھ نہیں کہتے تھے۔

دس بارہ دن کے بعد اُنھوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت، اتنے دن ہم آپ کی خدمت میں رہے، آپ کی باتیں خُوب سُنیں، جو کچھ لوگوں سے آپ کے اَوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ سُنے تھے، اُن سے بڑھ کر پایا اور آپ کا طریقہ اور دین ہم کو بہت پسند آیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو بھی یہی دین اور طریقہ آپ تعلیم کریں۔

سیّد صاحبؒ یہ سُن کر بہت خوش ہُوئے اور اسی وقت اُن کو کلمۂ شہادت پڑھا کر مُسلمان کیا۔ بڑے کا نام عبدالرحمٰن اور چھوٹے کا عبدالرحیم رکھا، اور میاں جی چشتی سے فرمایا کہ ان کو اپنے ڈیرے میں لے جا کر نماز سکھاؤ اور شیخ ولی محمّد صاحب سے فرمایا کہ ان کو دو دو جوڑے کپڑے بنوا دو۔ میاں جی چشتی نے اُن کو لے جا کر اُن کے سر کے بال مُنڈوائے، اُن کی لبیں کتروائیں اور نہلایا۔ اُس وقت کبھی

غازی نے اپنا پاجامہ دیا، کسی نے انگرکھا، کسی نے دوپٹہ، کسی نے عمامہ۔ کوئی تین تین، چار چار جوڑے اُن کے پہننے کو ہو گئے۔ تیسرے روز نئے چار جوڑے کپڑے شیخ ولی محمد صاحب نے الگ بنوا دیے۔ اسی روز سیّد صاحبؒ نے نور بخش جراح کو بلا کر اُن کا ختنہ کرا دیا اور ہر ایک کے کھانے کو پاؤ بھر گُڑ، پاؤ بھر گھی اور آدھ سیر آٹے کا حلوہ مقرر کر دیا۔ میاں جی چشتی صاحب حلوہ پکا کر اُن کو کھلاتے تھے۔ چند دن میں زخم اچھا ہو گیا۔ میاں جی چشتی صاحب نے سیّد صاحبؒ کی اجازت سے پانچ چھ روز ایک ایک مُرغ کا شوربہ اُن کو پلایا۔ پھر ایک روز اُن کو نہلا کر اور نئی پوشاک پہنا کر سیّد صاحبؒ کے پاس لائے۔ آپ نے اُن کی مزاج پُرسی کی اور باتیں کیں۔ اُس وقت اُنھوں نے اپنا حال سیّد صاحبؒ سے بیان کیا کہ ہم کو خیرآباد سے ہمارے افسر لنا سنگھ نے آپ کے پاس بھیجا تھا کہ ہم لوگوں سے خلیفہ صاحب کی خُوبیاں اور بزرگیاں بہت سُنتے ہیں، سو تم خود جا کر اپنی آنکھ سے دیکھ آؤ اور ہم سے آکر بیان کرو۔ اسی واسطے ہم آپ کو دیکھنے آئے تھے۔ یہاں اللّٰہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل سے ہم کو اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

سیّد صاحبؒ اُن کی تقریر سُن کر بہت خوش ہوئے اور اُن کو دو گھوڑے دیے اور فرمایا کہ اگر تمھاری خوشی ہو، تو ہمارے یہاں لشکر میں رہو اور چاہو، تو خیرآباد میں لنا سنگھ کے پاس جاؤ۔ تم کو اختیار ہے۔ وُہ دو مہینے کے قریب لشکر میں رہے اور نماز سیکھی اور رُخصت ہو کر خیرآباد یا کسی اور طرف کو چلے گئے۔

ضروری تعمیر ایک روز سیّد صاحبؒ نے جمعے کی نماز پڑھ کر مولوی محمد حسن جماعت دار سے فرمایا کہ ہمارے لشکر میں اکثر بھائیوں کو مکان کے بغیر تکلیف ہوتی ہے۔ ان دنوں بھائیوں کو فرصت بھی ہے اگر ضرورت کے مطابق اپنے اپنے جھیلے میں کوٹھے بنا لیں، تو بہتر ہے۔ ہمارا بھی ارادہ ہے کہ ہم بھی ایک کوٹھا بنا لیں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ بات تو مناسب ہے۔ جب آپ وہاں سے مکان پر آنے لگے، تو نالے سے اُٹھا کر دو پتھر اپنے کندھے پر رکھ لیے۔ آپ کو دیکھ کر ہر کسی نے اپنی طاقت کے موافق ایک ایک دو دو پتھر اُٹھا لیے اور سب نے لا کر حضرت ہی کے مکان پر جمع کیے۔ سب کی یہ نیت ہوئی کہ پہلے حضرتؒ کا کوٹھا بنایا جائے اُس کے بعد اور بنیں۔

اس کے اگلے روز سے غازیوں نے گارے اور پتھروں کی دیوار اُٹھانی شروع کر دی۔ کوئی پتھر لاتا تھا، کوئی گارا کرتا تھا اور کوئی اُٹھاتا تھا۔ وُہ دالان کوئی دس گز لمبا اور قبلہ رُخ تھا۔ اس میں تین در رکھے گئے۔ چند روز میں وُہ دالان بن کر درُست ہُوا۔ تب چیڑ کی کڑیوں سے اُسے پاٹا اور اُس کے آگے ایک چھپر کا سائبان ڈالا۔

اس کے بعد اپنے اپنے بیلے میں اور صاحبوں نے بھی مکان بنانے شرُوع کیے۔ ایک کوٹھا شیخ عبد الحکیم پھلتی نے بنایا، ایک سیّد اسمٰعیل رائے بریلوی نے، ایک مولوی امام الدین بنگالی نے، ایک مولوی وارث علی پُوربی نے، اور ایک نُور بخش جراح نے۔ یہ کوٹھے پاس ہی پاس خاص جماعت والوں کے تھے اور ایک کوٹھا شیخ ولی محمّد صاحب پھلتی نے بنایا اور ایک مسجد کے قریب سید احمد علی صاحب کا بنایا گیا، اور ایک مولوی مظہر علی عظیم آبادی نے بنایا، اور ایک کوٹھا بستی کے باہر مشرق کی جانب بارُود رکھنے کی خاطر بنایا گیا۔ یہ تمام مکانات غازیوں نے اپنے ہاتھوں سے اُٹھائے اور ان سب کے پاٹنے کے واسطے سردار فتح خاں کی معرفت ایک ایک روپے کی تیّس تیّس چیڑ کی بہت عُمدہ کڑیاں منگائی گئیں۔

قصاص کا ایک مُقدمہ لشکرِ مُجاہدین میں غازی پور کے رہنے والے لاہوری نام ایک شخص تھے، جو قاضی مدنی بنگالی کے گھوڑے کی خدمت کرتے تھے۔ شکل وصُورت میں اگرچہ کم رُو اور حقیر تھے، مگر صلاحیت اور خوش اخلاقی میں بے نظیر تھے۔ ایک شخص عنایت اللہ نام منڈیاہو کے رہنے والے جماعتِ خاص میں تھے۔ سیّد صاحبؒ کے پلنگ کے قریب رہا کرتے تھے۔ آپ کے پُرانے رفیقوں میں تھے۔ آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کو بھی گئے تھے اور آپ اُن سے بہت محبت فرماتے تھے۔ یہ عنایت اللہ ایک روز لاہوری کے ڈیرے پر گئے۔ لاہوری اس وقت ڈیرے پر نہیں تھے۔ گھوڑے کے دانے بھگونے کا ایک طاش وہاں رکھا تھا۔ عنایت اللہ وُہ طاش آٹا گوندھنے کے لیے اپنے ڈیرے پر اُٹھا لائے۔ لاہوری اپنے ڈیرے پر آئے اور دانہ بھگونے کو طاش تلاش کیا، تو نہ پایا۔ لوگوں سے پُوچھا۔ کسی نے کہا: تمھارا طاش عنایت اللہ لے گئے ہیں۔ وُہ عنایت اللہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہمارا طاش بلا پُوچھے اُٹھا لائے، ہم کو

دانہ بھگونا ہے ہمارا طاش ہم کو دو۔ اُس وقت خُشک آٹا گوندھنے کے واسطے طاش میں نکال رکھا تھا۔ عنایت اللہ کے مزاج میں ذرا تُندی تھی۔ لاہوری سے کہنے لگے کہ تمہارا طاش کیسا، طاش سرکاری ہے۔ ہم اپنا کام کرکے دے دیں گے۔

لاہوری نے کہا کہ طاش بیشک سرکاری ہے، مگر قاضی مدنی کی تحویل میں ہے اور اُنھوں نے ہمارے سپرد کیا ہے اور تم ہماری اجازت کے بغیر لائے ہو۔ اس پر اُلٹے گرم ہوتے ہو! ہمارا حرج ہوتا ہے۔ ہم تو اپنا طاش لے جائیں گے۔ عنایت اللہ نے کہا کہ بھلا، دیکھیں، تم کیونکر لے جاؤ گے۔ لاہوری نے طاش کا آٹا عنایت اللہ کے کپڑے پر رکھ دیا اور طاش لے کر اپنے ڈیرے پر چلے۔ عنایت اللہ نے اُٹھ کر دو گھونسے لاہوری کے پہلو میں مارے اور طاش چھین لیا۔ لاہوری بیتاب ہو کر گر پڑے اور نالہ و فریاد کرنے لگے۔ لوگوں نے اُن کو اُٹھایا اور پانی پلایا۔

یہ قصہ سیّد صاحبؒ کے خاص بُرج کے نیچے ہُوا۔ کسی نے آپ کو اطلاع کی کہ لاہوری کو عنایت اللہ نے مارا۔ یہ بات سُن کر آپ بُرج کی چھت سے سیڑھی پر آئے اور لاہوری اور عنایت اللہ کو بُلایا اور حال پوچھا۔ لاہوری نے پُورا ماجرا سُنایا۔ آپ نے عنایت اللہ سے پُوچھا کہ یہ قصّہ یُوں ہی پیش آیا یا اس میں کچھ فرق ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ واقعہ یوں ہی ہے۔ یہ سُن کر آپ کمال ناخوش اور خفا ہُوئے اور عنایت اللہ سے کہا کہ تم اپنے دل میں یوں جانتے ہو گے کہ ہم سیّد صاحبؒ کے پُرانے رفیق اور اُن کے پلنگ کے پاس رہتے ہیں۔ تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں اور کام ایسے نکمّے کرتے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ لاہوری قاضی مدنی کا سائیس اور کم رُو و حقیر ہے۔ یہی جان کر تم نے اُس کو مارا۔ یہ تم نے بڑی زیادتی اور حرکت بیجا کی۔ ہمارے نزدیک تُم اور لاہوری بلکہ سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔ سب لوگ یہاں خُدا کے واسطے آئے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حافظ صابر تھانوی اور شرف الدّین بنگالی سے فرمایا کہ ان دونوں کو قاضی حبّان صاحب کے پاس لے جاؤ۔ عنایت اللہ کی زیادتی ہے۔ اُن سے کہنا کہ اِس معاملے میں کسی کی رُو رعایت نہ کریں۔ شرع شریف کے موافق فیصلہ کر دیں۔

جب آپ نے سب کے سامنے یُوں فرمایا، تو پھلت والے لوگ، جن کی جماعت میں عنایت اللہ تھے، آپس میں کہنے لگے کہ اب لاہوری کو کسی طرح راضی کرنا چاہیے۔ اگر وُہ راضی ہو کر معاف کر دے، تو بہتر ہے، یہ بلا ٹل جائے گی، ورنہ عنایت اللہ پر ضرور تعزیر آئے گی۔ انھیں میں سے دو تین شخصوں نے لاہوری کو سمجھایا کہ بھائی صاحب، اب تو عنایت اللہ کی یہ زیادتی تم پر ہُوئی اور انھوں نے بہت بُرا کیا، مگر وُہ تمھارا بھائی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اُس کا قصور معاف کر دو اور خوشامد کے طور پر کچھ دینے پر راضی ہو گئے۔ مگر لاہوری نے کسی طرح نہ مانا اور کہا کہ بھائیو! اب تو جو کچھ سید صاحبؒ نے فرمایا، میں اُسی پر راضی ہوں۔ وہاں چل کر جیسا کچھ ہوگا ہو رہے گا۔ یہاں اس مُعاملے میں مجھ سے نہ بولو۔ وُہ مجبُور ہو کر چُپ ہو رہے اور حافظ صابر و شرف الدین ان دونوں کو قاضی حبّان کے پاس لے گئے۔

قاضی صاحب بستی کی مسجد میں تھے۔ اُس وقت گھڑی ڈیڑھ گھڑی دن باقی ہوگا۔ قاضی صاحب نے پُوچھا کہ بھائیو، اس وقت سب مِل کر کہاں آئے ہو؟ حافظ صابر و شرف الدین نے ان دونوں کا حال بیان کیا کہ اس طور سے لڑائی ہُوئی ہے اور جو سید صاحبؒ نے اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا، وُہ بھی عرض کر دیا۔ قاضی صاحب نے لاہوری سے معاملہ پوچھا۔ اُنھوں نے شروع سے جو کچھ گزرا تھا، بیان کیا۔ پھر عنایت اللہ سے پُوچھا۔ اُنھوں نے ویسا ہی کہا جیسا کہ لاہوری نے کہا تھا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اب تو اس وقت شام ہو گئی ہے، اس وقت جاؤ۔ کل نمازِ اشراق کے بعد آنا، ہم تُمھارا فیصلہ کر دیں گے۔ وہ اپنے اپنے ڈیرے پر آ گئے۔

نمازِ مغرب کے بعد شیخ عبدالرحمٰن رسالئے بریلی والے قاضی صاحب کے پاس گئے۔ وہ اُن کے بڑے دوست تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ قاضی صاحب، کوئی تدبیر آپ ایسی کریں کہ لاہوری راضی ہو جائے اور عنایت اللہ ذلت سے بچ جائے۔ اس امر میں زیادتی ضرور عنایت اللہ کی ہے اور جو لاہوری کسی طرح نہ مانے، تو پھر مجبُوری ہے، پھر جو حکم شرع شریف کا ہو، وہ آپ جاری کر دیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ شیخ صاحب، آپ بہت اچھا فرماتے ہیں، ہم اوّل لاہوری کو سمجھائیں گے، حتی الامکان اس میں کمی نہ کریں گے۔ اگر اس نے مان لیا، تو بہتر ہے، نہیں تو حکم خدا و رسُولؐ کے موافق انصاف کیا جائے گا۔

اگلے روز دو تین گھڑی دن چڑھے حافظ صابر اور شرف الدین، لاہوری اور عنایت اللہ کو لے کر قاضی صاحب کے پاس گئے۔ اُنھوں نے عنایت اللہ اور لاہوری کو سامنے بٹھایا اور پہلے عنایت اللہ کی طرف مُخاطب ہو کر خُوب ملامت کی کہ تم نے بہت بُرا کیا اور تم سزا کے قابل ہو۔ پھر لاہوری کی طرف مُتوجّہ ہو کر فرمایا کہ بھائی صاحب، تم بہت نیک بخت اور بے شر آدمی ہو اور تم سب صاحب ہندوستان سے اپنا اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے اور دُنیا کا کارخانہ تو چند روز کے واسطے خواب و خیال کی طرح ہے۔ سو بات یہ ہے کہ عنایت اللہ تمھارا بھائی ہے اور اس سے شامتِ نفس کے سبب یہ قصور ہو گیا جو اُس نے تم کو مارا۔ اگر اس کا قصُور معاف کر دو اور دونوں مل جاؤ، تو بہت خوب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر پاؤ گے اور جو تم اس کا عوض لو گے، تو برابر ہو جاؤ گے۔ جو معاف کرنے میں ثواب ہے، وُہ نہ ملے گا۔ معاف کرنا بھی خدا و رسُولؐ کا حکم ہے اور عوض لینا بھی، مگر معاف کرنے میں ثواب، اور عوض لینے میں اپنے نفس کی خوشی ہے۔

یہ بات سُن کر لاہوری نے کہا: قاضی صاحب، اگر ہم عنایت اللہ کو مُعاف کر دیں، تو ثواب پاویں گے اور جو اپنا عوض لے لیں، تو برابر ہو جاویں گے۔ بھلا کسی طرح کا گناہ تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: کچھ گناہ نہیں ہے، دونوں حکم خُدا اور رسُولؐ کے ہیں۔ جو چاہو، منظُور کرو۔ لاہوری نے کہا: مَیں تو اپنا حق چاہتا ہُوں۔ قاضی صاحب نے کچھ دیر سکوت کر کے فرمایا کہ بھائی لاہوری حق تو تمھارا یہی ہے کہ تم بھی عنایت اللہ کے اسی جگہ دو گھونسے مار لو، اور عنایت اللہ کو لاہوری کے سامنے کھڑا کر دیا کہ اپنا عوض لے لو۔ لاہوری نے کہا کہ حق ہمارا یہی ہے کہ ہم بھی اُسی جگہ دو گھونسے ماریں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ہاں، بیشک یہی بات ہے۔

اس وقت جو لوگ موجود تھے، سب کی اُمید منقطع ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ لاہوری بے عوض لیے نہ چھوڑے گا۔ لاہوری نے کہا: بھائیو، جو سب حاضر ہو، گواہ رہو کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا اور ہم لے سکتے ہیں، مگر ہم نے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے چھوڑ دیا، اور عنایت اللہ کو اپنی چھاتی سے لگا لیا اور مصافحہ کیا۔ تمام لوگ، جو وہاں تھے، لاہوری کو آفرین کرنے لگے اور شاباشی دینے

لگے کہ تم نے بڑے مردوں اور دینداروں کا کام کیا۔

یہ خبر سید صاحبؒ کو ہوئی، تو آپ نے لاہوری کو بُلایا اور اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ تم نے یہ کام بڑے دیندار مردوں کا کیا کہ اپنے بھائی کا قصور معاف کر دیا اور عوض نہ لیا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ تم کو آخرت میں دے گا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو یہی توفیقِ نیک عطا کرے۔ اور لاہوری کے لیے آپ نے دُعا کی۔

○

سترھواں باب

پائندہ خاں کی ملاقات، قلعۂ ہنڈ کا تخلیہ

تربیلا کی دعوت پائندہ خاں تنولی حاکم امب کے دو معزز مصاحب ایک سید حسن شاہ اور دوسرے شاہا جمعدار کبھی کبھی سید صاحبؒ کے پاس بطور وکالت آتے تھے اور پائندہ خاں کی خوبی اور اخلاص مندی بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ آپ کا خیر خواہ، فرماں بردار اور مخلص جاں نثار ہے۔ اسی عرصے میں گنگر کے محمد زماں خاں کا (جو سید صاحبؒ کے بڑے مخلص اور معتقد تھے) خط آیا کہ ہماری تمام بستیوں کی قوم مشوانی سب اس بات پر متفق اور ایک دل ہیں کہ تربیلا ان دنوں سکھوں کی فوج سے خالی ہے۔ اگر آپ کچھ مجاہدین کے ساتھ کھبل تشریف لائیں، تو ہم اسی روز حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں۔ وہاں کے سب کے سب مسلمان بھی ہمارے شریک ہیں۔ آپ نے لکھا کہ انشاءاللہ ہم اسی ہفتے کھبل آئیں گے۔

چوتھے یا پانچویں روز آپ نے چلنے کی تیاری کی۔ عبدالحمید خاں رسالدار سے فرمایا کہ ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا اور چاروں جماعتوں میں سے تین سو پیادوں کو اپنے ساتھ لیا۔ خاص جماعت کے تمام لوگ، کچھ لوگ شیخ ولی محمد کی جماعت سے کچھ لوگ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت سے اور کچھ قندھاریوں کی جماعت سے، اور آٹھ ضرب شاہین اپنے ساتھ لیں۔ باقی لوگ، جو پنجتار میں رہے، اُن پر مولوی احمد اللہ ناگپوری کو امیر کر کے آپ نے کوچ فرمایا۔ چند مقامات ٹھیرتے ہُوئے

ایک روز صبح کو کھبّل میں داخل ہوئے۔ شب کو پچھلے پہر محمد زماں خاں تربیلے پر چھاپا مارنے گئے۔ سکندرپور سے آنے کے راستے پر دو سَو آدمی بندوبست کے لیے بھیج دیے کہ ادھر سے سکھوں کی کمک نہ آنے پائے۔ یہ لوگ گھاٹی کی حفاظت میں رہے اور اُنھوں نے تربیلے پر جا کر قبضہ کر لیا۔

ہری سنگھ کی مزاحمت و مقابلہ ہری سنگھ پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ چار کوس پر پڑا تھا۔ اس کو خبر پہنچی کہ محمد زماں خاں نے تربیلے پر قبضہ کر لیا۔ وہ فوراً یہ خبر سنتے ہی اپنی فوج لے کر دوڑا۔ جب گھاٹی کے قریب آیا، تو گھاٹی والوں نے روکا۔ جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں۔ چار گھڑی کامل اُنھوں نے روکا، مگر وُہ پانچ چھ ہزار، یہ دو سَو آدمی جب اُن کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے، تو گھاٹی چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور وُہ گھاٹی میں آ گھُسے۔

یہ خبر محمد زماں خاں کو پہنچی کہ ہری سنگھ پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ گھاٹی میں گھُس آیا اور ہمارے لوگ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ یہ خبر سُن کر وُہ بھی اپنے لوگوں کے ساتھ تربیلا خالی کر کے گنگر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اب گڑھی کے مورچے قائم تھے۔ جب مورچوں میں ان قندھاریوں اور مُلکیوں کو یہ خبر پہنچی کہ ہری سنگھ اس قدر فوج کے ساتھ آ پہنچا اور محمد زماں خاں تربیلا خالی کر کے پہاڑ پر چڑھ گئے، تب مُلکی لوگ تو مورچے چھوڑ کر محمد زماں خاں کی طرف چلے گئے اور قندھاری کھبّل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کھبّل سے تربیلا تک ایک کوس کا فاصلہ ہے۔ کھبّل سے غازی دیکھ رہے تھے۔ قندھاری تربیلا سے نکل کر آدھ کوس آئے ہوں گے کہ ہری سنگھ کے سوار تربیلا میں داخل ہوئے اور قندھاریوں کو دیکھا کہ کھبّل کی طرف جاتے ہیں۔ یکبارگی اُنھوں نے اُن کے پیچھے گھوڑے ڈالے اور بندوقیں مارتے ہوئے دوڑے۔ لوگوں نے سید صاحبؒ کو اطلاع کی کہ ہمارے قندھاریوں کے پیچھے سکھوں کے سوار بندوقیں مارتے چلے آتے ہیں۔ آپ نے شیخ عبداللہ جمعدار اور شیخ وزیر کو بلا کر فرمایا کہ تم بھی ادھر سے شاہین مارو۔ کھبّل کے لوگ بھی اپنی اپنی چلے دار بندوقیں لے کر تیار ہوئے۔ اس عرصے میں قندھاریوں نے آ کر دریائے سندھ کا کنارا پکڑا اور جا بجا مورچے لگا کر بیٹھ گئے۔ کھبّل سے شاہینیں اور بندوقیں چلنے لگیں۔ سکھوں کے سوار بھی بے دھڑک بندوقیں سر کرتے چلے آتے تھے۔ جب اور قریب آئے، تو قندھاریوں نے اُٹھ کر ایک

باڑھ ماری۔ وُہ سوار وہیں رُکے، آگے نہ بڑھ سکے۔ دو گھڑی تک جانبین سے خوب بندوقیں چلیں۔ آخر سوار قندھاریوں سے مایوس ہو کر تربیلا روانہ ہو گئے۔

اِدھر کھبّل سے شاہینیں اور بندوقیں چلتی رہیں۔ آپ نے پیر خاں جمعدار سے فرمایا کہ کشتی لے جا کر قندھاریوں کو اُس پار سے اُتار لاؤ۔ خاں صاحب آدمیوں کے ساتھ گئے اور سب کو ناؤ پر اُتار لائے۔ اسی روز سکھوں نے تربیلا سے نکل کر سَرَن ندی کے کنارے ڈیرہ کیا۔ جب مُجاہدین نمازِ ظُہر پڑھ کر فارغ ہُوئے، تو کوئی تین چار سَو سکھ سوار اپنے لشکر سے نکل کر کھبّل کے پاس آئے۔ سیّد صاحبؒ نے شیخ عبداللہ جمعدار اور شیخ وزیر سے فرمایا کہ تم بھی شاہینیں پہاڑ کی ٹیکری پہ جا کر لگاؤ۔ اگر سکھوں کے سوار نزدیک شاہینوں کی زد پر آئیں، تو مارنا اور جو وہیں سے لَوٹ جائیں، اِدھر نہ آئیں، تو کچھ تعرُّض نہ کرنا۔ مگر وہ چلے ہی آتے تھے۔ اُنھوں نے جلد جا کر ٹیکری پر شاہینیں لگا دیں اور اُن کو مارنے لگے۔ اس میں دو یا تین سوار اُن کی شاہین کے گولے سے گرے۔ وُہ پراگندہ ہو کر بھاگ کھڑے ہُوئے اور اپنے لشکر میں جا ملے۔ رات بھر سب مجاہدین دستور کے موافق اپنی چوکی پہرے سے ہوشیار رہے۔

رات کو سکھوں کے کوئی دو سَو آدمی آ کر دریائے سندھ کے کنارے چھپ کر بیٹھ رہے۔ مُجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ جب وہ سویرے دریا پہ وضُو کرنے لگے، تو سکھوں نے لوگوں کی آواز سُن کر بندُوقوں کی ایک باڑھ ماری، مگر خدا نے خیر کی، کسی کے گولی نہ لگی۔ مُجاہدین بھی بندُوقیں مارنے لگے اور کوئی تین گھڑی دِن چڑھے تک شاہینیں اور بندُوقیں چلائیں۔ جب سکھوں نے اِدھر کا بہت زور دیکھا، تو وہ بھاگ کر اپنے لشکر میں چلے گئے۔

سیّد اکبر شاہ کی مُلاقات اسی روز ستھانے سے سیّد اکبر شاہ بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ اُن کے بھائی سیّد صغر شاہ مُنڈی والے، سیّد نُور جمال اور سیّد کامل شاہ سیّد صاحبؒ کی ملاقات کو تشریف لائے۔ اُس وقت تک سیّد اکبر شاہ کی سیّد صاحبؒ سے مُلاقات نہیں ہُوئی تھی، فقط خطُوط اور لوگوں کی زبانی سلام پیام آتا تھا۔ سیّد صاحبؒ کو غائبانہ اُن کی خُوبیاں سُن کر اُن سے مُلاقات کا بڑا شوق تھا۔

جب مُلاقات ہُوئی، تو وُہ بھی بہت خوش ہُوئے اور سیّد صاحبؒ بھی مسرُور ہُوئے۔[1]

سیّد اکبر شاہ نے عرض کیا کہ مَیں اُمیدوار ہُوں کہ اُدھر سے آپ میرے غریب خانے پر تشریف لے چلیں۔ مَیں اِسی ارادے سے یہاں آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سیّد بھائی، انشاء اللہ تعالیٰ کل ہم یہاں سے کُوچ کر کے تمھارے ہی مکان پر چلیں گے۔

اِس سے پائندہ خاں کے بھیجے ہُوئے سیّد حسن شاہ اور شاما جمعدار آئے ہُوئے تھے اور خانِ ممدوح کے اشتیاقِ مُلاقات کا پیام لائے تھے۔ آپ نے اُن کو اطمینان دلایا تھا کہ انشاءاللہ تعالیٰ تمھارے خان سے ضرور ملاقات کریں گے اور اُن کو اپنے پاس ٹھیرایا تھا۔ آپ نے اُن سے کہا کہ ہم سیّد اکبر کے ساتھ آگر ستھانہ میں ٹھیریں گے، تم جا کر اپنے خان سے ہمارے ستھانے جانے کی خبر کر دو۔ جو کچھ وہ تم سے کہیں، ہم سے ستھانے میں آ کر کہنا۔

سیّد صاحبؒ ستھانے میں سیّد صاحبؒ نے سب لشکر کھبّل میں چھوڑا اور ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ ستھانے کو (جو کھبّل سے پانچ کوس ہے) سیّد اکبر شاہ کی معیّت میں تشریف لے گئے اور اُن

---

[1] سیّد اکبر شاہ ابن سیّد گل ابن سیّد ضیاء من شاہ، سیّد علی ترمذی عرف شہ نیر کی اولاد میں سے تھے۔ پکھلی اور ہزارے کا بڑا حصّہ اِن کے خاندان کا معتقد اور مخلص تھا۔ اور اُن کی قرابتیں ہزارے کے سادات اور وہاں کے خوانین و رُؤساء نامدار میں تھیں۔ یہ خاندان سخاوت، شجاعت، اخلاص و للّٰہیت اور استقامت و استقلال میں سارے علاقے میں ممتاز تھا۔ سیّد صاحبؒ اور اُن کی دعوت و تحریک کے ساتھ اِس خاندان نے اخیر تک وفاداری اور وارفتگی اور ایثار و قربانی کا ایسا ثبوت دیا، جس کی نظیر صوبۂ سرحد کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ "منظورۃ السعداء" میں ہے:

"اخلاقِ کریمۂ ایں سادات، خصوصاً سیّد اکبر شاہ بیرون از بیان است۔ اخلاص و وفا از ابتدا تا انتہا یکساں نمودند۔"

وقائع میں ہے:

> "سیّد اکبر شاہ کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کا بیان کہاں تک کروں؛ جس نے اُن کو دیکھا ہے اور اُن کی صحبت اٹھائی ہے، وہ ہی خوب واقف ہے کہ ایسا خوش خلق، خندہ رُو، کشادہ پیشانی، حلیم الطبع، سلیم المزاج، سخی اور شجاع، صاحبِ تدبیر، صاف دل، راست گفتار اور حضرت علیہ الرحمۃ کا مخلص بے ریا، اور محبِّ باوفا اور مُعتقدِ صادق کوئی رئیس اس ولایت میں نہ تھا۔"

سیّد صاحبؒ کی شہادت اور بالاکوٹ کے معرکے کے بعد پھر ستھانہ مجاہدین کی پناہ گاہ اور سارے ہندوستان میں جہاد و دعوت کا صدر مقام تھا اور یہی سادات ستھانہ اِن عالی حوصلہ مجاہدین اور غریب الوطن مہاجرین کے اعوان و انصار تھے، رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الخ

کے مکان پر اُترے۔ سید موصوف چھ بھائی تھے: سید اعظم، سید اکبر، سید عمر، سید عمران، سید اصغر، سید مدار۔ اُن سب کی والدہ بھی زندہ تھیں۔ اُن سب نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور منڈی والے سید نور جمال اور سید کامل شاہ نے بھی بیعت کی۔

پائندہ خاں کی ملاقات کا مشورہ اور سید اکبر شاہ کی رائے

عشاء کی نماز کے بعد سید صاحبؒ نے سید اکبر صاحب سے پائندہ خاں کی ملاقات کے متعلق مشورہ لیا اور اُس کے اشتیاق و پیغامات کا ذکر کیا۔ اس وقت مجلس میں صرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور منشی خواجہ محمد تھے۔ سید اکبر شاہ نے تواضع اور معذرت کے بعد جواب دیا کہ آپ نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھ سے مشورہ طلب فرماتے ہیں، تو جو کچھ میری رائے ناقص میں ہے، عرض کرتا ہوں کہ اس قوم تنولی کے لوگ اکثر بڑے غدار اور مکار ہیں۔ یہاں کی ضرب المثل ہے "تنَولی بے قولی"۔ ہمارا پائندہ خاں سے اکثر معاملہ پڑتا ہے۔ اُس نے کسی کے ساتھ سوائے بدعہدی کے کبھی وفاداری نہیں کی اور یہ ملاقات کسی طرح بھی مکر و فریب سے خالی نہیں۔ آپ لوگ اللہ والے صاف دل، پاک طبیعت اور اس ملک میں نووارد ہیں۔ آپ کو یہاں کے حالات کا علم نہیں۔ ہم یہاں کے راز دار ہیں، لیکن بہرحال آپ کے خُرد ہیں۔ سید نادر شاہ اور سید مردان منڈی والے ہمارے عزیزوں میں بڑے سال خُوردہ اور جہاں دیدہ شخص ہیں۔ سید نادر شاہ پائندہ خاں کے بڑے مشیر و مصاحب ہیں۔ وہ پائندہ خاں کے والد نواب خاں کے مصاحب تھے۔ یہاں سے پاؤ کوس اُن کا مکان ہے۔ اگر ارشاد ہو، تو سواری بھیج کر اُن کو یہاں بُلا لیں۔

سید صاحبؒ نے فرمایا کہ سید بھائی، تم نے معقول دانائی و خیر خواہی کی باتیں کی ہیں اور یہ مشورہ بھی معقول ہے۔ مگر وہ بڑے ضعیف آدمی ہیں، اُن کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم خود اُن کے مکان پر چل کر ملاقات کریں اور جو باتیں کرنی ہوں، وہیں کر لیں۔ سید اکبر نے عرض کیا کہ آپ کیوں زحمت فرمائیں؟ وہ خود یہیں حاضر ہوں گے۔ انھوں نے اپنا آدمی بھیجا۔ وہ گھوڑا لے گیا اور اُن دونوں صاحبوں کو سوار کر کے لے آیا۔ سید صاحبؒ نے اُٹھ کر اُن سے معانقہ اور مصافحہ کیا اور عافیت مزاج پوچھی اور اپنے پاس بٹھایا۔ وہ آپ کی خوش اخلاقی اور ملاقات سے بہت خوش ہوئے۔

سید نادر شاہ کی گفتگو پھر آپ نے پائندہ خاں کی ملاقات کے متعلق اُن سے دریافت کیا۔ سید نادر شاہ نے پائندہ خاں کے والد نواب خاں کی بدعہدی، گرفتاری اور قتل کا پورا واقعہ سنایا اور کہا: اُس نے پائندہ خاں سے بھی وصیت کی کہ کیسا ہی کوئی رئیس، سردار اور حاکم ہو اور تجھ کو بلانا چاہے، تو اُس سے بے کھٹکے اور صاف دل سے نہ ملنا اور اُس کی باتوں کے فریب میں نہ آنا، نہیں تو پچھتائیگا۔ چنانچہ پائندہ خاں آج تک کسی سردار رئیس سے صاف دل ہو کر نہیں ملتا اور اس کے دل کا چور نہیں نکلتا۔ اُس کا عُروج ہُوا، تو پہلے اُس کے ساتھ بے وفائی کی جنھوں نے اس کا ساتھ دیا اور جس نے اُس کی رفاقت اور خیر خواہی کی، اُسی کو اُس نے دغا دی۔ مَیں اُس کی مجلس میں رہتا ہُوں۔ مَیں نے خود اُس کی زبان سے سُنا ہے کہ مجھ کو اپنے والد نواب خاں کی وصیت اور فہمائش یاد ہے اور کسی حاکم و رئیس کی طرف سے میرا دل مطمئن اور صاف نہیں اور جو آپ کو اُس نے سید حسن شاہ کی زبانی پیام بھیجا ہے، تو وہ رافضی مذہب ہے۔ خدا جانے، اُس نے کیا پیام بھیجا ہے اور اُس نے آپ کے پاس کیا پہنچایا ہے۔ میرے نزدیک اُس کی یہ بات بھی مکر و فریب سے خالی نہ ہوگی۔ اگر اُس کو آپ سے ملاقات ہی کرنی ہے، تو یہاں سے آدھ کوس پر گڑھی ہے، وہاں اُس کو بلا کر ملاقات کر لیجیے۔ اگر اُس کی طبیعت میں مکر و فریب نہ ہُوا، تو بے دغدغہ چلا آئے گا اور اگر آپ کی طرف سے اُس کو اندیشہ ہوگا، تو نہیں آئے گا۔

سید صاحبؒ کا ارشاد آپ نے یہ سُن کر جواب دیا: جَزَاکَ اللہ! سید بھائی، تم نے اس معاملے کا نشیب و فراز خُوب بیان کیا عقل کی رُو سے بجا ہے۔ جتنے سردار اور رئیس جاہ طلب دُنیادار ہیں، اُن سب کا یہی برتاؤ ہے کہ اُن کو اوّل بڑا خطرہ اپنی جان کا ہوتا ہے، دُوسرے زوالِ ریاست کا، اور ہمارا تو تمام معاملہ دین کا ہو، خواہ دُنیا کا، اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر موقوف ہے۔ اُس کی رضامندی کے کام میں جان و مال صرف کرنا ہم سعادتِ ابدی جانتے ہیں۔ جو کوئی ہم سے دغا اور فریب کرے گا، اُس سے نہ ہمارا دین بگڑ سکے گا نہ ایمان، اس کا عوض وُہ اپنے اللہ تعالیٰ سے پائے گا۔ پھر ہم کو کس بات کا خطرہ؟ اور ہم جو پائندہ خاں سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں، تو صرف اس نیت سے کہ وُہ بھی ہمارا

مُسلمان بھائی ہے اور نامی رئیس اور مردانہ آدمی ہے۔ اگر ہم سے موافق ہو جائے، تو اُس کی عملداری میں سے ہو کر ہمارے لیے کشمیر کا رستہ صاف ہو جائے، ہمارے لوگ بے اندیشہ آنے جانے لگیں، کچھ کام اللہ تعالیٰ کا نکلے۔ اپنا تو یہی مُدّعا ہے اور جو ہم سے مکر و فریب کرے گا، تو اُس کا بدلہ خُدا سے پائے گا۔ اور ہم تو اپنا حامی و مددگار فقط اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ اور سیّد بھائی، تم جو کہتے ہو کہ اُس کو یہاں گڑھی پر بُلا کر ملاقات کرو، اگر اس کا ہم پیام بھیجیں، تو وُہ اَور بھی بھڑک جائے گا اور سمجھے گا کہ مبادا کچھ مجھ سے دغا فریب کریں۔ سو اس امر کو ہم نے اُس کی رائے پر موقوف رکھا، جہاں وہ بُلائے گا، ہم وہیں جائیں گے اور جو یہ کہتے ہو کہ سیّد حسن شاہ رافضی ہے، اُس کی بات کا کیا اعتبار، تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت کرے اور وُہ سُنّی ہو جائے۔

آپ کی یہ تقریر سُن کر سیّد نادر شاہ نے کہا کہ حضرت، اگر آپ کی خالصاً لِلّٰہ یہی نیّت ہے، تو ہر طور آپ کو فائدہ نُقصان کسی طرح کا مُتصوّر نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سیّد بھائی، اب جنابِ الٰہی میں دُعا کرو، وُہ سب معاملہ درست کر دے گا۔ سب نے مل کر دُعا کی۔

پائندہ خاں کی درخواستِ ملاقات اگلے روز دن چڑھے سیّد حسن شاہ اور شاما جمعدار آئے اور پائندہ خاں کا پیام لائے کہ خانِ موصوف امب سے عشرہ میں آیا ہے اور سلام کے بعد عرض کیا ہے کہ آپ عشرہ کے میدان میں نالے پر بڑ کے درخت کے نیچے تشریف لائیں، مگر تھوڑے لوگوں کے ساتھ آئیں، تو میں آپ کی قدم بوسی سے شرف یاب ہوں۔ سیّد صاحبؒ یہ پیام سُن کر بہت خوش ہوئے اور اُن دونوں کو کھانا کھلایا اور فرمایا کہ تم آگے چل کر اپنے خان کو خبر کرو، ہم ظُہر کی نماز پڑھ کر آئیں گے۔ یہ سُن کر وُہ رُخصت ہوئے۔ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ پائندہ خاں کے دل میں خوف زیادہ ہے، اس خیال سے اُس نے کہلا بھیجا ہے کہ آپ کے ہمراہ تھوڑے آدمی آئیں اور لوگ اس کے عادی ہیں کہ جہاں مَیں جاتا ہوں، سب کے سب چلنے پر مُستعد ہو جاتے ہیں۔ سو آج میرے ہمراہ کوئی پچیس تیس آدمی چلیں، مجھ کو تو اس سے راہ پیدا کرنا اور اُس کو مِلانا منظور ہے۔

مولانا نے عرض کیا: جیسا آپ مناسب سمجھیں، بہتر ہے؛ مگر میرے نزدیک اچھا یہ ہے کہ

یہاں سے جو لوگ ساتھ چلیں، آپ مانع نہ ہوں جب آپ پہاڑ کی کھڑی[1] کے پار ہوں، وہاں سب کو ٹھیرا دیں۔ پھر انھیں میں سے جتنے منظور ہوں اپنے ہمراہ لے جائیں آپ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ یہ بہتر ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا انتظام اور پیش بندی

مولانا اپنے ڈیرے پر گئے اور معتبر لوگوں سے کہہ دیا کہ آج ظہر کے بعد سید صاحبؒ پائندہ خاں کی ملاقات کو چلیں گے، سب بھائیوں سے خبر کر دینا کہ سب چلیں اور اطلاع کے طور پر اُن سے کہا کہ جو گفتگو سید اکبر صاحب اور سید نادر شاہ صاحب نے کی ہے، وہ میرے دل میں نقش ہو گئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ پائندہ خاں فریبی اور مکار ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ دغا کرے۔ اس لیے اور بھی کہتا ہوں کہ سب لوگ چلیں۔

ظہر پڑھ کر سید صاحبؒ نے چلنے کی تیاری کی اور رسالدار عبدالحمید خاں کو کہلا بھیجا کہ اپنا سمند گھوڑا تیار کر کے ہمارے پاس بھجوا دو اور تم یہیں ستھانے میں رہو۔ رسالدار موصوف نے اُسی وقت گھوڑا کسوا کر بھیج دیا۔ آپ نے کمر باندھی، تلوار طمنچہ لگایا، سوار ہوئے اور برچھا ہاتھ میں لیا۔ سب مجاہدین آپ کے ہمرکاب ہوئے۔

آپ جب پہاڑی کی کھڑی کے پار ہوئے، سید حسن شاہ اور رشا ما جمعدار آ کر ملے اور عرض کیا کہ آپ تو بہت لوگ ساتھ لائے۔ آپ نے فرمایا: آنے میں کیا مضائقہ ہے؟ سب یہاں ٹھیر جائیں گے۔ یہاں سے جتنے آدمی کہو گے، اتنے چلیں گے۔ انھوں نے کہا کہ دس بارہ آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلیے۔

اُس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے شیخ علی محمد دیوبندی، ابراہیم خاں، اُن کے بھائی امان خاں اور محمد خاں کے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ جب سید صاحبؒ یہاں سے آگے روانہ ہوں، تو تم بیس پچیس مجاہدین کو لے کر دریائے سندھ کے کراڑے کی آڑ میں ہو کر چلے جانا[2] اور جہاں سید صاحبؒ سے ملنے کی جگہ مقرر ہوئی ہے، اُسی کے نزدیک کراڑے کے نیچے چھپ کر بیٹھے رہنا۔ اگر وہاں کچھ غل

---

[1] ستھانہ اور عشرہ کے درمیان ایک کھڑی (پہاڑی ایک کم بلند دیوار) ہے جو دریا کے کنارے تک پہنچی ہوئی تھی اور آنے جانے والے اُس کے اوپر سے گزرتے تھے۔ خانزادے امب نے اس کھڑی کو کٹوا دیا۔ آج کل راستہ کھلا ہے۔ (سید احمد شہیدؒ ج ۲۔ ص ۳۱۹)

[2] مہر صاحب لکھتے ہیں: اب ان مقامات پر دریا کے کنارے اونچی کوئی جگہ نہیں۔ ۱۹۲۹ء کی طغیانی میں دریائے سندھ کے ارد گرد کی زمین تیس تیس گز گہرائی میں کٹ گئی تھی۔ لہٰذا ان مقامات کے جن نقشوں کا ذکر متن میں ہے، اسے آج کل موقع پر تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ (سید احمد شہیدؒ، ص ۱۰۲/۲۵)

کی طرف سے کچھ فساد کی صورت دیکھنا، تو تم بھی سید صاحب کی مدد کو پہنچ جانا، ورنہ کسی پر اپنے کو ظاہر نہ کرنا۔

یہ تدبیر بتا کر آپ سید صاحبؒ کے پاس گئے اور سید صاحبؒ بارہ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ ادھر شیخ علی محمد اور ابراہیم خاں وغیرہ سید صاحبؒ کے پہنچنے سے پیشتر دریا کے کراڑے کی آڑ میں جا بیٹھے۔ جب سید صاحبؒ سے بڑ کا درخت، جو ملاقات کے لیے مقرر ہوا تھا، پچاس ساٹھ قدم رہ گیا، تو آپ نے دس بارہ آدمیوں کو وہاں ٹھیرا دیا اور فقط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور منشی خواجہ محمد صاحب کو ساتھ لے کر پیادہ پا چلے اور سید حسن شاہ اور شاما جمعدار سے فرمایا کہ تم آگے بڑھ کر اپنے خان کو بلا لاؤ۔

پائندہ خاں کی سازش کی ناکامی وہاں سے بندوق کی گولی کی زد پر پائندہ خاں تین چار سو سوار لیے کھڑا تھا اور جہاں ملاقات کی جگہ مقرر ہوئی تھی، وہاں سے گولی کی زد پر جانب مغرب دامن کوہ میں ایک جنگل تھا۔ پانچ سو پیادے اس کے اندر چھپا دیے اور ان سے کچھ اشارہ کر رکھا ہوگا کہ جب سید حسن شاہ، شاما جمعدار اس کے پاس گئے، تو وہ بھی سب سواروں کو وہاں چھوڑ کر اکیلا پیادہ پا سید حسن شاہ اور شاما جمعدار کے ساتھ بڑ کے درخت کے قریب ٹیلے پر پہنچا اور دو ہی آدمیوں کے ساتھ سید صاحبؒ وہاں پہنچے۔ دونوں میں سلام علیک اور مصافحہ ہوا۔ ٹیلے پر سید حسن شاہ نے اپنی پشاوری لنگی بچھا دی۔ اس پر سب بیٹھ گئے۔ پائندہ خاں زرہ پہنے تھا اور چار آئینہ اور خود لگائے ہوئے تھا۔ آنکھوں کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ ایک جوڑی پستول، ایک کشمیری شیر بچہ اور ایک تلوار باندھے تھا۔

ابھی سید صاحبؒ اور پائندہ خاں سے باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تین چار سو سواروں نے، جن کو پائندہ خاں نے کھڑا کرایا تھا، گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں۔ زمین پتھریلی تھی۔ ان کے ٹاپوں کی آواز اس طرح سنائی دیتی تھی، جیسے اولے پڑتے ہیں۔ جب تک وہ پائندہ خاں کے وہاں پہنچیں، تب تک دریا کے کنارے کے مجاہدین ایک دم سے چڑھ آئے اور قرابینیں اور چقماقیں چڑھا کر سید صاحبؒ

اور پائندہ خاں کے گرد کھڑے ہو گئے۔ اُن کے پیچھے وہ دس آدمی، جن کو سید صاحبؒ کہیں دُور چھوڑ آئے تھے، آن پہنچے۔ اُن سواروں نے آن کر سب کا محاصرہ کر لیا، مگر انھوں نے اپنے خان کو غازیوں کے قابو میں دیکھا اور سمجھ لیا کہ اگر ہم نے جُنبش کی، تو خان کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس خیال سے ایک سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

پائندہ خاں کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور مُردنی چھا گئی۔ سید صاحبؒ نے اُس کو ہوش باختہ دیکھ کر فرمایا: "خان بھائی، تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو۔ تم تو ہمارے بھائی ہو۔ ہم نے جو تم سے ملاقات کی ہے، وُہ محض خدا کے واسطے کی ہے کہ کشمیر کا راستہ تمھاری عملداری میں سے ہو کر گزرتا ہے اور دریائے سندھ کی کشتیاں بھی تمھارے قابو میں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہمارے آدمی اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے تمھاری عملداری میں آئیں، تو کوئی اُن سے مزاحم نہ ہو۔ اگر تم بھی للہ فی اللہ اس کارِ خیر میں شریک رہو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھارے واسطے دُنیا و آخرت کی خیر و فلاح کرے گا۔"

سید صاحبؒ کی شفقت پائندہ خاں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کشمکش سے رہائی پا کر اپنے مکان کو سلامت چلا جائے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت، آپ تو ہمارے پیر و مُرشد اور امام ہیں اور ہم آپ کے مُطیع و فرمانبردار ہیں۔ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب مجھ کو منظور ہے۔ آپ نے مُنشی خواجہ مُحمّد سے فرمایا کہ مُنشی جی، ہماری دستار لاؤ۔ اُنھوں نے رُومال میں لپٹی ہُوئی آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے اُس کا سرا کھول کر اپنے ہاتھ سے اُٹھایا اور فرمایا کہ خان بھائی، بسم اللہ کر کے اس کو باندھ لو۔ اُس نے رُومال کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لی اور عرض کیا کہ مکان پر جا کر باندھ لُوں گا۔ آپ نے فرمایا: ابھی باندھ لو۔ تین بار آپ نے یہی فرمایا اور تین بار اُس نے وُہی جواب دیا۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم اللہ کے واسطے ہم سے ملے ہو اور کارِ خیر میں شریک ہُوئے ہو اور تمھاری عملداری کی سرحد سکھوں کی سرحد سے ملی ہُوئی ہے۔ ہم تم کو ایک ضرب توپ، جو بہت بھاری ہے، اور ایک ہاتھی دیں گے، اور وُہ بھی خدا ہی کا مال ہے۔

توپ اور ہاتھی کا نام سُن کر پائندہ خاں بہت خُوش ہُوا اور کہا: آپ کی میرے حال پر پرورش د

عنایت ہے اور آپ سے رُخصت چاہی۔

ستھانے واپسی اُس وقت کوئی گھڑی دن باقی تھا۔ آپ نے بھی چلنے کی تیاری کی اور کہا کہ خان بھائی، ستھانہ دُور ہے، ہمارے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ اگر کہو، تو تمھارے عشرے میں رات بھر کے لیے اُتر لیں؟ پائندہ خاں کو اندیشہ ہُوا کہ مبادا وہاں جا کر اپنا قبضہ کر لیں۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ آپ ستھانے تشریف لے جائیں، میں وہیں آپ کے لیے دعوت بھیجوں گا۔ جنگل میں جو اُس نے کئی سَو پیادے چُھپا رکھے تھے، وُہ اُس وقت تک چُھپے رہے۔ جب سیّد صاحبؒ ستھانے کی طرف روانہ ہُوئے اور پائندہ خاں امب کی طرف، تو وُہ اس جنگل سے نکلے اور سواروں میں شریک ہو گئے۔

سیّد صاحبؒ ایک دِیندار عالم سے ملنے موضع چُنئی میں تشریف لے گئے[1] اور مولانا اسمٰعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر کھبّل روانہ ہُوئے۔

دُرّانیوں کا قلعۂ ہنڈ پر حملہ چُنئی میں ایک آدمی خبر لایا کہ سردار سُلطان مُحمّد خاں کو اُس کی ماں نے غیرت دلائی کہ تو بڑا بے غیرت ہے کہ تیرا بھائی یار مُحمّد خاں مارا گیا، تجھ سے اُس کا کچھ بھی تدارک نہ ہُوا! اس غیرت پر سردار سُلطان مُحمّد خاں نے اپنے بھائی پیر مُحمّد خاں اور سیّد مُحمّد خاں کو متفق کر کے ہُنڈ پر چڑھائی کی۔ ایک فرنگی کیول نام، جو اُس کا نوکر تھا، وُہ بھی ساتھ آیا۔ قلعۂ ہُنڈ میں پچاس ساٹھ مجاہدین تھے۔ اُنھوں نے مقابلہ کیا۔ جانبین سے خوب بندوقیں اور شاہینیں چلتی رہیں۔ دُرّانیوں نے قابُو نہ پایا کہ قلعہ خالی کرا لیں۔ اُن کے تردُّد کو دیکھ کر فرنگی مذکور نے سُلطان مُحمّد خاں سے کہا کہ ابھی تو پچاس ساٹھ آدمیوں سے مقابلہ ہے، اُن سے تم قلعہ نہیں لے سکتے، جب کسی طرف سے اُنھیں مدد آ جائے گی، تو اَور بھی دُشوار ہوگا۔ اگر تم مجھ سے پکّا عہد و پیمان کرو کہ قلعے کے خالی ہونے کے بعد ہم قلعہ والوں سے مزاحم نہ ہوں گے، تو مَیں اس کا کوئی راستہ نکالوں۔ خانِ ممدوح نے عہد کیا کہ ہم کو

---

[1] یہ عالم پہلے مانسہرے میں رہتے تھے۔ سکھوں کے عمل دخل کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے چُنئی میں آ گئے تھے۔ صاحبِ درس گوشہ نشین بزرگ تھے۔ اِن اطراف میں اُنھیں کا فتویٰ معتبر تھا۔ (وقائع)

قلعہ خالی کرانے سے کام ہے۔ اُن کی مزاحمت سے کیا غرض؟ تم سے جو تدبیر ہو سکے، کرو۔ کیول نے قلعہ والوں کو پیغام بھیجا اور سمجھایا کہ تم چند آدمی کیوں مُفت میں اپنی جانیں ہلاک کرتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ تم قلعہ خالی کر دو۔ ہم تمھاری جانیں بچا لیں گے۔ اُس کے عہد و پیمان پر اُن لوگوں نے قلعہ خالی کر دیا۔ سُلطان محمد خاں نے بدعہدی کرکے اُن کو گرفتار کر لیا اور قلعہ میں اپنا بندوبست کر لیا۔ یہ سب معاملہ میرے سامنے ہو چکا تھا۔ تب میں اِدھر آپ کے پاس آیا۔

یہ حال سُن کر سید صاحبؒ نے اُسی وقت کمبل میں مولانا اسمٰعیل صاحب کو سب ماجرا لکھا اور تاکید کی کہ خط دیکھتے ہی آپ سب آدمیوں کو لے کر موضع گُندف میں آ جائیے[1]۔ اگلے روز سید صاحبؒ بھی وہیں تشریف لے گئے اور اُس کے اگلے روز وہاں سے سب لوگ کوچ کرکے پنجتار کو روانہ ہوئے۔

پنجتار کے قریب فتح خاں پنجتاری آمد کی خبر سُن کر استقبال کے لیے چلا۔ راستے میں مُلاقات ہوئی۔ فتح خاں نے ہُنڈ کے تخلیے کی تفصیل سُنائی اور کہا کہ کیول نے اخوند ظہور اللہ کو اپنی ضمانت پر قلعہ خالی کرنے کی ترغیب دی، اخوند صاحب کو اُمید تھی کہ شاید آج کسی وقت ہماری مدد آ جائے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ آج ہم اپنے لوگوں سے دریافت کرکے کل تم کو اس کا جواب دیں گے۔

مجاہدین کی جوانمردی اگلے روز اخوند صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو دُرّانیوں پر ہرگز اعتماد نہیں اور تم اُن کے نوکر ہو، حاکم نہیں ہو۔ ہم لوگ اگرچہ تھوڑے ہیں، مگر ہم کو اس میں کچھ تردّد نہیں۔ ہم تو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ اگر مارے گئے، تو ان شاء اللہ درجۂ شہادت پائیں گے اور زندہ رہے، تو غازی کہلائیں گے۔ ہمارے لیے دونوں باتیں بہتر ہیں۔ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو، ہم لڑیں گے۔

کیول نے کہا: اخوند صاحب، تم سچ کہتے ہو۔ دُرّانی فی الحقیقت فریبی اور دغاباز ہیں اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ خلیفہ صاحب کے لوگ بڑے مردانے، شجاع اور اللہ والے ہیں اور اپنی جان ہتیلی پر لیے پھرتے ہیں، لیکن اس کا عہد و پیمان ہم پختہ کر چکے ہیں اور ہم اپنی ضمانت کرتے ہیں۔ اگر دُرّانی کچھ بدعہدی کریں گے، تو ہم تمھارے شریک ہیں۔ اخوند صاحب نے کہا کہ خیر، اگر تم نے اطمینان کر لیا

---

[1] یہ گندف پہاڑوں کے بیچ میں چنگئی سے پنجتار کے راستے پر واقع ہے (سید احمد شہیدؒ، صــــ ۱۵۴/۲۶)

ہے، تو مضائقہ نہیں۔ ہم قلعہ خالی کر دیں گے۔ اخوند صاحب نے قلعہ خالی کر دیا۔

سلطان محمد خاں کی عہد شکنی سُلطان محمد خاں نے قلعہ پر اپنا تسلّط کر لیا اور مجاہدین کا اسباب اور ہتھیار چھین کر اُن کو گرفتار کر لیا۔ کیول نے کہا سردار، یہ بات نامناسب ہے۔ تم نے مجھ کو زبان دی ہے اور میں نے اُن کو اپنے ہاتھ سے نکالا ہے۔ تم اُن کو چھوڑ دو۔ سُلطان محمد خاں نے کچھ سماعت نہ کی۔ کیول ناخوش ہو کر زیدے چلا گیا۔ رات کو اخوند ظہور اللہ صاحب خدا جانے کس طرح قید سے نکل گئے۔ دُرّانیوں نے صبح کو سب قیدیوں کو تین سواروں کے ضابطے کے ساتھ ہشت نگر بھیج دیا اور سب کے سامنے پکار کر کہ دیا کہ اِن سب کو اپنے بھائی سردار یار محمّد خاں کی قبر پر ذبح کروں گا۔ اب دُرّانیوں کا لشکر ہریانے سے آ کر ہنڈ کے میدان میں پڑا ہے اور اُنھوں نے زیدہ، کھنڈ اور شاہ منصور وغیرہ کو لُوٹ لیا اور جلا دیا ہے۔

سیّد صاحبؒ نے یہ سب حال سُن کر فرمایا کہ خدا کی مرضی، اُنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو بدعہدی کی ہے، اُس کا اللہ تعالیٰ اُن سے عوض لے گا۔ مجھ کو امید ہے کہ اِنشاء اللہ وُہ سب ان مُوذیوں کے چنگل سے چھوٹ جائیں گے۔ پھر آپ مع لشکر پنجتار میں داخل ہُوئے اور سب لوگ اپنے اپنے مکانوں میں اُترے۔

ہنڈ کا تخلیہ اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نالے پر شیشموں کے درختوں کے نیچے (جہاں جُمعہ کی نماز ہوتی تھی) بیٹھے تھے اور صدہا مُجاہدین اور اُس نواح کے مُسلمان حاضر تھے۔ بعض بعض مُلکیوں کی زبانی افواہاً خبر معلوم ہُوئی کہ دُرّانیوں کا ارادہ پنجتار پر حملہ کرنے کا ہے۔ سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، رسالدار عبدالحمید خاں، ارباب بہرام خاں، سردار فتح خاں اور اپنے بھانجے سیّد احمد علی صاحب کو بُلایا اور علٰحدہ بٹھا کر کچھ مشورہ کیا۔ اس کے بعد باآوازِ بلند سب کے سامنے فرمایا کہ دُرّانی ہم پر پنجتار میں کیا حملہ کریں گے، ہم نے اُن کے پشاور پر لشکر بھیجنے کی تیاری اور تدبیر کی ہے، اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور عبدالحمید خاں رسالدار کی طرف مخاطب ہو کر باآوازِ بلند ارشاد فرمایا کہ ہمارے لشکر میں پانچ سَو کے قریب گھوڑے ہیں، ایک ایک گھوڑے پر دو دو آدمی

ہتھیار لگا کر سوار ہوں اور آج رات کو نمازِ عشا کے بعد پشاور کا راستہ لیں۔ سب سواروں کو خبر کر دو کہ جلد دو دو روز کی روٹیاں پکا لیں اور تیار ہو لیں۔ یہ خبر جماعت جماعت کی گئی۔ وہ سب آپ کے حکم کے مُطابق روٹیاں پکانے لگے۔

یہ خبر مخبروں نے دُرّانیوں کو پہنچائی کہ سید بادشاہ نے اپنے لشکر میں یہ تدبیر کی ہے۔ ہم اُن کے سواروں کو روٹیاں پکاتے چھوڑ آئے ہیں۔ آج رات کو ضرور اُن کے سوار پشاور روانہ ہوں گے۔ یہ خبر سُن کر دُرّانیوں کے لشکر میں ہَل پڑ گیا اور سب لوگوں کو تردُّد لاحق ہُوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں جا کر غازی ہمارے اہل و عیال کو پکڑ لیں اور شہر کو تباہ کر دیں۔ اُسی وقت سردار سلطان محمد خاں نے اپنے بھائی سردار سید محمد خاں کو ہُنڈ پر چھوڑا اور دونوں بھائی کئی ہزار سوار لے کر پشاور کو روانہ ہو گئے اور پشاور ہی میں جا کر دم لیا۔ اُن کے بعد سردار سید محمد خاں نے خادی خاں کے بھائی امیر خاں کو بُلا کر کہا کہ ہم تو اب یہاں سے روانہ ہوتے ہیں، اگر تم سے ہو سکے، تو اپنے بھائی کے قلعے کو سنبھالو، نہیں تو تم اُٹھ جاؤ۔ یہ کہہ کر اُس نے کُوچ کیا اور ہشت نگر جا کر دم لیا اور قلعۂ ہُنڈ میں نام کو بھی کوئی دُرّانی نہ رہا۔

اِدھر پنجتار میں مجاہدین روٹیاں پکا کر کمر باندھے اپنے ساز و سامان کے ساتھ تین پہر رات گئے تک کُوچ کے منتظر بیٹھے رہے۔ اس عرصے میں سید صاحبؒ کے پاس خبر آئی کہ دُرّانیوں کا لشکر ہُنڈ کے میدان سے پشاور کی طرف کوچ کر گیا۔ اب وہاں کوئی بھی نہیں۔ سید صاحبؒ نے کہا: الحمد للہ! اور سر کھول کر بڑے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی۔ کچھ دیر میں دُوسرا شخص بھی یہی خبر لایا اور صُبح کی اذان ہُوئی۔ تیسری مرتبہ یہ خبر آئی کہ سردار سید محمد خاں قلعہ امیر خاں کو سپرد کر کے اپنے لوگوں کو لے کر چلا گیا۔ فجر کی نماز پڑھ کر سید صاحبؒ نے سب کے ساتھ دوبارہ دُعا کی اور سواروں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بلا ٹال دی۔ اب کمر کھول ڈالو۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہُوا کہ آپ نے یہ تدبیر صرف دُرّانیوں کے بھگانے کے لیے کی تھی۔

قیدیوں کی رہائی اگلے روز ایک مُلکی نے آکر خبر دی کہ مَیں نے بعض لوگوں کی زبانی سُنا ہے کہ دُرّانیوں

نے جن لوگوں کو قلعۂ ہنڈ سے نکال کر قید کر کے ہشت نگر میں پہنچا دیا تھا، وہ سید محمد خاں کے پہنچنے سے پہلے نکل گئے۔ یہ خبر سُن کر سید صاحبؒ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا: الحمد للہ کہ کیا عجب ہے کہ اُس قادرِ مطلق نے اپنے عاجز بندوں کو ان موذیوں کے پنجے سے رہائی بخشی ہو۔ جنابِ الٰہی سے ہم کو یہی اُمید ہے۔ دوسرے یا تیسرے دن محمد خاں جمعدار پنجابی اٹھارہ یا بیس آدمیوں کے ساتھ آگئے۔ سید صاحبؒ اور سب لوگوں سے ملاقات کی۔ لشکر کے تمام لوگ اُن کو دیکھ کر خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن موذیوں سے بچا لیا۔ سید صاحبؒ نے محمد خاں سے پوچھا کہ تمھارے باقی ہمراہی کہاں ہیں؟ اُنھوں نے کہا: وہ ندامت کے مارے آپ کے پاس نہیں آسکے کہ اب جا کر کیا مُنہ دکھائیں، وہ ہم کو بھی غیرت اور شرم دلاتے تھے کہ تم بھی نہ جاؤ۔ مگر ہم نے کہا کہ ہم تو وہیں جائیں گے، ہمارا تو مرنا جینا آپ ہی کے ساتھ ہے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا: جزاکم اللہ! تم نے خوب کام کیا، جو یہاں چلے آئے۔ اس میں شرم و ندامت کی کیا بات ہے؟

پھر سید صاحبؒ نے اُن سے اُن کی خلاصی کا سبب پوچھا۔ اُنھوں نے کہا کہ جب ہم کو دُرّانی ہنڈ سے ہریانے لے گئے، ہمارے ہتھیار چھین لیے اور ہمیں گرفتار کر لیا۔ رات کو اخوند ظہور اللہ صاحب کسی تدبیر سے نکل گئے۔ جب سلطان محمد خاں کو یہ خبر ہوئی، تو اُس نے ہم سب کو سخت قید کر کے تین سو سواروں کے ضابطے کے ساتھ ہشت نگر کو روانہ کر دیا اور ہم سب کو سُنانے کے لیے کہا کہ ان لوگوں کو بڑی حفاظت کے ساتھ لے جاؤ۔ جب ہم پشاور جائیں گے، تو ان سب کو اپنے بھائی یار محمد خاں کی قبر کے گرد پھرا کر ذبح کریں گے۔ وہ ہم کو لے گئے اور ہشت نگر میں ایک مکان میں قید کر دیا اور دروازہ بند کر کے پہرہ لگا دیا۔ ہم سب حواس باختہ تھے۔ ہم نے مشورہ کیا کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آخر تو یہ موذی ہم کو ذلت کے ساتھ ماریں گے۔ ہم یہاں سے کسی تدبیر سے نکل چلیں۔ اگر اُن کو معلوم ہو جائے، تو ہم اُن کا مقابلہ کرتے اور لڑتے بھِڑتے نکل جائیں۔ سب نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو، تمھیں کوئی تدبیر کرو۔ میں نے اس چھُرے سے اس مکان کے پچھواڑے کی دیوار، جو مٹی اور پتھر کی تھی کھودنی شروع کر دی۔ آدھی رات کے قریب آدمی نکلنے کا رستہ ہو گیا اور ہم لوگ ٹولی

باندھ کر چلے۔ جب بستی کے باہر پہنچے، تب شاید بستی والوں میں سے کسی نے ہم کو دیکھ لیا اور یکبارگی شور و غل ہوا کہ سید بادشاہ کا چھاپہ آ پہنچا۔ پھر ہم کو نہیں معلوم کہ وہاں کیا ہوا۔

سکھ لشکر کے مُسلمان عُہدہ داروں سے تعلقات اور خط و کتابت

میاں دین محمّد کو بعض ضرورتوں سے سید صاحبؒ نے ہندوستان روانہ فرمایا اور سکھ لشکر کے مسلمان عُہدہ داروں کے نام خطُوط لکھ کر دیے۔ میاں دین محمّد حضرو لشکر میں جا کر ٹھہرے اور محمّد سعید خاں کے ڈیرے میں اُترے۔ جو لوگ سید صاحبؒ سے اعتقاد و اخلاص رکھتے تھے، وہ سب آ کر ملے۔ میاں دین محمّد نے ہر ایک کو سید صاحبؒ کا پیام پہنچایا اور اُن کے نام کے تیّیں خط دیے۔

اٹھارھواں باب

پاَندہ خاں کی مزاحمت اور عشرہ اور امب کی جنگیں

کشمیر کا مشورہ ملکیوں کی زبانی متواتر خبریں آنے لگیں کہ خادی خاں کا بھائی امیر خاں حضرو سے سات سَو سکھ لایا ہے اور اب قلعہ ہُنڈ میں انھیں کا بندوبست ہے۔ یہ سُن کر سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے؟ اس میں اللہ کی حکمت ہے۔ اب کی بار انشاء اللہ سکھوں سے ہم ہُنڈ خالی کرالیں گے۔

اس کے کئی روز کے بعد جا بجا سے خبریں آنے لگیں کہ ملک سُمہ کے اکثر ملک اور خوانین سکھوں سے مل کر اُن کے تابعدار ہو گئے ہیں اور فتح خاں اُن کے بھائی ارسلاں خاں (زیدہ والے) ابراہیم خاں، اُن کے بھائی اسمٰعیل خاں (کلابٹ والے) عشرہ والے مردان خاں اور کوٹھی والے مُلّا سیّد میر وغیرہ، جن کو سکھوں کی اطاعت ناگوار تھی، اپنے گاؤں چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ پاَندہ خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو پنجتار سے بُلا لیا اور سیّد صاحبؒ کی اطاعت میں پس و پیش کرنے لگا اور بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اِدھر ناصر خاں بھٹ گرامی، مدد خاں (برادر پاَندہ خاں) راجہ پارس، وکیل سُلطان زبردست خاں وغیرہ نے کشمیر کی طرف رُخ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس مُلک کے سرداروں کی ایک مدت سے عرضداشتیں آ رہی ہیں کہ

آپ ادھر تشریف فرما ہوں یا اپنے کچھ لوگ روانہ فرمائیں۔ ہم سب آپ کے فرماں بردار ہیں پھر مشورہ سے یہ طے ہوا کہ پہلے چند لوگ مظفرآباد روانہ کیے جائیں کہ وہ گویا ملک کشمیر کا دروازہ ہے اس سے راستے کی حالت بھی معلوم ہو جائے گی اور اس ملک کے لوگوں کا انداز بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ تشریف لے چلیں۔

سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو مظفرآباد کے لیے تجویز فرمایا اور قندھاری اور پنجابی اور تقریباً دو سو ہندوستانی آپ کی ہمراہی کے لیے مقرر کیے اور مولوی خیرالدین صاحب کو آپ کا نائب مقرر کیا۔

پائندہ خاں کا انکار مولانا پنجتار سے چل کر تیسرے روز سید اکبر صاحب کے مکان پر ستھانے پہنچے۔ اگلے روز مولانا نے اپنا ایک آدمی خط دے کر پائندہ خاں کے پاس روانہ کیا کہ کل ہم اتنے آدمیوں سے تمھارے یہاں آئیں گے، کشتیاں تیار رکھنا، ہم کو سید صاحب نے پکھلی کی طرف روانہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو سید بادشاہ کا تابعدار ہوں۔ آپ کا یہاں آنا میرے لیے باعثِ سرفرازی تھا، لیکن اگر آپ اس طرف سے ہو کر دریا اتریں گے، تو ہری سنگھ ہم کو تکلیف دے گا۔ ادھر سے آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔ پائندہ خاں اور سکھوں کے درمیان ہمیشہ ناموافقت ہی رہتی تھی۔ اس لیے پائندہ خاں کا یہ عذر صحیح نہیں تھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ سکھوں کی تم سے صلح اور موافقت کب تھی، جو اب تم کو اُن کی مخالفت کا خوف ہے؟ اور سید بادشاہ کی فرماں برداری کے کیا یہی معنی ہیں، جو تم کہتے ہو؟ ہم کو تو سید صاحبؒ نے بھیجا ہے اور جانے سے غرض ہے۔ اگر تم امب میں سے ہو کر نہ جانے دو گے، تو ہم بھیٹ گلی میں ہو کر چلے جائیں گے[1]، مگر تم کو ہمارے راستے میں حارج نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ تم نے سید صاحبؒ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے اور اُن کو اپنا امام گردانا ہے۔

---

[1] ایک بڑا نالہ دھابن سے نکل کر مختلف مقامات کے چکر لگاتا ہوا امب اور ستھانے کے عین وسط میں پہاڑ سے باہر نکل کر دریا میں ملا ہے اس کا نام بھیٹ گلی ہے۔ یہ بارہ تیرہ میل سے کم لمبا نہ ہو گا۔ (سید احمد شہیدؒ ص ۱۶۱/۲)

جب یہ خط پائندہ خاں کو ملا، تو وُہ بہت برہم ہُوا۔ اُس نے صاف صاف لکھ کر بھیج دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ میری عملداری میں سے ہو کر نہ جائیں، خواہ امب ہو، خواہ پھیٹ گلی، اور جو آپ نہ مانیں گے، تو بیشک لڑائی ہوگی۔

مولانا کی مراجعت مولانا نے یہ خط پنجتار سیّد صاحبؒ کے پاس بھیج دیا۔ سیّد صاحبؒ نے ان لوگوں سے مشورہ کیا، جن لوگوں نے کشمیر کی رائے دی تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ مولانا کا واپس آنا تو مناسب نہیں ہے، جس طرح ممکن ہو، مولانا آگے روانہ ہوں۔ پھر آپ یہاں سے تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائیو، ہم کو تو مُسلمان سے لڑائی منظور نہیں۔ مگر اس طرف جانا بھی ضرور ہے۔ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ میاں صاحب (مولانا محمد اسمٰعیل صاحب) کو یہاں بُلالیں۔ اس کے بعد ہم پائندہ خاں کو خط لکھ کر للّٰہ فی اللّٰہ ایک دوبار سمجھائیں گے۔ اگر اُس نے مان لیا، تو بہت اچّھا، ورنہ جیسا کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ آپ نے مولانا کو پنجتار بُلالیا اور وُہ تشریف لے آئے۔

پائندہ خاں کو خط اور اُس کا جواب جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب تھانے سے واپس آگئے اور پائندہ خاں نے اپنے مُلک میں ہو کر جانے نہیں دیا، تو سیّد صاحبؒ نے اپنے خاص لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ جس بات کا ہم ارادہ کرتے ہیں، یہاں کے ایک نہ ایک مسلمان بھائی حارج ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہونے نہیں پاتا۔ چنانچہ یہی پائندہ خاں ہے کہ اُس نے ہمارے لوگوں کو اپنی عملداری میں آنے سے روکا اور ہم کو مسلمانوں سے حتی الامکان لڑنا منظور نہیں اور جو وہ اپنی شرارت سے باز نہ رہے، تو مجبوری کی بات ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک بار اُس کو اور فہمائش کر لیں اور اُس پر حجّتِ شرعی قائم کر دیں۔

آپ نے مولانا سے فرمایا کہ آپ ہماری طرف سے پائندہ خاں کو اس مضمون کا ایک خط لکھ کر بھیج دیں کہ ہم دین کے کام کے واسطے تمھاری عملداری میں سے ہو کر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ دریا سے اُتر کر چلے جائیں۔ اس کے سوا ہماری کوئی غرض نہیں، اور تم نے ہماری اطاعت

کا اقرار کیا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ تم ہمارے ساتھ شرکت کرو اور جو تم سے یہ نہ ہو سکے، تو ہمارے خارج بھی نہ ہو۔ یہ بھی تمھارا ایک طرح کا احسان ہوگا۔

مولانا نے اس مضمون کا ایک خط لکھ کر پائندہ خاں کے پاس بھیج دیا۔ اُس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ مَیں سب طرح سے آپ کا خادم اور فرماں بردار ہوں، مگر یہ مجھ کو منظور نہیں کہ آپ اِدھر تشریف لائیں۔ آپ ہرگز ہرگز اس طرف کا ارادہ نہ فرمائیں اور جو آپ آئیں، تو ہوشیار ہو کر آئیں۔

حملے کی تیاری آپ نے پائندہ خاں کا یہ جواب اس ملک کے عُلماء کے سامنے، جو وہاں لشکر میں تھے، پڑھوایا۔ اُنھوں نے کہا کہ اس خط کے مضمون سے تو وُہ صاف باغی ہو گیا۔ اُس پر جہاد کرنا دُرست ہے۔ آپ نے اپنے خاص لوگوں سے مشورہ کیا کہ ہمارے لشکر میں جو توپیں ہیں، اُن کو موقع سے کسی جگہ دبا دینا چاہیے۔ آپ نے اُن کے دبانے کی جگہ تجویز کر کے چند معتبر اور امانت دار لوگوں کو بُلایا اور اُن سے عہد و پیمان لیا کہ اس راز کو سوا تمھارے دوسرا نہ جانے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس میں جو کوئی تم میں سے خیانت کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا خائن ہوگا۔ پھر آپ نے ان توپوں کے دبانے کی جگہ بتا دی۔ وہ اس کے کھودنے میں مشغول ہُوئے اور لشکر میں اعلان کر دیا گیا کہ لوگ اپنا ضروری اسباب دُرست کر لیں، امنب پر چڑھائی ہے۔ اور شیخ ولی محمد صاحب کو حکم بھجوا دیا گیا کہ لشکر میں جس بھائی کے پاس ضروری سامان نہ ہو، اُس کو بنوا دیجیے۔ بھر آپ نے مولوی احمد اللہ صاحب سے، جو توپ خانے کے داروغہ تھے، فرمایا کہ سب توپیں توپ خانہ سے یہاں لشکر میں کھچوا لاؤ، اُن کا بھی ساز و سامان دیکھنا ہے۔ مولوی (احمد اللہ) صاحب لے وہاں سے توپیں لا کر لشکر میں کھڑی کر دیں۔ دو روز وہ توپیں لشکر میں رہیں۔ تیسرے روز اُن مُعتمد لوگوں کے ذریعے، جن سے عہد و پیمان لیے گئے تھے، اُن کو دفن کرا دیا گیا۔

اس کے بعد ایک روز آپ نے سیّد احمد علی صاحب اور عبدالحمید خاں رسالدار کو بُلایا اور سیّد احمد علی صاحب سے فرمایا کہ ہم نے تم کو عبدالحمید خاں صاحب اور اُن کے سواروں پر

امیر کیا۔ کل یہاں سے ان سب کو ساتھ لے کر ستھانے جاؤ اور وہاں ٹھیرو۔ وہاں تم کو ہمارا جو کچھ حکم پہنچے، اُس کے موافق کرنا۔

سیّد احمد علی صاحب کے خط سے، جو انھوں نے ستھانے پہنچ کر لکھا، معلوم ہُوا کہ پائندہ خاں جنگ کے لیے آمادہ ہے۔ آپ نے فتح خاں کے مشورے سے موضع دکھاڑا میں، جو پنجتار سے ڈھائی تین کوس کے فاصلے پر پہاڑ پر واقع ہے، اپنے اور مُجاہدین کے اہل و عیال کو پہنچا دیا اور اُن کی خدمت کے لیے شیخ حسن علی اور چند آدمیوں کو تجویز کیا۔

اس کے بعد آپ نے سب مجاہدین کے ساتھ پنجتار سے کُوچ کیا۔ دو روز چنچی میں قیام فرمایا اور معززین اور افسرانِ فوج کو جمع کیا اور اُن سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم نے تُم سب لوگوں پر میاں صاحب (مولانا محمد اسمٰعیل) کو امیر کیا۔ جو کچھ تم کو وُہ حُکم کریں، بلا انکار بجا لانا۔ اور مولانا سے فرمایا کہ آپ اپنی طرف سے لڑائی میں سبقت نہ کریں۔ اگر دُوسری جانب سے پیشقدمی ہو، تو پھر آپ کو اختیار ہے۔ آپ نے اُن کو ہدایات دے کر اور دُعائے خیر فرما کر مَداخیل[1] کی طرف رخصت فرمایا اور سات یا آٹھ آدمی اپنے ساتھ رہنے دیے۔

مولانا کے انتظامات مولانا نے دو سَو مجاہدین، جو خاص اور معتمد لوگ تھے، راستے میں ڈگیڑہ[2] میں چھوڑے اور باقی لوگ اپنے ساتھ لے کر فرُوسہ میں قیام فرمایا۔ پائندہ خاں کو خبر ہُوئی کہ ڈگیڑہ اور فرُوسہ میں سیّد صاحبؒ کا لشکر داخل ہُوا۔ پائندہ خاں نے اپنے مشیروں سے کہا کہ ڈگیڑہ اور فرُوسہ میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پیادوں کی فوج لے کر آ گئے اور اِدھر ستھانے میں سیّد احمد علی صاحب سواروں کے لشکر کے ساتھ ہیں۔ اب کیا تدبیر کرنی چاہیے؟ مشیروں نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ موضع کنیرڑی کے[3] پہاڑ پر بھیجے جائیں تاکہ غازیوں کی کمک

---

[1] مَداخیل ایک قوم کا نام ہے جو اس علاقے میں آباد ہے۔

[2] بھیٹ گلی کے آغاز میں اس کے مغربی کنارے پر ڈگیڑہ ہے اور اس سے دو تین میل نیچے فرُوسہ ہے۔ دریا میں داخل ہونے کے مقام پر ٹیلے کے اوپر عشرہ آباد ہے۔ اس کا فاصلہ امب اور ستھانے سے یکساں ہے۔ (سیّد احمد شہیدؒ ۲ : ۱۹۱)

[3] یہ عشرہ کے مقام بھیٹ گلی کے مغربی کنارے پر دَرہ کے اندر ایک اونچا ٹیلہ ہے جس کی حیثیت ایک بُرج کی سی ہے، یہ بارہ سو فٹ اونچا ہوگا، اس کا نام کوہ کنیرڑی ہے اور اس پر کنیرڑی نام گاؤں آباد ہے۔ (سید احمد شہید ص۱۹۱)

۲۵

آنے کا راستہ بند ہو جائے اور ستھانے کے سواروں کے مقابلے کے لیے عشرہ کے میدان میں سوار بھیجے جائیں اور باقی لشکر کے ساتھ ڈگیڑہ اور فُرْدسہ کی فوج کا مقابلہ آپ کیجیے۔

یہ تمام خبر مخبروں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دی۔ پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ اسی وقت اپنے آدمی موضع کنیرڑی کو روانہ کریں کہ اس پر قبضہ کرلیں، ورنہ اگر پائندہ خاں کے لوگ وہاں آجائیں گے، تو پھر ویسا ہی ہوگا، جیسا انھوں نے مشورہ کیا ہے۔ مولانا نے اسی وقت اپنے آدمی بھیج کر ڈگیڑہ کے غازیوں کو اپنے پاس بلوا لیا اور ان سب سے پکار کر کہا کہ ہم نے تم سب پر ارباب بہرام خاں کو امیر کیا۔ اُن کے بعد مولوی خیر الدین کو، اُن کے بعد شیخ بلند بخت دیوبندی کو، اُن کے بعد امام خاں خیرآبادی کو، اور جب اُن میں سے کوئی نہ ہو، تب تم سب کو اختیار ہے۔ جس کو چاہنا، امیر بنا لینا۔

پھر ارباب بہرام خاں، مولوی خیر الدین، شیخ بلند بخت اور امام خاں کو الگ بلا کر فرمایا کہ تم یہاں سے سب لوگوں کو ساتھ لیے ہوئے مدد خاں کے ساتھ کنیرڑی کے پہاڑ پر جاؤ اور جس جگہ مدد خاں تم کو مقرر کردیں، وہاں اپنا بندوبست کرکے ہوشیاری سے جمے رہنا۔ کل صبح کو تم ادھر عشرہ کو اترنا اور ہم ادھر سے امب کی طرف اتریں گے اور ہم سید احمد علی صاحب کو لکھتے ہیں وہ بھی تمھاری مدد کے لیے عشرہ کی طرف آئیں گے۔ پھر دعاءِ خیر کرکے اُن کو رخصت کیا اور سید احمد علی صاحب کو اس کی اطلاع کی۔[1]

پائندہ خاں کا فریب سید احمد علی صاحب نے پھُلّرہ سے پیر خاں کو مع جماعت کے بلوا لیا۔ پائندہ خاں کو اُس کے مخبروں نے اس کی اطلاع پہنچائی۔ پائندہ خاں نے اپنے مشیروں سے کہا کہ اب

---

[1] مہر صاحب "سید احمد شہید" میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ غازی محض علمائے دین تھے اور انھیں فنونِ حرب سے چنداں آگاہی نہ تھی، وہ محض اس جنگی نقشے کو دیکھ کر اندازہ فرما سکتے ہیں کہ غازیوں کی مہارتِ حربیات کا درجہ کتنا بلند تھا۔ سید عبدالجبار شاہ ستھانوی کو میں نے یہ تفصیلات سنائیں، تو انھوں نے فرمایا کہ جو مقاصد مولانا کے سامنے تھے، اُن کے حصول کے لیے اس سے بہتر نقشہ ذہن میں نہیں آسکتا۔ بڑے سے بڑا جرنیل بھی ان مقاصد کے لیے وہی نقشۂ جنگ بناتا، جو مولانا نے بنایا۔" (ص ۱۹۳/۲۵)

تو اُس تدبیر کا وقت نہیں رہا۔ اب کیا کیا جائے؟

اُنھوں نے کہا کہ اب یہ تدبیر ہمارے خیال میں آتی ہے کہ آپ ایک خط سیّد بادشاہ کو اور ایک مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس مضمون کا لکھیے کہ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں، آپ کی جناب میں جو کچھ قصور ہوا ہے، لہٰذا آپ معاف فرمائیں۔ ہم اپنی گستاخی سے توبہ کرتے ہیں اور آپ سے صُلح چاہتے ہیں۔ کل آپ فُروسہ سے دس پانچ آدمی لے کر ادھر باندڑے[1] میں تشریف لائیں اور اسی قدر آدمیوں کے ساتھ میں بھی آپ کی مُلاقات کے واسطے حاضر ہوں گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب یہ خط مولانا صاحب کو پہنچے گا، تو اسے دیکھ کر وُہ جابجا اپنے لوگوں کو آنے سے روک دیں گے اور صبح کو وہ باندڑے میں آپ کی ملاقات کے منتظر رہیں گے۔ آپ اپنے سوار اور پیادے لے کر کنیرڑئی کے پہاڑ پر چلے جائیے۔ وہاں سَو، دو سَو، جو اُن کے غازی ہیں، اُن کو ماریے۔ یہی لوگ اُن کے خواص اور معتمد ہیں۔ جب آپ اُن کو مار لیں گے، تو اُن کا تمام لشکر پراگندہ ہو جائے گا اور آپ کے مقابلہ کو نہیں آئے گا اور رحمت خاں بھیٹ گلی والا بھی یہاں حاضر ہے۔ اُس کو اسی وقت کچھ لوگوں کے ساتھ یہ کہہ کر باندڑے میں بھیج دیجیے کہ جب مولانا صاحب صُبح کو وہاں آئیں تو کسی حکمت عملی سے اُن کو گرفتار کر لیں۔ اس تدبیر کے سوا اس وقت اور کوئی تدبیر نہیں۔ اگر یہ فریب چل گیا، تو پھر کیا کہنا ہے اور جو نہ چلا، تو پھر جیسا کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔

پائندہ خاں نے ان کے اس فریب کو بہت پسند کیا اور اسی وقت رات ہی کو ایک خط اس مضمون کا لکھ کر مولانا کے پاس اپنے ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا اور ایک خط عُذر و معذرت اور تابعداری و اطاعت کا لکھ کر سیّد صاحبؒ کے پاس ارسال کیا اور رحمت خاں کو اُسی وقت چند آدمیوں کے ساتھ وُہ تدبیر سمجھا کر باندڑے کو روانہ کیا۔ جب مولانا کو وُہ خط رات کو پہنچا، تو آپ اس خط کو پڑھ کر نہایت خوش ہوئے اور اپنے لوگوں کو پڑھ کر سُنایا اور فرمایا کہ ہم تو خدا سے یہ چاہتے تھے کہ پائندہ خاں ہم سے موافق ہو جائے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے۔

---

[1] یہ مقام فروسہ سے قریب امب کی سمت ہے۔ (سیّد احمد شہیدؒ ص ۱۶۳/۲)

اسی وقت ایک خط اپنا اور پائندہ خاں کا نقل کر کے ارباب بہرام خاں کے پاس روانہ کیا کہ کل صبح کو وہیں ہوشیاری سے رہنا۔ جب تک ہمارا دوسرا خط تمھارے پاس نہ آئے، نیچے نہ اُترنا اس لیے کہ پائندہ خاں نے صلح کا پیغام بھیجا ہے اور ہم کو بھی یہی منظور ہے۔ اسی مضمون کا ایک خط سید احمد علی صاحب کو لکھا کہ جب تک ہمارا دوسرا خط نہ پہنچے، آپ ستھانے سے ابھی کوچ نہ کریں اور جو شاید کوچ کیا ہو، تو وہیں پلٹ جائیں۔ اسی کے ساتھ پائندہ خاں کا خط بھی نقل کر کے ہمراہ کیا۔

وہاں سید احمد علی صاحب نے پہلے خط کے مضمون کے بموجب کہ آپ صبح عشرو کے میدان میں داخل ہو جائیے اور ادھر کنیر ڑئی کے پہاڑ سے ارباب بہرام خاں اپنے لوگ لے کر عشرو کی طرف اُتریں گے، اپنے تمام سواروں میں حکم بھجوا دیا تھا کہ صبح کو سب اپنے گھوڑے تیار کر کے ہتھیار لگا کر فجر کی نماز پڑھیں۔ چنانچہ سب نے اسی حکم کے مطابق گھوڑے تیار کر کے ہتھیار لگا کر فجر کی نماز اوّل وقت پڑھی اور سب ڈیرے ڈنڈے لپیٹ کر سید اکبر شاہ کے مکان پر رکھ دیے اور آٹھ آدمی کا ایک پہرا وہاں مقرر کر دیا اور سیّد احمد علی صاحب نے سواروں اور پیادوں کے ساتھ کوچ کیا۔ سید اکبر صاحب بھی اپنے چند لوگوں کے ساتھ لشکر کے ہمراہ ہوئے۔

جاتے جاتے جب عشرو آدھے کوس یا پون کوس کے قریب رہ گیا، تو انھوں نے دیکھا کہ پائندہ خاں کا تمام لشکر اسمب کے میدان میں جا کھڑا ہے۔ اس عرصے میں مولانا کا آدمی وہی خط لے کر سیّد احمد علی صاحب کے پاس آیا۔ سیّد احمد علی صاحب نے خط پڑھا اور اپنے دل میں بہت متردّد ہوئے۔ رسالدار عبدالحمید خاں اور سید اکبر صاحب کو بلایا اور خط پڑھ کر سنایا اور کہا کہ مولانا صاحب نے اس میں لکھا ہے کہ جب تک ہمارا دوسرا خط نہ آئے، تم ستھانے سے ابھی کوچ نہ کرنا اور جو کوچ کیا ہو، تو پلٹ جانا۔ اب تو مناسب یہی ہے کہ یہاں سے پلٹ چلیں۔

رسالدار اور سید اکبر صاحب نے کہا کہ یہ پائندہ خاں کا محض فریب ہے۔ اس نے مولانا صاحب کو دھوکا دیا ہے، کیونکہ اُس کا لشکر سامنے اسمب کے میدان میں تیار کھڑا ہے۔ اس لیے

یہاں سے پلٹنا تو مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی ہے، تو آپ اسی جگہ ٹھیر جائیں، دیکھیں، کیا معاملہ ہوتا ہے۔ سیّد احمد علی صاحب نے کہا: ہم کو اس بات سے کچھ کام نہیں ہے، ہم تو ان کے حکم کے موافق کام کریں گے۔ سیّد اکبر صاحب نے دوبارہ کہا کہ سیّد احمد علی صاحب آپ کہتے ہیں کہ ہم کو اس طرح لکھا ہے۔ خیر، بجا لکھا ہے۔ ہم آپ کے فرماں بردار اور بہرحال شریکِ کار ہیں، لیکن پائندہ خاں کے حیلہ و فریب سے خوب واقف ہیں، کیونکہ ہمیں تو اس سے دن رات واسطہ پڑتا ہے۔ مَیں اس کے فریب کا اس طرح مشاہدہ کر رہا ہوں، جس طرح اپنا ہاتھ دیکھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ آپ اسی جگہ ڈیرا کر دیں اور جو کچھ مَیں عرض کر رہا ہوں، دو چار گھڑی کے اندر ہی اس کو بچشمِ خود دیکھ لیں اور اگر یہاں سے ستھانے ہی کو چلیں، تو بسم اللہ، ہم آپ کے ہمراہ ہیں۔ اطاعت میں فرق نہ آئے گا۔

سیّد احمد علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی سیّد اکبر، آپ بجا کہتے ہیں، میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اطاعت سے ناچار ہوں۔ یہ کہ کر وہاں سے گھوڑے کی باگ پھیری اور سب کو لے کر ستھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوہ کنیر ڑی کی جنگ ستھانے پہنچ کر سب سوار اپنے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑے رہے۔ دو تین گھڑی کا عرصہ ہُوا ہوگا کہ کنیر ڑی کی طرف سے ایک ایک دو دو بندوق کی آوازیں آنے لگیں۔ سیّد اکبر صاحب نے کہا: دیکھیے، کنیر ڑی میں لڑائی شروع ہو گئی اور بھی اکثر لوگوں نے یہی کہا۔ سیّد احمد علی صاحب نے فرمایا کہ ایک ایک، دو دو بندوقیں چلتی ہیں۔ کہیں کسی کے گھر بچہ پیدا ہُوا ہوگا۔ اگر لڑائی کی بندوقیں ہوتیں، تو باڑھ چلتی۔ ایسی ہی ردوبدل آپس میں رہی، یہاں تک کہ سب نے عصر کی نماز پڑھی۔ بندوقیں زیادہ چلنے لگیں۔

رسالدار عبدالحمید خاں کا اضطراب رسالدار صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ سیّد احمد علی صاحب، وہاں کنیر ڑی میں لڑائی ہو رہی ہے۔ ہمارے بھائی کٹ رہے ہوں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھیے، ہم تو وہیں جاتے ہیں۔ یہ کہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہُوئے اور جتنے سوار تھے سب سوار

ہو گئے۔ سید احمد علی صاحب نے اُٹھ کر رسالدار کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور مولانا صاحب کا وہی خط دکھایا اور فرمایا کہ تم اُن کا حکم نہیں مانتے، اپنی رائے سے کام کرتے ہو۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ انھوں نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ سیّد احمد علی صاحب، بڑے تعجب کا مقام ہے، نہ تو آپ جاتے ہیں نہ ہم کو جانے دیتے ہیں۔ وہاں جو مسلمان ضائع ہوں گے، اُن کا مواخذہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ ہو، آپ جانیں۔ ہم بری الذمہ ہیں۔ یہ کہ کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے اور سب سوار اُتر پڑے۔

عشرہ اور امب پر قبضہ رسالدار صاحب اُسی طرح چُپ چاپ غصّے میں بیٹھے رہے یہاں تک کہ مغرب کا وقت آیا۔ اس عرصے میں لشکر کے کئی آدمی رسالدار صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس وقت ایک سوار عشرہ کی طرف سے تیز چلا آ رہا ہے خدا جانے، کچھ خبر لیے آتا ہے یا کیا بات ہے۔ یہ بات سُنتے ہی رسالدار صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور سب لوگوں سے بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ بھائیو، ہوشیار اور تیّار ہو جاؤ۔ یہ سُن کر سب لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور پیادے خبردار ہو گئے۔ کچھ عرصے میں وُہ سوار قریب آیا، تو معلوم ہُوا کہ وُہ کرم خاں تھا۔ خچر پر سوار تھا اور دُور ہی سے پکارتا ہُوا آ رہا تھا کہ جلد تیار ہو کر چلو، غازیوں نے جنگ فتح کر کے عشرہ پر قبضہ کر لیا اور کوٹلہ بھی لے لیا ہوگا۔

اس وقت کچھ بھی دن باقی نہ تھا۔ سیّد احمد علی صاحب سوار اور پیدل سب کے ساتھ عشرہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ عشا کے وقت عشرہ میں داخل ہُوئے۔ وہاں سُنا کہ مُجاہدین نے کوٹلہ بھی لے لیا اور امب میں شیخ ولی محمدؐ صاحب نے ڈیرا کیا۔ پائندہ خاں امب سے بھاگ کر چھتربائی کے گھاٹ سے دریائے سندھ اُتر گیا۔ امب کی گڑھی سے کچھ بندوقیں چل رہی تھیں، جن کی آواز عشرہ میں سُنی جاتی تھی، جس سے عشرہ کے مجاہدین کو تردُّد تھا کہ معلوم نہیں امب میں کیا ہو رہا ہے۔ سیّد احمد علی صاحب رسالدار عبدالحمید خاں اور اُن کے رسالے کو عشرہ میں چھوڑ کر امب روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن صبح کو رسالدار صاحب بھی اپنے ساتھیوں سمیت امب میں

جا پہنچے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ملے۔ اُس وقت امب کی گڑھی خالی نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گڑھی والوں نے چادر ہلائی اور امن کی درخواست کی اور اپنا اسباب اور ہتھیار لے کر سلامت نکل جانے کی اجازت چاہی۔

مولانا نے فرمایا کہ جو خاص تمھارا مال و اسباب ہو اور جو تمھارے اپنے ہتھیار ہوں، وہ لے کر باہر نکل آؤ اور جو مال و اسباب یا ہتھیار سرکاری ہوں، وہ گڑھی میں رہنے دو۔ اگر اُس میں سے کچھ لے جاؤ گے، تو مجرم ہو گے۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ کا فرمانا ہم کو منظور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ سیّد بادشاہ کے لوگ بدعہدی نہیں کریں گے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی آئیں اور مولانا صاحب کو بھی بلائیں، پھر ہم دروازہ کھولیں۔ مولانا نے سُن کر فرمایا کہ بہتر ہے۔ چنانچہ آپ اور شیخ ولی محمد صاحب گڑھی کے دروازے پر گئے۔ گڑھی کا دروازہ انھوں نے بند کر کے چُن دیا تھا۔ اُنھوں نے وہ چُنی ہوئی دیوار توڑ کر کھڑکی بھر کا راستہ کیا۔ دونوں صاحب گڑھی کے اندر گئے، تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ اپنا اسباب لیے اور ہتھیار باندھے تیار کھڑے ہیں، مگر سب ہراساں ہیں۔ مولانا نے اور شیخ صاحب نے اُن کو تسلّی دی کہ اب تم سے ہمارا کوئی غازی مزاحم نہ ہو گا اور انھوں نے کہا کہ آپ ہماری حفاظت کے لیے چند غازی اِدھر اُدھر کھڑے کر دیں کہ ہم نکلیں۔ وہ تنولی دو سَو کے قریب تھے۔ پھر وہ سب نکلے۔ مجاہدین نے اُن کو دریا پر لے جا کر کشتی پر سوار کر کے دریاے سندھ کے پار کر دیا۔

امب کی سرگزشت اِس لڑائی کا قصّہ یہ ہے کہ پائندہ خاں نے شبِ گزشتہ میں فریب کر کے مصالحت کی درخواست کا خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس پھُلڑے میں بھیجا تھا۔ اس خط کے موافق مولانا نے اتنے ہی آدمی لے کر پھُلڑے سے باڑے کا قصد کیا۔ شیخ ولی محمد صاحب اور قاضی حبّان صاحب نے کہا کہ ہم تو اس قدر تھوڑے آدمیوں کے ساتھ آپ کو جانے نہ دیں گے، اس لیے کہ پائندہ خاں کا کچھ اعتبار نہیں۔ شاید اس میں کچھ فریب ہو۔ اگر ایسے ہی آپ کو منظور ہو، تو اور ابھی کچھ دیر آپ یہاں توقّف کریں جب پائندہ خاں خود

اپنے وعدے کے مطابق آ گئے، تب آپ بھی وہاں تشریف لے جائیں، ورنہ ہم سب لوگ آپ کے ہمراہِ رکاب چلیں۔ اس بنا پر مولانا تو قرقُرے میں رُک گئے اور زامب کے میدان میں پائندہ خاں اپنا تمام لشکر لیے تیار کھڑا تھا اور اپنے رات کے مشورے کے موافق کنیرڑی کے غازیوں پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس عرصے میں سیّد احمد علی صاحب کے سواروں کا لشکر ستھانے کی گڑھی سے اُتر کر نمودار ہُوا، کیونکہ سیّد احمد علی صاحب کو مولانا کا دُوسرا خط ابھی نہیں ملا تھا۔ پائندہ خاں لشکر کو دیکھ کر اپنے دل میں متردد ہُوا کہ شاید میرا رات کا فریب نہ چلا۔ وُہ اسی پس و پیش میں تھا کہ مولانا کا خط سیّد احمد علی صاحب کے پاس آیا۔ اس کو پڑھ کر وہ مع لشکر ستھانے کی طرف واپس ہو گئے۔

پائندہ خاں کو یقین ہُوا کہ ہمارا داؤں چل گیا۔ اُس نے کہا کہ بھائیو، یہی موقع ہے۔ اب کیا دیکھتے ہو؟ گھوڑوں کی باگیں اُٹھاؤ اور عشرہ کو چلو۔ یہ کہ کر اُس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور چلا۔ اس کے تمام سوار اور پیادے کچھ کم ہزار تھے۔ غازیوں نے جو کنیرڑی کے پہاڑ پر تھے، اُن کے نشان دیکھے اور عشرہ کی چھتوں پر، جو دیکھا، تو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں، تو اُنھوں نے پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیسی صُلح ہے؟ مدد خاں نے کہا کہ یہ تو خان نے مولانا صاحب سے فریب کیا ہے۔ تم سب لوگ ہوشیار رہو، گھڑی ساعت میں لڑائی ہُوا چاہتی ہے۔

اس وقت مجاہدین میں سے کوئی تو ظہر کی نماز پڑھتا تھا، کوئی وُضُو کرتا تھا، کوئی مکئی بھون رہا تھا اور کوئی کچی مکئی چاب رہا تھا اس لیے کہ اُس دن لوگوں کو آٹا نہیں ملا تھا۔ مدد خاں کی یہ بات سُن کر سب نے مکئی بھُوننا اور چابنا موقوف کیا اور نمازِ ظہر سے فراغت کر کے اپنے اپنے ہتھیار لے کر سب کھڑے ہو گئے۔ اس عرصے میں دفعتہً اُن کا نقارہ بجا اور تمام لشکر عشرے سے نیچے اُترنے لگا۔ ایک نالہ تھا۔ اُس میں آیا اور وہاں اُس کے چار غول ہو گئے۔ کنیرڑی کے غازیوں کے داہنی طرف ایک بلند پہاڑ تھا۔ ایک غول اُن میں سے اُوپر چڑھنے لگا۔

مدو خاں اور رسُول خاں تنولی ارباب بہرام خاں کی اجازت سے بیس غازیوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور اُس غول کو روکا اور اُن کے سواروں کے دو غول ہو گئے۔ ایک غول فرسے کی طرف، جدھر سے مولانا کی آمد تھی، جا کھڑا ہُوا اور دُوسرا غول ستھانے کے راستے کو روک کر کھڑا تھا، جدھر سے سیّد احمد علی صاحب کے لشکر کے آنے کا راستہ تھا، اور اُن کے پیادوں کے تین غول غازیوں کی طرف چیخیں مارتے اور ہلّہ کرتے ہُوئے چلے۔ اِدھر سے غازیوں نے اُن کو ڈانٹا اور للکار کر کہا کہ خبردار! آگے قدم نہ بڑھانا۔ مگر وُہ کب سُنتے تھے؟ گالیاں دیتے ہُوئے پہاڑ سے پلٹ گئے اور بندوقیں مارنے لگے۔

ادھر ارباب بہرام خاں نے اپنے غازیوں سے کہا کہ بھائیو، دیکھتے کیا ہو؟ تکبیر کہ کر تم بھی بندوقیں مارو۔ یہ حُکم سُن کر جماعتِ خاص کے غازیوں نے، جو صبغۃ اللہ نشان کے پاس تھے، تکبیر کہ کر بندوقوں کی پہلی باڑھ ماری، پھر اور غازی مارنے لگے۔ وہ لوگ پہاڑ کی چڑھائی پر تھے اور غازی پہاڑ کے سر پر برابر میدان میں تھے۔ وہ اسی طرح برابر ہلّہ کرتے اور بندوقیں مارتے بے دھڑک چڑھتے چلے آتے تھے۔ وہ یہاں تک قریب آ پہنچے کہ سیّد دلاور علی کے گولی لگی اور وُہ گرے تو اُنھوں نے اُدھر سے پَیر پکڑے اور غازیوں نے اِدھر سے ہاتھ پکڑے اور دونوں جانب سے کشاکش ہونے لگی۔ اس میں امام خاں خیرآبادی نے جا کر ایک بندوق ان پر سر کی۔ اسی کے ساتھ ایک نے اُدھر سے گولی ماری۔ وہ امام خاں کی کنپٹی میں لگی اور وہ اُسی جگہ شہید ہو گئے۔ بالآخر غازیوں نے سید دلاور علی کی لاش چھڑا لی۔

مُجاہدین گھبرائے کہ وُہ نشیب میں ہیں اور ہم یہاں مَیدان میں ہیں۔ ہماری بندوق کام نہیں کرتی اور ہم اُن کے نشانہ ہیں۔ بعض بعض آدمی کہنے لگے کہ پیچھے ہٹ کر اُن کو مَیدان دو کہ وہ اُوپر آئیں۔ پھر تلوار پکڑ کر جس کو اللہ تعالیٰ فتح دے، وُہ لے اور اس طرح تو مُفت میں اپنے لوگ ضائع ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں شیخ بلند بخت دیوبندی نے ارباب بہرام خاں سے کہا کہ خان صاحب، تم نشان اس جگہ سے نہ ہٹاؤ اور سپر کو لیے ہُوئے اسی جگہ جمے رہو

اور مجھ کو اجازت دو کہ جو کچھ تدبیر بنے، کروں۔ اُنھوں نے کہا: بسم اللہ، آپ کو اجازت ہے۔

شیخ بلند بخت چند غازی اپنے ساتھ لے کر مولوی خیر الدین صاحب شیرکوٹی کے پاس گئے۔ اُن کا مورچہ بائیں طرف تھا۔ اُن سے کہا کہ لڑائی تو بگڑ گئی اور امام خاں شہید ہو گئے۔ اب میرے خیال میں یہ تدبیر آتی ہے کہ اتنے آدمی میں لایا ہوں۔ آپ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ میرے آگے اور نیچے اُتر کر اُن کی کمر کی طرف سے حملہ کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بسم اللہ، چلو، تدبیر خوب ہے۔ جیسے ہی وہ سب نیچے اُتر کر تنولیوں کی کمر پر پہنچے، تو معلوم ہُوا کہ اپنے قندھاریوں کا نشان آ پہنچا اور سب قندھاری پائندہ خاں کے سواروں کے پیچھے ننگی تلواریں لیے ہُوئے چلے جاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو دیکھ کر اُنھوں نے کپڑا ہلایا اور اشارہ کیا کہ تم بھی جلد اُتر کر ہمارے شریک ہو جاؤ۔

اِدھر عشرے میں پائندہ خاں اپنے لوگوں کو للکار للکار کر لڑا رہا تھا۔ اُس نے جو اپنے سواروں کو دیکھا کہ بدحواس بھاگے چلے آتے ہیں اور قندھاری اُن کے تعاقب میں ہیں، دفعۃً آپ بھی بھاگا۔ اُدھر سے مولوی خیر الدین صاحب اور شیخ بلند بخت کے لوگوں نے تنولیوں کی کمر پر ایک باڑھ ماری اور اُن کا پیچھا کیا اور وُہ بھاگے۔ اس کے ساتھ ہی اِدھر سے ارباب بہرام خاں اپنے لوگوں کے ساتھ ہلّہ کر کے دَوڑے۔ پھر تو اللہ دے اور بندہ لے، تنولیوں کو اپنے ہتھیار سنبھالنے دُشوار ہو گئے۔ بھاگتے جاتے تھے اور اپنی بولی میں کہتے جاتے تھے کہ خان جُل گئے، خان جُل گئے۔[1]

پھر تمام غازی پہاڑ سے اُتر کر عشرے کے نالے میں آتے اور کچھ دیر ٹھیرے۔ اس عرصے میں شیخ ولی محمد صاحب اور قاضی حبّان صاحب اور مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری قندھاریوں اور پنجابیوں کو لیے چلے آتے تھے۔ وہ یکبارگی ہلّہ کر کے عشرے میں داخل ہُوئے اور اُس پر قبضہ کیا۔ عشرے کے پہاڑ کے سر پر ایک گڑھی تھی جس کو کوٹلہ کہتے تھے۔ اس پر بھی مجاہدین نے قبضہ کیا۔ وہاں کے لوگ دیواریں پھاند کر بھاگے۔ جنھوں نے

---

[1] خان چلے گئے۔

امان چاہی، اُن کو امان دے کر سلامت نکال دیا۔

شیخ ولی محمد صاحب تمام غازیوں کو لے کر پہاڑوں کے راستے امب کو روانہ ہوئے۔ امب سے پائندہ خاں نے دیکھا کہ لشکر آپہنچا۔ وہ امب چھوڑ کر بھاگ گیا اور شیخ صاحب نے امب پر قبضہ کر لیا۔

آتش زنی پر ناراضگی اور ملامت مدد خاں اور سربلند خاں تنولی کے لوگوں نے امب کے کئی گھروں میں آگ لگا دی۔ شیخ ولی محمد صاحب اُن پر خفا ہوئے کہ تم نے سکھوں کا طریقہ اختیار کیا۔ بڑے ظلم کی بات ہے مسلمانوں کو ایسا نہ چاہیے۔ پھر اسی وقت لوگوں کو بھیج کر وہ آگ بجھوا دی۔

فتح کی خوشخبری شیخ صاحب نے فتح کی خوشخبری کی ایک عرضی سید صاحبؒ کی خدمت میں بھیجی، حضرت نے خط لانے والے کو انعام میں ایک چوغا عنایت کیا اور ایک خط اسی مضمون کا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروسے میں بھیجا۔

مولانا دوسرے دن شیخ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ امب میں داخل ہوئے۔

اُنیسواں باب

چھتربائی

چھتربائی کی گڑھی اسی اثنا میں خبر آئی کہ چھتربائی کی گڑھی خالی پڑی ہے، پائندہ خاں اس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے اور چھتربائی والے بھی فرار کر گئے۔ آپ نے عبدالحمید خاں رسالدار کو اس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب رسالدار صاحب وہاں پہنچے، تو ایک مخبر نے آ کر خبر دی کہ چھتربائی کی گڑھی[1] خالی پڑی تھی، جب تمہارا لشکر وہاں نہ گیا، تو پائندہ خاں کے لوگ وہاں آ کر داخل ہو گئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب بھی اپنے آدمی لے کر چھتربائی پہنچ گئے اور گڑھی سے نیچے اُتر کر نشیب میں ڈیرہ کیا۔ وہاں سے چھتربائی کی گڑھی اتنی دُور تھی کہ وہاں کی گولی مولانا کے ڈیروں میں ٹھنڈی گرتی تھی۔ مولانا نے اس گڑھی کے تین طرف مورچے لگائے۔ دونوں جانب سے بندوقیں چلنے لگیں اور لڑائی شروع ہو گئی۔

مجاہدین کے مورچوں سے اس گڑھی کا راستہ ایسا اینچ پینچ کا تھا کہ کچھ قابو نہیں چلتا تھا کہ اس پر حملہ کر کے فتحیاب ہوں اور نہ اتنی دُور سے گولیاں وہاں کام کرتی تھیں گڑھی

---

[1] چھتربائی کی بستی ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہ گئی۔ پھر اس کی جگہ کوئی بستی آباد نہیں ہوئی۔ اس بستی کا نشان اب تک بتایا جاتا ہے۔ امب قدیم سے پانچ چھ میل شمال میں دریا کے مغربی کنارے پر یہ واقع تھی۔ (سید احمد شہید ص ۲۹/۲)

بہت سخت اور بے موقع تھی۔ پائندہ خاں دریا اُترتے ہُوئے ایک چھوٹی توپ دریا کے کنارے ڈبوتا گیا تھا۔ مولانا نے آدمی بھیج کر وہ توپ منگوالی۔ اس توپ کے بھی دس بارہ گولے چلائے گئے مگر کوئی موقع پر نہ لگا اور لڑائی جم گئی۔ وہاں سے مورچے ہٹانے بھی مناسب نہ ہُوئے اور لڑائی بھی مفید ثابت نہ ہُوئی۔ مولانا نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں ایسا حال ہے۔ آپ جلد چنبئی سے کوُچ کر کے امب میں تشریف لائیں، تو اس امر کی کچھ تدبیر فرمائیں۔

سیّد صاحبؒ کی امب میں آمد اگلے روز سیّد صاحبؒ ایک تیز خرام خچر پر (جو یار محمد خاں کے لشکر سے غنیمت میں ملا تھا) عشرہ کے گورستان میں تشریف لائے، جہاں مجاہدین دفن تھے۔ آپ نے اُن کے واسطے دُعا کی۔ پھر وہاں سے کنیرڑی کے پہاڑ پر گئے، جہاں لڑائی ہُوئی تھی اور مجاہدین زخمی اور شہید ہُوئے تھے۔ اس جگہ کو دیکھ کر پھر عشرہ میں زخمیوں کے پاس آئے، اُن کی تسلّی کی اور حال پوچھا۔ میاں خدابخش رامپوری کی پنڈلی میں گولی کا زخم تھا اس پر اپنا دستِ مُبارک پھیرا اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا پاؤں جیسا تھا، ویسا ہی درست رہے گا۔ کچھ نقصان باقی نہ رہے گا۔

آپ اسی خچر پر سوار ہو کر روانہ ہُوئے اور امب کی گڑھی میں داخل ہُوئے۔ اُس وقت آپ کے ہمرکاب کوئی تیس بتّیس آدمی تھے۔ گڑھی کے سب لوگ آپ سے ملے اور سب نے فتح کی مبارکباد دی اور آپ سے اجازت لے کر سب نے خوشی کی بندوقیں چلائیں۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب کو اس مضمون کا خط لکھوا کر روانہ کیا کہ عنایتِ الٰہی سے ہم امب کی گڑھی میں آکر داخل ہُوئے۔ آپ لڑائی میں ابھی تعجیل نہ کیجیے۔ ہم یہاں سے اس کی تدبیر کرتے ہیں اور شیخ بلند بخت کو پچیس سواروں کے ساتھ روانہ کر دیجیے کہ ہم اُن کو پنجتار بھیج کر توپیں منگوالیں۔

یہ خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو ملا۔ آپ نے پڑھا اور خوش ہُوئے اور لوگوں کو سُنایا

اور حضرت کی طرف سے سب کی تسلّی اور دلجمعی کی۔ پھر رسالدار عبدالحمید خاں اور شیخ بلند بخت کو بُلا کر وہ خط سُنایا اور رسالدار صاحب سے فرمایا کہ اسی وقت پچیس سواروں کے ساتھ شیخ صاحب کو حضرت کے پاس روانہ کرو۔ رسالدار صاحب نے فوراً شیخ صاحب کو پچیس سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخ بلند بخت کی سیّد صاحبؒ سے ملاقات ہوئی۔ سیّد صاحبؒ نے اُن سے پھُلڑہ بائی کی گڑھی کی کیفیت پوچھی۔ انھوں نے اُس کا جائے وقوع اور مُفصّل کیفیت بیان کی۔ حضرت نے سُن کر فرمایا کہ شیخ بھائی، انشاء اللہ تعالیٰ وہ گڑھی بے لڑائی کے خالی ہو جائے گی۔ تم جا کر پنجتار سے توپیں لاؤ۔ ہم یہاں کچھ اور بھی تدبیر کریں گے۔

ایک مجاہد کی خودرائی شیخ بلند بخت کی روانگی کے بعد پھُلڑہ بائی کا محاصرہ کرنے والوں کو آپ نے حکم بھیجا کہ جب تک پنجتار سے توپیں نہ آئیں، تب تک تم کسی امر میں تعجیل نہ کرنا۔ یہ بھی سُننے میں آیا کہ اب میں سیّد صاحب سیڑھیاں اور رن گڑھ بنوا رہے ہیں اور ایک سیڑھی بن کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس آئی بھی ہے۔

ادھر حافظ عبداللطیف صاحب نے ہر مورچے میں جا کر لوگوں سے کہ دیا کہ مولانا صاحب کا حکم ہے کہ آج عصر کے بعد حملہ کر دو۔ لوگوں نے جانا کہ شاید مولانا نے اُن کو اطلاع کے لیے بھیجا ہے۔ مولانا اپنے ڈیرے میں تھے۔ سب نے حافظ صاحب کو معتبر جان کر مولانا سے بھی اس بات کی تحقیق نہ کی اور عصر کی نماز پڑھ کر تیار ہو گئے اور حافظ جی کے ساتھ سب نے یکبارگی تکبیر کہہ کر حملہ کر دیا۔ تین طرف کانٹوں کے دو سنگر تھے اور اُن کے ورے برابر دُور تک زمین میں کانٹے گڑے تھے۔ سیڑھی مولانا صاحب کے ڈیرے میں تھی۔ آخرالامر تمام غازی دونوں سنگر کود پھاند کر گڑھی کے نیچے جا پہنچے اور پکارنے لگے: "جلد سیڑھی لاؤ۔" سیڑھی وہاں کہاں؟ اس میں چار پانچ گھڑی کا عرصہ ہُوا۔ اس میں کئی غازی شہید ہوئے اور شیخ بلند بخت کے بھائی شیخ علی محمد دیوبندی بھی شہید ہُوئے۔ اس وقت مولانا صاحب کے ڈیرے سے سیڑھی آئی اور گڑھی میں لگائی گئی۔ مگر سیڑھی چھوٹی تھی، گڑھی کی منڈیر تک نہ پہنچی۔

اس میں کوئی چار گھڑی رات جاتی رہی۔ جب گڑھی میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر نہ بنی، تب تھوڑے تھوڑے غازی چپکے چپکے اپنے اپنے مورچوں کو چلنے لگے۔ رات گئے تک وہ سب وہاں سے نکل آئے اور شہیدوں اور زخمیوں کو بھی اُٹھا لائے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی اُس وقت آئے اور لوگوں سے خفا ہو کر فرمایا: تم نے کس کے حکم سے حملہ کیا؟ جو لوگ اس حملے میں شہید اور زخمی ہوئے، سب کا وبال تمھیں لوگوں پر ہوگا۔ تم نے بڑی نافرمانی کی۔ جب مولانا غُصّہ فرما کر چُپ ہوئے، تب لوگوں نے عرض کی کہ ہم نے تو آپ ہی کا حکم پا کر حملہ کیا۔ آج سویرے سے سُنتے تھے کہ دریاے اٹک کے پاس سے گڑھی میں کمک آئے گی۔ عصر کے وقت حافظ عبداللطیف نے ہمارے مورچوں میں آ کر کہا کہ مولانا صاحب کا حکم ہے کہ عصر کی نماز پڑھ کر حملہ کر دو۔ یہ حکم سُن کر سب تیار ہو گئے اور حافظ جی تکبیر کہتے ہوئے آگے ہوئے۔ اُن کے پیچھے ہم بھی سب چلے۔ اُن سے دریافت کیجیے کہ ہم کچھ خلاف تو نہیں کہتے۔

یہ سُن کر مولانا صاحب نے حافظ عبداللطیف صاحب کو بُلا کر پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ حافظ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ مولانا کو یقین ہوا کہ سب انھیں کا کیا دھرا ہے۔ آپ نے اُن کو بڑی ملامت کی اور فرمایا: جو بیچارے شہید اور زخمی ہوئے اور لوگوں کو جو ایذا پہنچی، اس سب کا وبال تمھاری گردن پر ہے۔ اِتنے مسلمانوں کا تم نے ناحق خون کرایا۔ حافظ صاحب چُپ کھڑے سُنتے رہے، کچھ بولے نہیں۔

مولانا نے ڈیروں کے شہیدوں اور زخمیوں کو اپنے یہاں اُٹھوا لیا اور اُن کے دفن کا انتظام کیا۔ اسی اثنا میں پنجتار سے شیخ بلند بخت دیوبندی توپیں لے کر اب پہنچ گئے۔ توپیں مرزا حسین بیگ بانس بریلوی، شیخ ہمدانی اور شیخ مولا بخش گولہ اندازوں کے سپرد ہوئیں۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ اِن کو آج ہی چرخ پر چڑھاؤ۔ آپ وہیں کھڑے رہے۔ غازیوں نے مل کر اُن کو چرخ پر چڑھایا۔ آپ نے شیخ ولی محمد صاحب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس بھیجا اور اُن کے ڈیرے کھتبل بائی منتقل کرا دیے۔ مولانا نے پہلے زخمیوں، بڈھوں، بیماروں اور معذوروں

کو روانہ کیا۔ پھر مورچوں کے مجاہدین جو ڈھائی تین سَو کے قریب تھے، گھنبل بائی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں تنولیوں نے کچھ مزاحمت کی، لیکن لشکر بخیریت پہنچ گیا۔

بھائی کی خبرِ شہادت پر شیخ بلند بخت نے پنجتار سے آتے ہوئے ستھانے پہنچ کر سُنا کہ اُن کے بھائی شیخ علی محمد چھترِبائی کے حملے میں شہید ہو گئے۔ شیخ بلند بخت نے کہا: الحمدللہ! ہمارا بھائی جس مُراد کو آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ مُراد اُس کی پوری کی۔ ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے۔

غمزدہ کی خاطرداری جب شیخ بلند بخت امب پہنچے، تو سید صاحبؒ سے سلام اور مصافحہ ہوا۔ سید صاحبؒ نے سب کو شاباشی دی اور سب کے لیے دُعا کی اور بہت خوش ہوئے۔ نمازِ مغرب پڑھا کر آپ گڑھی میں تشریف لے گئے اور شیخ بلند بخت کو اپنے پاس بُلا کر بٹھایا۔ اُن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ کچھ دیر سکوت میں رہے۔ اس کے بعد آپ نے اُن کے بھائی علی محمد کی ماتم پُرسی کی اور شیخ بلند بخت کی تسلّی کی اور فرمایا کہ تمھارے بھائی صاحب جس مُراد کو اپنے وطن سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُن کی مُراد کو پہنچایا۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کی راہ میں صرف کرے اور ہم سب سے راضی ہو! یہی ہم سب بھائیوں کی دِلی مُراد ہے۔

تسلّی کے اِسی طرح کے اور چند جملے فرما کر آپ نے اُن کے بھائی کے لیے دُعاءِ مغفرت کی اور شیخ بلند بخت سے فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد اپنے سواروں کو گھنبل بائی میں میاں صاحب کے پاس بھیج دینا اور تم یہیں ہمارے ساتھ رہنا۔ یہ فرما کر آپ نے کھانا منگایا اور شیخ بلند بخت کو اپنے ساتھ کھلایا۔

حافظ عبداللطیف کی تادیب حافظ عبداللطیف صاحب چھترِبائی کے واقعہ کے بعد، بجائے گھنبل بائی جانے کے امب چلے آئے۔ سید صاحبؒ نے اُن کو بُلایا اور سب کے سامنے اُن کو بہت ملامت کی اور جھڑکی دی کہ تم بڑے فتنہ انگیز اور مُفسد آدمی ہو، ناحق بیٹھے بٹھائے

اتنے آدمی شہید اور زخمی کروا دیے۔ خبردار، اب وہاں تم لشکر میں نہ جانا۔

پائندہ خاں کا دُوسرا فریب پائندہ خاں کو خبر پہنچی کہ سیّد صاحبؒ نے کئی بھاری بھاری توپیں پنجتار سے منگا لی ہیں اور کئی رن گرہد اور سیڑھیاں بھی بنوائی ہیں۔ اب چھترباٸی پر چڑھائی کی تیاری ہے۔ بے گڑھی خالی کیے نہ رہیں گے۔ ان دنوں پار کے سکھوں سے اس کی سخت ناموافقت تھی۔ جب اُس نے جانا کہ اب کسی طرح بچاؤ نہیں ہے، تو اس نے سیّد حسن شاہ اور منشی غوث محمد کو اپنی طرف سے وکیل کر کے اس باب میں سیّد صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے آ کر کہا کہ ہمارے خان نے سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم آپ کے بہر صورت مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اگر آپ کھبّل باٸی سے اپنا لشکر بُلا لیں، تو ہم آپ کی دلجمعی اور رفعِ شک کے لیے اپنا بیٹا اُول (یرغمال) میں آپ کے پاس بھیج دیں اور چھترباٸی کی گڑھی بھی خالی کر دیں۔ آپ کا کوئی معتبر شخص آئے۔ ہم اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیں گے۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ تمھارے خان کا کہنا ہم کو منظور ہے اور پندرہ بیس قرابینچی اور چقماق والے ساتھ کر کے اپنے بھانجے سید احمد علی صاحب کو پائندہ خاں کے پاس بھیجا۔ انھوں نے جا کر اُس سے ملاقات کی۔ اُس نے اُن کو بڑی تعظیم و تکریم سے بٹھایا اور آپ سے ایسی لسّانی اور چاپلوسی کی باتیں کیں کہ سیّد احمد علی صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور جانا کہ یہ صلاحیت پر ہے۔ اُس نے وہی سوال کیا کہ سیّد بادشاہ اپنا لشکر کھبّل باٸی سے ہٹا لیں، تو میں چھترباٸی کی گڑھی بھی خالی کر دُوں اور اپنا بیٹا بھی سیّد بادشاہ کے پاس اُول میں بھیج دُوں۔

سیّد احمد علی صاحب نے اس بات کا اُس سے اِقرار کیا کہ انشا، اللہ تعالےٰ میں اس امر میں کوشش کر کے وہاں سے لشکر اُٹھوا دُوں گا۔ اس طرح اس کی تسلی کر کے سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور اُس کا عہد و پیمان اور اُس کی صلاحیت کا حال سیّد صاحبؒ سے ذکر کیا۔ آپ کو چُونکہ جہاد فی سبیل اللہ مقصود تھا، نہ تو چھترباٸی لینے کی حاجت تھی اور نہ کھبّل باٸی میں

لشکر رکھنے کی ضرورت۔ آپ کی تو اس سے غرض تھی کہ دریائے اٹک سے آنے جانے کا راستہ مجاہدین کے واسطے خالی رہے۔ اس لیے کہ اصل مقابلہ تو سکھوں سے تھا۔ آپ نے سید احمد علی صاحب کی گفتگو سُن کر فرمایا کہ خیر، کیا مضائقہ ہے، ہم کھبّل بائی سے لشکر بُلا لیں گے۔ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو کھبّل بائی سے امب میں بلایا اور پائندہ خاں کی ساری گفتگو جو سید احمد علی صاحب کی زبانی سُنی تھی، بیان کی اور فرمایا کہ آپ کھبّل بائی کی گڑھی کا بخوبی بندوبست کر کے اور اپنے کچھ لوگ وہاں چھوڑ کر باقی لشکر یہاں اُٹھا لائیے۔ پھر مولانا کھبّل بائی تشریف لے گئے اور وہاں کا بندوبست کر کے پچاس ساٹھ غازی رہنے دیے اور باقی سب سوار اور پیادے لے کر امب کو چلے آئے۔

چند روز کے بعد سید صاحبؒ نے اپنے خاص خاص لوگوں کو بُلا کر اُن سے فرمایا کہ پائندہ خاں کے کہنے سے ہم نے اپنا لشکر کھبّل بائی سے اُٹھا لیا، لیکن اُس نے اب تک اپنا اقرار بھی پورا نہیں کیا۔ اب اُس کے پاس کسی کو بھیجیں، دیکھیں، وہ کیا کہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہاں، مناسب ہے۔ آپ نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی، مولوی خیر الدین صاحب شیرکوٹی اور رامپور منہیاراں کے مولوی محمد حسن صاحب کو اس کے لیے تجویز فرمایا اور کہا کہ خان سے صاف صاف گفتگو کرنا، کسی بات میں ہرگز نہ دبنا۔ چھتربائی تو اللہ تعالیٰ کی تائید سے بے لڑے بھڑے خالی ہو جائے گی، وہ ہم کو کیا چھتربائی خالی کر کے دے گا۔ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی کے کام سے کام ہے، نہ اُس کی چھتربائی سے غرض ہے، نہ اُس کے بیٹے کے اوّل لینے سے۔

شیخ صاحب بیس چُست و چالاک غازی لے کر روانہ ہوئے۔ خان نے تو دس دن اُن کی خوب خاطر تواضع کی اور چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔ اس عرصے میں سید صاحبؒ نے شیخ ولی محمد صاحب کو کسی ضرورت سے بلایا۔ اُنھوں نے سب حالات بیان کیے اور کہا کہ اُس کے قول و قرار کا ہم کو کچھ ٹھکانا نہیں معلوم ہوا۔ یقین ہے کہ دو چار روز میں سب خالی چلے آئیں گے۔

سات آٹھ روز میں مولوی خیرالدین اور مولوی محمد حسن صاحب سب کو لے کر سیّد صاحبؒ کے پاس چلے آئے اور کہا کہ اُس نے ہم کو یُوں ہی خالی رُخصت کر دیا، مگر اُس نے قسم کھائی ہے کہ تمھارے جانے کے دس بارہ روز کے بعد میں اپنے بیٹے جہاندار کو اس کی ماں کی تسلّی اور دلجمعی کر کے ضرور بھیج دُوں گا۔

پندرہ روز کے بعد پائندہ خاں نے جہاندار کو دس آدمیوں کے ساتھ سیّد صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ جہاندار ان دنوں دس گیارہ برس کا تھا۔ سیّد صاحبؒ نے اُس کی بہت خاطرداری کی اور فرمایا کہ جس جگہ تمھاری خوشی ہو، رہو۔ اُس لڑکے نے ایک کوٹھڑی پسند کی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ اُس میں اُترا۔ سیّد صاحبؒ نے اپنے باورچی خانے سے اُن سب کے لیے کھانا مقرر کر دیا۔ پندرہ سولہ دن کے بعد جہاندار کے ساتھیوں نے ایک دن سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ جہاندار کی والدہ نے آپ کو نیاز نامہ لکھا ہے اور جہاندار کو دیکھنے کے واسطے بُلایا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں، تو ہم دو چار روز کے لیے اُس کو لے جائیں اور ساتھ لے کر چلے آئیں اور وُہ خط سیّد صاحبؒ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ جہاندار کے والد نے جہاندار کو بھیجتے وقت مجھ سے اقرار کیا تھا کہ جب تم کہو گی، میں جہاندار کو سیّد بادشاہ کے پاس سے بُلوا دُوں گا۔ میرا وُہی ایک بیٹا ہے۔ اُس کے بے دیکھے میرا دل بہت بیقرار ہے۔ مَیں نے جہاندار کے والد سے کہا، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ابھی اُس کو گئے ہُوئے دِن ہی کِتنے ہُوئے ہیں؟ ہم ابھی سیّد بادشاہ سے اس معاملے میں عرض نہیں کریں گے۔ تب مَیں نے بے چَین ہو کر اس معاملے میں آپ سے گزارش کی ہے۔ آپ للّٰہ فی اللّٰہ دو چار دن کے لیے اُس کو بھیج دیں، تو کمال سرفرازی ہو گی۔ سیّد صاحبؒ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے، ہم اس کو رخصت کر دیں گے۔

جب آپ نے اُس کو رخصت کرنے کا وعدہ کیا، تو جہاندار کے ہمراہی ایک روز گوشت کھانے کے واسطے کسی کی ایک گائے مول لائے اور کوٹھڑی کے آگے اُس کو ذبح

کیا۔ گوشت اُنھوں نے کھایا اور لوگوں کو کھلایا اور آپ سے رُخصت کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، کل تم کو رخصت کریں گے۔ اُنھوں نے اسی رات کو دفینہ کھود کر، جو اُس کوٹھری میں دفن تھا، گائے کے چمڑے میں لپیٹ لیا اور گائے کی ہڈیاں اس گڑھے میں ڈال کر زمین برابر کر دی صبح کی نماز کے بعد جہاندار رُخصت ہونے آیا۔ سید صاحبؒ نے ایک پگڑی اور تین تھان دے کر رخصت کیا اور اپنا سب اسباب اور وہ چمڑا لے کر چلے گئے۔ جب وہ کُھدی ہوئی جگہ دیکھی گئی اور اس کو کھودا گیا، اُس میں سے ہڈیاں نکلیں اور معلوم ہوا کہ اُس میں سے کچھ مال کھود کر لے گئے۔ پھر پائندہ خاں نے جہاندار کو نہ بھیجا۔

○

بیسواں باب

پھولڑے کی جنگ

حملے کی تجویز سید صاحبؒ کو کشمیر کی طرف بڑھنے کا خیال تھا۔ امب اور عشرہ پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ کشمیر کے راستے میں تنولیوں کا علاقہ اور پائندہ خاں کی ریاست واقع تھی۔ درمیان میں دریائے سندھ حدِ فاصل تھا، جس کو عبور کر کے اور تنولیوں کے علاقے کو طے کر کے کشمیر کی جانب رُخ کیا جا سکتا تھا۔ سلیمان شاہ والیٔ چترال کا وعدہ تھا کہ جب مجاہدین کا لشکر کشمیر کا رُخ کرے گا، تو وہ گلگت کے راستے امداد کو پہنچ جائے گا۔ ادھر دیوان رام دیال کی برطرفی کے بعد سے کشمیر میں حکومت لاہور کی طرف سے کسی ناظم (گورنر) کا تقرر نہیں ہوا تھا اور یہ کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے بہت موزوں وقت تھا۔ اسی عرصے میں پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں ہندوال اور سربلند خاں پلال نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کچھ غازی دریا کے پار اُتار کر سری کوٹ اور موضع پھولڑہ[1] پر اپنا قبضہ

---

[1] پھولڑہ مانسہرے سے دس میل ہوگا۔ وہ پہاڑوں کے حلقے میں ہے۔ "دامن کوہ کی زمین اونچی ہے۔ اس پر بستی آباد ہے۔ سرن ندی بستی کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے سے گزرتی ہے۔ بستی کے پاس سے ایک نالہ گزرتا ہے جس کا نام "ٹھنڈا ابن" ہے۔ اس سے پنچکیاں بھی چلتی ہیں اور کھیتوں کو پانی بھی ملتا ہے۔ مانسہرے کو جانے والا راستہ مشرقی سمت میں ہے" (سید احمد شہیدؒ [illegible])

کرلیں۔ مُلک تنول کے یہی دو ٹھکانے گویا سر ہیں۔ اگر یہ ہاتھ آگئے، تو انشاء اللہ تعالیٰ سب درستی ہو جائے گی۔ جو لوگ حاضر تھے اُنھوں نے اس کی تائید کی۔

آپ نے فرمایا کہ اچھا، کسی کو تجویز کرو۔ سیّد احمد علی صاحب بولے کہ اگر اجازت ہو، تو میں جاؤں، مگر اس شرط سے کہ جس کو میں چاہوں، اپنے ہمراہ لے جاؤں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ شیخ ولی محمد صاحب نے بعد میں سیّد احمد علی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے تو کبھی اپنے جانے کی درخواست نہیں کی۔ آج تو سیّد صاحبؒ نے کسی کو تجویز کرنے کو فرمایا تھا، آپ نے اپنے جانے کی کیوں درخواست کی؟ اُنھوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں دریا اُترتے ہی پہلے سکھوں سے مقابلہ ہے۔ جب اُن سے نپٹ لیں گے، تب کہیں وہاں تک جانا ہوگا۔

سیّد احمد علی صاحب نے اپنی فرد مرتب کی۔ سیّد صاحبؒ نے چند آدمی فرد سے نکال دیے اور اس کے عوض اور کر دیے اور فرمایا کہ ان کو لے جاؤ۔ آپ نے اپنی سواری کا گھوڑا انڈور نامی اور ایک سیاہ قبا بھی دی جو آپ نے رمضان کی ستائیسویں شب میں زیب تن فرمائی تھی۔

لشکر کی روانگی اور عبور دریا سیّد جعفر علی صاحب نقوی "منظورة السعداء" میں لکھتے ہیں[1] کہ سیّد صاحبؒ نے تین لشکروں کو دریائے اٹک کو تین گھاٹوں سے عبور کرنے کا حکم دیا۔ سردار محمد خاں کو میر فیض علی منشی کے ساتھ، جن کو آپ کا مشیر مقرر کیا گیا تھا، کرپلیاں کے گھاٹ سے، جو امب کے مقابل ہے، ماما نور الحسن اور اُن کے دوسرے رفقاء کو ستھانے کی جانب سے اور سیّد احمد علی صاحب کو دوسرے گھاٹ سے عبور کرنے کی ہدایت کی گئی۔ سیّد احمد علی صاحب کے ساتھ مولوی محمد حسن[2] رامپوری کو کیا گیا۔ جماعت کے پاس ایک ہی کشتی

---

[1] مولوی سید جعفر علی صاحب نقوی رمضان ۱۲۴۵ھ میں لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے تھے۔ پھولڑے کا معرکہ ان کے پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد پیش آیا ہے۔ اس لیے اس معرکے کے متعلق ان کی معلومات مستند اور مفصل ہیں۔

[2] مولوی سید جعفر علی صاحب اُن کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ خاکساری و عاجزی، علم و حلم اور قابلیت میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے بعد اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ (منظورة السعداء، ص۶۶)

تھی، جو پائندہ خاں کے مال میں سے ملی تھی۔ اُس کشتی کو پہلے امب کے قریب سے کرپلیوں کے طرف لایا گیا۔ دو ضرب توپ بھی لوگ کھینچ کر گڑھی کی طرف لائے اور گڑھی کے مقابل اُن کو نصب کیا۔ محمد خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس پر بیٹھ گئے اور ملاحوں نے کشتی چلائی۔ مخالفین نے، جو کرپلیوں کی گڑھی میں تھے، آواز لگا کر اور بندوقوں کے ساتھ مزاحمت کی۔ ادھر سے توپ کے گولے متواتر چلے۔ مخالفین بھاگ کر کچھ گڑھی کی دیوار کے نیچے اور بعض گڑھی کے اندر پناہ گزیں ہوئے اور ان کی مزاحمت کچھ کارگر نہ ہوئی۔ کشتی کے تین پھیروں میں سب لوگ دریا کے پار پہنچ گئے۔ محمدؐ خاں نے اپنے آدمیوں کو بھی بندوقیں سر کرنے کا حکم دیا۔ مخالفین مقابلے کی تاب نہ لا کر گڑھی میں رُوپوش ہو گئے۔ سیّد صاحبؒ نے چکر توپ کا رُخ گڑھی کی طرف کرنے کا حکم دیا اور گولہ اندازوں نے ہاتھ دے کر توپ سر کیا جس سے گڑھی کی دیوار کا ایک کنارہ گولہ کی چوٹ سے گر گیا۔ ادھر کے زمینداروں نے امان حاصل کرنے کے لیے ہجوم کیا۔ پانچ چھ منشی کاغذ کے ٹکڑوں پر امان نامے لکھ لکھ کر دیتے رہے۔ اشراق کے وقت سے دوپہر تک توپیں رُکی رہیں اور امان نامے لکھے جاتے رہے۔ جب مجاہدین دریا پار کر کے پہاڑی کی چوٹی پر چلے گئے اور نظر سے اوجھل ہو گئے اور زمینداروں کا ہجوم بھی کم ہوا، تو توپیں قلعے میں واپس لائی گئیں۔ دُوسرے گھاٹوں سے بھی لشکر کے دُوسرے حصّے دریا کے پار پہنچ گئے۔ اس کے بعد مولانا محمدؐ اسمٰعیل صاحب بھی چوتھی جماعت کے ساتھ دریا عبور کر کے گڑھی شنگلئی اور چمیڑی میں تشریف لے آئے۔“

شاہ کوٹ پر قبضہ وقائع احمدی میں ہے کہ سیّد احمد علی صاحب آدھی رات کو شاہ کوٹ میں پہنچے اور یکبارگی گڑھی کا محاصرہ کر لیا۔ گڑھی والے غافل سو رہے تھے۔ شور و غل سُن کر جاگے اور دو چار بندوقیں چلائیں۔ پھر جانا کہ ہم مُفت میں مارے جائیں گے۔ اُنھوں نے امان مانگی کہ ہم اپنے ہتھیار لے کر نکل جائیں۔ سیّد احمد علی صاحب نے اُن کو اجازت دی اور وہ اپنے ہتھیار لے کر نکل گئے۔

چھتر بائی کا تخلیہ شاہ کوٹ کے سپاہی موضع بُروٹی پہنچے اور پائندہ خاں سے گڑھی چھٹ جانے کا حال بیان کیا اور کہا کہ عجب نہیں، اب غازی آ کر شیر گڑھ کو لے لیں۔ آپ جلد اس کا تدارک کریں۔ وہی شیر گڑھ اُس کے بھاگنے کا ایک راستہ تھا۔ یہ خبر سُن کر سید حسن شاہ اور منشی غوث محمد سے کہا کہ میں تو شیر گڑھ کو چلتا ہوں، تم جا کر چھتر بائی کا بندوبست کرو۔ یہ دونوں سیّد صاحبؒ کے مخلص تھے۔ اُنھوں نے چھتر بائی والوں سے کہا کہ اسباب و ہتھیار لے کر جلد گڑھی سے نکل جاؤ۔ سید بادشاہ کا لشکر آتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ گھیرے میں پڑ جاؤ اور خان تو بُروٹی سے شیر گڑھ کو چلا گیا۔ یہ خبر سُن کر تمام آدمی اپنا اپنا اسباب لے کر نکل گئے۔ ان دونوں نے آ کر سیّد صاحبؒ کو خوشخبری سُنائی اور آپ کے حکم سے مولوی خیر الدین صاحب نے گڑھی میں اپنا بندوبست کیا۔ ادھر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے سیّد صاحبؒ کے حکم سے بُروٹی کا رُخ کیا۔ وہ بُروٹی پہنچے، تو پائندہ خاں شیر گڑھ سے اَگرُور چلا گیا۔ مولانا بُروٹی سے نِکّا پانی اور شیر گڑھ ہوتے ہُوئے شِنگلئی اور وہاں سے شمدڑہ آ گئے۔

جب سیّد احمد علی صاحب نے شاہ کوٹ کو خالی کر لیا اور پائندہ خاں بُروٹی سے بھاگ کر اگرُور کو گیا اور ہر طرف سے اُس کا زور ٹوٹا اور کسی خان نے اُس کا ساتھ نہ دیا تب اُس نے ہری سنگھ سے، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جاگیردار تھا، جا کر فریاد کی کہ ہمارا ملک سیّد بادشاہ نے چھین لیا ہے اور ہم اِدھر اُدھر آوارہ پھرتے ہیں، کہیں ٹھکانا نہیں، جہاں ٹھیریں۔ اگر تم ہماری اعانت کرو، تو ہمارا ملک مِل جائے۔ ہری سنگھ نے کہا کہ خان، تم بے وفا اور فریبی شخص ہو۔ تمھارے عہد و پیمان کا ہم کو اعتبار نہیں۔ پائندہ خاں نے اُس کی تسلّی کے لیے اپنے بیٹے جہاندار کو اَول میں دیا اور ہری سنگھ کو موافق کیا۔ ادھر سیّد احمد علی صاحب شاہ کوٹ کا بندوبست کر کے پھولڑے پر لشکر لے کر روانہ ہُوئے اور وہاں جا کر اپنا قبضہ کیا۔

لشکرگاہ سیّد جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں: ”تینوں لشکر حسبِ قرار داد پھولڑے کے مقام میں یکجا ہُوئے۔ سیّد احمد علی صاحب کو سیّد صاحبؒ کی ہدایت تھی کہ مُہ پہاڑ کا

دامن نہ چھوڑیں۔ محمد خاں اور میر فیض علی خاں نے میدان میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ جگہ دامن کوہ سے دُور تھی۔ یہ دریافت کرنے کے لیے کہ سیّد احمد علی صاحب اور مولوی محمد حسن پہنچ گئے یا نہیں، میر فیض علی خود اور ماما نور الحسن کی طرف سے کوئی آدمی میر احمد علی کے لشکر گاہ میں آئے۔ سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ تم سب لوگ یہاں پر میرے پاس آ جاؤ۔ میر فیض علی صاحب نے کہا کہ چونکہ ہم نے میدان میں مورچال قائم کر لی ہے، اس لیے اس کو پیچھے لانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آپ خود وہاں تشریف لے آئیے۔ وہ ایک وسیع میدان ہے، جنگ کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس وقت سید احمد علی صاحب کو سیّد صاحبؒ کی ہدایت اور تاکید کا خیال نہیں رہا اور تینوں لشکر میں جمع ہو گئے۔ وہ میدان بہت وسیع اور فراخ تھا۔ چاروں جانب پہاڑ فاصلے فاصلے سے تھے۔ وہاں سے ہزارہ کو راستہ جاتا تھا۔ اس راستے پر از رہِ احتیاط و دُور اندیشی پہرہ بٹھا دیا گیا اور ساری رات ہوشیاری کے ساتھ پہرہ دینے کی تاکید کر دی گئی"۔

"وقائع احمدی" میں ہے: "دو روز تک یہی خبر رہی کہ آج چھاپہ آئے گا۔ تمام لوگ ہوشیار اور بیدار رہے۔ مگر کوئی نہ آیا، نہ گیا۔ لوگوں کو خیال ہُوا کہ یوں ہی لوگ جھوٹی خبر اڑا دیتے ہیں اور غافل ہو گئے۔

اچانک حملہ "فجر کے قریب لشکر کے لوگ نماز کی تیاری میں مشغول تھے۔ کوئی استنجے میں، کوئی وضو میں اور کوئی صبح کی سنّت میں مشغول تھا کہ راستے کی جانب سے بندوقوں کی آواز آئی۔ اب بندوق کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ لوگوں نے جلدی جلدی تنہا تنہا یا دو دو چار چار نے فرض ادا کیے اور اپنے ہتھیار سنبھال کر دشمنوں کی طرف دَوڑے۔ اس سے جماعت میں ایک اِنتشار سا پیدا ہو گیا۔ سید احمد علی صاحب اپنی جگہ پر کھڑے قبلہ رُو دُعا میں مشغول ہو گئے اور اپنے بعض ہمراہیوں سے فرمایا کہ آواز دو کہ لوگ یہاں آ کر دُعا کر لیں۔ لوگوں نے آواز دی اور جو جو آدمی قریب تھے، وہ جمع ہو گئے۔ طرفین سے بندوق کے ساتھ مقابلہ ہُوا۔ مخالف سواروں نے فریب کیا۔ اُن میں سے ہر ایک ایک طرف کو بھاگا: کوئی مشرق کی طرف، کوئی مغرب کی

طرف۔ مجاہدین نے اُن کا تعاقب کیا۔ اس سے لشکر میں پہلے کی طرح، بلکہ اس سے زیادہ پراگندگی پیدا ہوئی۔ اُس وقت وُہ سوار پلٹ پڑے اور مجاہدین میں ایک ایک، دو دو، تین تین کو، جو لشکر سے جُدا ہو گئے تھے، شہید کر دیا۔ سیّد احمد علی صاحب اور فیض علی صاحب دیر تک بڑی شجاعت اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ آخر میں اُن کا سنگ چقماق خطا کرنے لگا۔ اُنھوں نے بندوق کی نال پکڑ کر اس کے کندے کو لاٹھی کی طرح استعمال کرنا شروع کیا اور اس سے گرس کا کام لینے لگے۔ اس وقت سکھوں کے لشکر کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور تلوار اور نیزے سے زد پر زد لگا کر ان دونوں حضرات کو شہید کر دیا۔ مولوی محمد حسن رامپوری اور رحیم بخش جرّاح، جو لشکر کے ڈیرے میں موجُود تھے، ان کی شہادت کی خبر سُن کر دیوانہ وار دوڑے اور لڑ کر شہادت حاصل کی۔ مخالفین ڈیرے خیمے اور سیّد احمد علی صاحب کے سواری کے گھوڑے کو، جو سیّد صاحبؒ کی سواری خاصے کا گھوڑا تھا، لُوٹ کر لے جانے لگے۔ اس وقت محمّد خاں نشان بردار کو غیرت آئی اور اُنھوں نے آواز دی کہ مسلمانو، یہ حضرت امیر المؤمنین کی سواری کا گھوڑا ہے، اس کو کفّار لے جا رہے ہیں۔ ایمانی حمیّت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ نائب رسولؐ کی سواری خاص کے گھوڑے کو کفّار استعمال کریں۔ اُنھوں نے اپنی جماعت کے ساتھ سخت حملہ کیا۔ بہت سکھ مقتول ہُوئے۔ محمّد خاں نے گھوڑے کی لگام تھام کر اس پر قبضہ کیا اور اس کو ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ یہ دیکھ کر سکھوں نے لشکر کی دُوسری جمعیت سے دوبارہ حملہ کیا۔ محمّد خاں نے بڑی شجاعت اور جُرأت سے اُن کا مُقابلہ کیا اور دست بدست لڑتے ہُوئے وہ خود بھی شہید ہُوئے اور گھوڑا بھی کام آیا اور اُن کی جماعت کے سارے آدمی شہادت سے سرفراز ہُوئے۔ جو آدمی پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ اُنھوں نے سکھوں کو اپنی بندوقوں کی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ راستہ دامن کوہ میں سے جاتا تھا۔ اُن کے قدم وہاں پر جم نہ سکے اور اُنھوں نے گریز اختیار کیا۔ اس وقت اُن لوگوں نے جو پہاڑ پر تھے، اس جانب، جس طرف وہ بھاگ رہے تھے، زور کیا اور مسلمانوں کے مال کا بڑا حصّہ، جس کو لُوٹے لیے جا رہے تھے، چھڑا لیا۔ جب میدان سکھوں سے خالی ہو گیا، تو

مُجاہدین نے شُہدا کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اُن کو دفن کیا۔

مجاہدین کی جوانمردی اور دلیرانہ شہادت سکھوں کے اچانک حملے پر مجاہدین نے جابجا بڑی جوانمردی اور بڑی شجاعت و استقلال کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا۔ اُن کی شہادت کے واقعات بڑے ولولہ انگیز اور بڑے ایمان افروز ہیں:

مرزا عبدالقدوس کشمیری نے، جو کانپور سے شامل ہُوئے تھے، پَیدل تھے۔ دیر تک سواروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب کوئی سوار گھوڑا دَوڑاتا ہُوا آتا، وہ گھوڑے کے سینے کے نیچے آکر گھوڑے کی لگام پکڑ لیتے اور اس کے سوار کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتے اور کبھی سوار نیزے کی نوک بائیں جانب کرتے۔ وہ دائیں جانب سے آکر اس کا نیزہ کاٹ دیتے، پھر اس کا سر قلم کر دیتے۔ اس طرح سے بہت سے حملہ آوروں کو قتل کرتے دادِ شجاعت دیتے ہُوئے شربت شہادت نوش فرمایا۔

میر احمد علی بہاری نَوعُمر جوان تھے۔ بندوق کی بھرماری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی گولیوں سے بہت سے سواروں کو ہلاک کیا۔ بالآخر دشمنوں نے اُن کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ اُس نوجوان نے اُن کو للکار کر کہا کہ تم کو تمھارے پَیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ کوئی مجھ پر گولی نہ چلائے۔ میری شمشیر زنی کا تماشا دیکھیں اور شجاعت کی داد دیں۔ میں تمھارے حلقے سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اُنھوں نے دیر تک اپنی تلوار کے جوہر دکھائے، جس پر اُن کی تلوار پڑ جاتی، سر قلم ہو جاتا یا ہاتھ یا پاؤں کٹ جاتا۔ آخر ایک شقی نے گولی سے اُن کا کام تمام کر دیا اور وہ شہادت سے سُرخرو ہُوئے۔

امام خاں سسرامی اور شیخ برکت اللہ گورکھپوری دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ آخر شیخ برکت اللہ کے سنگڑے میں آگ لگ گئی جس سے اُن کے بدن کا اکثر حصّہ جل گیا اور سکھوں نے اُن کو شہید کر دیا۔

لشکرِ اسلام میں ایک فقیر تھا، جس کے پاس صرف لکڑیاں کاٹنے والی کلھاڑی تھی۔ وہ

ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ ایک سکھ سوار کسی مسلمان کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا اُس کے پاس سے گزرا۔ اُس نے اپنا تبر اُس سوار کے سر پر مارا۔ سوار تو گھوڑا دوڑانے کی وجہ سے محفوظ رہا، لیکن تبر گھوڑے کے پٹھے پر پڑا اور گوشت میں اُتر گیا۔ گھوڑا چند قدم آگے جا کر گر گیا اور سوار بھی زمین پر آرہا۔ میر احمد علی بہاری نے (جو اُس وقت زندہ تھے) دوڑ کر اس کا سر اُڑا دیا۔

اس معرکے میں سیّد احمد علی، میر احمد علی بہاری اور ان حضرات کے علاوہ جن کا اوپر ذکر ہُوا، سید عبد الرزاق نگرامی (برادر سیّد نُور احمد نگرامی مؤلفِ نُورِ احمد) کریم بخش سہارنپوری، فیض الدین بنگالی، رحیم بخش جرّاح اور علی خاں وغیرہ شہید ہُوئے۔ جو غازی صحیح سالم تھے، وہ پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ سکھوں نے جا کر بستی کے گھروں میں آگ لگا دی۔

سیّد احمد علی کی شہادت کی اطلاع اور پس ماندگان سے تعزیت

اسب میں سیّد صاحبؒ کے پاس سیّد احمد علی کی شہادت کی اطلاع پہنچی۔ آپ نے سُن کر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، جس مُراد کو آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس مُراد کو پہنچایا اور بہت دیر تک آپ سکوت میں رہے۔[1]

عشا کی نماز کے بعد آپ نے سیّد احمد علی صاحب کے نوجوان صاحبزادے سیّد مُوسیٰ، نور بخش جرّاح شہید کے بھائی ابراہیم خاں اور معرکے کے دوسرے شہیدوں کے عزیزوں کو بُلایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں صاحب آج پھولڑے میں شہید ہُوئے اور وعظ و نصیحت اور شہدار کے فضائل بیان کر کے اُن کی تسلّی کی اور صبر کی تلقین فرمائی اور اُن کا کھانا وہیں منگوایا اور سب صاحبوں کو اپنے ساتھ کھلایا[2] اور اس کے بعد فرمایا کہ وُہ تو سب صاحب اپنے مقصودِ دلی کو پہنچے، اب اُن کے لیے دُعاءِ مغفرت کیا کرو۔ ہم تم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کے راستے میں صرف کرتے

---

[1] منظورہ میں ہے کہ جب قاصد نے بیان کیا کہ تمام زخم سیّد احمد علی صاحب کے چہرے پر آئے، تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور الحمد للہ! الحمد للہ! فرماتے تھے۔

[2] سیّد صاحبؒ کا معمول تھا کہ ایسے موقع پر شہدار کے غمزدہ وارثوں اور اعزّۂ خاص کو اپنے ساتھ خصوصیت کے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے اور اُن کی دلداری فرماتے۔

شاہ اسمٰعیل صاحب کی مُراجعت مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کو، جو پیش قدمی کے خیال سے جمپیڑی تک پہنچ گئے تھے اور اس کے منتظر تھے کہ سیّد احمد علی صاحب کو فتح ہو، تو آگے کشمیر کی طرف بڑھیں، اُن کو جب سیّد احمد علی کی شہادت کی خبر ملی، تو اُنھوں نے مستقل مزاجی کے ساتھ گڑھی کے سرداروں کو طلب فرمایا اور اُن سے خدمتِ دین و رفاقتِ مجاہدین کا عہد و میثاق لے کر اُن میں سے ایک کو سردار مقرر کرکے امب کی طرف مُراجعت فرمائی۔

پائندہ خاں کی زنبورکیں سیّد صاحبؒ کی خدمت میں ایک سیّد نے جو پائندہ خاں کی زنبورکوں کا محافظ و منتظم تھا، آکر عرض کیا کہ پائندہ خاں کا سامان جابجا پڑا ہُوا ہے۔ چنانچہ اُس کی زنبورکیں فلاں کوہستان میں کہ بیابانِ محض ہے، لاوارثوں کے مال کی طرح پڑی ہُوئی ہیں۔ آپ اُن کو اُٹھوالیں۔ سیّد صاحبؒ نے یہ خدمت شیخ بلند بخت دیوبندی کے سپرد کی کہ اس کا انتظام کریں۔ اُن کی ہدایت سے مولوی سیّد جعفر علی صاحب نقوی نے پانچ آدمیوں کی معیت میں بڑی مشقّت برداشت کرکے اور اپنے کو خطرے میں ڈال کر اُن زنبورکوں کو ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۵ھ کو امب میں پہنچا دیا۔

اکیسواں باب

امب کا قیام

پائندہ خاں کی مصالحت ۲۷ شوال ۱۲۴۵ھ کو سید صاحبؒ نے ایک اعلامؒ جاری فرمایا تھا کہ اگر پائندہ خاں اپنے عہد اور وعدے کے مطابق، جو صلحنامے میں مندرج ہے، مدو خاں کا مُلک و مال اس کے حوالے کر دے، تو اُس کی گلی ہندوال کی خانی اور سرداری برقرار رہے گی[۱] پائندہ خاں نے بھی ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ کو ایک اقرار نامہ جس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف اور آئندہ کے لیے اِتباعِ شریعت اور اطاعت کا وعدہ تھا، تحریر کیا۔ اس میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ کبھی سکھوں اور مخالفینِ اسلام کے ساتھ تعلقات نہیں قائم کیے جائیں گے اور مسلمانوں اور لشکرِ اسلام کی بدخواہی نہیں ہوگی، مدو خاں کا علاقہ اُس کے حوالے کر دیا جائے گا، کلکٹی کے سوا اگرور کے علاقے سے دست بردار ہو جاؤں گا اور پلال کے علاقے سے بھی کوئی غرض نہیں رکھی جائے گی؛ نیز ۱۲۰ سواروں اور شاہین کے ساتھ جاندار خاں کی معیت میں ایک لشکر کُمک سُمہ کر اور دو ہزار پیادوں کا ایک لشکر اکبر علی کے ہمراہ جانب کشمیر روانہ کیا جائے گا۔ اگر اس معاہدے کے

---

[۱] مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص۲۶۱ ۔

خلاف کوئی بات وقوع میں آئے، تو میری جان و مال مسلمانوں کے لیے مباح و حلال ہے اور میں اپنے مُلک و ریاست سے بالکلیہ دست بردار ہوں[1]۔ اس کے جواب میں سیّد صاحبؒ کی طرف سے بھی ایک تحریر لکھی گئی جس میں اس بات کا وعدہ تھا کہ اگر پائندہ خاں اپنے شرائط کو پورا کرے گا، تو ہنڈوال کا علاقہ اور اُس کی سرداری برقرار رہے گی اور بشرطِ خیریت و رفاقت کشمیر میں بیس ہزار کی جاگیر اور پشاور فتح ہونے پر دس ہزار کی جاگیر اُس کو دی جائے گی اور اُس کو بڑے درجے کا سردار بنایا جائے گا[2]۔

نظامِ قضاء و اصلاحِ اخلاق اسی دوران میں قاضی محمد حبان صاحب قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہوئے اور ہر گاؤں اور قصبے میں قاضی، مفتی اور محتسب مقرر ہوئے۔ تنُول کے علاقے میں، جہاں مقامی لوگوں میں سے کوئی متدیّن عالم دستیاب نہ ہو سکا، فرُوسہ کے ایک عالم قاضی منتخب ہوئے۔ قاضی محمد حبان صاحب نے مقامی و مہاجر علماء کے مشورے سے اُمورِ شرعیّہ کے ترک کر دینے پر جرمانے اور تعزیرات مقرر کیں۔ اسی طرح مخالفِ تہذیب و شریعت اُمور، مثلاً برہنہ غسل کرنے پر سزا مقرر ہوئی، کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچانے اور اس میں جانور چرانے پر جرمانے تجویز کیے گئے۔

جو عورت تارک الصّلوٰۃ ہوتی، اُس کو بھی زنان خانے میں سزا دی جاتی۔ بعض عورتوں نے اپنے کو بیوہ ظاہر کیا، بعد میں اُن کا فریب کھُل گیا اور معلوم ہوا کہ شادی شدہ ہیں۔ بعض افغانی عورتوں نے اپنی ہم قوم عورتوں کو طعنہ دیا کہ تم نے کالے کلوٹے ہندوستانی سے شادی کی۔ اُن عورتوں کی تادیب کی گئی اور فتنہ پردازی کا سدِّباب کیا گیا۔

لشکرِ اسلام کی اسلامی معاشرت اسب کے زمانۂ قیام میں سیّد صاحبؒ اور اہلِ لشکر کی معاشرت اور زندگی اسلامی معاشرت اور مجاہدانہ زندگی کا نمونہ تھی۔ ہر شخص اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ سیّد صاحبؒ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں پیش قدمی فرما کر مسلمانوں میں عمل کا جذبہ

---

[1] مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص ۲۵۹ [2] ایضاً ص ۲۵۹

اور مُسابقت اِلی الخَیر کا جوش پیدا فرما دیتے تھے۔

ایک مرتبہ باورچی خانے میں، جس میں مسلمانوں کا کھانا پکتا تھا، پانی نہ تھا۔ دریا کچھ فاصلے پر تھا اور اندھیری رات تھی۔ لوگوں نے پانی لانے میں کچھ سستی کی۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آیئے، مولانا، ہم مشک سنبھالیں، آپ گھڑا اُٹھائیں اور پانی بھر کر لائیں چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور دونوں حضرات دریا پر آئے۔ لوگوں کو اطلاع ہُوئی، تو ہجوم ہو گیا اور مشک اور گھڑا دونوں حضرات سے لے کر بات کی بات پر پانی باورچی خانے پہنچا دیا گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ مسجد میں گنجائش نہ تھی۔ اس کے قریب ایک ہاتھی بندھا ہُوا تھا، جس کی وجہ سے اس کے گرد گندگی ہو رہی تھی۔ جب ہوتی مردان سے لشکر واپس ہُوا، تو مسجد کی تنگی کی وجہ سے لوگوں نے الگ الگ جماعتیں کیں۔ آپ نے صبح کی نماز کے بعد پھاوڑا لیا اور مولانا اسمٰعیل صاحب نے ٹوکرا اُٹھایا اور جہاں ہاتھی بندھا ہُوا تھا۔ وہاں تشریف لائے۔ ہاتھی کے لیے دُوسری جگہ تجویز کی۔ سیّد صاحبؒ نے پھاوڑے سے سارا کوڑا کھودا اور مولانا نے ٹوکرے میں رکھ کر دُوسری جگہ ڈال دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر دَوڑے اور سیّد صاحبؒ کے ہاتھ سے پھاوڑا اور مولانا کے ہاتھ سے ٹوکرا لے لیا۔ مولانا دُوسرا ٹوکرا لے آئے اور دو گھنٹے کے اندر اندر جگہ کی صفائی ہو گئی۔ دُوسرے روز سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ سب بھائی پانچ پانچ پتھر لے آئیں تاکہ اُس کا فرش کر کے مسجد کی توسیع کر دی جائے۔ خود آپ بھی دریا پر تشریف لے گئے اور دو بڑے پتّھر دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر لے آئے۔ لوگوں نے بڑے اصرار سے لینا چاہا۔ آپ ناراض ہُوئے اور فرمایا کہ تم مجھے نیک کام سے روکتے ہو اور خوشامد پسند اُمراء کی طرح میری بھی چاپلوسی کرتے ہو۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ پتھر کس قدر بھاری ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے پتّھر زمین پر پھینک دیئے اور فرمایا کہ اب جس کو ہمّت ہو، اٹھا کر دیکھے۔ لوگوں نے ان پتّھروں کی جسامت دیکھ کر ہمّت نہ کی۔ آپ نے اسی طرح ان دونوں کو اُٹھا کر مسجد تک پہنچا دیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے ایک مرتبہ ایک زنبورک اُٹھائی اور مولوی سیّد جعفر علی صاحب

سے فرمایا کہ اس کو میرے کاندھے پر رکھ دو۔ مولوی جعفر علی صاحب نے عرض کیا کہ وزن بہت ہے۔ آپ اُٹھا نہ سکیں گے، مجھے اُٹھانے دیجیے۔ فرمایا کہ میری مصلحت اسی میں ہے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ زنبورک مولانا کے کاندھے پر رکھی، تو اُن کے پاؤں لڑکھڑائے۔ لوگوں نے دُور سے دیکھا، تو دَوڑے اور اُس کو اُٹھا لیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ثواب کا کام ہے، لیکن ایک ہی صاحب پر اس کا بار نہیں ہونا چاہیے۔ تین کوس کے فاصلے پر لے جانا ہے۔ باری باری سے سب لے جائیں اسی طرح عمل ہُوا۔

ایک مرتبہ دو تین روز تک مُوسلا دھار بارش ہوئی۔ قلعۂ امب کے جنوبی اور مشرقی گوشے کا بُرج گر گیا۔ دو تین آدمی بھاری بھاری پتھروں اور صدہا من مٹی کے نیچے دب گئے۔ یہ سُنتے ہی سیّد صاحبؒ نے پھاوڑے طلب کیے۔ کچھ لوگ پھاوڑے لینے دَوڑے، کچھ کہنے لگے کہ بُرج ابھی پُورا نہیں گرا ہے۔ اگر بُرج پُورا گر چُکا ہوتا، تو حرج نہ تھا۔ اب اندیشہ ہے کہ باقی حصّہ بھی گر جائے گا اور لوگ دب جائیں گے۔ آپ نے کچھ سماعت نہ فرمائی اور پھاوڑا لے کر دو آدمیوں کے ہمراہ بُرج کے نیچے تشریف لے گئے اور ملبہ ہٹانے لگے۔ آپ کی کوشش سے ایک آدمی جو قلعۂ اٹک کا رہنے والا تھا، زندہ نکل آیا۔ اگرچہ زخمی ہو گیا تھا، مگر سلامت تھا۔ اُس وقت آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر مَیں تمھارے روکنے سے رُک جاتا، تو ایک مسلمان کی جان بچانے کے ثواب سے محروم رہتا۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُس کو زندہ نکال دیا اور ہم کو اس کا ثواب عطا فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت، یہ آپ کی کرامت ہے۔ ورنہ اس کی ہلاکت میں کیا شک تھا؟

ایک رہزن کی توبہ اور اصلاح ٹوپیؔ میں پھلیلہ نام کا ایک شخص بڑا ظالم اور مردم آزار تھا۔ تمام بستی والے اُس سے تنگ اور عاجز تھے۔ آخر سب نے متفق ہو کر اُس کو ٹوپیؔ سے نکال دیا۔ وُہ وہاں سے دریائے اٹک اُتر کر کھلابٹ میں جا رہا اور اُن سے موافقت پیدا کی۔ انھوں نے اٹک کے کنارے اُس کے لیے ایک بُرج بنا دیا اور زراعت کے واسطے کچھ زمین بھی دی۔ وُہ اس بُرج

میں رہنے لگا۔ پچاس ساٹھ آدمی اُس کے پاس ہر وقت رہتے تھے۔ وہ اکثر ٹوپئی کے علاقے میں ڈاکہ مارا کرتا تھا اور وہاں بیٹھ کر کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے سکھوں کو اپنے ساتھ لے کر مشوانی قوم کے ایک آباد موضع کو خُوب لوٹا۔ اُس بستی کے اسّی آدمی مارے گئے اور اس بستی پر قبضہ کر کے خود وہاں رہنے لگا اور سکھوں کی شہ پر ٹوپئی، مینئی، منارہ اور کھبّل وغیرہ پر ڈاکہ ڈالنے لگا۔ ان بستیوں کے لوگ سیّد صاحبؒ کے پاس نالشی ہُوئے اور اُس کی سرکوبی کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی تسلّی اور دلجمعی کر کے واپس کر دیا اور پھلیلہ کے پاس اس مضمون کا خط بھیجا کہ تم مُسلمان ہو، تم کو مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائیوں کو لُوٹو، مارو اور تنگ کرو۔ تم یہاں ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم کو تمہاری بستی میں بسا دیں گے اور جو تمہاری زمین جاگیر ہو گی، تم کو دِلا دیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ! تم کو ایک گاؤں اَور دیں گے۔

جب یہ خط اُس کو مِلا، اُس نے اپنے ساتھیوں سے صلاح لی۔ سب نے کہا: چلنا ہی مناسب ہے، کیونکہ وُہ سیّد اور ہم سب کے امام اور بادشاہ ہیں۔ ہم سب کو تو پکڑنے سے رہے، اگر دو چار کو ہم میں سے گرفتار کر لیں گے، تو ہم جیسا ہو گا، دیکھ لیں گے۔ چنانچہ پھلیلہ امب میں آ کر سیّد صاحبؒ سے مِلا۔ آپ بہت خوش ہُوئے۔ اُس نے تین گھوڑے، چار بندُوقیں اور دَو تلواریں، جو سکھوں سے ایک روز پہلے لُوٹی تھیں، آپ کی نذر کیں۔ آپ نے اُس کے آدمیوں کو ایک ایک پگڑی اور ایک ایک لُنگی عنایت کی اور پھلیلہ کو ایک سبز دوشالہ، بہت سے کپڑے اور کچھ نقد روپے دِیے۔ پھر پھلیلہ نے اور اُس کے سب آدمیوں نے آپ سے بَیعت اور فسق و فجُور اور بُرے کاموں سے توبہ کی۔ تین روز آپ نے اُس کو اپنے پاس رکھا اور اُس کو خُوب نصیحت فرمائی اور اُس کو تسلّی کر کے رُخصت کیا۔ تھوڑے دن کے بعد آپ نے موضع ٹوپئی کے رئیسوں کو اور پھلیلہ کو بُلایا اور اُن سے صُلح صفائی کرائی اور پھلیلہ کا جو حق ٹوپئی میں تھا، اُن رئیسوں سے دِلا دیا اور ایک گاؤں کھبّل سے کوس بھر، جو دریائے اٹک کے کنارے ایک ٹیکری پر ویران پڑا تھا اور وہاں اکثر مُسافر لوگ لُٹ جاتے تھے، وہ پھلیلہ کو دِلوا دیا اور فرمایا

کہ اب تم وہیں رہا کرو۔ آپ نے ٹوپئی والوں کو رُخصت کر دیا اور پھلیلہ آپ کے پاس رہا۔

پھلیلہ کی کارگزاری دُوسرے یا تیسرے روز کسی مخبر نے آکر پھلیلہ سے کہا کہ سکھوں کی رسد سکندر پور سے دَربند کو جاتی ہے۔ یہ حال سُن کر پھلیلہ نے عرض کی کہ اگر مجھ کو اجازت ہو، تو میں آپ کو اس کا تماشا دکھاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اجازت ہے۔ پھلیلہ نے کوئی سَو سوا سَو آدمی بُلا کر جمع کیے اور عشرو کے کوٹلے پر بٹھائے اور اُن سے کہا کہ ہم لوگ جا کر نالے میں چھُپیں گے۔ جب سکھوں کی رسد ہمارے مقابل آئے، تب تم بندُوق چلا دینا۔ وُہ رات ہی کو شناچوں پر سوار کر کے اپنے لوگوں کو سندھ کے پار لے گیا اور سب دامن کوہ کے نالے میں جا چھُپے۔

اگلے روز کوئی تین گھڑی دن چڑھے سکھ رسد لیے ہُوئے آئے۔ کوئی پانچ سَو سوار اور پیادے رسد کے آگے تھے، اتنے ہی پیچھے تھے۔ رسد بیلوں، خچروں اور گدھوں پر تھی۔ اس میں گیہوں اور گھی کے کُپّے اور آٹا اور شکر تھی۔ ایک سال کا سامان تھا۔ وہ جب آتے آتے اس نالے کے مقابل پہنچے تو کوٹلے والوں نے دو بندوقیں چلائیں۔ ادھر پھلیلہ کے لوگوں نے نالے سے نکل کر بندوقوں کی ایک باڑ ماری اور تلواریں کھینچ کر اُن پر دَوڑے۔ یہ لوگ جا کر رسد پر گرے جس سے جو اسباب لیا گیا، وُہ لیا اور دریاے سندھ کا کنارا پکڑا۔ اُدھر سکھوں نے اُن کا پیچھا کیا اور بندوقیں مارنے لگے۔ جب اُن پر سکھوں کا زیادہ دباؤ ہُوا، تو سیّد صاحبؒ نے شیخ وزیر گولہ انداز کو توپ سر کرنے کا حکم دیا۔ شیخ وزیر نے سکھوں کے ایک غول کی طرف چار گولے مارے۔ وُہ تمام پراگندہ ہو گئے۔ اس فُرصت میں یہ لوگ اپنے اپنے شناجے پھُونک کر دریا میں سوار ہُوئے اور اسباب غنیمت اور اپنے ہتھیار لے کر پیرنے لگے اور سلامت پار اُتر آئے۔

امب کا آم امب میں دریاے سندھ کے کنارے دامن کوہ میں آم کا ایک بڑا درخت تھا۔ ایک بار سیّد صاحبؒ نے وہاں کے لوگوں سے پُوچھا کہ یہ درخت پھلتا بھی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہماری یاد میں تو کبھی نہیں پھلا۔ پھُول تو آتا ہے، مگر گر جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اِس کا کیا سبب ہے کہ بُور آتا ہے اور پھل نہیں لگتے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے بزرگوں سے

سنتے آئے ہیں کہ اگلے زمانے میں جب یہاں کا حاکم دیانتدار، منصف اور رعیت پرور تھا، اُس کی خوش نیتی اور برکت کے سبب سے یہ درخت پھلا کرتا تھا۔ اس کے بعد جب سے یہاں کے حاکم لوگوں پر ظلم اور زیادتی کرنے لگے، تب سے یہ درخت نہیں پھلتا۔

آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ اگر اس کے نہ پھلنے کا سبب یہی ہے، جو تم کہتے ہو، تو ہم اپنے پروردگار سے دُعا کریں گے کہ جو ہمارے غازی بھائی اپنے اپنے گھر بار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو آئے ہیں، کیا عجب ہے کہ یہ درخت ان سب بھائیوں کی نیک نیتی اور برکت سے پھلے اور جنابِ الٰہی سے مجھے اُمیدِ قوی ہے کہ یہ درخت پھلے گا۔

اُن دنوں آموں میں بُور آنا شروع ہوا تھا۔ ایک روز نمازِ عصر کے بعد آپ اُس درخت کی طرف گئے۔ لشکر اور بستی کے بہت سے لوگ ہمراہ تھے۔ آپ نے اُس درخت کو ہر طرف سے دیکھا۔ پھر برہنہ سر ہو کر دیر تک دُعا کی۔ ہمراہی "آمین!" کہتے تھے۔ لوگوں کے آنسو جاری تھے۔ دُعا کے بعد آپ نے میاں جی سید محی الدین پھلتی سے فرمایا کہ تم کل سے اپنے شاگردوں کو اسی درخت کے نیچے پڑھایا کرو۔ چڑیاں بھی اس کا بُور نہ گرائیں گی۔ اگلے روز میاں جی سید محی الدین اسی آم کے تلے اپنے شاگردوں کو پڑھانے لگے یہاں تک کہ اس میں کیریاں آئیں اور لوگ چٹنی کھانے لگے۔ جب آپ پنجتار تشریف لے گئے، شیخ ولی محمد صاحب نے اس درخت کے تلے ایک پہرا بٹھا دیا۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ امب ہی میں تھیں۔ جو پھل ٹپکتے تھے، اُن کے پاس جاتے تھے۔ پھر شیخ صاحب نے سب آم تُڑوا کر پال رکھوا دیے۔ جب پال تیار ہوئی، تب کئی ٹوکرے آپ کے پاس پنجتار بھیجے اور کئی ٹوکرے اپنے پاس رکھ لیے۔ ان میں سے بی بی صاحبہ کو کھلائے اور ایک ایک، دو دو آم غازیوں کو دیے۔[1]

---

[1] وقائع صـ ۱۴۲۱

بائیسواں باب

سکھوں کی سعیِ مصالحت اور مسلمان سفیروں کی حق گوئی و جرأت

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغامِ مصالحت سرحدی آویزشوں اور متعدد معرکہ آزمائیوں کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو وقتاً فوقتاً یہ خیال آتا رہا کہ سید صاحبؒ ایک فقیر منش، درویش صفت بزرگ ہیں۔ سرحد و افغانستان میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی شیخِ طریقت یا صاحبِ حمیت بزرگ نے علمِ جہاد بلند کیا اور مریدین و مخلصین کی جمعیت اپنے گرد جمع کر لی، لیکن پھر حکومت نے اُن کو کوئی علاقہ یا جاگیر دے کر یا وظیفہ اور نذرانہ مقرر کر کے گوشہ نشینی، یادِ الٰہی اور خدمتِ خلق پر آمادہ کر لیا، اور شورش رفع ہو گئی۔ اس نے پہلے قیامِ امب کے زمانے میں آپ کے پاس اسی مقصد کے لیے ایک مؤقر سفارت بھیجی، جس میں اُس کے مشیرِ خاص اور معتمد حکیم عزیز الدین بھی تھے، پھر ونتورا کو اس مسئلے میں گفت و شنید اور نامہ و پیام کرنے کی ہدایت کی۔

وقائع کا بیان ہے کہ امب کے زمانۂ قیام میں حکیم عزیز الدین دہلوی مہاراجہ کی طرف سے وکیل ہو کر آئے۔ وزیر سنگھ[1] ہمراہ تھا۔ حکیم عزیز الدین مہاراجہ کا خط لائے تھے، جس کا مضمون یہ

---

[1] وقائع میں ہے کہ وزیر سنگھ پوشیدہ سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر گیا تھا اور مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ بھی ذکر ہے کہ وُہ مہاراجہ کا برادرِ نسبتی تھا۔ دوسرے ذرائع سے اس بیان کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہو سکی۔

تھا کہ خلیفہ صاحب، آپ سیّد، حاجی اور غازی، اللہ والے ہیں۔ ہم آپ کی دُعا کے اُمیدوار ہیں۔ اگر ہندوستان سے اس مُلک میں مُلک گیری کے ارادے سے تشریف لائے ہیں، تو آپ دریائے اٹک کے اُس پار کی نو لاکھ روپے کی آمدنی کی جاگیر ہم سے لے لیں اور دریا کے اُس پار جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، اُس مُلک کی نعلبندی ہم لیتے آئے ہیں، وہ مُلک بھی ہم آپ ہی کی نذر کریں۔ آپ بفراغت اپنے صاحب کی بندگی میں مشغول رہیں اور ہم سے لڑنے بھڑنے کا خیال نہ کریں۔ اور جو یہاں لاہور میں ہمارے پاس چلے آئیں، تو ہم آپ ہی کو اپنی کُل فوج کا افسر بنا دیں۔

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم جو مسلمانوں کے اس مُلک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، تو نہ کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ مُلک گیری کے شوق میں ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں اور جو رنجیت سنگھ اتنے مُلک دینے کا لالچ دیتا ہے، اگر وہ اپنا تمام مُلک دے، تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ مسلمان ہو جائے، تو ہمارا بھائی ہے۔ اللہ کی تائید سے جو مُلک ہمارے ہاتھ لگے ہیں، ہم اُس کو دے دیں اور جو اُس کا مُلک ہے، وہ بھی اُس کے پاس رہے۔

حکیم صاحب نے کہا کہ ہم غائبانہ آپ کا جو حال لوگوں سے سُنتے تھے، اُس سے زیادہ ہم نے آپ کو پایا۔ آپ کا دعویٰ سچا ہے۔ سوائے "اٰمَنَّا وَسَلَّمْنَا" کے ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ سیّد صاحبؒ نے حکیم صاحب کو بہت خاطرداری اور عزّت و توقیر سے اپنے یہاں اُتارا اور مہمانی کی۔ آپ کے لشکر میں ڈوگروں کا ایک جمعدار رنجیت سنگھ کے یہاں سے کسی امر میں ناخوش ہو کر چلا آیا تھا۔ آپ نے اُس کو اور پچاس ساٹھ اُس کے ساتھ کے ڈوگروں کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اُس کے نام کا بھی مہاراجہ کا ایک پروانہ حکیم صاحب لائے تھے کہ اپنے لوگوں کے ساتھ ہمارے یہاں چلا آئے۔ حکیم صاحب نے وہ پروانہ اُس جمعدار کو دیا اور اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ اُس نے آکر یہ حال حضرت سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: تُم کو اختیار ہے، چلے جاؤ۔ جو

کچھ اس جمعدار اور اُس کے ساتھیوں کی تنخواہ چڑھی تھی، آپ نے سب اپنے یہاں سے دِلوا دی۔ حکیم عزیز الدین صاحب رُخصت ہونے لگے، تو آپ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام دعوت اسلام کا مضمون، جو حکیم عزیز الدین صاحب سے زبانی فرمایا تھا، لکھوا دیا۔

ونٹورا کی خواہش پر سفارت کی روانگی

اس عرصے میں ونٹورا اور الارڈ نے بارہ ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ پشاور کی نعلبندی (جو گھوڑوں اور باڑہ کے چاولوں کی شکل میں سالانہ وصول کی جاتی تھی) وصول کرنے کے لیے کوچ کیا اور دریائے لُنڈے کے کنارے ڈیرہ کیا۔

"منظورہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ونٹورا نے خود اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ کوئی قابلِ اعتماد اور فہیم شخص لشکرِ مجاہدین سے آکر اس سے گفتگو کرے۔ سید صاحبؒ نے پہلے حاجی بہادر شاہ خاں کو اس کام کے لیے مامور فرمایا اور اُن کو ہدایات دیں، پھر مولوی خیر الدین صاحب شیرکوٹی کو اس مہم کے لیے منتخب فرمایا اور اُن کے انتخاب پر بہت اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ پہلے مجھے اُن کا خیال نہیں آیا تھا، حاجی بہادر شاہ خاں کو (جو ایک سپاہیانہ مزاج مخلص بزرگ تھے) بہت دیر تک گفتگو کے نشیب و فراز سمجھاتا رہا، لیکن طبیعت کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اچانک مولوی خیر الدین صاحب سامنے آگئے، تو ذہن اُن کی طرف منتقل ہوا کہ یہ اس کام کے لیے بڑے موزوں ہیں۔ آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ ونٹورا فرانسیسی نے خط لکھا ہے کہ کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس بھیجیے جس کی زبانی ہم کچھ پیغام بھیجیں۔ آپ تشریف لے جائیے اور جو وہ کہے، اس کا معقول جواب دیجیے۔ اس کے بعد مولوی ولی محمد صاحب کو ارشاد ہوا کہ ان کے مصارف کے لیے دس روپے دے دیجیے، اور مولوی خیر الدین صاحب کی سواری کے لیے گھوڑے کا انتظام کر دیجیے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ حاجی بہادر شاہ خاں کو تین روز سمجھانے کی ضرورت پڑی۔ مولوی صاحب کو تین گھنٹے تو ہدایات دینے کی ضرورت پڑے گی۔ ارشاد ہوا کہ ان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

ان دونوں حضرات کے ساتھ دس بارہ دُوسرے اشخاص کو بھی، جن کو ہندوستان جانا تھا،

رُخصت فرمایا گیا۔ وزیر سنگھ سے ارشاد ہُوا کہ اِن لوگوں کو دریائے سندھ کے پار کرا دیا جائے۔ ستھانے تک یہ سب ساتھ آئے۔ وہاں سے حکیم صاحب اور وزیر سنگھ لشکر کی طرف چلے گئے اور مولوی خیر الدین صاحب اور حاجی بہادر شاہ خاں نے موضع سلیم خاں میں قیام کیا اور ونٹورا کو اطلاع کی کہ ہم آپ کی فرمائش کے مطابق حضرت امیر المومنین کے فرستادہ آئے ہیں۔ ہمارا قیام سلیم خاں میں ہے۔ سکھ غیر ذمّے دار لوگ ہیں۔ ہم کو خود آنے میں تأمل ہے کہ ہم سے مزاحمت نہ کی جائے۔ اگر آپ اس کا بندوبست کر سکیں، تو ہم آپ کے پاس آئیں۔

دوسرے روز جمعدار وزیر سنگھ پانچ سواروں کے ساتھ طُلُوعِ آفتاب کے بعد ہی ونٹورا کا رقعہ لے کر پہنچا، جس میں تحریر تھا کہ آپ بلا دغدغہ تشریف لے آئیے۔ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ مولوی صاحب موصُوف اپنے رُفقار کے ساتھ لشکر میں پہنچے۔ لشکر دریا کے دونوں کنارے خیمہ زن تھا۔ آمد و رفت کے لیے پُل بنا لیا گیا تھا۔ مولوی صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کا علاقۂ سمہ کے ایک مُلّا کے یہاں (جو سیّد صاحبؒ کے مریدین میں سے تھا) قیام ہُوا۔ وزیر سنگھ نے مہمانوں کی تعداد اور تفصیلات سے ونٹورا کو مطلع کیا۔ وہاں سے دس سیر چاول، دس سیر آٹا، ڈیڑھ سیر گھی، ایک بکرا اور بیس روپے ضیافت کے لیے آئے۔ جب تک ان حضرات کا وہاں قیام رہا، اسی طرح جنس لشکر کی طرف سے دعوت کے لیے آتی رہی۔

فرانسیسی جنرل کے خیمے میں دُوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر اِطلاع دی کہ آپ کو صاحب (ونٹورا) بُلاتے ہیں۔ مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا: یہ بتلا دو کہ ہم اپنے ہتھیار سمیت آئیں یا ہتھیار رکھ کر۔ اگر ہتھیار سمیت یہاں سے چلیں گے، تو ہم اپنے ہتھیار کہیں اور اُتار کر نہیں رکھیں گے۔ وزیر سنگھ نے کہا کہ آپ ہتھیار سمیت چلیے۔

خیمے میں پہنچے، تو دیکھا کہ دونوں ولایتی افسر (ونٹورا اور ایلارڈ) اپنی اپنی کُرسی پر بیٹھے ہُوئے ہیں۔ ایک چھوٹی میز اُن کے سامنے رکھی ہے۔ اُن کی کُرسیوں کے علاوہ کوئی اور کُرسی خیمے میں نہیں ہے۔ البتہ ایک عُمدہ اور بہت بڑا قالین میز کے نیچے بچھا ہُوا ہے۔ حاجی بہادر شاہ خاں

"اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی" کہتے ہُوئے داخل ہُوئے اور میز کے قریب بیٹھ گئے۔ وزیر سنگھ خیمے کے دروازے پر رہا۔ اس وقت ونٹورا نے اخبار نویس اور حکیم عزیز الدین کو بھی بُلا کر کیلوں کے پاس بٹھایا۔

ونٹورا اور مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو ونٹورا نے سُفرا سے خطاب کر کے پُوچھا کہ آپ میں مولوی کون ہے۔ حاجی صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ ونٹورا جوان آدمی تھا اور فارسی پر خوب قدرت رکھتا تھا۔ اُس نے کہا کہ مَیں آپ سے کچھ علمی گفتگو کرنا چاہتا ہُوں۔ مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر گفتگو دینی اُمُور و مسائل میں ہو گی، تو صاف اور تلخ جواب سے آزردہ اور برافروختہ نہ ہوں، ورنہ ایسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ ونٹورا نے کہا کہ جو کچھ آپ کے دل میں آئے، بے تکلف کہیے، مَیں بُرا نہ مانوں گا، لیکن جواب عالمانہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ مَیں آپ کے دین سے واقف ہُوں، خاص طور پر مَیں نے آپ کی تاریخ اور دینیات کی کتابیں بہت پڑھی ہیں۔ دوسرا ولایتی افسر (الارڈ)، جو مُعمّر تھا، کم گو اور خاموش تھا۔

ونٹورا نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ جس زمانے میں ہمارا ڈیرہ حضرو میں تھا، اس زمانے میں ایک فقیر صُورت شخص خلیفہ صاحب کی طرف سے ہم سے ملا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ اگر سرکار خالصہ (مہاراجہ) مُلک یوسف زئی کا مالیہ ہماری معرفت وصُول کر لیا کرے، تو سرکار کو فوج کشی کی تکلیف اور زیر باری سے چھٹی مل جائے اور علاقے کے لوگ سال بسال تاخت و تاراج ہونے اور ویرانی و آتش زنی کی مُصیبت سے بچ جائیں۔ ہم کو یہ بات معقول معلوم ہُوئی، اس لیے کہ اس میں فریقین کا فائدہ ہے۔ سرکار کو سرگرانی اور رعیّت کو پریشانی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات صحیح ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ بات محض دروغ اور بے اصل ہے۔ اس دروغ گو نے محض اپنی جان بچانے کے لیے آپ سے یہ بات بنائی۔ خلیفہ صاحب کو کفار کی اطاعت اور اُن کو مالیہ دینے سے کیا سروکار؟ اس لیے کہ وہ علاقہ دُور دراز میں مُلک و جاگیر کے حصُول کے

لیے نہیں آئے۔

ونتورا نے کہا کہ اچھا، اگر اُن کو کسی قسم کی طمع نہیں ہے، تو اس بے سروسامانی کے ساتھ ایک ایسی ہستی سے کیوں برسرِ جنگ ہیں، جو خزانوں، دفتروں اور فوج اور لشکروں کی مالک ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے سُنا ہوگا کہ خلیفہ صاحب ہندوستان میں صاحب وجاہت و عزّت ہیں، لاکھوں آدمی بڑے فخر و مسرت کے ساتھ آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہیں، آپ وہاں اُمراء عالی مقام کی طرح عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزار سکتے تھے، آپ کو ترکِ وطن اور کوہ گردی کی ضرورت نہ تھی۔

ونتورا نے کہا کہ ہاں، مجھے معلوم ہے کہ خلیفہ صاحب کو یہ سب عیش و عزّت اپنے مقام پر بھی حاصل تھی اور وہاں کے اہلِ حکومت آپ کی بڑی عزّت و توقیر کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسی دولت و عزّت کو خیرباد کہہ کر سفر کی صعوبتیں اور وطن کی مفارقت، اور ایک اُمیدِ موہُوم کے پیچھے دن رات کوہستان میں مشقّت کا اختیار کرنا اور بے سروسامانی کے باوجود ایک طاقتور دشمن کے مقابلے کا عزم رکھنا، جو مُلک و افواج کا مالک ہے، کون دانشمند روا رکھتا ہے؟

جہاد کا اسلامی فریضہ اب آپ مُتوجّہ ہو کر سُنیے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ دینِ اسلام میں پانچ احکام فرض کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی ادائی کی خداوندِ عالم کی طرف سے تاکیدِ شدید ہے اور وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد ہے۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، غنی ہو یا فقیر؛ اسی طرح روزہ؛ البتہ زکوٰۃ غنی پر فرض ہے، سال گزرنے پر وہ اپنے مال کا چالیسواں حصّہ راہِ خُدا میں نکالتا ہے۔ ان تینوں سے مُشکل تر حج کا فریضہ ہے، وہ اگرچہ عُمر بھر میں غنی پر ایک ہی بار فرض ہے، لیکن چُونکہ اس کے لیے اکثر سمندر کا سفر کرنا اور اپنے کو خطرات میں ڈالنا اور اپنے خاندان و خانمان سے جُدا ہونا ضروری ہوتا ہے اور بھی بہت سی مشقّتیں اس سے وابستہ ہیں، اس لیے اکثر مالدار و دُنیا طلب اس فریضے کی ادائی میں سُستی سے کام لیتے ہیں اور اس سعادت سے محروم رہتے

ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے سُنا ہوگا کہ سیّد صاحبؒ نے بے سروسامانی کے باوجود سیکڑوں آدمیوں کی معیّت میں حج کیا اور اس میں ہزاروں روپے صرف ہُوئے کہ کسی امیرِ کبیر کو بھی اس عالی حوصلگی اور دریا دلی کے ساتھ حج کرنے اور کرانے کی توفیق نہیں ہُوئی۔ وِنتورا نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں کہ اس شان کے ساتھ اس زمانے میں کسی نے حج نہیں کیا۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ جہاد کی عبادت حج سے بھی دُشوار تر ہے۔ وہ دولت کی کثرت اور فراوانی پر بھی موقوف نہیں۔ وہ محض توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے کسی کو اس سعادت کے لیے انتخاب فرما لیتا ہے۔ انھیں مشکلات و خصُوصیات کی بنا پر اس عبادت کا ثواب بھی دوسری عبادات کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے کہ اس عبادت میں جان و مال اور اہل و عیال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ جہاد محض ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی پر فرض نہیں تھا، بلکہ حضرتِ ابراہیم و مُوسیٰ و داؤد، علیہم السّلام، پر بھی فرض تھا۔ آپ کو خود تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہُوئی ہوگی۔ وِنتورا نے کہا: جی ہاں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ چُونکہ سیّد صاحب عنایتِ الٰہی سے مقبولِ بارگاہ اور صاحبِ ارادہ و عالی ہمّت بزرگ ہیں، اُنھوں نے اس فریضے کی ادائی کا تہیّہ کیا۔ اس کی ادائی کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ جماعتِ مجاہدین کا کوئی امیر اور امام ہو، جس کی ماتحتی میں شرعی طریقے پر جہاد کیا جائے؛ دُوسرے یہ کہ کوئی دارالامن ہو، جہاں سے اس فریضے کی ابتدا کی جائے۔ ہندوستان میں کوئی دارالامن نہیں ہے۔ وہاں یہ معلوم ہُوا کہ قبائلِ یوسف زئی سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں، لیکن اُن کا کوئی شرعی امیر یا امام نہیں، اُن کا مُلک کوہستان اور جائے امن ہے۔ اس لیے آپ چھ سو اشخاص کے ساتھ اس مُلک میں تشریف لائے اور اس مُلک کے مسلمانوں کو اس فریضے کی ادائی کی ترغیب دی اور اُن کو اس پر آمادہ کیا یہاں تک کہ اُن لوگوں نے آپ کے دستِ مُبارک پر بیعتِ امامت کرکے آپ کو اپنا سردار بنایا۔ اُسی وقت سے آپ کو امام، امیر المومنین اور خلیفہ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جہاد کی حقیقت یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد جنگ و ملک گیری کا نام نہیں۔ جہاد کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ، کفار کا زور توڑنے اور اُن کے دین و مذہب کی شورش کو دفع کرنے کی امکانی کوشش کی جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جماعتِ مجاہدین کے امام کے لیے یہ بھی شرط نہیں کہ اس کی تیاریاں اور ساز و سامان دشمن کے ساز و سامان کے مساوی ہو۔ دین کی ترقی اور اُس کے سامان کی فراہمی کی کوشش البتہ شرط ہے۔ پس اگر جنگ پیش آجائے اور مصلحت کا تقاضا ہو، تو جنگ کی جائے گی اور اگر فتح ہو جائے، تو دشمنوں کے مال کو مالِ غنیمت بنانا اور اُن کے زن و فرزند کو اسیر کرنا اور اُن کے مُلک پر قبضہ کر لینا بھی روا ہے۔ بہرحال اصل مقصود ترقیِ دین ہے، فتوحات اُس کا ثمرہ ہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجے کی فتح یہ ہے کہ جب تک جان میں جان ہے، غازی مُجاہد ہی رہیں۔ جن کے فضائل اور مراتب و مناقب قرآن مجید میں واضح اور مفصّل طریقے پر بیان کیے گئے ہیں۔ اور اگر کفار کے ہاتھ سے خدا شہادت نصیب فرمائے، تو زہے نصیب! رسالت کے بعد اس مرتبے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہی نہیں۔

ونتورا نے کہا کہ ہاں، بیشک آپ کے مذہب میں شہید کا بڑا مرتبہ ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ابھی اقرار کیا تھا کہ تمام پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں جہاد کیا، پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ "تمھارے مذہب میں"۔ بھلا "تمھارے مذہب" کی اس قید کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ "پیغمبروں کے یہاں یہ عبادت اعلیٰ مرتبے کی ہے"۔

مجاہدین کا اعتقاد و اعتماد ونتورا نے کہا کہ میں نے یہ مانا، لیکن یہ بات عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اس بے سر و سامانی کے ساتھ کہ خلیفہ صاحب کے پاس نہ افواج ہیں، نہ توپ خانہ، نہ سرمایہ، نہ مُلک، لیکن اُن کے عزائم یہ ہیں! مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں، اہلِ دُنیا کو فوج، توپ اور خزانوں پر اعتقاد ہوتا ہے اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت پر توکل و اعتماد۔ ہم نہ فتح کا دعویٰ کرتے ہیں، نہ شکست سے ملول ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت

میں ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ كَم مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۔(البقرۃ:۲۴۹)

تاریخ کی شہادت اگر آپ کو اس سے انکار ہے، تو آپ کی تاریخ دانی کا دعویٰ غلط ہے، اس لیے کہ کتبِ تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے زبردست و سرکش اور کثیر التعداد گروہ حقیر و کمزور لوگوں کے ہاتھ سے زیر و پامال ہوئے، خصوصاً جب کہ ضعفاء اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت و نصرت کے لیے کمربستہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کو بھی ایسے معاملات پیش آئے، جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ کسی پیغمبر کے پاس بھی خزانہ، توپ اور فوج نہ تھی۔ تھوڑے پیروؤں کے ساتھ، جو غریب و فقیر تھے، انھوں نے بڑے بڑے زبردستوں اور گردن فرازوں کو خاک میں ملا دیا۔ اُن کے جانشینوں اور نائبین نے بھی عظیم الشان سلطنتوں کو درہم برہم کر دیا۔ اس سلسلے میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود تاریخ داں ہیں۔ تاریخ کی کتابیں خود رہنمائی کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اس موقع پر جنرل الارڈ نے کہا کہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بے سر و سامان صاحبِ ساز و سامان کے مقابلے میں اور غیر مسلح مسلح کے مقابلے میں کامیاب ہوں۔ ونٹورا نے کہا کہ نہیں، مولوی صاحب صحیح کہتے ہیں کہ بڑوں نے چھوٹوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔

امب کا جائے وقوع ونٹورا نے کہا کہ دیکھیے، یہ ساری فوج پنجتار کا رُخ کرے گی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار میں تو ہم آپ کے قابو میں نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ خلیفہ صاحب اس وقت امب میں ہیں اور وہ مقام آپ کا دیکھا ہوا ہے کہ ایک طرف تو اُس کے غیبی خندق ہے، یعنی دریائے سندھ، جس کا عبور کرنا نہایت دشوار ہے؛ دوسری جانب تنہ کا غیبی حصار ہے، یعنی، ایسے دشوار گزار پہاڑ کہ اگر کسی درے پر دس بندوقچی بھی بیٹھ جائیں، تو آپ کی یہ ساری فوج، بلکہ اگر ایسی ہی دوسری فوج بھی ہو، تو اس سے گزر نہیں سکتی۔

پنجتار میں مقابلے کی تیاریاں ونٹورا نے کہا کہ صحیح ہے، امب سخت مقام ہے، لیکن میں تو پنجتار جانے کا ذکر کرتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار کیا چیز ہے اور وہاں فوج کشی کرنے

سے کیا ملے گا؟ فتح خاں نے اپنی قوم کی ایک جماعت کثیرہ کو جمع کیا ہے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اپنی تقویت کے لیے طلب کیا ہے۔ مولانا ایک جماعت مجاہدین اپنے ساتھ رکھتے ہیں، سب ملا کر دس بارہ ہزار آدمی وہاں جمع ہیں۔ اس کے علاوہ پنجتار میں عورتیں، بچے اور کھیتی باڑی کچھ نہیں ہے، جس کے تاراج و سوخت ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اگر فتح کے آثار نظر آئیں گے اور دشمن پر غلبے کی اُمید ہوگی، تو کیا کہنا! ورنہ ایک پہاڑ کو چھوڑ کر دُوسرے پہاڑ کی چوٹی پر چلے جائیں گے بہرحال آپ کو ہمیں نقصان پہنچانے کی قُدرت نہیں۔ اس کے علاوہ پنجتار آپ کا دیکھا ہُوا ہے کہ تین کوس تک دونوں جانب پہاڑوں کا سلسلہ ہے، اس کے بعد پنجتار واقع ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور تمھارے قدم ڈگمگائے، تو یہ سوچ لینا چاہیے کہ تمھارا اس درے سے گزر کر نکل جانا کِتنا دُشوار ہوگا۔ اُس وقت اس پہاڑ کی عورتیں اور بچّے تمھارے گھوڑوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیں گے۔ پہلے اپنے متعلق غور کر لینا چاہیے، پھر پنجتار کا رُخ کرنا چاہیے۔ پُرانی مثل ہے کہ کہیں داخل ہونے سے پہلے نکلنے کا بندوبست سوچ لینا چاہیے۔

ونیتورا نے کہا کہ بات تو اور ہو رہی تھی، ہم بات کرتے کرتے کہیں اور پہنچ گئے۔ ہم کو خلیفہ صاحب سے بہت محبّت ہے۔ اس وجہ سے میں مہاراجہ کی سرکار میں بدنام ہُوں، لیکن جنگ کے موقع پر یہ محبّت کچھ کام نہ آئے گی۔

تحائف کے لیے ونیتورا کا اصرار مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے ٹھیک کہا۔ اگر آپ نے کچھ رعایت کی، تو اپنی سرکار میں نمک حرام کہلائیں گے۔ ونیتورا نے کہا: میری صرف اتنی خواہش ہے کہ میرے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تحفہ تحائف کی رسم جاری ہو جائے۔ پہلے مَیں کوئی چیز بھیجوں، پھر خلیفہ صاحب کوئی تحفہ بھیج دیں تاکہ یہاں سے واپس جانے کے لیے مجھے کوئی عُذر مل جائے۔ اس کے بعد خلیفہ صاحب کو یُوسف زئیوں کے مُلک کا اختیار ہے؛ جو چاہیں، کریں۔ خالصہ کی فوج پھر اس مُلک پر کبھی نہ آئے گی۔

مولوی خیرالدین صاحب کی دُور اندیشی مولوی صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب کو تمھاری محبت اور

دوستی سے کوئی غرض نہیں۔ اگر آپ کو غرض ہو، تو پہلے آپ سلسلہ جُنبانی کریں۔ خلیفہ صاحب بڑے بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہیں۔ وُہ آپ کے تحفوں کا جواب ضرور دیں گے، لیکن خلیفہ صاحب کی سرکار کا تحفہ یہی ہے کہ کسی کو سر بند، کسی کو کُلاہ اور کسی کو جبّہ بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اُن کی سرکار میں ہتھیار بھی بڑے بڑے بیش قیمت ہیں۔ تعجب نہیں کہ اُن میں سے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔

ونتورا نے کہا: سر بند اور کُلاہ کو ہم کیا کریں گے؟ ہاں، اگر تحائف کے عوض میں ایک گھوڑا خلیفہ صاحب عنایت فرما دیں، تو معقُول بات ہوگی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کا مطلب سمجھا۔ ہم گھوڑا آپ کو ہرگز نہ دیں گے۔ ونتورا نے کہا کہ آپ انکار کر رہے ہیں۔ آپ خلیفہ صاحب کو لکھیے۔ وہ عقلمند ہیں، وُہ اس تجویز کو پسند فرمائیں گے۔ اس کے لیے دور اندیشی کی ضرورت ہے۔

اُس وقت حکیم صاحب، اخبار نویس، بلکہ حاجی بہادر شاہ خاںؒ تک نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا کہ ونتورا جو کچھ کہ رہا ہے، اس کو قبُول کر لیں، مگر مولوی صاحب اپنی عقل دُور اندیش سے معاملے کی تہ تک پہنچ گئے[1] اور فرمایا یہ بات اس کے لیے تو مُناسب ہے، جو مُلک اور جاگیر پر قابض ہو، لیکن اُس شخص کے لیے مناسب نہیں، جس نے جہاد محض اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے شروع کیا ہو۔ جس طرح جو شخص نماز، روزہ اور دُوسرے اعمالِ صالحہ محض خلق اللہ میں بزرگی حاصل کرنے کے لیے کرے، عذاب و وبال کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح جہاد فسادِ نیّت کے ساتھ مُوجبِ وبال ہے۔ میں ایسی بات خلیفہ صاحب کو نہیں لکھ سکتا۔ اس نیّت میں ہم اور خلیفہ صاحب یکساں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہم نے اُن کو اپنا امام قرار دیا ہے، اس لیے کہ امام کا تقرّر شرائطِ جہاد میں سے ہے۔ جو چیز جہاد کے ثواب کو باطل کرنے والی ہے، اس کے انکار میں ہم اور خلیفہ صاحب برابر ہیں۔

مولوی صاحب کا صاف جواب

ونتورا نے دو تین بار یہی بات دُہرائی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس بات کو بار بار دُہرانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ گھوڑا تو گھوڑا ہے، ہم تو گدھا بھی تم کو نہیں

---

[1] ونتورا کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سید صاحبؒ تحفے میں ایک گھوڑا ونتورا کے پاس بھیج دیں اور وہ اور مہاراجہ کی حکومت لوگوں میں مشہور کر سکے کہ سید صاحبؒ نے نعلبندی دے کر مہاراجہ کی حکومت کا باجگزار اور علاقہ دار ہونا منظور کر لیا۔ مولوی خیر الدین صاحب اس نکتے کو سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ کسی طرح گھوڑے کے تحفے کا اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دیں گے۔ ہمارا تو ارادہ خود آپ سے جزیہ اور خراج لینے کا ہے، ہم آپ کو خراج کیا دیں گے؟

ونتورا نے کہا کہ اگر خلیفہ صاحب اپنی کرامت سے اس بے سروسامانی اور قلت فوج کے ساتھ ایسی صاحب حشمت و جاہ سرکار پر فتحیاب ہو جائیں، اس صورت میں ہم سرکار خالصہ کو چھوڑ کر خلیفہ صاحب کی طرف رجوع کر لیں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں خلیفہ صاحب کا حال تم سے کیا کہوں۔ آپ نے خود دیکھا نہیں۔ اگر ملاقات کا حوصلہ ہو، تیار ہو جائیے۔ انشاء اللہ آپ اُن کی گفتگو سن کر سوائے آمَنّا وَ صَدَّقْنَا کہنے کے اور کچھ نہ کہیں گے۔

یہ سن کر ونتورا نے کہا: "نہیں، نہیں"۔ پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ اس کے بعد کہا کہ اگر آپ کو اس مضمون کے لکھ کر بھیجنے میں عُذر ہے، تو زبانی آپ یہ پیغام پہنچا دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کے کچھ کہنے پر منحصر نہیں۔ میں ذرّہ برابر بھی اُن سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا اور ساری گفتگو بے کم و کاست نقل کر دوں گا۔ ونتورا نے کہا کہ اس کے بعد جو آپ ارشاد فرمائیں، وہ حضرت میں ہم تک پہنچا دیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ جواب کا پہنچانا یا نہ پہنچانا ہمارے اختیار میں نہیں، یہ خلیفہ صاحب کی رائے اور حکم پر منحصر ہے۔ اس وجہ سے میں اس کا وعدہ نہیں کرتا۔

ونتورا نے کہا کہ آپ نے میرے سامنے جو کچھ کہا ہے، کیا آپ کھڑک سنگھ کے سامنے بھی کہہ دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ آگے بڑھ کر کہوں گا۔

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ونتورا نے کہا کہ آپ اس وقت تشریف لے جائیں، ہم پھر کبھی اور وقت بلائیں گے۔

پنجتار پر حملہ کی تیاری اور پسپائی مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو کر حکیم عزیز الدین کے ڈیرے پر آئے اور کھانا تناول کیا۔ نمازِ مغرب تک وہیں رہے۔ نماز کے بعد اپنے ڈیرے پر آئے۔ دوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر خفیہ طریقے سے بیان کیا کہ آج ظہر کے وقت کھڑک سنگھ کے ڈیرے پر دونوں ولایتی افسر اور پٹھانوں خان کا بھائی امیر خاں اکٹھے تھے۔ اُنھوں نے مشورہ کیا کہ یہ مولوی بہت تیز مزاج ہے۔ ہماری بات قبول نہیں کرتا۔ پنجتار کی طرف فوج کا جانا ضروری ہے۔

ایک پہر رات رہے کوچ کی تجویز ہوئی۔ اِس کی اطلاع مولانا اسمٰعیل صاحب کو ضرور ہونی چاہیے۔ اُسی وقت مولوی صاحب نے اس مُلّا کی معرفت، جس کے یہاں وہ مقیم تھے، ایک شخص کو پنجتار روانہ کیا اور قاصد سے فرمایا کہ جو جو دیہات راستے میں پڑیں، وہاں کے لوگوں کو خبردار کرتے جانا کہ کل سکھوں کا لشکر پنجتار پہ چڑھائی کرے گا۔ اپنی اپنی جان اور مال سے ہوشیار رہیں۔

ایک پہر رات رہے کھڑک سنگھ کے علاوہ تمام لشکر نے زیدے کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے پنجتار چھ کوس ہے۔ غروبِ آفتاب کے وقت لشکر میں مشہور ہو گیا کہ آج رات غازی پنجتار سے سکھ لشکر پر شبخون ماریں گے۔ اس اطلاع سے سارے لشکر میں ایک اضطراب اور انتشار پیدا ہو گیا کہ کوئی اپنے بستر پر آرام سے لیٹ نہ سکا۔ سب اپنے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ چونکہ اُنھوں نے زمین سے میخیں اُکھاڑ لی تھیں، تمام لشکر میں شور بپا ہو گیا اور ہر شخص بھاگنے کے لیے تیار ہو گیا۔ ولایتی افسروں نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر یوسف خاں اجٹین اور دُوسرے افسروں کو طلب کر کے کہا کہ آخر، یہ کیا مُصیبت ہے اور لشکر پہ ہراس کیوں طاری ہے؛ ہر شخص بھاگنے پہ تیار ہے! اُن کو تسلی دے کر ٹھیرانا چاہیے۔ افسروں نے حسب الحکم لشکر کو سمجھایا۔ تھوڑی رات باقی تھی کہ سارا لشکر دریا لُنڈے کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اِس طرح پر کسی نے کسی کو نہیں پوچھا۔ پھر نہایت تیزی کے ساتھ پل کے ذریعے دریا عبور کر کے پُل کو توڑ دیا۔ وہاں کچھ دیر ٹھیر کر ایک پہر دن باقی تھا، اٹک کی طرف کوچ کر گئے۔

سیّد صاحبؒ کی تحسین و تائید اسی روز مولوی خیرالدین صاحب پنجتار روانہ ہوئے۔ وہاں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ مولوی صاحب کو کھڑک سنگھ قید کر کے لاہور لے گیا، اس لیے اُن کی تشریف آوری پر لشکرِ اسلام میں بڑی خوشی ہوئی۔ اسب میں یہی افواہ مشہور ہو گئی۔ اس لیے مولوی خیرالدین صاحب دوسرے روز ہی عصر کے بعد اسب میں پہنچے۔ اُن کے پہنچنے پر سیّد صاحبؒ غایت مسرت کے ساتھ بنفسِ نفیس اُن کی جائے سکونت پر تشریف لائے اور ونیتورا کی ملاقات اور وہاں کا سارا ماجرا سُنا۔ سارا قصّہ سُننے کے بعد فرمایا کہ شاباش، جَزاکَ اللہُ خیراً! آپ نے جو جواب دیا، وہ

ہماری مرضی کے عین مطابق تھا، خاص طور پر آپ کے اس جواب سے کہ گھوڑا تو کیا، ہم آپ کو گدھا بھی نہیں دیں گے، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بات آپ نے میرے دل کی فرمائی۔ اسی غرض کے لیے ہم نے آپ کو بھیجا تھا۔ دُوسرے سے یہ کام ہونا مُشکل تھا۔ یہ بھی آپ نے اچھا کیا کہ جواب بھیجنے کا وعدہ نہیں کیا۔[1]

◆

---

[1] منظورۃ السعداء، ص۹۶ آ ۱۰۸۔

تیسواں باب

مُلکِ سَمہ کی دوبارہ تسخیر و انتظام
اور
جنگِ مردان

قاضی حبان صاحب کی تجویز جس زمانے میں سید صاحبؒ کے حکم سے مجاہدین نے پائندہ خاں کی درخواست پر کھبل بائی سے اپنا لشکر اُٹھالیا، اُسی زمانے میں قاضی حبان صاحب نے سید صاحبؒ سے ایک روز عرض کی کہ ہم سب سوار اور پیادے یہاں مُعطّل بیٹھے ہیں اور تمام مُلکِ سَمہ کا باغی اور ناموافق سا ہو رہا ہے۔ اگر آپ میرے ہمراہ کچھ لشکر کر دیں اور مجھ کو امیر کرکے ادھر کو روانہ فرما دیں، تو مَیں وعظ و نصیحت کرکے وہاں کے لوگوں کو موافق کروں اور جو لوگ نہ مانیں، اُن کو بزور راہ پر لاؤں۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ مجھ کو اختیارِ کُل دے دیں۔ جیسا مَیں مُناسب جانوں، ویسا کروں؛ اس لیے کہ مَیں اس مُلک کا بھیدی ہوں۔ مولانا صاحب کو بھی آپ میرے ہمراہ کر دیں تاکہ مَیں جو کام خُدا اور رسُولؐ کے حکم کے خلاف کروں، مولانا صاحب مجھے وُہ کام نہ کرنے دیں۔

سید صاحبؒ نے اُن کا مشورہ پسند فرمایا اور قاضی صاحب کو نصیحت کی کہ خُدا و رسُولؐ کے خلاف اپنے نفس کی خواہش کا کوئی کام نہ کریں۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آپ بھی قاضی صاحب کے ہمراہ جائیں۔ رسالدار عبدالحمید خاں کو مع تمام سواروں کے قاضی صاحب کے ساتھ کیا اور لوگوں کو تاکید کی کہ بلا انکار قاضی صاحب کی اطاعت کریں اور دُعاءِ خیر کرکے اُن

کو رخصت کیا۔

قاضی صاحب کے ساتھ تین سو سوار، ڈھائی سو پیادے، ایک اونٹ پر نقارہ اور اونٹوں پر چھ ضرب زنبورک تھے۔

قاضی صاحب پنجتار میں پنجتار میں قاضی صاحب نے فتح خاں کے مشورے سے زیدے کے فتح خاں اور ارسلان خاں کلابٹ والے ابراہیم خاں اور اسمٰعیل خاں اور مرغز والے سرفراز خاں اور جو خان اور ملک سکھوں سے بھاگے ہوئے تھے، اُن سب کو بلا کر جمع کیا اور فتح خاں نے اُن سے قاضی صاحب کا منشا ظاہر کیا کہ سمہ میں جہاں جہاں سکھوں نے مسلمانوں کی زمین دبالی ہے، اُن پر لشکر کشی کی جائے اور ملک اُن سے خالی کرا لیا جائے۔ اُن سب نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور اپنی بستی کے علمار کو بلایا اور سب کے سامنے وہی تقریر کی۔ وہ سب اس امر پر متفق ہوئے اور کہا: ہم سب اس امر میں تمھارے شریک ہیں۔ فتح خان نے ان سب علمار و خوانین سے کہا کہ ہم اپنی قوم سے قاضی صاحب کو عُشر بھی دلوائیں گے اور جب تم اپنی اپنی بستی پر قابض ہو جاؤ گے تو تم سب کو بھی دینا پڑے گا۔ اُن سب نے قبول کیا۔ البتہ علمار کے درمیان کچھ قیل و قال ہوئی اس لیے کہ یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ قاضی صاحب نے اگلے روز اُن علمار سے گفتگو کی اور ثابت کیا کہ عُشر امام کا حق ہے اور امام غازیوں اور محتاجوں اور مستحقین کو پہنچانے کا ذمّہ دار ہے۔ علمار نے بالآخر قبول کر لیا۔ قاضی صاحب نے علمار سے کہا کہ آپ اپنی بستیوں میں جا کر وہاں کے علمار، ملک اور خوانین کو فہمائش کیجیے کہ سکھوں کی اطاعت چھوڑ دیں، مسلمانوں کے شریک ہوں اور سکھوں کو اپنے ملک سے نکالیں۔

ہنڈ کی تسخیر اس عرصے میں قاضی صاحب نے کھلابٹ کو تسخیر کر کے اُس کا بندوبست کیا۔ پھر اسی طرح مرغز، ٹھنڈ کوئی اور موضع گڈی اور پنج پیر کا انتظام کیا اور معتمد آدمیوں کے سپرد کیا۔ ہنڈ پھر سکھوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اُن کو جب غازیوں کی جا بجا فتوحات کی اطلاع ملی، تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب یہ سب مسلمان آپس میں ایک ہو جائیں گے اور ہم مُفت

میں خراب ہوں گے۔ اب یہاں رہنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔ اُسی وقت سے اُنھوں نے اپنا اسباب و سامان قلعے سے دریائے اٹک کے پار بھیجنا شروع کر دیا اور سات سکھ اور ہتھیار رہ گئے۔ اس عرصے میں عبدالحمید خاں رسالدار ہُنڈ کا اندازہ کرنے کے لیے ایک سوار لے گئے قلعے والوں نے گھوڑوں کی آواز پر کچھ بندوقیں سر کیں۔ اِدھر سے شاہین والوں نے گولیوں سے جواب دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سکھوں نے رات بھر میں قلعہ خالی کر دیا۔ کچھ طالب علموں نے قاضی صاحب کو آ کر اطّلاع دی کہ ہنڈ کا قلعہ خالی پڑا ہے۔ قاضی صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی معیت میں شہر میں داخل ہُوے، دروازوں پر پہرے لگا دیے اور رعایا کی تسلّی کی اور اُن کو امن دی اور اپنے لشکر میں کہ دیا کہ کوئی ان سے تعرُّض نہ کرے۔

دُوسرے دن فتح خاں پنجتاری اور زَیدہ کے فتح خاں اور ارسلان خاں مبارکباد کے واسطے آئے پہلے قاضی صاحب نے خوانین اور اہل الرائے حضرات سے مشورہ کر کے اس قلعے کے کھودنے کا حکم دیا۔ اطراف کے ہزاروں آدمی اُس کے کھودنے میں لگ گئے لیکن قلعہ نہایت سنگین و مستحکم تھا۔ قاضی صاحب نے اُس کا کھودنا موقوف کیا۔ قاضی صاحب نے فتح خاں اور ارسلان خاں سے کہا کہ آپ اپنے زَیدہ کو آباد کریں اور اس قلعۂ ہنڈ کی حفاظت کریں۔ ان دونوں نے منظور کیا۔

ادائے عُشر اور اطاعتُ شرکت کا دوبارہ اقرار اس کے بعد قاضی صاحب نے موضع نُوی کلی اور موضع شیخ جانا (جن میں قومِ رَزَڑ آباد تھی) کی تسخیر کا اِرادہ کیا اور سیّد صاحب کے پاس سے کچھ اور لشکر طلب کیا۔ مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کچھ فوج لے کر آئے۔ قومِ رَزَڑ کے لوگ مشکار خاں اور آنند خاں، محمود خاں، مُنیر خاں اور مُبین خاں کی فہمائش سے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوئے اماں زئی کے خوانین اور اطراف کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ ان سب نے مشورہ کر کے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ ہم سب نے عُشر دینے اور اطاعت و شرکت کرنے کا جو عہد و پیمان کیا تھا، اُسی عہد و پیمان پر اب بھی قائم ہیں۔ انشاء اللہ کسی طرح کا فرق نہ پڑے گا۔

خانِ ہُوتی کی سرکشی تیسرے، چوتھے روز قاضی صاحب نے موضع کاٹ لنگ اور موضع لُوند خوڑ

کے خانوں اور موضع ہوتی کے خان احمد خاں کو بلایا۔ سب خوانین حاضر ہوئے اور عشر و اطاعت میں شرکت قبول کی، مگر ہوتی کا رئیس احمد خاں نہ آیا اور زبانی کہلا بھیجا کہ قاضی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ ہم آٹھویں دن آ کر ملاقات کریں گے۔

ادھر اُس نے اپنے بھائی رسُول خاں کو مردان بھیجا اور کہا کہ وہاں اچھی طرح انتظام اور حفاظت سے رہنا کہ یہاں سید بادشاہ کا لشکر پڑا ہے اور تمام خوانین اُن کے متفق ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اِدھر کا ارادہ کریں اور ہوتی میں اپنے نوکروں چاکروں کو متعین کیا کہ تم یہاں بڑی حفاظت اور ہوشیاری سے رہنا اور خود لشکر لینے پشاور روانہ ہو گیا۔ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ملی۔ قاضی صاحب نے ہوتی کے حالات خفیہ طور پر معلوم کیے اور لشکر کو تیار رہنے کا حکم دیا اور ایک دن اچانک ہوتی کی طرف روانہ ہو گئے۔

مجاہدین ہوتی مردان میں ہوتی کے لوگ گھوڑوں کی آواز سے، جو اُس وقت ہنہناتے تھے اور خاموش نہیں ہوتے تھے، ہوشیار ہو گئے اور نقارہ بجنے لگا۔ قاضی صاحب نے لشکر کو ٹھیرا دیا اور اپنے مشیروں سے فرمایا کہ ہوتی میں نقارہ بج رہا ہے، معلوم ہوتا ہے، کسی جاسُوس نے اُن کو خبردار کر دیا ہے۔ اب کیا تدبیر ہے؟ مولانا اور رسالدار عبدالحمید خاں نے کہا کہ قاضی صاحب، وہاں سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے، اب پیچھے ہٹنا مناسب نہیں۔ اگر چھاپا نہ ہُوا، تو دن کی لڑائی سہی۔ اُمید قوی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اُن پر غالب ہوں گے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے میرے دل کی بات کہی اور بسم اللہ کر کے آگے بڑھے اور ایک طرف سے مولوی مظہر علی صاحب۔ دُوسری طرف سے رسالدار عبدالحمید خاں نے شہر پر حملہ کیا۔ قاضی صاحب اپنے لوگوں کے ساتھ بستی کے دروازے کی طرف چلے اور ہلّہ کر کے بستی میں گھُس گئے۔[1]

وہاں کے لوگ کچھ بھاگ کر گڑھی میں جا گھُسے اور باقی مردان کی طرف بھاگ گئے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور قاضی صاحب حملہ کر کے گڑھی میں گھُسے اور گڑھی والے سمٹ کر شمالی

---

[1] وقائع احمدی

فصیل کی طرف جا کھڑے ہوئے۔ مولوی مظہر علی صاحب کو جنھوں نے کھلیانوں کی طرف سے حملہ کیا تھا، بندوق کی گولی لگی اور وُہ زمین پر گر گئے۔ جو شخص اُن کے پاس سے گزرتا اور اُن کا حال دریافت کرتا، بلند آواز سے فرماتے کہ جلدی جاؤ، مَیں بھی آتا ہُوں۔ لوگ سمجھتے کہ شاید پاؤں میں کانٹا چُبھ گیا ہے، وہ نکالنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اتنے میں مولانا اسمٰعیل صاحب پاس سے گزرے۔ آپ نے بھی حال دریافت کیا۔ فرمایا: ہماری فکر نہ کیجیے، فتح کے بعد تحقیق فرما لیجیے گا۔[1]

مُستامن[2] کا مال شمالی فصیل کی طرف سے کچھ لوگوں نے مُجاہدین کی طرف مخاطب ہو کر آواز دی کہ سوار بھائیو، تم میں کوئی ہندوستانی بھی ہے؟ گلاب خاں نے کہا: ہاں۔ تمھارا کیا مطلب ہے؟ اُس نے کہا: اگر ہندوستانی ہو، تو اِدھر آؤ، ہم کچھ کہیں۔ اُس نے کہا کہ تم لوگ سیّد بادشاہ کے ہندوستانی غازی سچّے اور اپنے عہد و پیمان کے پُورے ہوتے ہو اور مُلکیوں کے قول و قرار پر ہم کو اعتماد نہیں۔ ہم تُم سے امن چاہتے ہیں، اس لیے کہ تمھارے مُجاہدین گڑھی کے اندر آ گئے ہیں۔ گلاب خاں نے کہا کہ ہم اس کے ذمّے دار نہیں۔ تم جتنے آدمی ہو، سب دیوار پھاند کر ہماری طرف چلے آؤ، تم سب کو امن ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ تم سے کوئی مزاحم نہ ہوگا۔ وہ سب کُود کر آ گئے۔ گلاب خاں ان سب کو مولانا اسمٰعیل صاحب کے پاس لے گئے اور ان لوگوں کا حال بیان کیا کہ مَیں اس طرح ان کو امن دے کر گڑھی سے نکال لایا ہوں۔ ان لوگوں کے پاس ایک بندُوق بہت خوبصورت اور عُمدہ تھی۔ گلاب خاں نے کہا: یہ بندُوق میں باندھوں گا۔ آخر اور سب مال غنیمت میں داخل کی جائیں گی۔ یہ بات سُن کر مولوی امیر الدین صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ تمھیں اس مسئلے کی ابھی تک خبر نہیں ہے کہ یہ لوگ امن دے کر نکالے گئے ہیں۔ اُن کا اسباب نہ بیت المال میں داخل ہوگا، نہ کسی کو لینا درست ہے۔ اُن کا جو کچھ مال و اسباب ہے، انھیں کو ملے گا۔ ایسی باتوں سے تم توبہ کرو۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کے سب ہتھیار اُن کے حوالے کرو اور جو اُن کے سنگروں میں بارُود ہو، وُہ جھڑوا ڈالو اور اپنے یہاں کے پانچ سوار اُن کے ساتھ کر دو کہ ان کو کوس، سوا کوس ہوتی

---

[1] منظورۃ السعداء۔ [2] مُستامن شریعت کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو جنگ کی حالت میں امن دیا گیا ہو۔

سے پرلی کی طرف پہنچا کر چلے آئیں۔ پھر سب ہتھیار اُن کے حوالے کیے۔[1]

مردان کی فتح اور قاضی حبّان صاحب کی شہادت

مولانا اسمٰعیل صاحب اور قاضی حبّان صاحب ہوتی کا انتظام کرکے مردان تشریف لے گئے۔ مردان کے ایک بُرج پر سے بندوقیں چل رہی تھیں۔ اس میں ایک مُلکی طالب علم اور ایک جوان ہندوستانی شہید ہُوا۔ بُرج والے نے گلی کو باندھ رکھا تھا۔ قاضی صاحب جوش میں آکر چند آدمیوں کے ساتھ نکلے۔ اَور لوگ تو سلامت نکل گئے مگر قاضی صاحب کے سر میں گولی لگی: اسی جگہ گر گئے اور شہید ہوئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو قاضی صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا: الحمد للہ! قاضی القضاۃ اپنی دلی مُراد کو پہنچے، لیکن اس وقت اُن کی شہادت کا تذکرہ بلند آواز سے نہ کیا جائے تاکہ دشمن کو ہمارے لشکر کے امیر کی شہادت کی اطلاع نہ ہو۔

مولانا نے رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ جلد چالیس، پچاس سوار اپنے وہاں بھیجو۔ وہ دو ضرب شاہین لے جائیں اور بُرجوں کی بندوق بند کریں۔ اسی وقت سوار شاہینیں لے کر پہنچے اور بُرج کے مقابل ایک مکان میں دونوں شاہینیں لگائیں اور مارنے لگے اور بندوقیں بھی چلانے لگے یہاں تک کہ بُرج سے بندوق چلنی موقوف ہوئی۔ شاہینیں تو وہیں چلتی رہیں اور لوگ مکانوں کی آڑ ہی آڑ ہو کر دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ ایک بُرج کی بندوقیں موقوف نہیں ہوتی تھیں۔ ملّا لعل محمد قندھاری نے پشتو میں کہا: "اَنْدَ ذُ پَایَه رَاوُړَه ، اَنْدَ ذُ پَایَه رَاوُړَه" یعنی سیڑھی لاؤ، سیڑھی لاؤ، حالانکہ وہاں کوئی سیڑھی نہ تھی۔ لیکن بُرج والے سمجھے کہ اب غازی سیڑھی پر چڑھ کر بُرج پر آجائیں گے۔ اُنھوں نے امان طلب کی اور بندوقیں موقوف کیں۔

گڑھی والوں نے جانا کہ غازی گڑھی کی دیوار میں آلپٹے۔ اس وقت احمد خاں کا بھائی رسُول خاں گڑھی کے تہ خانے میں ناچ دیکھ رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ خان، بیٹھے کیا کرتے ہو؟ غازی تو گڑھی سے آلپٹے اور اُن کی شاہین کی گولی بُرج میں کھڑا ہونے نہیں دیتی۔ یہ خبر سُن کر وہ

---

[1] وقائع

اُٹھا اور بُرج پر چڑھ کر دیکھا کہ فی الحقیقت غازی گڑھی کے نیچے تھے۔ گھبرا کر لوگوں سے کہا کہ چادر ہلا دو۔ انھوں نے جلد بُرج پر چڑھ کر چادر ہلائی اور امن مانگی۔ مُجاہدین کی طرف سے شاہین اور بندوق چلنی بند ہُوئی۔

لوگوں نے جا کر مولانا سے اطلاع کی کہ لوگ چادر ہلاتے ہیں اور امن چاہتے ہیں۔ مولانا تشریف لے گئے اور رسُول خاں سے فرمایا کہ تم اپنے آدمیوں کو لے کر گڑھی سے باہر نکل آؤ، تم کو امن ہے، مگر احمد خاں کا جو مال و اسباب ہو، اُس میں دست اندازی نہ کرنا، وُہ مال و اسباب غنیمت کا ہے، اِس لیے کہ وُہ باغی ہیں۔ اس کے علاوہ جو مال و اسباب تمھارا یا رعایا کا ہو، اُس کو امن ہے جس کا ہو، وُہ اُٹھا لائے، ہم کو کچھ غرض نہیں۔

رسُول خاں بیس پچیس آدمی گڑھی سے باہر لے کر نکل آیا۔ جب اُس کو یہ معلوم ہُوا کہ قاضی حبان صاحب شہید ہو گئے، تو وُہ سمجھا کہ مجھ کو انھوں نے گرفتار کر لیا۔ مولانا نے اُس کو حواس باختہ دیکھ کر اُس کی تسلی و دلجمعی کی اور عہد و پیمان مضبوط لے کر فرمایا کہ خبردار، اب تم کبھی ہم سے بغاوت نہ کرنا، اب ہم اپنی طرف سے تم کو مردان اور ہوتی سپرد کرتے ہیں اور رسالدار عبدالحمید خاں سے فرمایا کہ تم اپنے سَو غازی لے کر رسُول خاں کے ساتھ جاؤ اور ہماری طرف سے اُن کو گڑھی میں بٹھا دو اور جو جو مال و اسباب اُن کے بھائی احمد خاں کا ہو گا، یہ بتاتے جائیں گے، تم وہاں سے بھیجتے جانا۔

رسالدار صاحب اُسی وقت رسُول خاں کو گڑھی میں لے گئے اور اپنے لوگوں سے کہ دیا کہ خبردار، کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ پھر رسُول خاں سے احمد خاں کا مال و اسباب طلب کیا اور جو جو اُس نے بتلایا، اپنے قبضے میں کیا۔ اسی طرح ہوتی کی گڑھی میں بھی رسُول خاں کا قبضہ کروا دیا۔[1]

لُوٹ کے مال کی واپسی موضع مردان کے چند آدمی مولانا کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ کے امن دینے کے بعد آپ کے مُلکی غازیوں نے ہمارا کچھ کچھ اسباب گھروں سے اُٹھا لیا ہے۔ مولانا نے

---

[1] وقائع

ایک غازی اُن کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ تم اُن کو بتا دینا، یہ اُن کو ہمارے پاس بُلا لائیں گے۔ وُہ غازی اُن کو مولانا کے پاس بُلا لایا۔ وُہ فقط تین یا چار آدمی تھے۔ مولانا نے اُن سے پُوچھا کہ تم نے اُن کا کیا کیا مال واسباب لیا ہے۔ انھوں نے جو کچھ لیا تھا، وہ لاکر رکھ دیا۔ وہ صرف تین یا چار لُنگیاں تھیں اور چھ یا سات کھادی کے تھان۔ مولانا نے اُن سے پوچھا کہ تمھارا یہی مال واسباب ہے یا کچھ اور بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہی اسباب ہے اور کچھ نہیں۔ مولانا نے اُن تینوں چاروں غازیوں سے فرمایا کہ بھائیو، تم نے بہت نامناسب حرکت کی کہ امن دینے کے بعد اُن کا اسباب لے لیا۔ اس طرح کا نقد یا اسباب لینا حرام ہے۔ خبردار! اب پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ ہر بھائی مُسلمان اس کو یاد رکھے کہ حربی کافروں اور باغی مسلمانوں کے علاوہ ہر مسلمان کی جان و عزت اور مال مُسلمان پر حرام ہے۔ وہ اپنی حرکت سے نادم ہوئے اور عرض کی کہ ہم سے خطا ہوئی، ہم کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ اب ہم توبہ کرتے ہیں۔

جب ہوتی والوں نے یہ حال دیکھا کہ مولانا نے مردان والوں کا اسباب واپس کروا دیا، تو ان سب نے مل کر اپنے اپنے مال کی مولانا سے نالش کی۔ اُن کا بہت مال واسباب ملکی غازیوں نے لے لیا تھا۔ مولانا نے دس بارہ غازی مقرر کیے کہ لشکر میں خبر کر دو کہ ہوتی کا مال واسباب جس جس کے پاس ہو، وہ لا کر ہمارے پاس جمع کریں۔ اس حکم کے سُنتے ہی جس کے پاس جو کچھ تھا، اُس نے لا کر حاضر کیا اور لوگ اپنا اپنا مال پہچان کر لے گئے۔[1]

مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کا وعظ و نصیحت

بعض بعض ولایتیوں اور قندھاریوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ مولانا نے ظہر کی نماز کے بعد فرمایا کہ امیر کی اطاعت ہر ایک پر فرض ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اُس کا حکم ماننے میں چُون وچرا نہ کرے اگرچہ اپنے نفس کے خلاف معلوم ہو۔ ہم نے سُنا ہے کہ آج جو لوگوں کا مال واسباب واپس ہوا، تو بعض بعض بھائیوں کو ناگوار گُذرا۔ یہ بات نہ چاہیے۔ ہم نے خدا و رسولؐ کے حکم کے موافق واپس کروا دیا ہے۔ اس مال کا لینا بھائیوں کو

---

[1] وقائع

درست نہ تھا۔ اس بات سے تو خوش ہونا چاہیے اور شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قیامت کے مواخذے سے بچایا اور جو کسی کے دل میں بشریت کی راہ سے کچھ خطرۂ نفسانی آیا ہو، تو اُس سے توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ غفورٌ رّحیم ہے۔ اُمید ہے کہ بخش دے گا۔

اسی قسم کے بہت سے مسائل، جو مُناسبِ وقت تھے، بیان کیے۔ مولانا کی نصیحت سُن کر جنھوں نے اسباب لیا تھا، اپنے دل میں بہت نادم ہُوے اور کہا کہ مولانا نے حق فرمایا۔[1]

عُشر کے تحصیلداروں کا تقرر مولانا یہاں سے آمازئی[2] میں تشریف لے گئے اور وہاں مختلف مرحلوں کے خوانین کو جمع کر کے فرمایا کہ تم سب صاحبوں نے قاضی حبّان صاحب کو عُشر دینے کا اقرار کیا تھا۔ اب اِس وقت تمھاری ربیع کی فصل تیّار ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنے عہد پر قائم ہیں۔ جہاں کہیں ارشاد ہو، وہیں ہم سب پہنچا دیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے چند غازی ہمارے ضلع میں تحصیلِ عُشر کے واسطے مُقرر کر دیں۔

مُولانا نے اس کو بہت پسند کیا اور حاجی بہادر شاہ رامپوری کو تحصیلِ عُشر کے واسطے مقرر کیا اور کوئی پندرہ ہندوستانی اور ولایتی آدمی اُن کے ساتھ کر دیے اور اُن کو سمجھا دیا، اور حاجی محمود خاں کو علاقۂ سُدم کی تحصیلِ عُشر کے واسطے مُقرر کیا، اور کوئی دس ہندوستانی غازی اُن کے ساتھ کر دیے۔ اور مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو بیس پچیس غازیوں کے ساتھ پنجتار روانہ کیا اور اگلے روز امان زئی سے روانہ ہو کر پنجتار میں قیام فرمایا۔ موضع ٹوپی میں تحصیلِ عُشر کے واسطے مولوی نصیر الدین منگلوری کو مُقرر کیا اور اٹھارہ بیس مواضعات کا عُشر اُن کے ذمّے کیا، اور سردار فتح خاں کے علاقے کے عُشر کے لیے خود خانِ موصُوف کو مُقرر کیا۔

اِس عرصے میں موضع امب سے سیّد صاحبؒ کا فرمان پہنچا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آیئے اور رسالدار عبد الحمید خاں کو مع سواروں کے مُلکِ سَمہ کے دَورے کے واسطے چھوڑ دیجیے۔

---

[1] وقائع

[2] آمازئی یا امان زئی، ، اصل قوم کا بھی نام ہے اور یہ قوم جہاں آباد تھی، وہ گڑھی امازئی کہلاتی تھی۔ آج کل آمازو گڑھی کے نام سے مشہور قصبہ مردان سے تقریباً آٹھ میل بہ جانب مشرق واقع ہے۔

مولانا نے رسالدار صاحب کو اس علاقے کا ذمّے دار اور مُختارِ کار بنایا اور اُن کو تاکید کی کہ وُہ اس علاقے کا برابر دَورہ کرتے رہیں اور کوئی کِسی پر ظُلم و تعدّی نہ کرنے پائے۔ رسالدار صاحب کے ساتھ پانچ سو سوار کے قریب تھے۔ وہ سب اُن کے ساتھ رہے۔

مولانا دو سَو پیادوں کے ہمراہ امب میں داخل ہُوئے اور ملک سَمہ کے سب حالات سیّد صاحبؒ کو سُنائے۔ قاضی صاحب کی شہادت کا حال سُن کر سیّد صاحبؒ بہت غمگین ہُوئے۔ اُن کی خُوبیاں بیان کیں اور فرمایا کہ قاضی صاحب دینداری کے ہر فن میں کامل تھے۔ الحمدللّٰہ! اللّٰہ تعالیٰ نے اُن کے مقصُودِ دلی کو پہنچایا۔ پھر آپ نے برہنہ سر ہو کر اُن کے لیے دُعائے مغفرت کی۔ قاضی صاحب کے بعد مولانا جو عُشر وغیرہ کا انتظام کر کے آئے تھے، وہ سب آپ کے سامنے پیش کیا، آپ بڑے خوش ہُوئے اور بہت دُعائیں دیں۔[1]

* * *

---

[1] وقائع

چوبیسواں باب

سُلطان مُحمّد خاں کی لشکر کشی

دُرّانیوں کا لشکر ہُوتی کو وقائع میں ہے کہ موضع تُورد سے وکیل خاں نے اِطّلاع کی کہ احمد خاں، جو دُرّانیوں کا لشکر پشاور لینے گیا تھا، اب لشکر لیے ہُوئے آتا ہے۔ رسالدار عبد الحمید خاں نے سردار فتح خاں کے مشورے سے سیّد صاحبؒ کو اس خبر کی اطّلاع کی۔ سردار سُلطان مُحمّد خاں نے ملک سمہ کے خوانین کو ڈرایا دھمکایا کہ تمھارے مُلک میں ہمارا بھائی یار محمّد خاں مارا گیا ہے اور مردان اور ہُوتی کو بھی تم نے چھنوا دیا ہے۔ اب ہم آتے ہیں تم سب سے سمجھیں گے اور اپنا عوض لیں گے لشکر کے ساتھ سردار سُلطان مُحمّد خاں، سردار پیر مُحمّد خاں، سردار سید مُحمّد خاں اور عظیم خاں کا بیٹا حبیب اللہ خاں بھی تھا۔

خوانین کا مشورہ رسالدار عبد الحمید خاں نے سردار فتح خاں کے ذریعے علاقے کے تمام خوانین کو جمع کروایا اور مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ان سب کا یہی مشورہ ہُوا کہ سیّد صاحبؒ کو اِس کی اِطّلاع دینی چاہیے۔ آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔ چنانچہ ان سب کی طرف سے اِس مضمون کی ایک عرضداشت لکھی گئی کہ دُرّانیوں کا لشکر ہماری طرف آتا ہے، ہم سب نے مشورہ کیا ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور ہم لوگ آپ کے لشکر کے ساتھ اُن کے مقابلہ کے لیے بڑھیں۔

سیّد صاحبؒ پنجتار میں سیّد صاحبؒ نے رسالدار صاحب کو لکھا کہ تم اپنے سوار لے کر امان زئی کی گڑھی میں ڈیرہ کرو۔ اس میں اس علاقے کے لوگوں کو تقویت اور تسلّی ہوگی اور ان خوانین کے سوال و جواب میں فتح خاں کو لکھا کہ تم سب خوانین کی تسلّی کرو کہ کسی امر کا اندیشہ نہ کریں اللہ تعالیٰ سب طرح سے خیر کرے گا۔ ہم نے رسالدار عبدالحمید خاں کو لکھا ہے۔ وہ تمھارے یہاں کوچ کرکے امان زئی کی گڑھی میں جاکر ڈیرہ کریں گے۔ ہم بھی جلد انشاءاللہ تعالیٰ تمھارے یہاں آتے ہیں۔

آپ نے امب سے کوچ کی تیاری کی۔ مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی کو چھترбائی میں برقرار رکھا۔ حافظ مُصطفےٰ کاندھلوی کو اُن کی مدد کے لیے دیا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب پُھلتی کو امب میں مُقرر کیا اور چھتربائی اور امب میں تین سَو کے قریب آدمی چھوڑے اور اتنے ہی آدمی اپنے ہمراہ لے کر کُوچ کیا اور پنجتار پہنچ کر اپنے قدیم بُرج میں قیام فرمایا۔ آپ نے اُن سب خوانین کو پنجتار میں طلب فرمایا، جنھوں نے آپ کے بُلانے کے واسطے خط بھیجا تھا اور اُن سے گفتگو کی۔ عُشر کا غلّہ، جو جابجا جمع تھا، اُس کو محفوظ کرنے کے لیے دو جگہ جمع کرنے کا بندوبست کیا۔

تُورو میں چند دن کے بعد یہ اِطّلاع ملی کہ دُرّانیوں کا لشکر چُنگنی سے کُوچ کرکے دریا لُنڈے سے اُتر کر چارسدّے میں آگیا۔ آپ نے کُوچ کی تیاری کی اور ضروری اسباب تیّار کرکے پنجتار سے روانہ ہوگئے۔ آپ کے ہمراہ چار سَو آدمیوں سے زائد تھے۔ امان زئی کی گڑھی میں آپ نے قیام فرمایا۔ دُرّانیوں نے چارسدّے سے کُوچ کرکے موضع اُتمان زئی میں ڈیرہ کیا تھا۔ جب اُنھوں نے سیّد صاحبؒ کو سُنا کہ آپ پنجتار سے امان زئی کی گڑھی میں داخل ہُوئے، تو وُہ اُتمان زئی سے کُوچ کرکے موضع ہُوتی میں آکر ٹھیرے۔ جب یہ خبر آپ کو ہُوئی، تو آپ امان زئی کی گڑھی سے کُوچ کرکے موضع تُورو میں تشریف لے گئے اور وہیں ڈیرہ کیا۔

سرداران پشاور کو فہمائش و نصیحت سیّد صاحبؒ نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو، جو موضع تورُو کے رہنے والے تھے، اپنے پاس بُلاکر فرمایا کہ ہماری طرف سے تم سردار سلطان محمّد خاں کے پاس

جاؤ اور اُن کو سمجھاؤ کہ ہم ہندوستان سے اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے اس مُلک میں آئے ہیں کہ کافرِ لاہور سے جہاد کریں اور تم سب مسلمان بھائی ہمارے شریک ہو۔ یہاں کے اور مسلمانوں سے پہلے تم نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر تم نے کافروں اور باغیوں کی رفاقت اختیار کی۔ تم کو مناسب ہے کہ ہم مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرو اور اپنے شہر کو جاؤ۔ ہم کو کسی طرح یہ بات منظور نہیں کہ مسلمانوں سے جدال و قتال کریں۔ اگر تم نہ مانوگے، تو یہ بات سمجھ لو کہ اس میں تمہارے دین کا بھی نُقصان ہے اور دُنیا کا بھی، ہم نے اپنی حُجّتِ شرعی تم پر قائم کر دی۔ آگے تم جانو، چار مُلّا اور بھی اُن کے ساتھ گئے۔

سُلطان محمدؐ خاں کا جواب تیسرے روز اُنھوں نے آکر کہا کہ سُلطان محمد خاں نے آپ کے پیغام کے جواب میں کہا کہ تم ہم سے ابلہ فریبی کی باتیں کرنے آئے ہو کہ سیّد بادشاہ فرماتے ہیں کہ ہم ہندوستان سے اس مُلک میں محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا مقابلہ نہ کرو، اپنے وطن کو چلے جاؤ، نہیں تو تمہارا دین و دُنیا میں نقصان ہوگا۔ ہم اُن کے اِن فریبوں میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ بھلا ہم اُن کی ایسی دِینداری اور پرہیزگاری کی باتوں کو کیونکر مانیں اور سچ جانیں؟ اوّل تو اُنھوں نے ہمارے بھائی یار محمدؐ خاں کو قتل کیا اور مسلمانوں کے لشکر کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا۔ علاوہ اس کے احمد خاں کے موضع مردان اور ہُوتی کو تاراج کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ اُنھوں نے اسی کا نام رکھا ہے، ہمارے بھائی یار محمدؐ خاں پر اُنھوں نے رات کو چھاپا مارا تھا اس میں وہ فتحیاب ہو گئے۔ اب دن دوپہر ہم سے مقابلہ کریں، تب اُن کی للّٰہیت اور شجاعت کا حال معلوم ہو، اور دو چار دن کے عرصے میں جو ہوگا، دیکھ لینا۔

سیّد صاحبؒ کی طرف سے اِتمامِ حُجّت مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے سردار سلطان محمدؐ خاں کی یہ پُوری تقریر سُن کر سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ اب کی بار تم پھر جاؤ اور نرمی کے ساتھ ہماری طرف سے اُن کو سمجھاؤ کہ تم ناحق پر اصرار نہ کرو، خدا سے ڈرو اور اس بات کو یاد کرو کہ جب ہم اوّل مُلک

سندھ سے آئے اور تمہارے قلعہ قاضی میں اُترے اور تم استقبال کرکے ہم کو وہاں سے کابل لے گئے اور وزیر کے باغ میں تم نے ہم کو اُتارا۔ ہماری ضیافتیں کیں، ہم نے تم لوگوں کو جہاد کی دعوت دی، تم نے اور تمہارے بھائی یار محمّد خاں اور بہت صاحبوں نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بات کا عہد و پیمان کیا کہ ہم جان و مال سے تمہارے اس کارِ خیر میں شریک ہیں اُن دنوں تمہارے اور تمہارے بھائی دوست محمّد خاں کے درمیان ناچاقی تھی۔ ہم نے چالیس روز وہاں لِلّٰہ فی اللہ اس واسطے قیام کیا کہ تمہارے درمیان صُلح کرا کے تم کو ملا دیں کہ تم آپس کی نزاع چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ میں ہمارے شریک ہو اور کافرِ لاہور سے لڑو کہ اسلام کی ترقی ہو، مگر تم کسی طرح ہمارے ملانے سے نہ ملے، اپنے ہی اصرار پر قائم رہے۔ تمہارے بھائی دوست محمّد خاں نے علانیہ ہم سے کہا کہ میں سچّا مُسلمان ہُوں۔ جس اعتقاد اور صاف دلی سے مَیں آج آپ سے ملا ہُوں، اسی طرح زندگی بھر آپ سے ملتا رہوں گا، اور یہ میرے بھائی مُنافق اور دغا باز ہیں۔ یہ آپ سے کبھی وفا نہ کریں گے۔ ہم نے اُن کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا۔

پھر جب وہاں سے ہم پشاور ہوتے ہُوئے مُلکِ سمہ میں آئے اور بُدھ سنگھ سے مقابلہ ہُوا، تو وُہی بات، جو تمہارے بھائی دوست محمّد خاں نے کہی تھی، پیش آئی۔ پھر تمہارے بھائی یار محمّد خاں نے سکھوں سے خُفیہ مِل کر وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ہم کو زہر بھی دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ مقابلۂ کُفّار کے وقت وُہ طرح دے کر آپ بھاگ گیا۔ لڑائی بگڑ گئی۔ چند روز کے بعد وُہ خود فوج کشی کرکے پشاور سے ہمارے اُوپر چڑھ آیا۔ ہم نے آدمی بھیج کر اس کو بھی بہت سمجھایا، مگر وُہ اپنی شامتِ نفس سے نہ سمجھا۔ آخر مارا گیا۔ اِس میں ہماری کون سی خطا ہے؟

اِسی طرح یہاں کے تمام مُلک و خوانین نے بیعتِ امامت کی اور سب نے عُشر دینے کا اقرار کیا۔ ان میں احمد خاں بھی تھا۔ اب کی بار جب اِس عُشر کے بندوبست کے لیے سب مُلک اور خوانین بُلائے گئے اور سب نے پھر از سرِ نَو عُشر دینے کا عہد و پیمان کیا، تو احمد خاں نہیں آیا اور باغی ہو کر پشاور کو بھاگ گیا اور وہاں سے تم کو لڑائی کے واسطے چڑھا لایا۔ ہم نے جس طرح تمہارے

بھائی یار محمّد خاں کو فہمائش کی تھی، اُس کو بھی کی۔ اُس نے نہ مانا۔ اب تمھیں ہم فہمائش کرتے ہیں۔ اگر مانو گے، بہتر؛ ورنہ ہم پر الزام نہیں۔

اور تم جو یہ کہتے ہو کہ تم نے یار محمّد خاں پر رات کو چھاپا مارا، اس سبب سے تم فتحیاب ہُوئے؛ اگر دن دوپہر کو ہم سے مقابلہ کرو، تو تمھاری بہادری اور مردانگی کا حال معلوم ہو، اُس کا جواب یہ ہے کہ نہ ہم رات کو تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں، نہ دن کو، اس لیے کہ تم مسلمان ہو اور ہم تو کفّار سے لڑنے کو آئے ہیں۔ اگر تم خود زیادتی کرکے ہمارے مقابلے میں آؤ گے، تو ہم مجبور ہیں۔ اپنے بچانے کو جو کچھ ہم سے ہوسکے گا، کریں گے۔ ہم کو اُمید ہے کہ جس خدا نے رات کو تمھارے بھائی پر فتحیاب کیا تھا، وُہی خدا تم پر دن کو فتحیاب کرے گا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ناحق پر اصرار نہ کرو، بُرائی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے، وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

اور ایک خط دیا۔[1]

---

[1] "منظورۃ السعداء" میں اس سلسلے کے دو خط سلطان محمّد خاں کے نام اور ایک خط سُلطان محمّد خاں کا نقل ہُوا ہے۔ سیّد صاحبؒ نے اپنے پہلے خط میں اپنی ہجرت اور جہاد کا مقصد بیان کیا اور تحریر فرمایا کہ ہم اس مُلک میں محض کفّار سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے ہمارا کسی مسلمان سے جدال وقتال کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ خود ہمارے کلمہ گو بھائیوں نے مزاحمت کی اور ہمارے اوپر لشکر کشی کرکے ہم کو نیست و نابود کرنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم بے سروسامان اور کمزوروں کی مدد فرمائی۔ ہم پہلے بھی عاجز و ناچار تھے، اب بھی عاجز و ناچار ہیں۔ البتہ اُس قادرِ مطلق مالک الملک کی بطشِ شدید سے ڈرنا چاہیے، جو اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہے۔

اوست سُلطاں، ہر چہ خواہد آں کند عالمے را در دمے ویراں کند
ہست سُلطانی مُسلّم مر اورا نیست کس را زہرۂ چون و چرا

سُلطان محمّد خاں نے اُس کا بڑا متکبرانہ جواب دیا اور لکھا کہ "آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس مُلک میں محض کفّار سے جہاد کرنے آئے تھے اور ہم کو مسلمانوں سے کچھ سروکار نہیں محض ابلہ فریبی ہے۔ آپ کا عقیدہ فاسد اور آپ کی نیت کاسد ہے۔ آپ فقیر بنتے ہیں اور ارادہ امارت کا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اس بات پر کمر باندھ لی ہے کہ تم جیسے لوگوں کو ختم کرکے اس زمین کو پاک کردیں گے۔

اس خط کو پڑھ کر اگرچہ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہُوئی کہ اب کچھ گفت وشنید کی گنجائش نہیں ہے، لیکن سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار اور اتمامِ حجّت کرنا چاہیے۔ آپ نے ایک دُوسرا لکھا جس میں سُلطان محمد خاں سے خواہش کی کہ کسی خلافِ شرع بات کی نشان دہی کی جائے، جو ہم لوگوں سے صادر ہوئی ہو۔ اگر ایسا کوئی فعل ثابت ہوگیا، تو کسی لشکر کشی کی ضرورت نہیں پڑے گی ہم خود شرعی سزا کے لیے حاضر ہوجائیں گے اور آپ کو یہاں تک آنے کی تکلیف نہیں دیں گے سلطان محمد خاں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سلطان محمد خاں کا متکبرانہ جواب مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے واپس آکر بیان کیا کہ سردار سلطان محمد خاں نے درشتی سے جواب دیا کہ ان قصّوں کہانیوں کی کچھ ضرورت نہیں، اپنے گھر کو جاؤ اور خبردار! پھر ہمارے پاس نہ آنا اور نہ سیّد بادشاہ کا پیام لانا۔

اُنھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ سَمہ کے اکثر مُلک اور خوانین خُفیہ طور پر سردارِ موصوف سے ملے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے سردارِ ممدوح سے یہ بھی کہا ہے کہ سیّد بادشاہ یہاں تورُو میں تنہا خود ہی لشکر کے ساتھ ہیں۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، جنھوں نے سردار یار محمد خاں پر شبخون مارا تھا، وہ ان دنوں موضع امب میں ہیں۔ ہم نے پنجتار سے سیّد بادشاہ کو بُلا کر شکار کی طرح تمھارے سامنے کر دیا ہے۔ اب تُم اُن سے نبٹ لو۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی آمد سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو طلبی کا خط لکھا اور فرمایا کہ وہاں کے انتظام اور بندوبست کے لیے سید اکبر صاحب کو مقرر کر کے آپ اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی جلد آ جائیں۔ شاہ صاحب نے سید اکبر صاحب کو وہاں کا ذمے دار بنایا، شیخ بلند بخت دیوبندی کو قلعدار کیا اور مولوی خیر الدین صاحب کو بدستور چتربائی میں رکھا اور امب سے کچھ کم دو سَو غازی ہمراہ لے کر شیخ ولی محمد صاحب کے ساتھ موضع تُورُو کو روانہ ہو گئے۔ جب موضع تورُو دو یا ڈھائی کوس رہا، آپ نے سیّد صاحبؒ کو اپنے آنے کی اطلاع کی۔ سیّد صاحبؒ نے کہلایا کہ آپ وہیں تشریف رکھیں اور ہمارے آدمیوں کا انتظار کریں۔ رات ہی کو آپ نے کوئی تین سَو مُسلّح آدمی مولانا کے لینے کو بھیجے۔ نمازِ فجر کے بعد بڑے تجمّل و اہتمام سے تُورو کو روانہ ہوئے۔ جب تُورو کے قریب پہنچے، تو سیّد صاحبؒ چند آدمیوں کے ساتھ استقبال کو آئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مخالفین پر رُعب ہو کہ مولانا اپنے مجاہدین کے ساتھ آ پہنچے۔

مولانا کے آنے کے بعد دُوسرے دن نمازِ عشا کے بعد مخبر نے خبر دی کہ سردار سلطان محمد خاں سے نجومیوں نے گھڑی ساعت دیکھ کر کہا ہے کہ کل سویرے تم اپنا کُل لشکر لے کر سیّد بادشاہ کے لشکر کے سامنے جاؤ، اور اِدھر اُدھر گشت کر کے چلے آؤ، پھر اُس کے اگلے روز اُن سے

مقابلہ کرو، تمھاری فتح ہو گی۔ سو کل اُن کا لشکر ضرور آئے گا، آپ ہوشیار رہیں۔

اگلے روز گھڑی، ڈیڑھ گھڑی دن چڑھا ہوگا کہ طلیعہ کے ایک سوار نے آکر اطلاع دی کہ درّانیوں کا لشکر آتا ہے۔ نقّارہ بجا اور لوگ تیّار ہو کر اُس طرف کو روانہ ہُوئے اور موضع تورُو سے نکل کر آدھ کوس پر جمع ہُوئے۔ سردار سلطان مُحمّد خاں اِدھر سے آتے آتے پاؤ کوس کے فاصلے پر مع لشکر کے کھڑا ہو گیا۔ اِس عرصے میں ایک سوار آیا اور کہا کہ ہمارے سردار سُلطان مُحمّد خاں نے کہا ہے کہ آج تو ہم یُوں ہی سیر و تماشہ کے طَور پہ آئے ہیں، مگر کل ہم آکر آپ سے مُقابلہ کریں گے۔ آپ نے اُس سوار سے فرمایا کہ تم اپنے سردار سے ہماری طرف سے کَہ دینا کہ ہم نہ آج تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ کل، لیکن اگر تم خود چڑھ کر آؤ گے، تو ہم مجبُور ہیں۔

◆

پچیسواں باب

مایار کی جنگ

جنگ کی تیاری تُورو اور ہُوتی کے درمیان مایار نام کا ایک مقام تھا[1]۔ اُس کے کنارے مشرقی جانب ایک چشمے دار پانی کا نالہ[2] تھا۔ اُس کی حفاظت کے لیے سید صاحبؒ نے اپنے لشکر کے چند قندھاری مُتعین کر دیے۔ وہ وہاں رات دن رہتے تھے۔ رات کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ کل سردار سُلطان محمد خاں نے آپ سے لڑائی کا وعدہ کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل سویرے آ کر اس نالے اور مایار پر اپنا بندوبست کر لے، تو پانی اور وُہ بستی ہم سے چُھوٹ جائے اور مایار کے گرد کچّی دیوار ہے، وہ لڑائی کے لیے بڑے موقع کی جگہ ہے۔ آپ اُس کا ضرور کچھ بندوبست کریں آپ نے مولانا کی یہ تجویز بہت پسند کی اور مُلّا لعل محمد اور مُلّا قطب الدین سے فرمایا کہ تم اسی وقت دو سَو آدمیوں کے ساتھ جا کر اُس نالے پر اپنا مورچہ قائم کرو۔ ہم نے تم کو اس کام پر متعین کیا۔ ہم سے اور دُرّانیوں سے کیسا ہی سخت مُقابلہ پڑے، تم اس نالے کو نہ چھوڑنا۔

دھاوا آپ کے حکم سے رات بھر لشکر تیار رہا۔ تمام پیادہ و سوار رات بھر بیدار اور ہتھیار

---

[1] یہ مقام اب بھی ہے۔ بڑا گاؤں ہے۔ عُرفِ عام میں اُسے "مایار" کہتے ہیں۔ "منیار" بھی لکھا جاتا ہے۔

[2] یہ نالہ کلپانی ندی ہے جو مردان اور جبقی کے پاس سے گزرتی ہوئی مایار اور تُورو کے پاس بہتی ہے۔ یہ سارے مقامات اس کلپانی ندی کے کنارے پر واقع ہیں۔

باندھے ہوشیار رہے۔ صُبح کی نماز میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کے ساتھ نمازیوں کی بڑی کثرت تھی۔ نماز کے بعد آپ نے بڑی دیر تک ننگے سر ہو کر بڑی گریہ و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ دُعا کی۔ پروردگار کی جبّاری و قہّاری اور اپنی ناتوانی و خاکساری کا اُیسا بیان کیا کہ لوگوں پر رِقّت طاری اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

جُونہیں آپ نے دُعا کر کے اپنے مُنہ پر ہاتھ پھیرے، ایک شخص نے آپ کو سلام کر کے عرض کیا کہ میں مایار کے نالے پر سے مُلّا لعل محمّد قندھاری کا بھیجا ہُوا آپ کی اطلاع کو آیا ہُوں کہ موضع ہُرتی میں دُرّانیوں کا نقارہ ہُوا ہے، آپ پھر ہوشیار ہو جائیں۔ یہ سُن کر آپ نے اپنے لشکر میں نقارہ بجانے کا حُکم دیا اور لوگ اپنے ساز و سامان سے تیّار ہو کر توڑو کے میدان میں جمع ہوگئے۔

سیّد ابو محمّد کی بیعتِ اخلاص سیّد ابو محمّد صاحب نصیرآبادی آپ کی اہلیہ کے خالہ زاد بھائی، جو بانکوں میں مشہور تھے، اپنا گھوڑا تھان پر چھوڑ کر پیادہ پا آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میاں صاحب، جس روز سے میں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا ہوں، آج تک میرا یہی خیال تھا کہ یہ میرے عزیز اور رشتے دار ہیں، مَیں بھی اُن کے ساتھ رہوں۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ کہیں عروج دے گا، تو اُن کی وجہ سے میری بھی ترقّی ہوگی۔ نہ میں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر۔ مگر اب مَیں نے اس خیالِ فاسد سے توبہ کی اور از سرِ نو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے بیعتِ جہاد کرنے کو آیا ہُوں۔ آپ مجھ سے بیعت لیں اور میرے واسطے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس نیّت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے۔ آپ نے اُن سے بیعت لی اور اُن کے واسطے دُعا کی۔ اُس وقت تمام حاضرین پر رِقّت سے ایک عجیب حال واقع تھا کہ ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔

دُعا کے بعد سیّد ابو محمّد صاحب آپ سے مُصافحہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف چلے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اُنھوں نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا پاؤں رکاب میں رکھا اور باوازِ بلند پُکار کر کہا کہ سب بھائیو، اس بات کے گواہ رہنا کہ آج تک ہم گھوڑے پر اپنی شان و

شوکت اور خواہش نفس کے لیے سوار ہوتے تھے۔ اس میں کچھ خدا کا واسطہ نہ تھا۔ مگر اس وقت ہم محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے واسطے بہ نیت جہاد اس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں"

جنگ کی ابتدا "شام کو سردار سلطان محمد خاں اور اس کے بھائیوں پیر محمد خاں، سید محمد خاں اور بھتیجے حبیب اللہ خاں (پسر محمد عظیم خاں وزیر) نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سید کے مقابلے سے کسی طرح منہ نہ موڑیں گے، پھر انھوں نے یہ قسم اپنے سب مشیروں اور افسروں سے لی۔ باقی لشکر کی قسم کے لیے انھوں نے دو طرف نیزے گاڑ کر ایک دروازہ سا بنایا۔ اس میں ایک لنگی باندھ کر کلام اللہ لٹکایا۔ اس کے نیچے سے سارا لشکر نکل کر میدان میں آیا۔

پچھلی رات کو کوچ کا نقارہ ہوا۔ موضع ہوتی کے لوگوں کا بیان ہے کہ اکثر درانی شراب پی کر اور خوب مست ہو کر اور کمر باندھ کر اور گھوڑے کھینچ کر تیار ہوئے۔ جب دوسرا نقارہ ہوا، تب چاروں سردار اس دروازے سے نکلے اور دروازے کے کنارے ایک طرف کھڑے ہوئے تاکہ سب کو اپنے سامنے اس دروازے سے نکالیں۔ پھر آگے پیچھے تمام لشکر نکلا۔ وہاں انھوں نے تمام لشکر کے چار غول کیے: تین سواروں کے، ایک پیادوں کا۔ پیادوں کی بٹالین میں افسر کیول نام فرنگی تھا۔ اس بٹالین میں چھوٹی چھوٹی دو توپیں تھیں۔ سواروں کے ایک غول میں پیر محمد خاں سردار تھا، ایک غول میں حبیب اللہ خاں، ایک غول میں خود سردار سلطان محمد خاں اور دو ضرب توپ تھیں۔ جب چار غول جدا جدا مقرر ہو چکے اور تیسرا نقارہ ہوا، تب لشکر کا وہاں سے کوچ ہوا۔"[1]

اس عرصے میں ایک سوار باآواز بلند مجاہدین کے لشکر میں پکارتا ہوا آیا کہ بھائیو، خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ، درانیوں کا لشکر آتا ہے اور حضرت سے عرض کیا کہ نالے پر ملا لعل محمد کے ساتھ آدمی کم ہیں، لشکر قریب آ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ نالہ ان سے چھوٹ جائے۔ یہ خبر سن کر آپ اں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب باری میں نہایت الحاح و زاری سے دعا کی۔ پھر گھوڑے

---

[1] منظورہ

پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔[1]

جب تُورُو اور مایار کے درمیان نالے پر پہنچے اور لوگ اُترنے لگے، وہاں ایک جگہ پانی کم تھا۔ دائیں بائیں گہرا تھا کہ کمر کمر تک پہنچتا تھا۔ نالے کو پار کرنے میں صف کی ترتیب و انتظام قائم نہ رہا۔ نالہ پار ہونے کے بعد پھر صفوں کی ترتیب قائم ہو گئی۔ اِدھر سے توپ چلی اور لوگ نالے اُتر کر پار ہوئے۔ آپ نے بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ سب بھائی، جو سُنتے ہیں، وُہ گیارہ گیارہ بار سُورۂ لِاِیْلٰفِ پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر لیں اور لشکر میں سب بھائیوں سے یہی کہ دیں اور جن کو یاد ہو، یہ دُعا پڑھتے ہوئے چلیں: اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَ زَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَ فَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَ خَرِّبْ بُنْیَانَھُمْ وَ خُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔"

ہدایات پھر آپ نے رسالدار عبدالحمید خاں صاحب کو بُلا کر فرمایا کہ تم اپنے سواروں کو لیے ہوئے ہم لوگوں کی بائیں جانب پُشت پر رہو اور تم بغیر ہمارے حملہ نہ کرنا۔ شاہینچیوں کے جمعدار شیخ عبداللہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کے برابر بائیں طرف اور سواروں کے آگے رہو۔

پھر آپ آہستہ آہستہ آگے کو روانہ ہوئے۔ جب موضع مایار کے برابر پہنچے، تو مخالفین کا لشکر صاف نظر آنے لگا۔ اِدھر سے دو توپیں چل رہی تھیں اور لشکر کے چار غول تھے: تین سواروں کے اور ایک پیادوں کا۔ آپ نے اپنے لوگوں سے صف باندھنے کے لیے فرمایا اور سب سے کہ دیا کہ خبردار، کوئی بھائی ہم سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہماری اجازت کے بغیر بندوق چلائے۔

"مجاہدین کی تین صفیں تھیں۔ اگلی اور پچھلی میں تو ہندوستانی تھے، بیچ کی صف میں مُلکی لوگ تھے۔ ہر صف میں اتنے فرق سے آدمی کھڑے تھے کہ بندوقچی بافراغت بندوق بھر کر بھرماری کر سکتے۔

آپ نے فرمایا کہ بھائیو، دَوڑنا حرام سمجھ کر تیز قدمی کے ساتھ اسی طرح صف باندھے ہوئے توپوں کی طرف روانہ ہو، اس لیے کہ دَوڑنے سے آدمی کی سانس پھول جاتی ہے اور وُہ تھک کر

---

[1] منظورۃ السعداء میں ہے کہ دُرّانیوں کے لشکر میں تخمیناً چار ہزار پیادے اور آٹھ ہزار سوار تھے۔ اور حضرت امیر المومنین کے ہمراہی اس وقت ہندی و مُلکی ملا کر تین ہزار پیادے اور پانچ سو سوار تھے۔

رہ جاتا ہے اور کسی کام کے لائق نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ توپ کی آواز ہوتی تو ہے بڑی مہیب اور ڈراؤنی، لیکن ایک گولہ ایک آدمی کے سوا کسی کی جان نہیں لے سکتا، بشرطیکہ صفوں میں خلل واقع نہ ہو۔[1]

لشکر کے مخلصین اس عرصے میں پے در پے دو گولے اس طرف سے ٹپا کھا کر آئے اور صفوں کے اُوپر ہو کر نکل گئے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اِدھر سے گولے آتے ہیں، آپ گھوڑے سے اُتر پڑیں۔

یہ حال بیچ کی صف کے مُلکیوں نے دیکھا کہ گولے آتے ہیں اور آپ اپنے گھوڑے سے اُتر گئے ہیں۔ وہ تمام مُلکی در پردہ سردار سلطان محمد خاں سے ملے ہوئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر مارے خوف کے وہاں سے کھسکنے لگے۔ کوئی بستی کی دیوار کی آڑ میں جا کھڑا ہوا اور کوئی نالے کے نشیب میں۔ فقط آپ کے لشکر کے سوار اور پیادے اور رفیقوں کے سوار و پیادے کم و بیش دو ہزار رہ گئے۔ فتح خاں پنجتاری، گھڑیالہ کے منصور خاں، شیوہ کے دونوں بھائی شکار خاں اور ارسند خاں، کلابٹ کے اسمٰعیل خاں، گڑھی امازئی کے سرور خاں، اکوڑے کے خواص خاں خٹک اور اُن کے عزیزوں میں شہباز خاں خٹک، زیدے کے فتح خاں، توُرو کے دلیل خاں، لُونْد خُوڑ کے نسیم خاں، کرٹھے کے مُلّا سیّد امیر آخوند زادہ، ٹوپی کے مُلّا بہاء الدین، ڈاگی کے مُلّا باقی، اِن کے علاوہ اور مُلّا و طالب علم آپ کے ساتھ شریک رہے۔

پہلا شہید کالے خاں افغان قوم آفریدی ساکن موضع شمس آباد، جو چھترِبائی کے بعد سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے اور نادم ہو کر پھر آ گئے تھے اور سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے، گھوڑے پر سوار صف کے آگے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں پھرتے تھے۔[2] اور لوگوں سے کہتے تھے کہ بھائیو! صف کے برابر جمے چلو۔ ناگہاں اِدھر سے ایک گولہ ٹپا کھا کر آیا اور اُن کے بائیں پہلو میں لگا اور وُہ

---

[1] منظورہ

[2] "منظورۃ السعداء" میں ہے کہ کالے خاں سامنے آئے، تو سید صاحبؒ نے عبداللہ والیہ کا گھوڑا، جو سبزہ رنگ تھا، اِن کو دیا۔ اس کی لگام تھامتے ہی اُنھوں نے کہا کہ ان شاء اللہ اپنا سر توپ کے مُنہ میں دے دُوں گا۔

گھوڑے پر سے زمین پر گرے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ کالے خاں کے گولہ لگا۔ آپ نے سُن کر "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔ صف کے لوگ آہستہ آہستہ جمے ہوئے آگے چلے جاتے تھے۔ جب کالے خاں کے قریب پہنچے، تو لوگوں نے دیکھا کہ قدرے جان باقی ہے۔ گولے سے پہلو نہیں پھوٹا، مگر ایک نیلا داغ پڑ گیا ہے۔ کالے خاں نے آہستہ سے کہا کہ میرے بازو پر تعویذ ہے، اُس کو کھول لو۔ کسی نے وہ تعویذ کھول لیا۔ کالے خاں وہیں رہے اور صف آگے نکل گئی۔

"انھیں گولوں سے لشکرِ اسلام کا سقہ اور کریم بخش گمانٹم پوری، جو سیّد صاحبؒ کے لیے کھانا پکا کر میں باندھے ہوئے تھے اور چند لوگ شہید ہوئے۔

ایک فقیر، جن کو قلندر کابلی کہتے تھے، چند روز سے لشکرِ اسلام میں مقیم تھے۔ وہ قدسی کی مشہور نعت کی تضمین ع —— "یا رسولِ عربی، شاہسوارِ مدنی" —— بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ سیّد صاحبؒ بھی اُن سے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرماتے تھے۔ وہ صف سے چار قدم آگے کھڑے تھے۔ اُنھوں نے جب حریف کی توپ کی آواز سُنی، تو اپنی جگہ سے اچھل کر رقص کرنے لگے اور کچھ زبان سے کہا، جس کو قریب کے آدمیوں نے سُنا۔ اتنے میں ایک گولہ اُن کے پاؤں کے پاس آ گرا اور اُس سے اس قدر غبار اٹھا کہ قلندر اُس میں چھپ گیا۔ لوگ سمجھے کہ شہادت پائی۔ جب غُبار چھٹا، تو قلندر برآمد ہوا۔ وہ اپنی گدڑی اپنے ہاتھ سے نچاتا تھا اور مست تھا"[1]

مجاہدین کی رجز خوانی مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ اس وقت دو شخص جنگ کی تحریض و تحریص کر رہے تھے اور اُن کی آواز اس وقت بڑی دل کش اور مؤثر تھی، ایک امان اللہ خاں ملیح آبادی، جو مُعمّر آدمی تھے، لیکن نہایت جری اور شجاع، وہ اس طرح بہادری، ثابت قدمی اور دلاوری کی باتیں کرتے تھے کہ بُزدل سے بُزدل انسان بھی اُن کی باتیں سُن کر جنگ پر آمادہ ہو جاتا۔ دُوسرے شیخ ریاست علی سوہانی جو مولوی خُرّم علی کے رسالۂ جہادیہ کے اشعار بڑے جوش و اثر کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

معرکہ آگے بڑھ کر سیّد صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر کمال عجز و زاری سے پھر دُعا کی کہ "الٰہی، ہم

---

[1] منظورہ

عاجز و ضعیف بندے ہیں۔ تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے، جو ہم کو بچائے۔ ہم نے اُن کو بہتیرا سمجھایا کہ تم ہم مسلمانوں سے نہ لڑو، مگر اُنھوں نے نہ مانا اور تُو دانا و بینا ہے، ہمارے دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔ اگر تیرے علم میں ہم حق پر ہوں، تو ہم ضعیفوں کو فتحیاب کر اور جو وُہ حق پر ہوں، تو اُن کر۔"

اس عرصے میں اُن کے چار غولوں میں سے ایک نے، جس میں دو توپیں چلتی تھیں، گھوڑوں کی باگیں اُٹھا کر حملہ کیا، اس ہیئت سے کہ تلواریں ننگی علم کیے، داڑھیاں دانتوں میں دابے، دائیں بائیں مُنہ پھیرے "سیّد کُجاست، سیّد کُجاست؟" کہتے ہوئے چلے۔ جب اتنے قریب آ پہنچے کہ چالیس پچاس قدم کا فاصلہ رہ گیا، سیّد صاحبؒ نے اپنے رفل بردار سے رفل لیا اور بآوازِ بلند تکبیر کہہ کر سر کیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام غازیوں نے تکبیر کہہ کر ایک باڑھ ماری اور حملہ کر دیا، مگر وہ کسی طرح نہ رُکے۔ دفعۃً آ کر گڈمڈ ہو گئے۔ غازیوں نے اُن کو بھر ماری پر رکھ لیا۔ قرابینچی قرابین مارتے تھے، بندوقچی بندوق، تلوار والے تلوار، اور گنڈاسے والے گنڈاسے۔ خدا کی مدد سے اُن کا مُنہ پھر گیا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں، سواروں سے کہہ دو کہ تم بھی حملہ کر کے اُن کو لو۔ کسی نے کہا کہ سوار تو اوّل ہی شکست کھا کر، معلوم نہیں، کہاں چلے گئے۔[1]

---

[1] یہ سوار پیادہ فوج کی پشت پر تھے۔ دُرّانیوں کا ایک غول اُن کی طرف بڑھا اور دونوں طرف کے آدمی ایک دُوسرے میں گڈمڈ ہو گئے۔ کچھ سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ ساری لڑائی ہندوستانی سواروں پر پڑ گئی۔ رسالدار عبدالحمید خاں بڑی شجاعت اور جواں مردی سے لڑتے رہے۔ زخمی ہو کر گر گئے۔ سیّد مُوسیٰ، سیّد اسمٰعیل بریلوی بھی زخمی ہوئے۔ تین ہزار دُرّانیوں کا مقابلہ پانسو ہندوستانی سواروں سے تھا۔ آخر ہندوستانی سوار متفرق ہو کر دُرّانیوں کے مجمع سے نکل آئے۔ دُرّانیوں نے کچھ دُور تک تعاقب کیا، پھر اپنے لشکر کی طرف واپس گئے۔

"منظورہ" میں ہے کہ جس وقت سیّد صاحبؒ کی جماعت پر دُرّانی سواروں اور پیادوں کا حملہ ہوا، چونکہ اُن کا ہجوم بہت تھا اور سیّد صاحبؒ کے ساتھ کے پیادے تھوڑے تھے، حاجی عبدالرحیم خاں مرحوم جو ایک مردِ درویش اور سیّد صاحبؒ کے مُحبِّ جاں نثار تھے، فرطِ محبت سے تاب نہ لا سکے اور سواروں کو للکار کر کہا کہ عزیزو، دُرّانیوں کے اس انبوہِ عظیم نے امیرالمومنین کی جماعت قلیل پر حملہ کیا ہے، اگر آپ ہی نہ رہے، تو زندگی کا کیا مزہ؟ آؤ، بائیں جانب سے حملہ کریں۔ یہ سوار جو کہ تعداد میں تھوڑے تھے اور دُرّانی تین ہزار کے قریب تھے، مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اس حالت میں حاجی عبدالرحیم، سیّد ابو محمد، شیخ عبدالحکیم وغیرہ نے شہادت پائی اور سیّد مُوسیٰ اور رسالدار عبدالحمید خاں سخت زخمی ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑے۔ دُرّانی سوار جتنی بار پیادوں کے مقابلے سے پسپا ہوتے تھے، انھیں سواروں پر گرتے تھے۔ ۱۲ منہ

یہ سُن کر آپ خاموش ہو گئے۔ شیخ ولی محمدؒ صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ اپنے سوار تو شکست کھا گئے۔ اب چل کر اُن کی توپیں لیں۔ شیخ صاحب اور مولانا نے کوئی ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا اور قواعد بھر باری پر رکھ لیا، ادھر اُن کا ایک دُوسرا غول اُسی ہیئت کے ساتھ "سید کجاست؟ سید کجاست" کہتا ہُوا اور اسی طرح گڈمڈ ہو گئے۔

سید صاحبؒ کی شجاعت اُس وقت سید صاحبؒ کے ساتھ کم و بیش پانسو غازی ہوں گے، باقی جابجا متفرق ہو گئے۔ آپ کا حال یہ تھا کہ دائیں بائیں سے دونوں رفل بردار رفل بھر بھر کر دیتے تھے اور آپ دونوں طرف سے سر کرتے تھے۔ داہنے طرف والے کا سینہ داہنی جانب رکھ کر اور بائیں طرف والا بائیں جانب رکھ کر، چہرے پر خوف و ہراس کا نشان نہ تھا۔ یہ غول بھی بالآخر پسپا ہُوا۔ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ مجاہدین ہر غول کے تعاقب میں گئے۔ سید صاحبؒ بھی پچاس ساٹھ آدمیوں کی جمعیّت کے ساتھ ایک غول کے پیچھے بندوقیں سر کرتے ہُوئے چلے جاتے تھے۔

ادھر چھ سات سَو سواروں کا ایک اور پرا کھڑا تھا۔ اُنھوں نے دیکھا، تو گھوڑوں کی باگیں اُٹھا کر سید صاحبؒ کی جماعت پر حملہ آور ہُوئے۔ آپ اُس وقت ایک اَور غول کے تعاقب میں مشغول تھے۔ میاں خدا بخش رامپوری نے تین یا چار بار پُکار کر کہا کہ حضرت، سواروں کا ایک غول اس طرف بھی آتا ہے۔ یہ بات سُن کر ایک غازی نے کہا کہ چُپ رہو، آنے دو، حضرت کا نام نہ لو۔ یہ آواز سُن کر آپ بھاگنے والے غول کا تعاقب چھوڑ کر بڑی چُستی اُور چالاکی کے ساتھ اُس آنے والے غول کی طرف پلٹ پڑے۔ یہ غول بھی اُسی ہیئت کے ساتھ ڈاڑھیاں دانتوں میں دابے، ننگی تلواریں علم کیے "سید کجاست؟ سید کجاست؟" کہتے ہُوئے گڈمڈ ہو گیا۔ سید صاحبؒ نے اُنھیں پچاس ساٹھ غازیوں کے ساتھ بندوقوں، قرابینوں، تلواروں اور گنڈاسوں پر رکھ لیا۔ تائید الٰہی سے وُہ پسپا ہُوئے اور دس بارہ غازیوں نے اُن کا پیچھا کیا اور آپ کے ہمراہ دس بارہ غازی رہ گئے۔

ایک لڑکے کی جُرأت تیرہ، چودہ برس کے ایک مُلکی لڑکے کے پاس گنڈاسا تھا جس کو مُلکی لوگ

کفر جپٹ کہتے تھے۔ اُس لڑکے نے لپک کر ایک سوار پر وار کیا۔ گنڈاسے کی نوک خمدار تھی۔ اس سوار کی زرہ میں اٹک گئی۔ سوار بھاگا۔ لڑکا دونوں ہاتھوں سے اپنا گنڈاسا پکڑے ہوئے کھنچا چلا جاتا تھا اور پشتو زبان میں کہتا تھا کہ "زما کفر جپٹ ئے یوڑو، زما کفر جپٹ ئے یوڑو" یعنی، ہمارا کفر جپٹ یہ شخص لیے جاتا ہے۔ اس کا یہ حال دیکھ کر کئی غازیوں نے اس سوار پر بندوقیں سر کیں۔ آخر اُس کے ایک گولی لگی اور گھوڑے سے زمین پر گرا اور گنڈاسے کی نوک اُس کی زرہ سے چھوٹ گئی۔ اس لڑکے نے اُس گنڈاسے سے اُس کا خاتمہ کیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمد صاحب کا کارنامہ

اس عرصے میں تین چار توپیں سر ہوئیں اور دُرّانیوں کے سواروں کے غول پراگندہ ہو کر بھاگے۔ لوگوں نے سمجھا کہ مولانا اور شیخ ولی محمد صاحب نے دُرّانیوں کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ سیّد صاحبؒ نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ وہاں نہ ٹھہریے جلد توپیں لے کر ہمارے پاس آجائیے۔ انھوں نے آکر بیان کیا کہ ہم نے سواروں کا تعاقب کیا۔ اور اُن کو بھرماری پر رکھ لیا۔ وُہ سوار بدحواس ہو کر بھاگے۔ جب ہم توپوں کے قریب پہنچے، تو وُہ توپ والے بھی اُن کا یہ حال دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے اُن کی توپوں پر قبضہ کیا۔ توپ بھرنے کا سامان وُہ اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اُس وقت نواب خاں لنگڑے گھنٹی والے وہاں موجود تھے۔ اُن کا لٹھ بالکل شیشے کی طرح تھا۔ اُن سے اُن کا لٹھ اور شیر محمد خاں سے توڑا لے کر چار فیر سر کیے جس سے اُن کا غول پراگندہ ہو گیا۔

مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ کئی دُرّانی سوار مجھ تک آئے۔ میں نے (اپنی زخم خوردہ انگلی[1] کی وجہ سے) جتنے بار اپنی چقماقی بندوق چلائی، اُس کے پتھر نے خطا کی۔ جب کئی بار یہی صورت پیش آئی، تو مجھے گمان ہوا کہ میری شہادت کا وقت آگیا۔ یہ دیکھ کر حافظ وجیہ الدین صاحب نے اپنی فتیلے دار بندوق سے حملہ آور سوار کو قتل کیا۔

---

[1] یاد ہوگا کہ پکلی کی جنگ میں مولانا کی دائیں ہاتھ کی چھنگلیا زخمی ہوگئی تھی، اس کی وجہ سے وہ چھنگلی پورے طور پر کام نہیں کرتی تھی اور بندوق کا بھرنا مشکل تھا۔ اسی بنا پر جنگ کے وقت اکثر اپنے ساتھ کارتوس رکھتے تھے۔ اکثر از راہِ ظرافت اپنی اس چھنگلیا کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ میری دوسری انگشتِ شہادت ہے۔ (منظورہ)

دُرّانیوں کی ہزیمت اس عرصے میں دُرّانیوں کے سوار جو جا بجا پراگندہ اور مُنتشر ہو گئے تھے، اپنی پہلی صف گاہ پر پرا باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سیّد صاحبؒ نے اُن کی جمعیت دیکھ کر سر برہنہ ہو کر بآوازِ بلند دُعا کی۔ پھر مولانا سے فرمایا کہ میاں صاحب، آپ جا کر شاہینیں سر کرائیں۔ مولانا نے جا کر اُونٹوں پر سے شاہینیں اُتروائیں اور زمین پر قطار باندھ کر رکھوائیں اور ہر شاہین پر چار چار غازی متعیّن کیے اور اجازت دی کہ ڈیوڑھ مارو۔ شاہینوں کی اتنی گولیاں پڑتی تھیں، مگر سواروں کا غول اُسی طرح جما کھڑا تھا۔ سیّد صاحبؒ توپوں کے پاس گئے۔ شیخ مولا بخش الہ آبادی نے توپ بھر کر دُرّانیوں کی طرف لگا رکھی تھی۔ آپ کی اجازت کا انتظار تھا۔ آپ نے جُھک کر دیکھا تو معلوم ہُوا کہ توپ دُرّانیوں کے نشان کے سامنے ہے۔ آپ نے اُس کا پیچ تھوڑا سا پھیر کر فرمایا کہ اب سر کرو۔ شیخ مولا بخش نے آگ دی اور اُس فیر میں نشان بردار اُڑ گیا اور وہ غول پراگندہ ہو گیا۔ دُوسرے یا تیسرے فیر میں دُرّانی پسپا ہو کر بھاگ گئے۔ جب تک وہ توپ کی زد پر رہے، شیخ ممدوح توپ چلاتے رہے؛ جب دُور نکل گئے، تب توپ چلانی موقوف کی اور شاہینیں بھی بند ہوئیں۔

جنگ کے اختتام پر معرکۂ جنگ سے فارغ ہو کر مجاہدین، جو بہت پیاسے تھے، اس تالاب پر آئے، جو مایار کے قریب دائیں ہاتھ کو تھا۔ تالاب کا پانی دُھوپ سے گرم تھا، لیکن شدّتِ تشنگی میں مجاہدین اسی سے اپنی پیاس بجھانے لگے۔ اتنے میں گاؤں کے لوگ پانی کے گھڑے بھر بھر کر لائے اور غازیوں کو سیراب کیا۔

اسی عرصے میں پراگندہ اور مُنتشر لوگ بھی جمع ہونا شروع ہو گئے۔ شاہین و نقارہ بھی وہیں آ گیا۔ اس تالاب پر دیر تک سیّد صاحبؒ اور مجاہدین نے قیام کیا۔ یہ بھی خیال تھا کہ چونکہ دُرّانی سوار تعداد میں زیادہ ہیں، اگرچہ شکست کھا کر دُور تک چلے گئے ہیں، لیکن کیا عجب ہے کہ اُن کے سواروں میں سے کوئی جُرأت سے کام لے کر پھر پلٹ پڑے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا اور دشمن زیادہ فاصلہ طے کر چکے، تو آپ نے مایار کی گڑھی کی طرف مراجعت فرمائی۔

زخمیوں کی مرہم پٹی مولوی مظہر علی عظیم آبادی زخمیوں کو جمع کرنے، نماز جنازہ پڑھنے اور شُہدا کی تدفین

کے لیے مقرر ہوئے۔ تمام زخمی مایار کی گڑھی میں جمع کیے گئے۔ جراح حاضر ہوئے اور وہ زخموں کے سینے اور مرہم پٹی میں مشغول ہوئے۔ مغرب کی نماز گڑھی مایار میں ہوئی۔

مولوی جعفر علی صاحب لکھتے ہیں: لوگ اگرچہ صبح سے بھوکے تھے، لیکن فتح کی خوشی سے کھانے سے بے پروا اور آسودہ تھے۔ دن بھر کے تھکے ماندے ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ پڑ کر سو گئے، لیکن جراحوں کو زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فرصت نہ تھی۔ عام طور پر لوگ سو رہے تھے۔ چراغ پکڑنے والا اور روشنی دکھانے والا بھی بڑی مشکل سے ملتا تھا۔ نُعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْهُمْ کا منظر تھا، آنکھ بے اختیار بند ہو ہو جاتی تھی۔ نصف شب کے بعد زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فراغت ہوئی۔

چھبّیسواں باب

مایار کے شہداء و مجروحین

شہداء کا دمِ واپسیں ہدایت اللہ بانس بریلوی کہتے ہیں کہ جس وقت کالے خاں[1] کے گولہ لگا اور وہ گھوڑے سے گر پڑے اور صف آگے بڑھ گئی، ہم کئی آدمی اُن کو وہاں سے مایار کی مسجد کے حجرے میں اُٹھا لائے۔ وہ جان کنی کی حالت میں تھے۔ گھڑی گھڑی، دو دو گھڑی کے فاصلے سے اُنھوں نے پوچھا کہ بھائی، لڑائی کا کیا حال ہے اور کس کی فتح ہے؟ اس وقت تک دُرّانیوں کا پہلا اور دوسرا غول آیا تھا۔ میں نے اُن سے کہا کہ ابھی تو معاملہ گڈمڈ ہے، ابھی تک فتح اور شکست کسی کی نہیں ہوئی۔ یہ سُن کر وہ چپ ہو رہے اور اللہ اللہ کیا کیے۔ پھر جب دُرّانیوں کا دُوسرا غول آیا اور شکست کھا کر بھاگ گیا، تب اُنھوں نے پھر پوچھا کہ اب لڑائی کا کیا طور ہے؟ کسی کی فتح ہوئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] یہ کالے خاں چترالی سے رُوٹھ کر پنجاب کو چلے گئے تھے۔ چند روز کے بعد پھر آئے اور سید صاحبؒ کے ہاتھ پر تائب ہو کر از سرِ نو بیعت کی۔ اوّل اُن کا یہ طور تھا کہ اپنی داڑھی بیچ میں صفاچٹ رکھتے تھے۔ ایک دن اُنھوں نے ٹھوڑی منڈائی تھی، سید صاحبؒ نے اُن کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر اُن سے فرمایا کہ خان بھائی، تمھاری ٹھوڑی کیا چکنی چکنی ہے! اس بات سے وہ شرما گئے اور کچھ نہ بولے، مگر سید صاحبؒ کا وہ کہنا اُن کے دل میں اُتر گیا۔ کئی دن کے بعد جب معمول کے موافق نائی آیا اور چاہا کہ ٹھوڑی بھگوئے اور مونڈے، تو اُنھوں نے کہا کہ اس ٹھوڑی میں سید صاحبؒ کا ہاتھ لگا ہے، اب تو اس میں ہاتھ نہ لگا، یوں ہی رہنے دے۔ پھر اُس دن سے اُنھوں نے اپنی ٹھوڑی نہ منڈائی اور بڑے صالح اور متقی ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نعمتِ شہادت سے سرفراز کیا۔

ہمارے سیّد صاحبؒ کو فتحیاب کیا۔ یہ خوشخبری سُن کر اُنھوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اسی دم اُن کا دم نکل گیا۔

قاضی گل احمد الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک جگہ دیکھا کہ سیّد ابو محمد[1] صاحب زخمی پڑے ہیں، مگر ایسے کاری زخم لگے تھے کہ قدرے جان تو اُن میں باقی تھی، ہوش و حواس کچھ بر جا نہ تھے۔ مَیں نے کئی بار اُن کے کان میں پُکار کر کہا کہ سیّد ابو محمد صاحب، حضرت امیر المؤمنین کی فتح ہوئی۔ اُنھوں نے کچھ خیال نہ کیا اور نہ کچھ جواب دیا، مگر اُن کا حال یہ تھا کہ ہونٹ اپنے چاٹتے جاتے تھے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کہتے جاتے تھے اور جو لوگ لاشیں اُٹھا رہے تھے، مَیں نے اُن کو آواز دی کہ کوئی ادھر آؤ، سیّد ابو محمد صاحب ادھر پڑے ہیں۔ ادھر سے ایک آدمی آیا۔ میرے پاس ایک کمل تھا۔ اُن کو اُٹھا کر اُس میں لٹایا۔ ہم دونوں آدمی اُن کو تُوردو میں لائے۔ تب تک اُن میں رمق باقی تھی۔ اسی طرح ہونٹ بھی چاٹتے تھے اور لبوں سے کچھ اشارہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کہنے کا معلوم ہوتا تھا۔ پھر کچھ دیر میں جان نکل گئی۔

نوجوان زخمی سیّد موسیٰ ۱۷، ۱۸ سال کے جوان تھے۔ اُن کے والد سیّد احمد علی صاحب جس دن پھولڑے کی لڑائی میں شہید ہوئے، اس دن سے سیّد موسیٰ کی طبیعت مغموم رہنے لگی۔ کبھی کبھی اپنے دوستوں سے کہتے کہ اگر کبھی میرا کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق ہوا، تو انشاء اللہ بیچ کھیت میں مجھ کو دیکھنا،

---

[1] سیّد ابو محمد صاحب لکھنؤ میں بٹالین میں جمعدار تھے۔ بہت بانکے ترچھے، وضعدار اور خوبصورت جوان تھے۔ بڑے بڑے چابک سوار اُن کی اُستادی کے قائل تھے۔ مزاج میں بڑی لطافت اور نفاست تھی۔ کسی کے ہاتھ کا پکا کھانا اُن کو پسند نہ آتا تھا۔ اپنے ہی ہاتھ سے دن رات میں ایک بار پکا کر کھاتے تھے۔ اکثر فنوں میں مہارت رکھتے تھے۔ کپڑا ایسا قطع کرتے اور سیتے کہ بڑے بڑے اُستاد حیران رہ جاتے تھے۔ پسندیدہ وضع کی پگڑی باندھتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے گھوڑے کا سب ساز و یراق سی لیتے تھے اور آپ ہی اپنا خط آئینہ سامنے رکھ کر بنا لیتے تھے۔ غرارے دار پاجامہ، چُست انگرکھا پہنتے تھے۔ بانکپن کے باوجود نہ کبھی سر پر بال رکھے، نہ کبھی حُقّہ پیا، نہ نشے کی کوئی چیز کھائی پی۔ نہ کسی نامحرم عورت کی طرف بُری نگاہ سے دیکھا۔ تیارداری، خدمتگزاری میں بڑے چُست تھے۔ بیماروں کا بول و براز اُٹھاتے تھے۔ جب سیّد صاحبؒ نے ہجرت کی تیاری کی، تو آپ نوکری چھوڑ کر رخصت کرنے آئے۔ کوئی پوچھتا کہ سیّد ابو محمد، کیا تم بھی ہجرت کر کے جہاد کو چلو گے، تو کہتے: میں تو نہیں جانتا کہ ہجرت اور جہاد کس کو کہتے ہیں۔ ہمارے بھائی میاں صاحب جاتے ہیں، ہم نے کہا کہ ہم بھی ڈلمؤ تک پہنچا آئیں۔ یوں کہتے کہتے ڈلمؤ سے باندہ، گوالیار، ٹونک، اجمیر اور یہاں تک کہ سرحد پہنچ گئے۔

یعنی، میں بھی لڑ کر شہید ہو جاؤں گا۔ اُن کے اس حال کی اطلاع سیّد صاحبؒ کو بھی تھی۔ وہ رسالدار عبدالحمید خاں کے سواروں میں تھے۔ جب تُورو سے مایار کی طرف لشکر چلا، تو آپ نے اُن سے کہا کہ تم اپنا گھوڑا اور کسی بھائی کو دے دو اور تم ہمارے ساتھ پیادوں میں رہو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو یوں ہی رہنے دیجیے۔ جب دُرّانیوں کا حملہ آیا، آپ گھوڑے کی باگ اُٹھا کر اُس میں گُھس گئے اور خوب تلوار سے لوگوں کو مارا اور زخمی کیا اور آپ بھی زخمی ہوئے، مگر لڑتے رہے۔ جب زخموں کے مارے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے اور کئی زخم سر میں لگے، اُس وقت بیتاب ہو کر گھوڑے سے گرے۔

خادی خاں[1] کہتے ہیں کہ میں نے دُور سے سُنا کہ کوئی زخمی پڑا ہوا اللہ، اللہ کر رہا ہے۔ میں نزدیک گیا، تو پہچانا کہ یہ تو سیّد موسیٰ ہیں۔ سر کے زخموں سے جو خون بہ رہا تھا، اُس سے اُن کی آنکھیں بند تھیں۔ میں نے کہا کہ میاں موسیٰ، میں آپ کو اُٹھا لے چلوں؟ اُنھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور فتح کس کی ہوئی؟ میں نے کہا کہ میں خادی خاں ہوں اور فتح سیّد بادشاہ کی ہوئی۔ یہ سُن کر اُنھوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اور قدرے چاق سے ہو گئے اور مجھ سے کہا کہ مجھ کو لے چلو۔ میں اپنی پشت پر سوار کر کے اُٹھا لایا۔ سیّد صاحبؒ نے اُن کو بے چین دیکھ کر فرمایا کہ ان کو مایار کی مسجد کے حجرے میں پہنچاؤ۔ آپ نے اُن کے بعض رفیقوں کو اُن کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔

مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ سیّد صاحبؒ اُن کو دیکھنے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ بڑا مردانہ نکلا اور مالکِ حقیقی کا حق خوب ادا کیا۔ پھر اُن سے خطاب کر کے فرمایا کہ الحمد للہ، تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ کے راستے میں کام آئے اور تمھاری کوششیں مشکور ہوئیں۔ اگر تم کبھی کسی کو دیکھو کہ خوش رفتار گھوڑے پر سوار ہے اور اُس کو ایڑ لگاتا ہے اور دوڑاتا ہے، تو تم کبھی اس کی حسرت نہ کرنا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے، تو ہم بھی اسی طرح شہسواری کرتے، اس لیے کہ تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو گئے۔ بڑے مبارک ہیں وہ ہاتھ پاؤں جو رضائے مولیٰ کے راستے میں کام آئیں اور اس پر قربان ہو جائیں۔ اگر کبھی کسی شخص کو دیکھو کہ وہ پٹہ باز استادوں کی طرح تلوار سے کھیلتا ہے، تو کبھی یہ غم نہ کرنا کہ ہم بھی تندرست ہوتے، تو سپہ گری کا کمال دکھلاتے، اس لیے کہ

---

[1] یہ خادی خاں قندھاری ہیں، جو سیّد صاحب کی فوج مجاہدین میں تھے۔

تمھارے اِن ہاتھ پاؤں کا بڑا مرتبہ ہے کہ اللہ کے راستے میں اُنھوں نے زخم کھائے۔ جو ہاتھ پاؤں صحیح و سالم ہیں، اُن سے گناہ کا اندیشہ ہے، لیکن تمھارے ہاتھ پاؤں کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہے۔ سیّدنا علی مُرتضیٰؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے دونوں بازو اللہ کے راستے میں کٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو جنّت الفردوس میں ذوالجناحین کے لقب سے سرفراز فرمایا اور زمرّد کے دو بازو اُن کو عطا فرمائے۔

سیّد موسیٰ نے عرض کیا کہ حضرت، مَیں ہزار زبان سے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس حال پر راضی و شاکر ہوں۔ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً کوئی شکایت نہیں آتی، اس لیے کہ اسی کام کے لیے آپ کی ہمرکابی میں یہاں آیا تھا۔ الحمدللہ کہ اپنی ہستی کو اس افضل ترین عبادت میں مٹا دیا۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے! لیکن میری اتنی تمنّا ہے کہ حضرت مجھے روزانہ اپنی زیارت سے مشرف فرما دیا کریں، اس لیے کہ اپنی بے دست و پائی سے خود حاضر ہونے سے معذور ہوں۔ اس محرومی کے سوا مجھے کسی بات کا قلق نہیں۔

یہ سُن کر سیّد صاحبؒ نے دادا ابوالحسن سے فرمایا کہ مَیں تم کو اس کام کے لیے مقرر کرتا ہوں تم مجھ کو جس وقت ذرا بھی فارغ دیکھو، متوجہ کر دو تاکہ مَیں خود سیّد موسیٰ کے پاس آجاؤں۔ پھر آپ نے سیّد موسیٰ کی بڑی تعریف کی اور اُن کو شاباش دی اور تشریف لے گئے۔[1]

ایک زخمی کی استقامت مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری نے جب مجاہدین کے سواروں کو شکست کھاتے ہوئے دیکھا، تو اگرچہ وہ پیادوں میں تھے، لیکن وہ سواروں کی طرف دوڑے۔ ایک سوار نے اُن کے سینے پر نیزے سے حملہ کیا۔ اُنھوں نے اُس کے وار سے بچنے کے لیے اپنے سینے کو بائیں طرف جھکا دیا۔ نیزہ بائیں شانے پر لگا۔ اُنھوں نے زور کیا، تو نیزے کی ڈنڈی ٹوٹ گئی اور اُس کی انی شانے کی ہڈّی میں پیوست ہو گئی۔ اُنھوں نے اِس حالت میں اس سوار پر تلوار سے حملہ کیا۔ اتنے میں دوسرے سوار اس فدائی کی مدد کے لیے آگئے۔ اُن میں سے ایک نے اُن کے سر پر تلوار

---

[1] منظورۃ السعداء۔ بڑ ڈھیری میں (غالباً رجب سنہ ۱۲۴۶ھ میں) سیّد موسیٰ کے انتقال کی خبر پہنچی۔

ماری، دُوسرے نے اُن کے دائیں ہاتھ پر وار کیا، جس سے اُن کی کئی انگلیاں کٹ گئیں۔ تیسرے نے اُن کے بائیں شانے پر، جہاں نیزے کا زخم تھا، ضرب لگائی۔ یہ ضرب کاری تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی زخم آئے۔ ان کی رفل اس دن ٹھیک کام نہیں کر رہی تھی۔ اُنھوں نے اس حالت میں رفل تو سعدی خاں غازی کے حوالے کی اور تلوار دُوسرے غازی کو، جو بے سر و سامان تھا اور صرف تبر لیے ہُوئے تھا۔ اُنھوں نے دونوں کو سخت تاکید کی کہ یہ اللہ کا مال ہے۔ تم کو امین جان کر تمھارے حوالے کیا ہے۔ یہ ضائع نہ ہونے پائے۔ اُن کے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ مایار کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں میاں جی محی الدین ملے، جو زخمی پڑے ہُوئے تھے۔ انھوں نے اُن کا ہاتھ دائیں ہاتھ سے تھام کر جس کی انگلیاں زخمی تھیں، اُن کو لے کر چلنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر چل کر اُن کو غش آگیا اور زمین پر گر گئے۔ یہ خاکسار (مولوی سیّد جعفر علی) پاس سے گزرا، تو سب سے پہلے اُنھوں نے دریافت کیا کہ لشکرِ اسلام کو فتح ہُوئی یا نہیں؟ مَیں نے جب اُن کو فتح کی بشارت سنائی، تو وُہ شگفتہ اور مسرور ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی، آؤ، تم سے گلے مِل لُوں۔ جب معانقے سے فارغ ہُوئے، تو کہنے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کہ شہدا کو سکراتِ موت کی تکلیف نہیں ہُوتی، بس صرف اِتنا معلوم ہوتا ہے کہ چیونٹی نے کاٹ لیا ہے۔ چنانچہ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے اتنے زخم آئے ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بس کانٹا چُبھا ہے۔[1]

رسالدار عبدالحمید خاں رسالدار عبدالحمید خاں سیّد صاحبؒ کی صف کی پشت پر چلے جاتے تھے۔ درانیوں کے تین غول تھے، جو سیّد صاحبؒ کے مقابل میں اور ایک سواروں کے مقابلے میں، ایک غول سیّد صاحبؒ کی طرف گھوڑوں کی باگیں اُٹھا کر حملہ آور ہُوا اور ایک سواروں کی طرف۔ اس عرصے میں کسی شخص نے رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ حضرت کا حکم ہے کہ تم بھی ہلّہ کرو۔ یہ حکم سُنتے ہی رسالدار صاحب نے اپنے سواروں کو لے کر ہلّہ کر دیا اور سب سوار رسالدار صاحب کے ہمراہ اُن میں جا کر گڈمڈ ہو گئے۔ جتنے مُلکی سوار مجاہدین کے سواروں کے ساتھ تھے، وہ سب اسی دم طرح دے کر بھاگ کھڑے ہُوئے۔

---

[1] منظورة السعداء

ساری لڑائی مجاہدین پر آ پڑی اور سب سوار سمٹ کر رسالدار صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ جدھر رسالدار صاحب اپنے سواروں کو لے کر باگ اٹھاتے تھے، دُرّانیوں کا غول صاف چیر کر تلواریں مارتے ہُوئے اس پار نکل جاتے تھے۔ رسالدار صاحب افسوس کر کے کہتے تھے کہ اگر اس وقت میرے پاس سبزہ گھوڑا ہوتا، تو میرے دل کا ارمان نکلتا[1]۔ تین چار بار اسی طرح اپنے سب سواروں کے ساتھ حملہ کر کے اُن کے غول میں گھُسے اور تلواریں مارتے ہُوئے پار نکل گئے۔ انھیں حلّوں میں سوار شہید بھی ہُوئے اور زخمی بھی ہُوئے۔ رسالدار صاحب کے بھی تلواروں کے حلّے سے کئی زخم لگے، مگر وُہ اسی طرح لڑتے رہے۔ پھر رسالدار صاحب نہایت زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ جسم فربہ تھا۔ زرہ کی کڑیاں دشمن کی تلوار کے ساتھ ان کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ جب اُن کو اور سیّد موسٰی کو مَیدان سے اٹھا کر مایار کی گڑھی میں لائے، تو اُن کی صُورت دیکھ کر ہر ایک پر رقّت طاری ہو جاتی تھی۔ زخموں کی مرہم پٹّی کے لیے اُن کو موضع تُور و میں لائے۔ وہاں سے دُوسرے زخمیوں کے ساتھ پنجتار بھیجے گئے، جہاں وفات پائی

شیخ امیراللہ تھانوی شیخ امیراللہ تھانوی کی ران میں بندوق کی گولی اور دائیں ہاتھ میں تلوار کا زخم لگا تھا۔ وہ بائیں ہاتھ میں خُون آلُود تلوار لے کر کہتے تھے کہ میرا دایاں ہاتھ بیکار ہو گیا ہے، بائیں ہاتھ سے کچھ کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ تلوار اس غازی کو دُوں گا، جو اس سے دشمنانِ دین کو قتل کرے۔

جب نُور بخش جرّاح اُن کے زخموں کی مرہم پٹّی کے لیے آئے، تو اُنھوں نے شیخ صاحب سے کہا کہ آپ کہا کرتے تھے کہ یہاں آ کر مجھے کیا حاصل ہُوا؟ ابھی تک تو نکسیر تک نہ پھُوٹی۔ اب سچ فرمائیے، نکسیر پھُوٹی یا نہیں؟ شیخ امیراللہ نے فرمایا کہ ہاں، الحمدللہ، اللہ تعالٰی قبول فرمائے۔

دُوسرے شُہدا مایار کی جنگ میں چالیس غازیوں کے قریب شہید ہُوئے۔ جن حضرات کا نام خصُوصیت کے ساتھ اُوپر آ چکا ہے، اُن کے علاوہ چند نام، جو مل سکے ہیں، وُہ یہ ہیں:

شیخ عبدُالرحمٰن رائے بریلوی، میر رستم علی چلکانوی، مولوی عبدالرحمٰن تُور وکے،

---

[1] رسالدار صاحب کے پاس دو گھوڑے تھے: ایک سمند، دوسرا سبزہ۔ سبزہ اُن کا قدیمی گھوڑا تھا۔ وہ خوب درست کیا ہُوا تھا۔ برچھے، تلوار، بندوق پر خوب لگا ہُوا تھا۔ اس پر سوار ہو کر وہ چھُری کٹار سے خاطر خواہ لڑ لیتے۔ جس سمند پر وُہ اس وقت سوار تھے، وہ اُن کی مرضی کے موافق تربیت یافتہ نہ تھا۔

حاجی عبد الرحیم[1] پھلی والے، شیخ عبد الحکیم پھلتی، کریم بخش گھاٹم پوری۔

غازیوں کی اٹھائیس لاشیں تھیں، جو مولوی مظہر علی صاحب کو ملیں۔ نو لاشیں مولانا اسمٰعیل صاحب نے دفن کرائیں۔

مایار کے مجروحین مایار کے جن مجروحین کے نام اُوپر آئے ہیں، اُن کے علاوہ حسب ذیل حضرات زخمی پائے گئے:

عبد الکریم خاں (آنولہ)، نُور محمد، اُن کے بھائی حاجی چاند ناگوری، اللہ بخش باغپتی،
میاں جی سید محی الدین پھلتی، محمد سعید خاں رائے بریلوی، قاضی مدنی، مولوی عبد الحکیم بنگالی
مولوی احمد اللہ برادر مولانا عبد الحی، عبد الرحمٰن دکھنی، اعتباری، پیر محمد پانی پتی۔

سید اسمٰعیل رائے بریلوی، شیخ نصر اللہ خورجوی، امام الدین پانی پتی، کریم بخش پنجابی، اسمٰعیل خاں خانپوری ہلکے طور پر زخمی تھے۔

مَیدانِ جہاد کا غُبار وقائع میں ہے کہ معرکے کے بعد سید صاحبؒ سب غازیوں کے ساتھ نالے پر آئے۔ نالے کے پار چند درختوں کا ایک باغیچہ سا تھا۔ نالہ اُتر کر اس میں ٹھیرے اس وقت تمام لوگوں کے کپڑے اور چہرے ایسے گرد آلود تھے کہ بعض آدمی فوراً پہچانے نہیں جا سکتے تھے۔ ارباب بہرام خاں حضرت کے پاس آئے اور رُومال لے کر چاہا کہ آپ کے چہرے سے گرد جھاڑیں۔ آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ابھی ٹھیر جاؤ، یہ غُبار بہت برکت والا ہے۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس گرد کی بڑی فضیلت بیان کی ہے کہ جس کے پیروں پر یہ غُبار پڑے، وُہ شخص عذابِ نار سے نجات پائے گا۔ یہ تمام تکلیف و مشقت اسی گرد کے لیے ہم نے اُٹھائی ہے۔ یہ بات سُن کر سب لوگ اسی طرح گرد آلود رہے۔ اس جگہ کسی نے گرد نہ جھاڑی۔

تُورو کو واپسی اور دُعا ظہر کی نماز کے بعد ننگے سر ہو کر بہت دیر تک آپ نے دُعا کی۔ اس دُعا میں اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی خداوندی اور پروردگاری، عظمت و جبّاری اور رحمت و غفّاری

---

[1] یہ غالباً حضرت حاجی عبد الرحیم ولایتی، میاں جی نُور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور سلسلۂ صابریہ امدادیہ کے رُکن رکین ہیں۔

اور اپنی ناتوانی و خاکساری کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ آپ کے آنسو اس طرح جاری تھے کہ ڈاڑھی تر ہو گئی تھی اور یہی حال تقریباً تمام لوگوں کا تھا۔ دُعا کے بعد چند گھڑی اور ٹھیرے، پھر کُوچ کیا اور موضع ٹُورو میں آکر عصر کی نماز پڑھی۔

ترانۂ حمد و توحید میدان سے مظفّر و منصُور واپس آنے کے بعد سیّد صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عمیم سے ہم کو فتح نصیب فرمائی اور مسلمان بھی رکھ اور یہ بھی بڑا فضل فرمایا کہ باوجود قلّت تعداد و سامان ہم سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم نے فتح حاصل کی یا ہم دشمن پر غالب آئے۔ ہمارے سب غازیوں کا یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قوّت و قدرت سے ہم کو اچھے زور آور حریف پر، جو سلطنت اور خزانوں کا مالک تھا اور جو مور و ملخ کی طرح ہم پر چڑھ کر آیا تھا، ہم کو فتحمند کیا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم تھا کہ اِس جنگ میں ہمارے دل میں عجیب قسم کا اطمینان اور سکینت نازل فرمائی کہ جنگ کا شور و ہنگامہ ہمارے دل پر کوئی اثر نہ کر سکا۔ اس وقت ہم کو میدانِ جنگ میں جانا اور دشمن سے لڑنا ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے کوئی دعوت کو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم کہیں کھچڑی کھانے گئے تھے۔

شہداء کی تدفین اور دُعا شہداء کو دفن کے لیے لایا گیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ ان سب کے چہرے ان کے عماموں سے چھپا دو اور ان کے کپڑے دیکھ لو۔ جو کچھ پیسہ روپیہ وغیرہ بندھا ہو اُس کو کھول لو۔ کسی شخص نے قبر میں اُتر کر اُن کے چہرے ڈھک دیے اور پٹکے وغیرہ ٹٹول لیے۔ پھر کئی آدمی ایک بڑی سی چادر قبر کے مُنہ پر تان کر کھڑے ہو گئے اور سب مٹی دینے لگے۔ تختے بنگلے کچھ نہیں رکھے گئے۔ اسی طرح صرف مٹی سے توپ دیا۔ اس کے بعد مولانا صاحب اور سب نے مل کر بہت دیر تک اُن سب کے لیے دُعاءِ مغفرت کی۔ جو لوگ شریکِ دفن تھے، محبّت سے روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ تو جس مُراد کو آئے تھے، اُس مُراد کو پہنچے، ہم لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی شہادت نصیب کرے!

تھوڑی دیر کے بعد مغرب کی اذان ہُوئی۔ سب نے سیّد صاحبؒ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے

بعد آپ نے بہت دیر تک سر برہنہ ہو کر ان شہیدوں کی مغفرت کے واسطے دعا کی کہ پروردگار، تُو خوب جانتا ہے کہ یہ تمام لوگ محض تیری خوشنودی اور رضا کے لیے اپنا گھر بار اور مال و متاع چھوڑ کر یہاں آئے تھے اور صرف تیری ہی راہ میں اُنھوں نے اپنی جانیں صرف کیں۔ اُن کے گناہوں کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لے اور فردوسِ بریں میں اُن کو جگہ دے اور اُن سے راضی ہو! اور جو ہم چند ضعفا اور غربا تیرے عاجز بندے باقی ہیں، اُن کو بھی اپنی رضامندی اور خوشنودی کی راہ میں جان و مال کے ساتھ قبول فرما! خطرات و وساوس دُور کر اور دلوں کو اپنے اخلاص و محبت سے معمور کر اور اپنے اِس دینِ محمدی کو قوت اور ترقی عطا کر! اور جو لوگ اِس دینِ متین کے دشمن و بدخواہ ہوں، اُن کو ذلیل و رُسوا کر! اور جو مسلمان فریبِ نفس و شیطان سے شریعت کی راہِ راست سے بھٹک کر بادیۂ ضلالت میں پڑے ہیں، اُن کو ہدایت کر کہ پکے مسلمان ہو کر تیرے اس کارِ خیر میں جان و مال اور اہل و عیال کے ساتھ شریک ہوں!

ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ

دعا کے بعد کسی صاحب نے کہا کہ حضرت، آج کی لڑائی میں چالیس غازیوں کے قریب شہید ہوئے اور زخمی بھی بہت ہوئے اور اچھے اچھے لوگ کام آئے، مگر شہیدوں اور زخمیوں میں جو خیال کیا، تو پھلت والے بھائیوں میں سے سوائے شیخ عبدالحکیم صاحب کے کوئی شہید نہیں ہوا اور نہ زخمی ہوا۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کا گنجِ شہیداں کہیں اکٹھا ہوگا۔[۱]

---

[۱] جنگ بالاکوٹ میں ایسا ہی ہوا کہ سوائے شیخ ولی محمد اور شیخ وزیر صاحب کے سب شہید ہو گئے۔

ستائیسواں باب

پشاور کا قصد

خدا کا رعب اور سہارا کافی ہے مایار کی جنگ سے فراغت کے بعد سید صاحبؒ نے اطراف و جوانب کے خوانین کو جمع کر کے پشاور کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ان سب نے تائید کی۔ سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں نے رائے دی کہ پشاور کی مہم میں توپیں ساتھ رکھی جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم صاحبوں کا خیال ہے کہ توپوں کا لشکر میں بڑا رعب اور سہارا ہوتا ہے؛ سو یہ بات کچھ نہیں۔ خدا کا رعب اور سہارا ہمارے لیے کافی ہے۔ سردار یار محمد خاں بھی تو اپنے ساتھ توپیں لایا تھا۔ پھر اُن توپوں سے کیا کر لیا؟ وہ سب توپیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دلوا دیں۔ سردار سلطان محمد خاں نے بھی توپوں سے کیا کام بنا لیا؟ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جسے چاہے، دے۔

روانگی آپ نے موضع تورو سے موضع مردان کی طرف مع لشکر کوچ کیا۔ آپ گھوڑے پر سوار پیادوں کی جماعت میں تھے۔ سواروں کا لشکر آگے پیچھے تھا۔ دو نشان پیادوں میں تھے اور ایک سواروں میں، اور تینوں کے پھریرے کھلے تھے۔ شتری نقارہ بجتا تھا اور مولوی رحمٰن علی مولوی خرم علی صاحب کا لکھا ہوا رسالہ نظمِ جہادیہ باآوازِ بلند خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے، جو مندرجہ ذیل ہے:

بعدِ تحمیدِ خدا، نعتِ رسولِ اکرمؐ
یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم
واسطے دین کے لڑنا، نہ پئے طمعِ بلاد
اہلِ اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد
ہے جو قرآن و احادیث میں خوبیِ جہاد
ہم بیاں کرتے ہیں تھوڑا سا، اسے کر لو یاد
فرض ہے تم پہ مسلمانو، جہادِ کفار
اس کا سامان کرو جلد، اگر ہو دیندار
جس کے پیروں پہ پڑی گردِ صفِ جنگِ جہاد
وہ جہنم سے بچا، نار سے ہے وہ آزاد
جو مسلمان رہِ حق میں لڑا لحظہ بھر
روضۂ خلدِ بریں ہو گیا واجب اس پر
اے برادر، تو حدیثِ نبویؐ کو سن لے
باغِ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے
دل سے اس راہ میں پیسہ کوئی دیوے گا اگر
سات سو اس کو خدا دیوے گا روزِ محشر
اور اگر مال بھی خرچا و لگائی تلوار
پھر تو دیوے گا خدا اس کے عوض سات ہزار
جو کہ مال اپنے سے غازی کو بناوے اسباب
اس کو بھی مثلِ مجاہد کے خدا دے گا ثواب
جو نہ خود جاوے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال
اس پہ ڈالے گا خدا پیشتر از مرگ وبال
جو رہِ حق میں ہوئے ٹکڑے، نہیں مرتے ہیں
بلکہ وہ جیتے ہیں، جنت میں خوشی کرتے ہیں
عمر بھر ہی کے گناہِ شہدا چھٹتے ہیں
کیوں نہ ہو؟ راہِ خدا ان کے تو سر کٹتے ہیں
فتنۂ قبر و غمِ صور و قیامِ محشر
ایسے صدموں سے شہیدوں کو نہیں کچھ ہے خطر
حق تعالٰے کو مجاہد وہ بہت بھاتے ہیں
مثلِ دیوار جو صف باندھ کے جم جاتے ہیں
اے مسلمانو، سنی تم نے جو خوبیِ جہاد
چلو اب رن کی طرف مت کرو گھر بار کو یاد
مال و اولاد کی، جورو کی محبت چھوڑو
راہِ مولٰے میں خوشی ہو کے شتابی دوڑو
مال و اولاد تری قبر میں جانے کی نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے بچانے کی نہیں
گر بچے جیتے، تو گھر بار میں پھر آؤ گے
اور گئے مارے، تو جنت میں چلے جاؤ گے
دینِ اسلام بہت سست ہوا جاتا ہے
غلبۂ کفر سے اسلام مٹا جاتا ہے
پیشوا لوگ اسی طور نہ کرتے جو جہاد
ہند پھر کس طرح اسلام سے ہوتا آباد

زورِ تلوار سے غالب رہا اسلام مدام
سستی اگلے جو کبھی کرتے، تو ہوتا گمنام
کب تلک گھر میں پڑے جوتیاں چٹکاؤ گے
اپنی سستی کا بجز افسوس نہ پھل پاؤ گے
اب تو غیرت کرو، نامردی کو چھوڑو، یارو
سیّد احمد سے ملو، جلد سے کافر مارو
بارہ سو سال کے بعد ایسے ارادے والا
ہوا پیدا ہے، مسلمانو، کرو شکرِ خدا
تھے مسلمان پریشان بغیر از سردار
ہوا سردار ہے از آلِ رسولِ مختارؐ
بات ہم کام کی کہتے ہیں، سنو، اے یارو،
وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو
حضرتِ مولوی، اب طاق میں رکھ دیجے کتاب
لیجے تلوار و میدان کو چل دیجے شتاب
وقتِ جانبازی ہے، تقریروں کو اب مت چھانٹو
غیرِ شمشیر کسی سمت کو دل مت بانٹو
ہادیٔ دین ہو تو، تم کو ہے سبقت لازم
تم چلو گے، تو بہت ساتھ چلیں گے خادم
اے گروہِ فقرا، نفس کُشی کے استاد
عمل نفس کشی کون ہے بہتر ز جہاد
مت گھسو کونے میں اے پیرجی، مانندِ حجا
چھوڑو اب چلہ کشی وقتِ جہاد آ پہنچا
اے جوانانِ اسد حملہ و رستم قوّت
کام کس دن کو پھر آوے گی تمھاری جرأت
اُن کا سر کاٹ لیا یا کہ کٹا اپنا سر
دونوں صورت میں جو سمجھو، تو تمھیں ہو بہتر
یعنی، گر مار لیا اُن کو، تو پھر بن آئی
اور گئے مارے، تو پھر خاصی شہادت پائی
ایک دن تجھ سے یہ دنیا کا مزا چھوٹے گا
لشکرِ موت ترا ملکِ بدن لوٹے گا
دوستو، تم کو تو مرنا ہی مقرر ٹھیرا
پھر تو بہتر ہے کہ جاں دیجیے در راہِ خدا
سیکڑوں جنگ میں جاتے ہیں، وہ پھر آتے ہیں
سیکڑوں گھر میں بھی رہتے ہیں، وہ مر جاتے ہیں
موت کا وقت معیّن ہے، تو سن اے غافل
پھر بھلا موت سے ڈرنے میں تجھے کیا حاصل
جب تلک موت نہیں ہے، تو نہیں مرتے ہیں
موت جب آئی، تو گھر میں بھی نہیں بچتے ہیں
تم اگر ڈرتے ہو تکلیفِ سفر سے، نہ ڈرو
مرد ہو، خطرۂ آلام کو دل سے کھو دو
جیسی عادت کرے انساں، وہ سو ہو سکتا ہے
عیش و آرام کی عادت کو بھی کھو سکتا ہے

طمعِ دُنیا کے لیے دیکھو ہزاروں یہ سپاہ   چھوڑ کر سر کو کٹاتے ہیں، نہیں کرتے "آہ"!
ہے عجب یہ کہ مُسلمان بھی کہلاتے ہو   جُھوٹے حیلے رہِ اللہ میں بتلاتے ہو
تم تو اِس طور سے دُنیا پہ بہت پھُول گئے   جورو لڑکوں کی محبت میں خُدا بھُول گئے
آج اگر اپنی خوشی راہِ خدا جاں دوگے   پھر تو کل چین سے جنّت میں مزے لُوٹوگے
چھوڑوگے لذّتِ دُنیا کو اگر بہرِ خُدا   پھر تو جنّت میں ہمیشہ ہی اُڑاؤگے مزا
سر ٹپک، پیر رگڑ گھر میں کا مرنا بہتر   یا رہِ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر
گر رہِ حق میں نہ دی جان، تو پچھتاؤگے   اور پیمبر کو یہ مُنہ کیا دِکھلاؤگے
ایک ہے شرط کہ تم مانو بدل حکمِ امام   ورنہ تلوار لگانا بھی نہیں آوے کام
جو کہ خُودرائے بھی لڑنے لگے در راہِ جہاد   اُن کا ناحق یہ بہا خُون، ہے محنت برباد
خُوب اللہ و مُحمّد کو جو پہچانتے ہیں   اپنے سردار کے کہنے کو بدل مانتے ہیں
اہلِ ایمان کو کافی ہے دِلا اتنا پیام   اب مُناجات سے، بہتر ہے کہ ہو ختمِ کلام
اے خداوندِ سماوات و زمیں، ربِ عباد   اب مُسلمانوں کو دے جلد سے توفیقِ جہاد
اپنا دے زور، مسلمانوں کو کر زور آور   وعدۂ فتح جو ہے اُن سے کیا، پُورا کر

ہند کو اِس طرح اسلام سے بھر دے اَے شاہ
کہ نہ آوے کوئی آواز بجز اللہ! اللہ!

مردان کی گڑھی کا تخلیہ گرد و نواح کے جو خوانین اور ہوتی مردان کے جو مُلّا حاضر ہوئے اُنھوں نے عرض کیا کہ دُرّانیوں کا مال خیمہ و اسلحہ وغیرہ ہوتی اور مردان میں پڑا ہے؛ ایسا نہ ہو کہ کوئی اُن کو تلف کر دے اور اُس کی گرفت اہلِ قصبہ سے ہو۔

سید صاحبؒ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ تشریف لے جائیں اور اس سامان کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ مولانا نے سو آدمیوں کا انتخاب کیا۔

سید جعفر علی صاحب کہتے ہیں کہ میرا بھی اس سلسلے میں انتخاب ہوا۔ میں نے رات کو کھانا نہیں

کھایا تھا۔ اس سے اگلا دن بھی خشک روٹی کے ایک ٹکڑے پر گزرا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو میں کچھ کھاؤں۔ مولانا نے فرمایا کہ روٹی لے لو، دیہات کے باہر جا کر کھا لینا۔ غرض، یہ کہ لشکر بڑی عجلت کے ساتھ مولانا کے ساتھ روانہ ہُوا۔ جب ہُوتی کے قریب پہنچے، تو احمد خاں کے پنجابی ملازمین نے بندوقیں چلانی شروع کیں۔ مولانا نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور گڑھی کے جنوبی دروازے کے بہت قریب پہنچ گئے۔ بندوق کی کچھ گولیاں ہماری جماعت کے اندر بھی پہنچیں۔ آپ نے گڑھی کے مغرب کی جانب رُخ کیا اَور وہاں سے گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ہمراہیوں سے فرما دیا کہ متفرّق ہو جاؤ اور تُم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے چار چار قدم کے فاصلے پر رہے۔ خود جماعت کے آگے آگے تھے۔ ہُوتی سے مردان تک سیکڑوں گولیاں ہمارے سر سے گزر گئیں، لیکن اللہ کے فضل سے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

مردان کے مغربی جانب ایک باغ تھا۔ اس میں بڑے بڑے درخت تھے۔ باغ کے بیچ میں کچھ نشیبی زمین ایسی تھی کہ اگر کوئی شخص اس میں بیٹھ جاتے، تو گڑھی کی جانب سے آنے والی گولیوں سے محفوظ رہے گا۔ مولانا خود بھی وہیں بیٹھ گئے اور لشکر کو بھی وہیں بٹھایا۔ دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ چہرے پر غصّے کے آثار ظاہر تھے۔ دیر تک گولیاں اس زمین کے کنارے پر پڑتی رہیں، جو بلندی پر واقع تھا۔ اس سے ڈھیلے اُڑ اُڑ کر ہمارے سر پر پڑتے تھے۔ ایک گھڑی کے بعد بندوقچی سست پڑ گئے۔ اتنے میں دیہات کے مُلّا حاضر ہوئے اور مولانا سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو کھانا لے آئیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تمھارا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بندوق کی گولی سے بچ گیا ہے، اس کو زہر آلود کھانا کھلا کر مار ڈالو۔ خبردار ہو جاؤ کہ ہم دُرّانیوں کی وہ توپیں، جو ہم کو مالِ غنیمت میں ملی ہیں، منگوا کر تمھاری اس گڑھی کو مسمار کر دیں گے۔ ملاؤں نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اس میں ہمارا قصور نہیں، احمد خاں باغی کے نوکروں کا فعل ہے۔ ہم نے اُن کو بہت منع کیا تھا، لیکن اُنھوں نے کہا کہ اگر ہم بغیر بندوق چلائے گڑھی حوالے کر دیں گے، تو ہم اپنے آقا کے نمک حرام ہو کر عذابِ الٰہی میں مُبتلا ہوں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ جاؤ، پہلے گولیاں موقوف کراؤ، پھر کھانا لاؤ۔ احمد خاں کے نوکروں سے کہ دو کہ گڑھی سے باہر نہ

جائیں، عنقریب توپیں آتی ہیں۔ ان توپوں کے گولوں سے گڑھی کو مسمار کر کے تم کو تلاش کیا جائے گا۔

جب ملا گڑھی کی طرف واپس ہوئے اور اُن کو پیغام پہنچا، تو گولیاں فوراً موقوف ہو گئیں مولانا نے سب حال لکھ کر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیا اور توپوں کی بھی درخواست کی۔ گڑھی کے چاروں طرف فصیل تھی اور دو دروازے تھے : ایک جنوب کی جانب اور ایک مغرب کی جانب۔ گڑھی کے اندر سے کھانا آیا اور مولانا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تناول فرمایا۔[1]

رسُول خاں برادر احمد خاں کی طرف سے مُلّا پیغام لائے، جس میں اُس نے بڑی خوشامد سے عرض کیا تھا کہ میں بے قصور ہوں۔ دُرّانیوں نے احمد خاں کو اس گڑھی پر قابض کر دیا تھا۔ مَیں نے مجبور ہو کر ان کی رفاقت کی۔ اس اطاعت و رفاقت کے باوجُود رعایا اُن کی دست درازی سے محفوظ نہیں رہی۔ اب آپ میرے حق میں جو تجویز فرمائیں، مجھے بسر و چشم قبول ہے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ تمھاری بے گناہی اور خیر خواہی جب ثابت ہو گی، جب تم حضرت امیر المومنین کی اطاعت قبول کر لو گے۔ مَیں اُن کا نائب ہوں، اب تم کو چاہیے کہ گڑھی کے چھ بُرجوں کو خالی کر دو۔ ہمارے غازی وہاں جا کر ان بُرجوں میں قیام کریں گے اور لشکر کا ایک گروہ دیہات کے اندر قیام کرے گا۔ سردار اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں آ ئے۔ ہم اپنے سواروں کے ساتھ اُس کو امیر المومنین کے پاس بھیجیں گے۔ کل یا پرسوں جب بھی آپ یہاں تشریف لائیں گے، وہ اُن کے ہمراہِ رکاب آئے گا۔ پھر امیر المومنین جیسا مناسب سمجھیں گے، اُس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔

رسُول خاں نے یہ تمام باتیں قبول کر لیں، لیکن عرض کیا کہ ایک بات میری قبول کر لی جائے کہ لشکر ہمارے قصبے میں داخل نہ ہو اس لیے کہ رعایا دُرّانیوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئی ہے۔ جب یہ لشکرِ جرار قصبے میں داخل ہو گا، تو اہلِ قصبہ کے لیے بیٹھنے کی جگہ نہ رہے گی۔ مولانا نے فوراً اس بات کو قبول کر لیا، لیکن فرمایا کہ دو گروہ مستثنےٰ ہیں، ایک تو خود سیّد صاحبؒ گڑھی میں قیام فرمائیں گے، دُوسرے مولوی عبدالوہاب قاسم خدا کی مسجد میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قیام کریں گے۔

---

[1] منظورہ ص ۸۶۷ تا ۸۶۹

جانبین سے یہ معاملہ طے ہوگیا، تو آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابی اور اُن کی جماعت کو بُرجوں کے پہرے اور قصبے کے دروازے کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔ مولانا نے سردار رسُول خاں کو اپنے دس بارہ سواروں کے ساتھ لشکرگاہِ اسلام تُورُو کو روانہ کیا۔ مولانا نے ان سواروں کی زبانی اس معاہدے کی بھی اطلاع سیّد صاحبؒ کو بھیج دی کہ لشکرِ اسلام میں سے کوئی شخص ہُوتی اور مردان کے دیہات میں داخل نہیں ہوگا۔[1]

وقائع میں ہے کہ گڑھی کے قریب کسی مُلکی نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کان میں کہا تھا کہ آپ گڑھی میں خبردار ہو کر داخل ہوں اور جب تک وہاں کے تمام مکانوں کی تلاشی نہ لے لیں، تب تک سیّد صاحبؒ کو وہاں نہ بُلائیں کہ کہیں کچھ دغا فریب نہ ہو۔ یہ بات سُن کر مولانا وہیں ٹھہر گئے اور مزید تیس چالیس غازی لشکر سے بلوائے۔ پہلے گڑھی کے دروازے پر بیس غازی مُتعیّن کیے اور کہہ دیا کہ کوئی آدمی باہر سے اندر نہ جانے پائے اور جو اندر سے کوئی اپنا مال و اسباب لے کر باہر نکلے، تو اُس سے مزاحمت نہ کی جائے۔ اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب گڑھی کے اندر داخل ہُوئے۔ شیخ صاحب تو لوگوں کے مال و اسباب نکلوانے میں مشغول ہُوئے اور مولانا نے گڑھی کے مکانوں کی تلاشی لینی شروع کی کہ کہیں بارُود نہ بچھی ہو یا بارُود کا کوئی کُپّا نہ دبا ہو۔

غلط اطلاع کی بنا پر سیّد صاحبؒ کی آمد اور مولانا اسمٰعیل صاحب کی ناراضگی

ابھی کچھ تھوڑا سا سامان نکلوانا باقی تھا کہ کسی مُلکی نے سیّد صاحبؒ سے جا کر کہا کہ آپ گڑھی میں تشریف لے چلیں، مولانا صاحب بُلاتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ بسم اللہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہُوئے اور گڑھی کو تشریف لے چلے۔ تقریباً دو سَو آدمی جو آپ کے ساتھ درختوں کے نیچے تھے، آپ کے ہمراہ ہُوئے۔ لشکر والوں نے دیکھا، تو اُن میں سے بہت آپ کے ساتھ ہو لیے۔ اور آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

کسی نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ سیّد صاحبؒ تشریف لائے ہیں اور آپ کے ہمراہ بہت لوگ ہیں۔ یہ سُن کر مولانا اسمٰعیل صاحب نہایت غصّے کی حالت میں سیّد صاحبؒ کے پاس

---

[1] منظورہ، ص ۸۷۹ تا ۸۸۲

آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرے بُلائے بغیر ہم نہ آئیں گے اور نہ کوئی لشکر کا آدمی جانے پائے گا، اب آپ کے تشریف لانے سے لشکر کے صدہا آدمی یہاں گھس آئے! نہ میں نے آپ کو بُلوایا اور نہ آپ نے مجھ سے پُچھوا بھیجا۔ آپ یوں ہی چلے آئے۔ رعایا کا اسباب گھروں سے نکلوایا جا رہا ہے۔ اگر کسی کا مال و اسباب جاتا رہا، تو نقضِ عہد ثابت ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ اس وقت آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ یہ بات اُنھوں نے کئی بار کہی۔ یوں غصّے ہو کر سیّد صاحبؒ سے کلام کرنا لوگوں کو ناگوار ہُوا، مگر کسی نے دم نہ مارا۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں صاحب، مجھ سے تو کسی نے جا کر یہ کہا کہ مولانا صاحب آپ کو بُلاتے ہیں، تب میں یہاں آیا، ورنہ کاہے کو آتا۔ مولانا صاحب نے کہا کہ مَیں نے تو کسی سے نہیں کہا تھا۔ یہ بات سُن کر آپ اُٹھ کھڑے ہُوئے اور کہا کہ مَیں جاتا ہوں اور درختوں کے نیچے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہی بھی باہر نکل گئے۔ جو لوگ اِدھر اُدھر گڑھی میں باقی رہ گئے تھے، اُن کو تلاش کر کے مولانا نے باہر نکال دیا۔

جب کچھ دیر میں رعایا کا سب اسباب نکل چکا اور مولانا مکانوں کی تلاشی بھی لے چکے، تب شیخ ولی محمد صاحب نے جا کر سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ گڑھی خالی ہے، اب آپ تشریف لے چلیں۔ یہ بات سُن کر آپ گڑھی میں تشریف لائے اور دو ڈھائی سَو آدمی، جو آپ کے ہمراہ گڑھی میں گئے تھے، وُہ جا بجا گڑھی کے مکانوں میں اُترے۔ اُس وقت شیخ ولی محمد صاحب نے آپ سے کہا کہ مولانا صاحب جو اُس وقت آپ کے آنے سے ناخوش ہُوئے تھے، اُس کا سبب یہ تھا کہ ایک مُلّٰی نے اُن سے کہا تھا کہ گڑھی میں ہوشیاری سے جانا اور جب تک وہاں کے ہر مکان کی تلاشی نہ لے لینا، تب تک سیّد صاحبؒ کو گڑھی میں نہ بُلانا۔ وہ اس وقت مکانوں کی تلاشی لے رہے تھے، دُوسرے رعایا کا سب اسباب بھی نہیں نکل چکا تھا۔ اگر اس بھیڑ بھاڑ میں کسی کا کچھ اسباب جاتا رہتا، تو الزام اور بدنامی کی ایک صُورت ہوتی۔

امیر و مامور کا اخلاص و للّٰہیت منظورہ میں ہے کہ جب مولانا کو سیّد صاحبؒ کی آمد کی اطلاع ہوئی،

تو فرطِ تاثّر میں یہاں تک فرمایا کہ یہ لشکر ہے، اُس کو میدان میں ٹھہرنا چاہیے تھا؛ پیرزادوں کا قافلہ نہیں ہے کہ دیہات میں گھس آئے۔ سید صاحبؒ نے جب مولانا کے چہرے پر غصّے کے آثار ظاہر دیکھے، تو فرمایا کہ مولانا، میں ابھی باہر جاتا ہوں اور قلعے میں جہاں نشست تھی، فوراً اُٹھ کر گڑھی کے مشرقی دروازے سے باہر تشریف لے آئے اور شہتوت کے درختوں کے نیچے پانی کے کنارے آکر بیٹھ گئے۔ لشکر کے لوگ اور مُلکی بھی وہاں موجود تھے۔

جیسے ہی سید صاحبؒ گڑھی سے تشریف لے چلے، مولانا کا غُصّہ فرو ہو گیا اور سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہی درخت کے نیچے آکر دو زانو مؤدّب بیٹھ گئے۔ سید صاحبؒ نے قصبے کے باشندوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نے ہمارے اہلِ لشکر کی مولانا سے شکایت کی اور مولانا کو غصّے میں لے آئے، حالانکہ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے لشکری کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے۔ اگر کبھی ضرورت پڑتی ہے تو دو چیزیں مانگ لیتے ہیں اور جاتے وقت دے کر جاتے ہیں: ایک چارپائی، دُوسرے مٹی کی ہنڈیاں کھانا پکانے کے لیے۔ ایسی چھوٹی چیز کے لیے تمھیں مولانا سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس وقت اہلِ قریہ نے بہت عُذر معذرت کی اور عرض کیا کہ ہماری تقصیر معاف ہو اور آپ اندر تشریف لے چلیں۔ آپ نے مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا، کسی نے بھی مجھے آپ کے معاہدے کی اطلاع نہیں دی۔ مولانا نے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ سر جھکا کر کہا کہ حضرت، مَیں نے دو بار یہ اطلاع آپ کے پاس بھیجی: ایک بار کل سواروں کی زبانی اور ایک بار آج آخوند فیض محمد کی زبانی۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا: مجھ تک تو کسی نے بھی اطلاع نہیں پہنچائی، ورنہ ایسی غلطی نہ ہوتی۔ مولانا نے آخوند فیض مُحمد سے کہا کہ تم نے بھی اتنا ضروری پیغام نہ پہنچایا۔ آخوند نے کہا کہ مَیں جس وقت یہاں سے روانہ ہو کر سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا، آپ کی سواری روانہ ہو چکی تھی۔ ہجوم اس قدر تھا کہ میں باوجود کوشش کے بھی آپ تک نہ پہنچ سکا۔ یہ سمجھ کر کہ کل سواروں نے پیغام پہنچا دیا ہوگا، مَیں بھی مجمع کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ سید صاحبؒ نے اور مولانا نے آخوند فیض مُحمد کا یہ عُذر قبول کیا۔[1]

---

[1] منظورہ ص ۸۸۴ تا ۸۸۶

اٹھائیسواں باب

مردان سے پشاور تک

مردان سے کوچ مردان میں دو رات رہ کر تیسرے دن آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔ گڑھی کے بندوبست کے لیے آپ نے حاجی بہادر شاہ خاں کو سو غازیوں کے ساتھ، جن میں کئی شخص کچھ کچھ زخمی بھی تھے، چھوڑا۔ حاجی حمزہ علی خاں ساکن لُہاری کو عبدالحمید خاں کے بجائے سوروں کا رسالدار بنایا۔ وہاں سے کوچ کرنے کے وقت آپ کے ہمراہ رکابِ مُلکی اور ہندوستانی ملا کر تخمیناً چھ سات ہزار آدمی تھے۔

راستے میں چارسدے میں قیام ہُوا۔ وہاں کے لوگوں نے دُرّانیوں کے ظُلم و ستم کی شکایت کی کہ جب وہ شکست کھا کر اس طرف سے گُزرے، تو اُنھوں نے خود اپنے علاقے اور مُلکِ مقبُوضہ پر دست درازی کی، گویا کہ اُن کا اِس مُلک سے علاقۂ ریاست باقی نہیں رہا تھا۔ وہاں کی تمام رعایا اُن کے ظلم و ستم سے نالاں اُن کے حق میں بد دُعا کرتی تھی۔

وہاں سے پشاور پندرہ سولہ میل تھا، لیکن دریا پر کوئی کشتی نہ مل سکی۔ دُرّانیوں نے دریا عبور کر کے کشتیوں کو ڈبو دیا تاکہ غازیوں کے ہاتھ نہ لگیں۔ بالآخر وہاں سے تنگی کی طرف کوچ ہُوا، جو چارسدے سے شمال مغرب ہے۔ وہاں سے دریاے سوات کو، جو ایک جگہ سے پایاب تھا، عبُور

کیا اور منڈہ میں قیام ہوا۔ وہاں کے لوگ لشکر کی آمد سے بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ سبحان اللہ! یہ عجیب لشکر ہے کہ باوجود اس کے کہ چھ سات ہزار پیادہ و سوار نے پڑاؤ ڈالا ہے، لیکن کسی پر کوئی ظلم و تعدی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف دُرّانیوں کے دو پیادے آجاتے تھے، تو ہم لوگ گھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

منڈہ سے چل کر شبِ قدر پڑاؤ ہوا۔ شبِ قدر کے لوگ ارباب بہرام خاں سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑی عقیدت کے ساتھ سید صاحبؒ سے پیش آئے۔ مرد و زن سب لشکرِ اسلام کی آمد سے مسرور تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ مرد بہت دُور تک پہنچانے آئے، عورتیں دو رویہ صف بنا کر کھڑی ہو گئیں۔ جب سید صاحبؒ کی سواری گزری، اُنھوں نے سلام کیا۔ بعض بڑھی عورتوں نے آپ کے قدم کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ آپ ایسے موقع پر گھوڑے کو تیز کر دیتے اور اُن کو اس حرکت سے منع کرتے۔

حکومت کا رعیت کے ساتھ معاملہ مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "دو تین روز اُس نواح میں قیام ہوا۔ اس علاقے کے ارباب، جن کی حیثیت وہ ہے، جو ہمارے مُلک میں قانون گو کی ہوتی ہے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پشاور کا انتظام سنبھال لینے کی درخواست کی۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمھارے یہاں کس طرح انتظام ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سردارانِ پشاور کی طرف سے خراج محاصل کا یہ اصول ہے کہ رعایا کی کھیتی کا غلہ نصف وصول کر لیتے ہیں اور ارباب، منشی خانہ، دڑوائی[1] اور محافظ کا خرچ بھی رعایا کے ذمے ہے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایا کے حصے میں پیداوار کا صرف تہائی حصہ آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رعایا پیداوار کا تہائی حصہ نقد کی صورت میں ہم کو ادا کر دے۔ باقی سارے انتظامات کا خرچ امام کے ذمے ہے، نہ کہ رعایا کے۔ اس سال تو یہی انتظام ہے، آئندہ سال مستقل انتظام کیا جائے گا، اس لیے کہ حاکم کو یہ جائز نہیں ہے کہ ایک بار قول قرار کر کے سال دو سال بعد اس سے پھر جائے۔ اس لیے ہم نے اس سال کی قید لگائی ہے۔

---

[1] دڑوائی پشتو میں غلہ تولنے والے کو کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ارباب، مُنشی خانے اور ڈڑوائی کے مصارف حکومت کے ذمّے ہوں گے۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اور اگر ہمارے انتظام میں کسی سے مزدوری یا نوکری پر کام لیا جائیگا تو اُس کی اُجرت دی جائے گی۔ البتہ اگر کوئی سوار یا پیادہ تحصیل وصُول کے لیے دیہات کے خوانین کے پاس جائے، تو ان خوانین کو چاہیے کہ اس کو اپنا بھائی سمجھ کر اُس کی دعوت کریں اور اس کو چاہیے کہ وہ کسی چیز کی فرمائش نہ کرے۔ اگر خوانین سے وہ کسی چیز کی فرمائش کرے، تو ہمارے یہاں اس کی بازپُرس ہوگی اور خوانین بھی اس کو سرکاری مطالبہ ادا نہ کریں۔

یہاں کے لوگوں کو لشکرِ اسلام میں شرکت کی بھی دعوت دی گئی۔ چنانچہ قوم کُتوزئی لشکر کے ساتھ شریک ہُوئے۔ جو لوگ لشکرِ اسلام میں پہلے سے موجُود تھے اور اُن کے دیہاتوں کو دُرّانیوں نے ضبط کر لیا تھا، اُنھوں نے اپنی سند و کاغذات کے مطابق اپنی جائداد، پانی اور اپنے کارندوں کو جاگیر کی آبادی کا حُکم دے کر خود لشکرِ اسلام میں حاضر رہے۔ اسی سلسلے میں تُرنگ زئی کے رسُول خاں کو اس دیہات کی مُعافی کا پروانہ ملا۔

عبُورِ دریا کے انتظامات مِیچنی کے گھاٹ پر دُرّانی سوار روزانہ آتے تھے۔ اُنھوں نے اہلِ خیبر کو سات سَو روپے اس غرض کے لیے دیے تھے کہ غازیوں کو دریا اُترنے نہ دیا جائے۔ خیبریوں کا ملک ارباب بہرام خاں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ ارباب نے اُس کو مُجاہدین کے دریا سے پار ہونے کا انتظام کرنے کا حُکم دیا اور سید صاحبؒ کی اجازت سے دو تین سو غازی اپنے ساتھ لے کر مِیچنی کو روانہ ہُوئے۔ میر رحمان علی، مُلّا قطب الدین اور مُلّا لعل مُحمّد نے اپنی جماعتوں کے ساتھ دریا عبور کیا۔ ان کو تاکید کی گئی کہ یہ لشکرِ پیادہ پہاڑ پر قیام کرے اور ساری رات ہوشیاری کے ساتھ رہے۔ صبح لشکر پار اُتر جائے گا۔ اگر دُرّانی ادھر سے حملہ کریں گے، تو اُن کی تدبیرات کو نہیں چل سکے گی۔ دُرّانی سوار اپنے معمُول کے مطابق صُبح صادق سے پہلے پہنچے۔ ادھر نمازِ فجر کے بعد سید صاحبؒ شبِ قدر سے روانہ ہُوئے۔ دُرّانیوں نے دن کی روشنی میں جب لشکر کو پہاڑ کے اوپر دیکھا، اُنھوں نے لشکر کی طرف رُخ کیا اور اُن پر گولیاں چلائیں۔ ادھر دریا کے اس پار سید صاحبؒ اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے۔

دُرّانی یہ دیکھ کر پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔ لشکر جالوں کے ذریعے دریا پار ہوا۔ جو لوگ تیرنا جانتے تھے انھوں نے گھوڑوں کی لگام پکڑ کر ان کو دریا کے پار پہنچا دیا۔ جو لوگ تیرنا نہیں جانتے تھے، ان کو دوسرے تیراک ساتھیوں نے ان کے گھوڑوں کو دریا کے پار کرایا۔ چنانچہ فریح اللہ عرب نشان بردارِ لشکرِ اسلام نے ستر گھوڑوں کو پار کرایا۔ دو دن میں تمام لشکر دریا کے پار ہوا۔ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو حکم ہوا کہ پانسو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ آگے جائیں۔

اسلامی مساوات

اس وقت میچنی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں اکثر پھونس کے جھونپڑے تھے۔ ہر جھونپڑا ایک دوسرے سے الگ تھا۔ ایک روز لشکر میں تقسیم کرنے کے لیے غلّہ نہ تھا۔ جس کے پاس کچھ بچا ہوا رہ گیا تھا، اس نے کھایا۔ باقی لشکر نے ایک گائے کے گوشت پر بسر کی۔ وہ کسی کو پہنچا، کسی کو نہیں پہنچا۔ جو تھوڑا سا غلّہ ملا، وہ سیّد صاحبؒ کے حکم سے ان لوگوں کو بھیج دیا گیا، جو دریا کے دوسری طرف حفاظت کے لیے بھیج دیے گئے تھے۔ سیّد صاحبؒ کے لیے کھانا تیار ہو کر آیا، تو فرمایا کہ معاذ اللہ! کہ میں تنہا کھاؤں اور دوسرے فاقے سے ہوں! لوگوں نے عرض کیا کہ اتنے کھانے میں تو اہلِ لشکر کا بھلا نہ ہوگا۔ مناسب یہی ہے کہ یہ آپ نوش فرمائیں۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ ایک پہر گزرنے کے بعد آٹا آیا۔ مولوی عبدالوہاب صاحب قاسم غلّہ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے جو کھانا تیار کیا گیا تھا، اب نوش فرمائیں۔ فرمایا کہ جو آٹا آیا ہے، سارے لشکر کے لیے کافی ہو جائے گا؟ مولوی عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ گزر کے لیے کافی ہو جائے گا۔ فرمایا کہ کتنا حصّے میں آئے گا؟ انھوں نے عرض کیا کہ فی کس آدھ پاؤ۔ آپ نے تھوڑی لکھی اور کھانا منگا کر تناول فرمایا۔

میچنی سے مرضع ریگی میں آئے، جو قوم خلیل (ارباب بہرام خاں کی قوم) کا دیہات ہے۔

ہل دیہات نے حسبِ استطاعت ضیافت کی۔ یہاں ارباب بہرام خاں کے حقیقی بھائی ارباب جمعہ خاں بن چار سو آدمیوں کے ساتھ آ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ پشاور کے بعض طالب علموں سے معلوم ہوا کہ سردارانِ پشاور نے اپنے متعلقین کو کوہاٹ روانہ کر دیا ہے اور خود اپنے لشکر کے ساتھ کسی دیہات ن پڑے ہوئے ہیں۔ صبح کو ریگی سے کوچ کر کے گمٹ فروسہ میں آئے اور پیرِ تاریک کی قبر

کے قریب قیام ہوا۔[1]

سلطان محمد خاں کا پیغام یہیں ارباب فیض اللہ خاں سلطان محمد خاں کی طرف سے وکیل ہو کر آئے۔ وقائع میں ہے کہ "ارباب فیض اللہ خاں نے سلطان محمد خاں کی طرف سے عرض کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بڑا قصور ہوا کہ ہم نے آپ کا مقابلہ کیا۔ ہم اپنے قصور سے توبہ کرتے ہیں۔ آپ ہمارا قصور معاف فرمائیں[2] اور یہاں سے پلٹ جائیں۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ہم کو تمھاری خاطر منظور ہے، مگر یہاں سے پلٹ جانے میں یہ بات ہے کہ تمھارے سردار اس بات کا احسان نہ مانیں گے۔ یہاں سے ان شاء اللہ کل پشاور کو چلیں گے۔ اگر وہ اپنے اس عہد و پیمان پر سچے دل سے قائم ہیں، تو ہم اُن کو اپنی طرف سے پشاور میں بٹھا کر چلے آئیں گے، اس لیے کہ ہم ہندوستان سے اس مُلک میں صرف اس واسطے آئے ہیں کہ یہاں کے سب بھائی مسلمانوں کو متفق کر کے کافروں پر جہاد کریں کہ اسلام کی ترقی ہو اور کفّار مغلوب ہوں۔ سو یہ دُرّانی وغیرہ اپنی نادانی اور بیوقوفی سے ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر کافروں کے حامی و مددگار بنے ہیں اور اُن کی طرف سے ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہم نے اُن کو بارہا خط لکھ کر وعظ و نصیحت سے بہتیرا سمجھایا کہ یہ اپنی شرارت اور بغاوت سے باز رہیں اور ہمارے شریک ہوں، مگر اُن کے خیالِ فاسد میں کچھ نہ آیا یہاں تک کہ ہم پر لشکر کشی کر کے یہاں سے سُمہ کو گئے اور ہم سے لڑے اور ہیبتِ الٰہی سے ایسی شکستِ فاش کھا کر وہاں سے بھاگے۔ تب ہم نے بھی وہاں سے اُن کا تعاقب کیا کہ اب اُن کو سزا دینی ضروری ہے۔ اس کے بغیر یہ اپنی شرارت سے باز نہ رہیں گے۔ والّا ہم کو غرض نہ تھی کہ ہم اُن کا پشاور چھین لیں۔ سو خان بھائی، اب تم جا کر ان کو اس عہد و پیمان پر پکّا کرو کہ بارِ دیگر پھر بدعہدی نہ کریں۔

---

[1]

[2] منظورہ کے الفاظ ہیں کہ سلطان محمد خاں توبہ کے لیے حاضر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی کافر بھی آپ کی خدمت میں آ کر ایمان لائے، آپ اس کو ضرور مسلمان بنائیں گے۔ میں تو مسلمان اور مسلمان زادہ ہوں۔ اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں۔ اب کبھی مجھ سے ایسی تقصیر نہ ہوگی۔ مدۃ العمر آپ کا تابع رہوں گا۔" (صـ۹۰۴)

ارباب فیض اللہ خاں بہت خوش ہوئے اور آپ سے رخصت ہو کر اُس کے پاس گئے۔ اگلے روز کچھ دن چڑھے پھر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے فرمانے کے موافق میں اُن کو خوب سمجھا کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ آج ہم پشاور میں داخل ہوں گے۔ تم جا کر اُن سے کہو کہ خبردار اپنی جگہ سے نہ ہلنا، وہیں رہنا۔ یہ کہ کر تم ہمارے پاس آجانا، ہم تم کو اپنے ساتھ لے چلیں گے۔

انتیسواں باب

پشاور میں

پشاور میں داخلہ سید صاحبؒ نے سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو یہ خبر پہنچا دو کہ آج پشاور کو چلنا ہوگا۔ خبردار، کوئی بھائی کسی رعایا پر دست اندازی نہ کرے، اس لیے کہ سردار سلطان محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیام ہے۔ پھر آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو پشاور بھیج دو کہ جا کر بازار میں پکار دے کہ آج سید صاحبؒ کا لشکر یہاں آئے گا۔ سب دوکاندار اپنی اپنی دوکان کے دروازے بند کرلیں کہ کسی کا کچھ مال واسباب جاتا نہ رہے۔

ارباب بہرام خاں نے اپنے ارباب جمعہ خاں کو یہ تقریر فہمائش کرکے ساٹھ ستر سوار اور اسی نوّے پیادوں کے ساتھ نمازِ ظہر کے بعد پشاور کی طرف روانہ کیا۔ ادھر لشکر میں کوچ کا نقارہ ہوا۔ سب پیادہ و سوار کمر باندھ کر اور ہتھیار لگا کر تیار ہوئے۔ کچھ دیر میں عصر کی اذان ہوئی۔ وہیں سب نے نماز پڑھی۔ سید صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر دعا کی اور وہاں سے مع لشکر کوچ کیا۔ سواروں کا پرا پیچھے تھا اور پیادوں کی صف آگے تھی۔ اسی کے اندر سید صاحبؒ اپنے اژدر گھوڑے پر سوار تھے۔ شتری نقارہ بجتا تھا۔ ایک نشان سواروں میں، دو پیادوں میں تھے۔ تینوں کے پھریرے کھلے تھے۔ تکبیروں کی جا بجا صد

میں بھی بہت سے نشان تھے۔ اکثر مُلکی لوگ اپنی اپنی جماعت میں ننگی تلواریں ہلاتے، اُچھلتے، کُودتے اور سیّد صاحبؒ کی تعریف میں چار بَیت کہتے ہوئے چلے جاتے تھے۔

مغرب کا وقت آیا۔ لوگوں نے نماز کا ارادہ کیا۔ لشکر میں کہیں کہیں لوگ پڑھنے بھی لگے۔ اس عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پکار کر کہا کہ بھائیو، نماز کا موقع یہاں نہیں ہے۔ پشاور میں پہنچ کر مغرب اور عشا جمع کر کے پڑھ لینا۔ یہ آواز سُن کر جو نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، اُنھوں نے تو پڑھ لی، باقی لوگ سب اسی طرح روانہ ہوئے۔

اہلِ شہر کی مسرت و استقبال مغرب کی جانب کابلی دروازے سے بازار میں ہو کر شہر میں داخل ہوئے بازار کی دُکانیں تو بند تھیں، مگر جا بجا سبیلیں رکھی تھیں، کوئی پانی کی، کوئی شربت کی۔ جا بجا چراغ بکثرت دُکانوں کے چبوتروں پر اور دکانوں کی چھتوں پر روشن تھے۔ تمام رعایا سیّد صاحبؒ اور غازیوں کے واسطے دُعائے خیر کرتی تھی۔

سیّد صاحبؒ اور لشکر کی فرودگاہ لشکر گول گھٹڑی میں، جو ایک وسیع پُختہ سرائے تھی، سرائے کے باہر ٹھیرا۔ سرائے کے اندر غربی اور جنوبی کونے کی طرف ایک دو منزلہ تہ خانے دار حویلی تھی کہ تین طرف اس میں اکہرے دالان تھے اور ایک طرف دُہرا دالان تھا۔ اس میں سیّد صاحبؒ کا قیام ہوا۔ باقی تین طرف کے دالانوں میں جماعتِ خاص کے لوگ اُترے۔ حویلی کے سامنے جو مکان تھا، اس میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور اُن کی جماعت کے لوگ اُترے۔ حویلی کی پُشت کی طرف کے مکان میں شیخ ولی محمد صاحب اور اُن کی جماعت کے لوگ اُترے۔ ارباب بہرام خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اُس پھاٹک پر قیام کیا، جو مغرب رُو تھا، اس لیے کہ وُہ اس مُلک کے رُؤسا میں سے تھے، ہر ایک سے اُن کی واقفیت تھی۔ خوانینِ سَمہ کو آپ نے سرائے کے شرقی دروازے کے باہر انتظام کے واسطے اُتارا۔ باقی لشکر سرائے کے اَور مکانوں میں اُترا۔ سرائے کے کوٹھوں کی جو منڈیریں ٹوٹ گئی تھیں، بنوا دی گئیں۔ سرائے کی مسجد میں خس و خاشاک بہت پڑا ہُوا تھا اور دو تین ٹکڑے پھٹی ٹوٹی چٹائی کے بھی بچھے ہوئے تھے۔ مسجد کو صاف کروا دیا گیا اور نئی چٹائیاں بازار سے خرید کر بچھائی گئیں۔

حفاظتی انتظامات رسالدار حاجی حمزہ علی خاں کو شبینے کے انتظام کے واسطے حکم ہوا۔ جن سواروں کی اس رات کو باری تھی، اُن کو بتاکید روانہ کیا گیا کہ بہت خبرداری اور ہوشیاری سے رہنا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو حکم ہُوا کہ جہاں جہاں سرائے کی چھتوں پر مناسب جانیں، پہرے لگا دیں۔ جن صاحبوں کی رونْد مقرر تھی، اُن کو رونْد کرنے کی تاکید کی گئی۔ ارباب جمعہ خاں اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کی حفاظت پر متعین تھے۔ شہر کے ہر کوچے اور گلی میں انھوں نے پہرے لگا دیے تھے کہ کسی اجنبی آدمی کو آنے کی مجال نہ تھی۔ اس طرح سے سارا شہر گویا مٹھی میں تھا۔

صُبح سیّد صاحبؒ نے حویلی میں نماز پڑھی اور دُعا کی۔ دُعا کے بعد آپ نے ارباب بہرام خاں سے کہلا بھیجا کہ بازار کے دُکانداروں کو حکم بھجوا دیں کہ سب اپنی اپنی دکانیں کھولیں۔ انھوں نے اُسی دم اپنا آدمی بھیج کر دکانیں کھلوا دیں۔

لشکرِ مجاہدین کا اخلاقی اثر مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ سیّد صاحبؒ نے ارباب بہرام خاں کی معرفت کہلوا دیا کہ دکاندار اطمینان سے دُکانیں کھولیں، کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ چنانچہ دکانداروں نے دکانیں کھول لیں۔ زنانِ بازاری، جن کی پشاور میں بڑی تعداد تھی، رُوپوش ہو گئیں۔ اگر کسی مرد نے اُن کے یہاں جانا چاہا، تو اُنھوں نے پکار کر کہا کہ خبردار، یہاں نہ آنا، ورنہ نہ تمھاری خیر ہو گی نہ ہماری۔ اسی طرح سے بھنگ وغیرہ کی دُکانیں بند ہو گئیں اور پینے والے غائب ہو گئے۔ سیّد صاحبؒ نے مزید تاکید فرمائی کہ لشکر کا کوئی آدمی پشاور کے باغات کا ایک پھل بھی نہ توڑے۔

کھانے کا انتظام ظہر کی نماز کے بعد میاں عبداللہ دہلوی نومسلم جن کے ذمے غلّے کی خریداری کا کام تھا، آئے اور عرض کیا کہ کل سے آج تک لشکر میں غلّے کی تقسیم کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکی، لوگ بھوکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کا فکر کیوں کرتے ہو؟ جاکر اپنے ڈیرے میں بیٹھو۔ جس کے یہ بندے ہیں، وہ آپ جہاں سے چاہے گا، اُن کو روزی پہنچا دے گا اور جو ابھی تک نہیں پہنچایا ہے، اس میں کچھ حکمت ہو گی۔ میاں عبداللہ اپنے ڈیرے پر گئے۔ اس روز بھی کچھ کھانے کی تدبیر کہیں سے نہ ہوئی۔ سب لوگ یوں ہی سو رہے۔

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد ارباب بہرام خاں نے آکر عرض کیا کہ لشکر میں لوگ پرسوں سے بھوکے

ہیں اور سرکار سے کچھ نہیں ملا ہے۔ اگر ارشاد ہو، تو مَیں اس کی کچھ تدبیر کروں؟ آپ نے فرمایا: بہتر ہے۔ جو تدبیر ہو سکے، کرو۔ تم کو اجازت ہے۔

خان صاحب نے اپنے ڈیرے پر جا کر شہر کے کل مہاجنوں کو بُلوایا اور اُن سے کچھ مشورہ کیا۔ ظہر کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں نے میاں عبد اللہ کو اپنے ڈیرے پر لے جا کر مہاجن کی دُکان سے روپے منگوا کر حوالے کیے۔ میاں عبد اللہ نے ایک بنیے کی آڑھت سے کئی دکانوں کا آٹا خرید وا کر ایک دُکان پر جمع کروا دیا۔ تنور والوں کی دکانوں پر پکوا کر روٹیاں ڈیروں پر آئیں اور تیسرے روز لشکر والوں کو کھانا ملا۔ جس روز موضع مٹہ سے لشکر کا کُوچ ہوا تھا، اُس دن اکثر لوگ بہت خوش تھے اور آپس میں ایک دُوسرے سے کہتے تھے کہ آج پشاور میں چل کر انگور، بہی، سیب، انار، ناشپاتی وغیرہ خوب کھائیں گے اور باڑے کے چاول اور دُنبوں کا گوشت پکائیں گے۔ جس وقت لوگ روٹی کھا رہے تھے، آپس میں کہہ رہے تھے کہ بھائیو، یہ جو تیسرے روز روٹی ملی، یہ ہماری اُسی خام خیالی کی سزا ہے۔

دو عورتوں کی گفتگو ایک دن لشکر کے لوگ شہر میں سَیر کر رہے تھے۔ ایک مکان کے بالاخانے پر دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ کئی غازیوں کو دیکھ کر ایک عورت نے دُوسری سے کہا کہ سیّد بادشاہ کے لشکر کے یہی غازی ہیں، جن کی شکل و صُورت اور یہ ہتھیار اور پوشاک ہے۔ اُنھیں نے سردار سلطان محمّد خاں کے لشکر کو شکست دی۔ میرا خاوند ایسا پہلوان اور قوی ہیکل ہے کہ ایسے چار آدمیوں کے سر ٹکرا کر مار ڈالے اور کھانا اتنا کھاتا ہے کہ مَیں اس کے واسطے گوشت روٹی الگ، پلاؤ الگ پکاتی ہوں، مگر وُہ سب کھا جاتا ہے۔ مگر ان لوگوں سے ایسا ہیبت زدہ ہو گیا ہے کہ ان کے نام سے اُس کی جان فنا ہوتی ہے بلکہ رات کو نیند سے چونک چونک پڑتا ہے کہ غازی آپہنچے۔

دُوسری عورت نے کہا کہ ہاں، بی بی، یہ وُہی غازی ہیں۔ خُدا کی قُدرت ہے، جس کو چاہے، غلبہ دے۔ ہمارے دُرّانی لوگ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں تو یہ غازی حقیر اور کم زور معلوم ہوتے ہیں مگر لڑائی کے مَیدان میں خُدا جانے، ان میں کہاں سے جُرأت اور بہادری آ جاتی ہے کہ شیر سے زیادہ جری اور بہادر معلوم ہوتے ہیں کہ مارے ہیبت اور رعب کے ہم سے اُن کا سامنا نہیں ہو سکتا۔

دُرّانی لشکر میں انتشار و پراگندگی

دُرّانی لشکر کا ایک حصّہ لشکرِ مجاہدین کے داخلۂ پشاور سے پہلے اس تاک میں تھا کہ پشاور کے راستے میں کہیں حملہ کرے، لیکن اس کو موقع نہیں مل سکا اور لشکر بخیر و عافیت پشاور میں داخل ہو گیا۔ اُنھوں نے سردار سے عرض کیا کہ ہم نے بہتیری تدبیر کی کہ ہم سیّد بادشاہ کے لشکر پر حملہ کریں، لیکن ہمیں جُرأت نہ ہُوئی۔ یہ حال سن کر سُلطان محمد خاں کو بڑا تردّد ہُوا اور اُس کے لشکر والوں کے دل ٹُوٹ گئے اور جتنے سوار و پیادے اِدھر اُدھر کے تھے، وُہ حیلہ بہانہ کر کے اپنی اپنی بستی کو چلنے لگے کہ جس وقت ضرورت ہو گی، اُس وقت ہم آ کر حاضر ہو جائیں گے۔ یہ حال دیکھ کر سردارِ ممدوح اور بدحواس ہُوا۔ ارباب فیض اللہ خاں نے مشورہ دیا کہ اب اِس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ جس طرح سے ہو سکے، سیّد بادشاہ کو راضی کرو، ان سے مِلو اور اُن کی تابعداری قبُول کرو۔ سردار سلطان محمّد خاں تو سُن کر خاموش رہا، مگر سردار پیر محمّد خاں اور سردار حبیب اللہ خاں کو بڑا غصّہ آیا اور کہنے لگے کہ کاکا، تم نے یہ کیا بات کہی؟ یہ ہرگز نہیں ہو گا کہ ہم عُذر و معذرت کر کے اُن سے مِلیں۔ ہم تو سردار کے حُکم کے مُنتظر ہیں۔ اگر فرمائیں، تو ہم اسی وقت جا کر پشاور کو اُن سے خالی کریں اور کل ہم ضرور لشکر لے جا کر اُن سے مُقابلہ کریں گے۔

اس اطّلاع کو سُن کر ارباب بہرام خاں نے تمام لشکر میں حُکم بھجوا دیا کہ بھائیو، آج کل میں دُرّانیوں کے آنے کی خبر ہے۔ اپنی اپنی چوکی پہرے سے ہر وقت ہوشیار رہنا۔

سُلطان محمّد خاں کی طرف سے نامہ و پیام

ظُہر کی نماز کے بعد ایک آدمی ارباب فیض اللہ خاں کا پیام لایا کہ سردار سُلطان محمّد خاں نے اپنی طرف سے مجھ کو وکیل کر کے بھیجا ہے۔ مَیں ہزارخانی میں اپنے مکان پر ہُوں۔ اگر اجازت ہو، تو مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوں اور سردار ممدوح کی طرف سے کچھ عرض کروں۔ آپ نے اجازت دی۔

نمازِ عصر کے بعد ارباب فیض اللہ خاں ساٹھ ستّر سواروں کے ساتھ آئے اور پانچ چھ سواروں کے ساتھ سیّد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے بڑی عزّت و توقیر سے اپنے پاس بٹھایا اور عافیت مزاج پوچھی[1]۔ ارباب فیض اللہ خاں نے دُرّانیوں کے لشکر کی بددلی کا حال، سردار حبیب اللہ خاں

---

[1] ارباب فیض اللہ خاں سیّد صاحبؒ کے مخلص معتقد اور خیر خواہ تھے اور مرید بھی تھے۔ سرداروں کے بھی خیر خواہ اور [illegible] تھے (وقائع)

اور پیر محمد خاں کے غصّے اور اپنے مشورے کا سب حال سُنایا اور سردار سُلطان محمد خاں کا پیغام عرض کیا کہ اُنھوں نے کہا ہے کہ آپ ہمارے دین و دُنیا کے امام و مقتدا ہیں اور ہم آپ کے ہر طرح مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ ہم سے بڑا قصور ہُوا کہ اپنی شامتِ اعمال سے ہم نے آپ کے اُوپر لشکر کشی کی۔ ہم اپنی سزا کو پہنچے۔ اب ہم آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اُمیدوار ہیں کہ آپ ہمارا قصور لِلّٰہ معاف کر دیں۔ اب ہم ان تمام شرارتوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اِنشاء اللّٰہ تعالیٰ پھر ہم سے کبھی ایسی حرکت نہ ہو گی۔

سید صاحبؒ کا ارشاد اُن کی یہ تمام تقریریں کر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم اُن کے بیچ میں نہ پڑو۔ وُہ بڑے لسّان اور اپنی غرض کے یار ہیں۔ اُن کے عہد و پیمان کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اپنے مطلب کے لیے یہ لوگ ہر طرح تابعدار بن جاتے ہیں اور جب مطلب نکل جاتا ہے، تو یہ لوگ کسی کے آشنا نہیں ہوتے۔ نہ دُنیا کی شرم رکھتے ہیں، نہ خُدا و رسُولؐ کا خوف۔ ہم نے اِن کو اس لڑائی سے پہلے بھی، جب وُہ یہاں سے لشکر لے کر گئے تھے، کئی بار آدمی بھیج کر سمجھانے کا حق ادا کر دیا، مگر انھوں نے ایک نہ سُنی اور ناحق ہمارا مقابلہ کیا اور ہمارے بہت سے غازیوں کو شہید کیا، مگر اللّٰہ تعالیٰ نے ہم غُربا و ضُعَفا کو اُن پر فتحیاب کیا اور وہ شکست کھا کر بھاگے۔ ہم نے یہاں تک اُن کا پیچھا کیا۔ اب اُنھوں نے خیال کیا کہ اب ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں ہے، تب تم کو درمیان میں ڈال کر یہ چال چلی۔

اس سے پیشتر شیدُو کی لڑائی میں ہم سے بُدھ سنگھ کا مقابلہ تھا، وہاں یہ چاروں بھائی اپنی اپنی جماعت کے ساتھ ہماری کمک کو آئے تھے۔ انھیں نے اپنی دغابازی سے ہماری لڑائی بگاڑ دی۔ ہم لوگوں کو سکھوں سے بھڑا کر آپ بھاگ کھڑے ہُوئے اور صدہا مسلمان شہید کروائے۔ تب بھی انھوں نے ہمارے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم جان و مال سے تمھارے شریک ہیں۔ پھر اس عہد کو کیسے توڑا، تم سب جانتے ہو۔ اب از سرِ نو عہد کرنے کو کہتے ہیں، تو اپنے دل میں ایسا ہی سمجھ لیا ہو گا کہ اپنی غرض نکل جائے؛ پھر جیسا ہو گا، دیکھا جائے گا۔ خان بھائی، ہم نے تم سے جو جو باتیں بیان کی ہیں، اچھی طرح سے بے کم و کاست اُن کے آگے کہنا اور خان بھائی، تم خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ جو ہندوستان سے اس مُلک میں آئے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ مسلمان غالب ہوں اور اسلام کی ترقی ہو، نہ ہم کو لُوٹ اور

لینے سے غرض ہے، نہ کابل لینے سے۔ اگر ان کے عہد و پیمان کی صداقت ہم پر ثابت ہو جائے اور منہیاتِ شرعی اور شرکتِ کفار سے سچی توبہ کر لیں اور ہم مسلمانوں کے اتفاق میں شامل ہوں تو ہم اب بھی موجود ہیں۔

ارباب فیض اللہ خاں نے عرض کیا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، حق اور بجا ہے۔ اس میں چون چرا کی گنجائش نہیں۔ جو کچھ خطا ہے، انھیں کی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لفظ بلفظ آپ کا فرمانا اُن سے عرض کروں گا۔ میں صاف دل مسلمان ہوں۔ منافقانہ گفتگو مجھ کو نہیں آتی۔ ان کا تو میں نمک خوار ہوں اور آپ کا خادم فرماں بردار۔ دونوں کی خیر خواہی مجھ کو منظور ہے۔

سلطان محمد خاں کا دوبارہ پیغام تیسرے چوتھے روز وہ پھر آئے اور کہا کہ میں نے آپ کی اُس روز کی تقریر لفظ بلفظ سردار سلطان محمد خاں سے نقل کی۔ وہ سن کر بہت نادم اور پشیمان ہوئے اور کہا کہ سید بادشاہ نے جو کچھ فرمایا، اُس میں سرِ مو تفاوت نہیں، مگر اب ہم خالص دل سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم سے بغاوت و نافرمانی کا کوئی کام ظہور میں نہ آئے گا، باغیوں اور کافروں کی رفاقت اور شرکت سے ہم نے توبہ کی، خدا و رسول کا جو کچھ حکم ہے، وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ اس وقت اور جس جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے سید بادشاہ ہم کو یاد کریں گے، اُسی وقت اور اُسی جگہ ہم بلا عذر اپنی جان و مال اور فوج و لشکر سے حاضر ہوں گے۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ سید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر از سرِ نو بیعتِ امامت کی تجدید کریں اور تمام منہیاتِ شرعیہ سے بالمشافہ تائب ہوں اور جو کچھ سید بادشاہ کا ملکِ سمہ سے یہاں تک تشریف لانے میں زرِ نقد صرف ہوا ہے، وہ تو ہم کو معلوم نہیں ہے، کس قدر ہوگا، مگر چالیس ہزار روپے ہم نذر کریں گے، بیس ہزار تو اس وقت جب سید بادشاہ اپنے ہاتھ سے ہم کو پشاور میں بٹھا کر کوچ کریں گے اور دس ہزار روپے جبکہ سید بادشاہ ہشت نگر پہنچیں گے تب وہیں بالا حصار سے ملیں گے اور دس ہزار روپے جبکہ پنجتار میں پہنچیں گے۔

آمد کا مقصد آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق میں شریک ہوں اور کفار کا مقابلہ کریں۔ ہم نہ کسی کی ریاست چھیننے کو آئے ہیں، نہ کسی کا ملک لینے کو۔ یہ تو اُس

دُنیادار شخص کا کام ہے، جو مُلک گیری کا ارادہ رکھتا ہو۔ ہم صرف جہاد فی سبیل اللہ کی نیّت رکھتے ہیں کہ کُفّار کو زیر کریں کہ اسلام کی ترقّی ہو۔ اگر وُہ سچّے دل سے اس اقرار پر مستعد ہیں، تو ہم بھی اس بات سے اِنشاء اللہ تعالیٰ باہر نہ ہوں گے۔

○

تیسواں باب

پشاور کی سپُردگی کی تجویز

مشورہ وقائع میں ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نے مولانا محمّد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمّد، ارباب بہرام خاں، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، مُلّا لعل محمّد اور مُلّا قطب الدین ننگر ہاری اور سمہ کے خوانین کو بُلایا اور تخلیے میں اُن سے گفتگو کی۔ رات گئے دیر تک باتیں ہوئیں۔ لوگوں کو اس کا خلاصہ یہ معلوم ہوا کہ سردار سلطان محمّد خاں کی طرف سے صُلح کا پیام ہے اور حضرت نے منظور کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف مولانا محمّد اسمٰعیل آپ کے لحاظ کے سبب خاموش تھے، باقی سب اپنی اپنی سمجھ کے موافق گفتگو کرتے تھے۔ لشکر والوں کو یہ امر بہت شاق ہوا کہ حضرت دُرّانیوں سے پھر ملاپ کرتے ہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ دُرّانی شر و فتنہ سے باز نہیں آئیں گے۔

شہر میں تشویش رفتہ رفتہ یہ خبر تمام پشاور میں پھیلی۔ جو ہندو اور مسلمان وہاں کے تھے، سب کو تشویش ہوئی اور اُن میں کچھ سربرآوردہ آدمی مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے شہر میں یہ خبر عام طور پر مشہور ہے کہ سیّد بادشاہ نے پشاور دُرّانیوں کے سپرد کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے۔ ہم کو بڑی خوشی تھی کہ سیّد بادشاہ یہاں کے حاکم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی، اب چَین سے رہیں گے۔ لیکن اس خبر سے نیا کھٹکا پیدا ہوا کہ پھر ہم لوگ اُنھیں کے چنگل

میں گرفتار ہوں گے اور اب پہلے کی بہ نسبت ہم لوگوں کو زیادہ ستائیں گے۔ ہم لوگ اُن سے خُوب واقف ہیں۔ اُن کی اطاعت و فرماں برداری میں ایک عُمر بسر ہوئی۔ اس ملاپ کے پردے میں محض فریب ہے۔ ہمارا مُدعا یہ ہے کہ آپ ہم لوگوں کو سید بادشاہ کے پاس لے چلیں۔

اُن کی یہ تقریر سُن کر مولانا نے فرمایا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی ہیں، مگر اس امر میں ہم سید صاحبؒ سے کچھ عرض نہیں کر سکتے۔ تم کو جو کچھ کہنا ہو، ارباب بہرام خاں سے جا کر کہو۔ وُہ تم کو سید صاحبؒ کے پاس لے جائیں گے اور تمھاری طرف سے گفتگو بھی خاطر خواہ کریں گے، اس لیے کہ وُہ بھی تمھارے مُلک کے ہیں اور تمھارے اور دُرّانیوں کے حالات سے خوب واقف ہیں۔

اُنھوں نے یہ تجویز پسند کی اور ارباب بہرام خاں کے پاس گئے۔ خانِ موصوف نے اُن کی تسلّی و تشفّی کی اور کہا کہ تم جا کر اپنا کاروبار کرو، شام کو ہمارے پاس آنا۔ اُس وقت تم کو حضرت کے پاس لے چلیں گے اور تمھاری طرف سے وکالت کریں گے۔

کچھ دیر کے بعد لشکر سے خاص خاص قندھاری اور شہر کے بڑے بڑے خوانین ارباب بہرام خاں کے پاس آئے اور اپنی تشویش اور خطرے کا اظہار کیا اور دُرّانیوں کے ظُلم اور اُن کی زیادتیاں بیان کیں اور خواہش کی کہ یہ ساری گفتگو سید صاحبؒ کے گوش گزار کر دی جائے۔ ارباب بہرام خاں نے اُن کو اطمینان دلایا کہ وُہ سید صاحبؒ کی خدمت میں اُن کی پوری ترجمانی اور نمائندگی کریں گے۔

ارباب بہرام خاں کی سید صاحبؒ سے گفتگو

عشاء کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں اپنے بھائی ارباب جُمعہ خاں کے ساتھ سید صاحبؒ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ حضرت، کچھ بات آپ سے تنہائی میں عرض کرنی ہے۔ یہ سُن کر وہ آدمی، جو اُس وقت وہاں تھے، اُٹھ کر چلے گئے۔ ارباب بہرام خاں نے اہلِ شہر کے نمائندوں کی گفتگو نقل کی اور اُن کی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اہلِ شہر کہتے ہیں کہ جب دُرّانی افسر پھر اس شہر پر قابض اور متصرف ہوں گے، تو ہم پر اور بھی ہاتھ صاف کریں گے، اس واسطے کہ سید بادشاہ کے یہاں تشریف لانے پر جو ہم لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں، اُن کو اس کی ذرا ذرا خبر پہنچی۔ وُہ آپ کے چلے جانے کے بعد ہم پر غصّہ اُتاریں گے اور ہماری تباہی میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے

شہر والے کوئی اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سید بادشاہ پشاور اُن کے حوالے کرکے یہاں سے تشریف لے جائیں۔ اگر سید بادشاہ کو اپنے لشکر کے خرچ اور یہاں کے بندوبست کے لیے دو چار لاکھ روپے کی بھی ضرورت ہو، تو ہم اُس کی بھی سبیل کر دیں گے اور اس کے سوا جو کچھ بھی وُہ فرمائیں گے، ہم کو عُذر نہیں ہوگا۔

اہلِ شہر کے علاوہ فتح خاں پنجتاری اور اسمٰعیل خاں کو چھوڑ کر سُمہ کے سب خوانین اور لشکر کے فلاں فلاں قندھاری بھائی بھی میرے پاس آئے اور اُنھوں نے دُرّانیوں کی بیوفائی اور بدعہدی اور اپنی تباہی، خانہ ویرانی اور بےعزتی کا حال بیان کیا اور کہا کہ ہم ہرگز اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سید بادشاہ اُن سے مصالحت کریں اور پشاور اُن کو دیں۔ اُن سب نے مجھ سے کہا کہ تم ہماری طرف سے وکالتاً تمام باتیں سید بادشاہ کے گوش گزار کر دو۔ مَیں نے اُن سے اقرار کیا کہ مَیں تمھاری طرف سے عرض کر دوں گا۔

ان سب کا خیال کرکے میری ناقص رائے میں یُوں آتا ہے کہ اگر آپ کو پشاور دینا ہی منظور ہے، تو آپ مجھی کو سرفراز فرما دیں، مَیں بھی آپ کا ایک ادنٰی خادم ہُوں اور یہیں کا باشندہ اور یہاں کے راہ و رسم سے خوب واقف ہوں۔ تمام رعایا مجھ سے راضی بھی ہے۔ اگر آپ یہ ریاست مجھے سپرد کر کے یہاں سے تشریف لے جائیں گے، تو مَیں دُرّانیوں سے سمجھ لوں گا۔ اب جو کچھ آپ ارشاد کریں، مَیں اُن کو وُہی جواب دُوں۔

سید صاحب کی تقریر ارباب بہرام خاں کی پوری گفتگو سُن کر سید صاحب نے سکوت کے بعد فرمایا کہ جزاک اللہ! خان بھائی، تم نے خُوب کیا، جو سب لوگوں کے حال کی مجھ کو اطلاع کی اور جو ہمارے لشکر کے بھائی اور شہر کے لوگ دُرّانیوں کی غدّاری اور حیلہ سازی بیان کرتے ہیں، وہ سچ ہے، بلکہ میرے پروردگار نے مجھ پر جو ان کا حال منکشف کیا ہے، اگر وہ بھائی لوگ جان لیں، تو خدا جانے کیا کریں۔ مگر تم سب خُوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں آشناؤں سے منّہ موڑ کر صرف اس لیے آئے ہیں کہ وُہ کام کریں جس میں پروردگار کی رضامندی و خوشنودی ہو، مخلُوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں۔ خوش ہوں گے، تو کیا بنائیں گے، اور ناخوش ہوں گے، تو

کیا بگاڑیں گے؟ ناداں سمجھتے ہیں کہ یہ مُلک گیری اور دُنیا طلبی کے لیے آئے ہیں۔ یہ اُن کا خیالِ خام ہے، ابھی وُہ دینِ اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

اور جو سمہ کے خوانین بھائی اُن کے ظلم و تعدّی کا شکوہ اور اپنی بے عزّتی، خانہ ویرانی اور ذلیلی کا قصّہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ ہمیشہ سے کافر و باغی اور منافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدّی اور مکّاری کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام مقابلے میں آ جاتا ہے، اُس وقت سب بُغض و عداوت کو اپنے دل سے دُور کرتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے اور اُن کے ساتھ وُہی معاملہ کرتے ہیں، جس میں پروردگار کی رضامندی اور اُس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس اور ابناءِ زمانہ کے مخالف ہو۔ مسلمانی اور دینداری و خدا پرستی اسی کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دنیا داری ہے۔

اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے، تو یہ بات شُکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے، اس لیے کہ وُہ سب بھائی اپنی دِلی مُراد کو پہنچے۔ وُہ اسی مطلب کے حصُول کے لیے یہ تمام تکالیف و مصائب اُٹھا کر اتنی دُور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں۔ سو وُہی اُنھوں نے کیا اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دُنیا دار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

اور جو شہر والے اس بات کا خوف کرتے ہیں کہ ہم نے جو سیّد صاحبؒ کے آنے سے خوشیاں کی ہیں، اس لیے وُہ ہم کو تباہ کر دیں گے، یہ اُن کی نافہمی اور نادانی ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ اگر وُہ رعایا کو تباہ و خراب کریں گے، تو حاکم اور رئیس کس کے کہلائیں گے؟ رعایا تو بے بس اور عاجز ہوتی ہے، جو کوئی اُس پر غالب آ جاتا ہے، اُس کی وُہ تابع اور فرماں بردار ہو جاتی ہے اور جو تابعدار نہ ہو تو کہاں رہے؟ رعایا کو کوئی نہیں خراب کرتا۔ نہ اُس کا حاکم، نہ کوئی غنیم بلکہ دونوں اس سبب سے اکرام پاتے ہیں اور سردار کہلاتے ہیں۔ رعایا میوے دار باغ کی طرح ہے کہ مالک اور غیر مالک سب اس کے میوے سے

فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ کوئی میوے دار درخت کو تباہ نہیں کرتا اور جو باغ ہی کاٹ ڈالے گا، تو باغ والا کیونکر کہلائے گا اور فائدہ کیا پائے گا؟ سو خان بھائی، تم اُن کو تسلّی کر کے سمجھا دینا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تباہ و خراب نہ کرے گا۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو، تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لیے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت دُرّانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لیے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہیے۔ جس میں وُہ راضی ہوگا، ہم کریں گے۔ اس میں چاہے تمام جہان ناخوش ہو، کچھ پروا نہیں۔ اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو، تو اُس کی رضامندی سب کچھ ہے۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ سردار سلطان محمّد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہُوا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اُس نے قبول کیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خُدا و رسُولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا للہ معاف کرو۔ اگر یہ کلام نفاق اور دغابازی سے کرتا ہے، تو وُہ جانے، اُس کا خُدا جانے۔ شریعت کا حکم تو اقرارِ ظاہری پر ہے، کسی کے دل کے حال پر نہیں۔ دل کا حال خُدا کو معلوم ہے۔ ہم تو اُس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے۔ اس میں چاہے کوئی راضی ہو، چاہے ناراض ہو۔ اب جو ہم اُس کا عُذر نہ مانیں، تو اس پر ہمارے پاس کونسی دلیل اور حُجت ہے؟ اگر کوئی عالم دیندار خدا پرست کسی دلیل شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو، تو ہم منظور کر لیں گے۔ اِس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خُدا و رسُولؐ کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں ہیں۔

تقریر کا اثر جس وقت سیّد صاحبؒ یہ تقریر فرما رہے تھے، اس وقت رحمتِ الٰہی کا عجیب نزول ہو رہا تھا۔ روتے روتے ارباب بہرام خاں اور ارباب جُمعہ خاں کے ہچکیاں لگ گئی تھیں اور وہ عالمِ سکُوت میں بیہوش اور خود فراموش تھے۔ جب آپ خاموش ہُوئے، تب ارباب بہرام خاں نے

عرض کی کہ حضرت، جو کچھ آپ نے فرمایا حق اور بجا ہے۔ خدا و رسولؐ کی رضامندی کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دُنیاداروں اور نفس پرستوں کو کیا خبر ہے ؟ ہم نے اس وقت جانا کہ دینِ اسلام اس کو کہتے ہیں اور خُدا و رسُولؐ کی اطاعت اس کا نام ہے اور جو خیال اس کے خلاف میرے دل میں تھا، اب میں اُس سے آپ کے سامنے تُوبہ کرتا ہوں اور از سرِ نُو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ میرے لیے دُعا کریں۔

صُبح ارباب بہرام خاں نے سمہ کے سرداروں اور قندھاریوں کے سامنے سیّد صاحبؒ کی رات کی تقریر دُہرائی۔ وُہ بھی سب مطمئن اور خاموش ہو گئے۔ لیکن شہر والوں کو اطمینان نہیں ہُوا اور انھوں نے کہا کہ سیّد بادشاہ تو ولی شخص اور اللہ والے لوگ ہیں۔ اُنھوں نے جو کچھ فرمایا، بجا فرمایا۔ ہماری تو صرف یہ غرض تھی کہ اگر سیّد بادشاہ یہاں کے حاکم ہوتے تو ہم رعایا لوگ آرام اور چین سے اپنی گزران کرتے اور دُرّانیوں کے جَور و جفا سے نجات پاتے۔ مگر سیّد بادشاہ اپنے کاروبار کے مُختار ہیں۔ جو کچھ اپنے نزدیک بہتر جانیں، وُہ کریں، اس میں ہم ناچار ہیں۔

پشاور کے ایک سیٹھ کی گفتگو شہر کے سیٹھوں نے جو دیکھا کہ ارباب بہرام خاں کے ذریعے مطلب برآری نہیں ہُوئی، تو انھوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک سیٹھ کو سیّد صاحبؒ کے پاس بھیجا جس کا نام بُدھ رام تھا۔ اُس نے کچھ میوہ کئی ٹوکروں میں اور زرِ نقد نذر کیا اور عرض کی کہ کچھ تنہائی میں آپ سے عرض کرنا ہے۔ اُس وقت جو لوگ وہاں حاضر تھے، پہرے والوں کے سوا آپ نے سب کو رُخصت کر دیا اور سیٹھ سے پوچھا: کیا کہتے ہو ؟

اُس نے عرض کی کہ شہر میں مشہور ہے کہ سیّد بادشاہ سردار سُلطان محمد خاں کو یہاں کی ریاست و حکومت پھر دیتے ہیں۔ یہ خبر سُن کر یہاں کے سیٹھوں کو بڑا تردّد اور اندیشہ ہُوا کہ ہم تو یہاں سیّد بادشاہ کے تشریف لانے سے بہت خوش ہُوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مُنصف، خدا ترس اور غریب پرور حاکم کو یہاں بھیجا، اب ہم لوگ آرام و چین سے گزران کریں گے۔ لیکن اب یہ مشہور ہو رہا ہے کہ آپ حکومت پھر اُنھیں کے حوالے کر رہے ہیں۔ اس سبب سے سب سیٹھوں نے اپنی طرف سے مجھے مُختار

کرکے بھیجا ہے کہ جس صورت سے سیّد بادشاہ راضی ہوں، اُس صورت سے راضی کرو اور یہاں سے جانے نہ دو۔

سو خدمت شریف میں میری عرض یہ ہے کہ آپ کس لیے یہ مُلک سردار سلطان محمد خاں کو دیتے ہیں؛ اگر یہ سبب ہے کہ آپ کے پاس فوج و لشکر کم ہے اور اس کے لیے لشکر بہت چاہیے اور اس کے انتظام کو خزانہ بھی بہت چاہیے، تو آپ اس کا اندیشہ نہ کریں۔ آپ کے فرمانے کی دیر ہے، میں آپ ہی کے پاس حاضر ہوں، جس قدر روپیہ آپ فرمادیں، دو گھڑی کے عرصے میں اسی جگہ روپوں کا ڈھیر لگا دوں، اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں جس قدر ضرورت ہو، نوکر رکھ لیں اور اس کے سوا اور سبب ہو، تو اس بات کو آپ جانیں۔

سیّد صاحبؒ کا جواب سیّد صاحبؒ نے اُس کی باتیں سُن کر اُس کو بہت شاباش دی اور فرمایا کہ تم بڑے لائق اور خیر خواہ شخص ہو۔ جو کام تمھارے لائق تھا، اُس میں تم نے کچھ کوتاہی نہیں کی۔ ہم اس امر میں تم سے بہت خوش ہیں اور فرمایا کہ سیٹھ جی، تم یہ بات بہت اچھی کہتے ہو جو حاکم مُلک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں، اُن کے کام کی ہے، لیکن ہم اُن حاکموں میں نہیں ہیں۔ ہم اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں۔ جو کچھ کام ہم لوگ کرتے ہیں، اُسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں۔ لوگوں کے نزدیک اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ، اس سے کچھ غرض نہیں۔ ہمارے مالک کا حُکم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی قصوروار ہو، جب وہ اپنے قصور سے توبہ کرے اور اپنی خطا کا عُذر کرے، تو اس کی خطا معاف کرنی چاہیے اور اُس کا عُذر قبول کرنا لازم ہے، اگر اُس نے توبہ دغابازی سے کی ہو، تو اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں، وُہ جانے، اُس کا خُدا جانے۔ اُس کا مال و مُلک زبردستی لینا دُرست نہیں۔ ہمارے اور سردار سُلطان محمد خاں کے درمیان اسی طور کا معاملہ ہے۔ اور جو تم لشکر اور خزانے کا ذکر کرتے ہو، تو ہمیں اس کا کچھ اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں، اگر وُہ اپنا کام ہم سے لے گا، تو بہتر سے بہتر فوج و لشکر اور مال و خزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔

اور جو تم لوگوں کو یہ خوف ہے کہ وُہ ہم کو تباہ و برباد کر دیں گے، تو یہ تمھارا وہم ہے۔ اس بات کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو کسی ریاست میں حاکموں کا یہ دستور نہیں کہ سیٹھوں، ساہوکاروں کو تباہ کریں، کیونکہ اُن کے سبب سے اُن کے مُلک و شہر کی آبادی ہوتی ہے اور اُن کے بڑے بڑے کام سیٹھوں ساہوکاروں سے نکلتے ہیں۔ اگر وُہ سیٹھوں ساہوکاروں کو تباہ و برباد کر دیں، تو اُنھیں کا نقصان ہوگا، اور کوئی سیٹھ ساہوکار اُن کی ریاست میں بُود و باش اختیار نہ کرے گا۔

سید صاحبؒ کا یہ جواب سُن کر بُھدام خاموش ہوگیا اور کہنے لگا کہ آپ سچّے اللہ والے لوگ ہیں، آپ کی باتوں کا کون جواب دے سکتا ہے؟ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب بجا ہے۔ اس کے بعد وُہ آپ سے رُخصت ہو کر اپنے مکان کو چلا گیا۔

○

اکتیسواں باب

سُلطان مُحمّد خاں کی مُلاقاتیں اور پشاور کی سپُردگی

سردار سُلطان مُحمّد خاں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی مُلاقات

ارباب فیض اللہ خاں نے سردار سُلطان مُحمّد خاں کا ملنے کا تقاضا پہنچا سیّد صاحبؒ کی رائے ہُوئی کہ شہر کے باہر ہزار خانی کے میدان میں آپ کچھ لوگوں کے ساتھ جائیں اور اُدھر سے سُلطان مُحمّد خاں اپنے لوگوں کے ساتھ آکر ملاقات کریں لیکن لشکر کے اہل الرائے نے اس سے اختلاف کیا اور انھوں نے یہ رائے دی کہ پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سردار سے ملاقات کریں۔ دو تین ملاقاتوں میں اُن کا رویہ معلوم ہو جائے گا۔ اُس کے بع سیّد صاحبؒ مُلاقات کریں، تو مضائقہ نہیں۔

آپ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا۔ اوّل سُلطان مُحمّد خاں نے اس سے اتفاق نہیں کہ اور کہا کہ مولانا سے مُلاقات کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں، مُلاقات کرنا، نہ کرنا دونوں برابر ہے۔ برا راست سیّد صاحبؒ سے مُلاقات کرنا ضروری ہے۔ یہ رائے سُلطان مُحمّد خاں کے دونوں سردا سیّد مُحمّد خاں اور اُن کے بھتیجے حبیب اللہ خاں کی تھی اور اُن کا اصرار تھا۔ سیّد صاحبؒ نے اِصرا فرمایا کہ پہلے مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب سے مُلاقات ہو اور ارشاد فرمایا کہ اُن کو ہمارے حُکم کو بلا عُذر او بلا انکار قبول کرنا چاہیے کہ یہ اطاعت کا معاملہ ہے۔ اِس میں جانبین کے تمام شُبہات بھی دفع ہو جائیں گے

آخر فیض اللہ خاںؒ کے سمجھانے سے سلطان محمد خاں نے منظور کیا اور فیض اللہ خاں کے مکان پر ملاقات قرار پائی۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں: "ہزار خانی کے مقام میں (جو ارباب فیض اللہ خاں کا گاؤں ہے اور پشاور سے جانب جنوب ایک میل یا اس سے کچھ زائد فاصلے پر واقع ہے) ملاقات طے ہوئی قرار پایا کہ مولانا چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ہزار خانی تشریف لے جائیں اور اتنے ہی آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ سردار پشاور وہاں آئے اور مولانا سے ملاقات کرے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ اور بیعت کرے۔

نماز عصر کے بعد مولانا اپنی جمعیت کے ساتھ ہزار خانی کے قریب پہنچ گئے۔ سلطان محمد خاں فاصلے پر تھا۔ مولانا جب گاؤں کی آبادی میں داخل ہوئے، تو سلطان محمد خاں نے ملاقات کا ارادہ فسخ کر دیا اور ارباب سے کہلا بھیجا کہ آج ملاقات ملتوی ہے۔ ہم کل شام کو ملنے آئیں گے۔ معلوم ہوا کہ اس کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بلکہ خود سید صاحبؒ کی طرف سے اطمینان نہیں ہے اور دل میں اندیشے ہیں وَالْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔[1]

اس عرصے میں پشاور اور اطراف و نواح کے گاؤں میں تذکرہ ہوا کہ ہزار خانی کی گڑھی میں سردار پشاور نے کوئی توپ چھپا دی ہوگی یا بارود سے اس کو بھر رکھا ہوگا۔ درانیوں کے متعلق عام طور پر اسی طرح کی شہرت تھی۔ جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب تک یہ بات پہنچی، تو فرمایا کہ عجب نادان لوگ ہیں کہ ایسی ناسمجھی کی باتیں کہتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے کہ اس مکان میں بارود بچھا رکھی ہے، تو میں تنہا تو نہیں جا رہا ہوں، سردار پشاور خود وہاں موجود ہوگا۔ وہ ایسے موقع پر کیسے بچ سکتا ہے؛ یہ بات بالکل ناقابل قیاس اور بے بنیاد ہے۔

دوسرے روز مولانا نے اتنا توقف فرمایا کہ سردار پشاور سو مسلح آدمیوں سے زیادہ اپنے ساتھ لے کر ہزار خانی کی گڑھی میں داخل ہوا۔ اس کے بعد مولانا تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ

---

[1] یہ منظورۃ کا بیان ہے۔ وقائع میں دو ملاقاتوں کا تذکرہ ہے۔ دوسری ملاقات کی روداد آگے آتی ہے۔

سُو کے قریب آدمی تھے، لیکن زُوردار اور چیدہ چیدہ۔ اکثر قرابین سے مُسلّح تھے۔ مولانا گڑھی کے قریب ایک باغ میں تشریف فرما ہوئے۔ سردار کو اطلاع ہوئی اس نے گڑھی میں طلب کیا اور کہا کہ میں گڑھی کے دروازے تک جا کر پیشوائی کروں گا، لیکن فیض اللہ خاں کی رائے نہ ہوئی اور ایک فرش گڑھی کے باہر ڈال دیا گیا۔ مولانا باغ کے دروازے سے اور سلطان مُحمّد خاں گڑھی کے دروازے سے ساتھ ساتھ پہنچے۔ سلام و مصافحہ و معانقہ کے بعد مولانا اور سردار فرش پر بیٹھ گئے۔ جانبین کے مسلّح آدمی کھڑے رہے۔ مولانا نے پندرہ آدمیوں کو دیہات کے باہر پہرے دار کے طور پر چھوڑ دیا تھا تاکہ دُرّانیوں کی طرف سے کوئی جماعت پر حملہ آور نہ ہو۔

مزاج پُرسی کے بعد سُلطان مُحمّد خاں نے نیاز مندانہ گفتگو کی۔ اپنے گزشتہ افعال سے توبہ اور مولانا کے ہاتھ پر بیعت اور خدمتِ دین و شرکتِ مجاہدین کا عہد کیا۔ مولانا نے سیّد صاحبؒ کے نائب کی حیثیت سے بیعت لی۔

اِسی اثنا میں دُرّانیوں کی طرف سے ایک بندوق سر ہوئی۔ بندوق کے چلنے کی آواز سُنتے ہی مولانا کے تمام ہندوستانی رفیقوں نے اپنی اپنی قرابینوں اور چقماقوں کے پیالے چڑھا لیے۔ یہ دیکھ کر سُلطان مُحمّد خاں کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ دونوں ہاتھ مولانا کے زانو پر رکھ کر کہنے لگا کہ ’خیر است، خیر است‘، خیریت ہے، خیریت ہے۔ مولانا نے کسی اضطراب اور اپنی نشست میں تغیّر کے بغیر فرمایا کہ ہاں، مجھے معلوم ہے، خیریت ہے، لیکن آپ بھی خوف نہ کیجیے، اس لیے کہ ہماری طرف سے قرابینوں اور بندوقوں کو احتیاطاً تیار کر لیا گیا ہے۔ دُرّانی یہ منظر دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک تحیّر اور سنّاٹے میں آ گئے۔ جس کی بندوق چلی تھی، وہ اپنے گروہ میں رَل مِل گیا۔ ارباب فیض اللہ خاں نے للکار کر کہا کہ اے بیوقوفو، اگر تم میں سے کسی نے اس طرف کا رُخ کیا، تو یہ ہندوستانی کسی کو چھوڑیں گے نہیں۔ سردار کے ہمراہیوں نے اپنے سر سے الزام دُور کرنے کے لیے اُس شخص کو، جس سے یہ خطا ہوئی تھی، ارباب کے سامنے حاضر کیا۔ ارباب نے بندوق چلنے کا سبب پُوچھا۔ اس پر خوف سے کپکپی طاری تھی اور بے حواس ہو رہا تھا۔ بولا کہ نادانستگی میں میری بندوق کی چانپ چڑھی ہوئی تھی اور میری

انگلی لبلبی پر تھی، پیچھے سے دھکا لگنے کی وجہ سے بے خبری میں بندوق چل گئی۔ ارباب نے پوری بات سردار سلطان محمد خاں سے نقل کر دی۔ وہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اسی وقت سلطان محمد خاں رخصت ہو کر گڑھی میں آیا اور مولانا باغ میں تشریف لائے۔ ارباب نے عرض کیا کہ ماحضر تیار ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ سردار اور اس کے ساتھیوں کو کھلا دیجیے۔ میں پشاور جاتا ہوں۔ ارباب نے عرض کیا کہ آپ کو اختیار ہے۔ اگر تشریف لے جاتے ہیں، تو کھانا وہیں پہنچ جائے گا۔

ایک تہائی رات گزری تھی کہ مولانا اپنی جماعت کے ساتھ سرائے پشاور کی مسجد میں نماز پڑھ کر استراحت کے لیے تشریف لے گئے۔ ارباب کا بھیجا ہوا کھانا، جو حلوائے فراکی کی شکل میں تھا، پہنچا۔ مولانا نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ ملاقات کی روداد تو کل گوش گزار کروں گا، لیکن ارباب کا بھیجا ہوا کھانا آیا ہے، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ خود نوش فرمائیں اور اپنے ساتھیوں کو، جو ساتھ گئے تھے، کھلا دیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی دوسری ملاقات رات کو سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے تنہائی میں باتیں کیں۔ صبح کو مولانا نے ساتھیوں سے کہلا بھیجا کہ کھانا کھا کر سب لوگ کمر باندھ کر اور تیار ہو کر آ جائیں۔ ہزار خانی میں آپ اسی باغ میں اترے، جہاں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی اور عصر کی نماز بھی وہیں پڑھی اور سلطان محمد خاں کا انتظار کرتے رہے۔ عصر کے بعد سردارِ موصوف کی سواری آئی۔ گڑھی کے دروازے پر پہلی ملاقات کی جگہ فرش پر دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں وہیں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ دونوں طرف کے لوگ فرش کے کنارے پکڑے تھے۔ اس روز سردارِ ممدوح نے بالمشافہ اپنے عہد و پیمان کی وہ باتیں کیں، جو ارباب فیض اللہ خاں نے سردارِ ممدوح کی طرف سے وکالۃً سید صاحبؒ سے کی تھیں۔ اس کے بعد یہ بھی کہا کہ مجھ سے اور آپ سے دو ملاقاتیں ہوئیں، اب سید بادشاہ کی ملاقات باقی رہی۔ سو جس روز جس وقت سید بادشاہ ملاقات کے واسطے یاد کریں، میں حاضر ہوں۔

مغرب کے قریب تک مولانا اور سردارِ موصوف میں باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ارباب

فیض اللہ خاں نے تنہائی میں مولانا سے کچھ باتیں کیں۔ پھر آپ اپنی قیامگاہ پہ آئے اور سیّد صاحبؒ سے سب حال بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ سردارِ ممدوح نے کہا کہ ہماری اور تمھاری تو دو مُلاقاتیں ہو چکیں، اب سیّد بادشاہ سے مُلاقات کرنی ہے اور یہ انھیں کی رائے پر ہے، جس روز مجھ کو یاد فرمئیں میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ خیر، جس طرح آپ سب صاحبوں کی صلاح ہوگی، اس طرح دیکھا جائے گا۔

شہر میں وعظ و اصلاح پشاور میں تین جُمعے پڑھنے کا اتفاق ہُوا۔ تین جُمعوں کو مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی نے جہاد کا وعظ کہا۔ وُہ لوگوں کو فارسی میں بھی سمجھاتے تھے اور اُردُو میں بھی۔ اُن کے وعظ میں ایسی رقّت تھی کہ اکثر آدمی زار زار روتے تھے۔

حافظ عبد اللطیف صاحب نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اس مُلک پر فتحیاب کیا ہے۔ شہر اور جوارِ شہر کے لیے دینی احتساب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ فرمایا کہ آپ اور خضر خاں قندھاری اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر کی تمام مساجد کا دَورہ کرو اور نماز کی تاکید کرو۔ جس کو تارک الصّلوٰۃ پاؤ، اس کی تادیب اور گوشمالی کی تم کو اجازت ہے۔ اہلِ فسق و معاصی تمھارے ڈر سے اور احتساب کے خوف سے رُوپوش ہو جائیں گے۔

حافظ صاحب نے خضر خاں اور دُوسرے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا گشت کیا اور نماز اور جماعت کے التزام کی تاکید کی۔[1]

سیّد صاحبؒ اور سردار سلطان محمّد خاں کی مُلاقات ارباب فیض اللہ خاں سردار سُلطان محمّد خاں کا پیغام پھر لائے کہ مُلاقات کے لیے دن مقرر کر دیا جائے۔ آپ نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے فرمایا کہ سردار صاحب نے مُلاقات کا دن دریافت کیا ہے، سو کس قدر آدمیوں کے ساتھ اور کس مقام پر اور کب بُلائیں؟ ان اہلِ شُوریٰ نے لشکر کے سب افسروں اور سَمہ کے سب خوانین کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ آخر میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تجویز پر سب کا اتفاق ہُوا کہ اُن کو کہلا بھیجا جائے کہ اپنے تمام

---

[1] منظورہ ص ۹۱۷، ۹۱۸

سواروں و پیادوں کے ساتھ تم آؤ اور یوں ہی ادھر سے ہم اپنے تمام لشکر کے ساتھ آتے ہیں پھر دونوں کو اختیار رہے، جتنی جمعیت سے چاہیں، وہ آئیں اور جتنی جمعیت سے یہ چاہیں، جائیں۔ اس میں نہ اُن کو ہماری طرف سے کچھ شُبہ ہوگا، نہ ہماری طرف سے اُن کو۔ اِس لیے ہر کوئی جانے گا کہ جو کچھ معاملہ ہوگا، وُہ ہمارے سامنے ہوگا۔

مُلاقات کے لیے ہزار خانی کا مَیدان سردار سُلطان مُحمّد خاں کی طرف سے تجویز ہُوا۔ دو دن پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ارباب بہرام خاں دو ڈھائی سَو آدمیوں کے ساتھ ملاقات کے میدان کو دیکھنے تشریف لے گئے اور اچھی طرح اس کا گشت کر کے اُس کا نشیب و فراز دیکھا۔ اگلے روز سیّد صاحبؒ نے تمام لشکر میں کہلا بھیجا کہ سب بھائی اپنے ساز و سامان سے تیار رہیں، کل سویرے ہمارے ساتھ سردار سلطان مُحمّد خاں کی مُلاقات کو چلنا ہوگا۔ خوانینِ سَمہ کو بھی اس کی اِطّلاع کر دی گئی۔ ارباب جمعہ خاں کو آپ نے بُلا کر تاکید فرمایا کہ کل سویرے ہم تو سردار سُلطان مُحمّد خاں کی مُلاقات کو جائیں گے، تم بدستورِ سابق اپنے لوگوں کے ساتھ خوب ہوشیاری اور خبرداری سے شہر کا بندوبست رکھنا۔

دُوسرے روز لشکر کے غازی لوگ کر باندھ، ہتھیار لگا مَیدان میں جمع ہو کر آپ کا اِنتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر میں آپ وضو کر کے پوشاک پہن کر اور ہتھیار لگا کر حویلی سے باہر نکلے۔ سرائے کی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھی۔ آپ کو دیکھ کر اور بھی بہت صاحبوں نے نفل کا دوگانہ پڑھا۔ پھر سر برہنہ کھڑے ہو کر بڑے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی۔ تمام حاضرین پر ایک وجد کی سی حالت طاری تھی۔

دُعا کے بعد آپ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے چلے۔ پشاور کے باہر گورستان کے پاس (جہاں آخوند دَرْوِیزَہ بابا کا مزار ہے) کچھ دُور آگے بڑھ کر گورستان کو پُشت دے کر کھڑے ہُوئے۔ وہیں تمام لشکر صف آرا ہُوا۔ پشاور کے ہزاروں وضیع و شریف تماشا دیکھنے کو آئے تھے۔ آدمیوں کی کثرت سے مَیدان میں آدمیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی۔ سردار سُلطان مُحمّد خاں اپنی تمام جمعیت کے ساتھ آیا اور موضع ہزار خانی کی طرف پُشت کر کے کھڑا ہُوا۔

کچھ دیر کے بعد سردار ممدُوح پندرہ بیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس طرف سے چلا اور اسی قدر

غازیوں کو لے کر سیّد صاحب آگے بڑھے۔ سردارِ موصوف نے پہلے ہی ایک جگہ اس میدان میں زین پوش بچھوا رکھا تھا۔ جب اُس کے اور سیّد صاحبؒ کے درمیان سَو، سوا سَو قدم کا فاصلہ باقی رہا، تب آپ نے سب ہمراہیوں کو وہاں ٹھیرا دیا۔ وُہ سب وہیں کھڑے رہے۔ آپ گھوڑے سے اُتر کر پیادہ پا صرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کو ہمراہ لے کر آگے چلے۔ اُس وقت مولانا ممدوح کمر میں فقط تلوار لگائے ہُوئے تھے اور ارباب بہرام خاں کی کمر میں تلوار اور ہاتھ میں شیر بچہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر سردارِ ممدوح نے بھی اپنے ہمراہیوں کو روک دیا۔ وہ بھی وہیں کھڑے رہے۔ فقط ارباب فیض اللہ خاں اور ایک شخص مُراد علی کو اپنے ساتھ لے کر چلا اور سیّد صاحبؒ سے السلام علیکم کر کے مِلا اور مصافحہ کیا۔ پھر مولانا صاحب اور ارباب بہرام خاں سے مصافحہ کیا۔ سیّد صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحب زین پوش پر بیٹھے اور ارباب بہرام خاں سیّد صاحبؒ کی پُشت پر کھڑے ہُوئے اور ادھر ارباب فیض اللہ خاں اور مُراد علی سردار سُلطان محمد خاں کے پیچھے کھڑے ہُوئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی احتیاط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پہلے رجب خاں ٹپیٹ اور سلو خاں کھکیت کو جو قوی ہیکل اور چُست و چالاک آدمی تھے، کہلا بھیجا تھا کہ مُلاقات کے وقت تم دونوں صاحب سیّد صاحبؒ کے پاس پہنچ جانا۔ اگر سیّد صاحبؒ منع بھی کریں، تب بھی نہ ماننا۔ وہ دونوں باوجود سیّد صاحبؒ کے ہاتھ سے منع کرنے کے بیس پچیس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ جس میدان میں آپ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، وہاں سے جنوب کی طرف سَو قدم پر ایک جوار کا کھیت تھا۔ اُس میں سردار سلطان محمد خاں نے پہلے سے چالیس پچاس سپاہی مسلح بٹھا رکھے تھے۔ مُجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ اتفاقاً اُن کی ایک جماعت کھیت کے قریب گئی، تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھیت میں مسلح چھُپے بیٹھے ہیں۔ یہ غازی اُن کی پُشت پر کھڑے ہو گئے کہ مبادا کچھ دغا فریب ہو، تو پہلے ہم اُن کو سمجھ لیں۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے کوئی بات نہیں ہونے پائی۔

سیّد صاحبؒ کی سردار سلطان محمد خاں سے گفتگو سیّد صاحبؒ نے کابل سے مایار کی جنگ تک جنگ کی ساری سرگزشت سردار سلطان محمد خاں اور اُن کے بھائیوں کے بیعت کرنے اور جہاد و رفاقت

کے عہد و پیمان، پھر بار بار عہد شکنی اور چڑھائی کرنے اور کفّار کا ساتھ دینے کا سب حال بیان کیا اور فرمایا کہ اب تک تمہارے بھائی اور تمہاری بغاوت کا سبب معلوم نہ ہُوا کہ کیا ہے؟

ہندوستانی محضر

سردار سُلطان محمّد خاں نے بہت کچھ معذرت کی اور اپنی خطاؤں کا اقرار کیا اور کہا کہ ہماری نافرمانی اور بغاوت کا سبب یہ ہے۔ یہ کہہ کر ایک لپٹا ہُوا کاغذ اپنے خریطے سے نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اُس کو کھول کر دیکھا، تو وُہ ایک بڑا سا محضر تھا جس پر ہندوستان کے بہت سے عُلماء اور پیرزادوں کی مُہریں لگی ہُوئی تھیں۔ خُلاصۂ مضمُون یہ تھا کہ تم سرداروں اور خوانین کو اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سیّد احمد نامی ایک آدمی چند علماے ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے مُلک میں گئے ہیں۔ وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعوٰی کرتے ہیں، یہ صرف اُن کا مکر و فریب ہے۔ وہ ہمارے اور تمہارے دین و مذہب کے مخالف ہیں۔ اُنھوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہے۔ وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو بُرا کہتے ہیں۔ وُہ انگریزوں کے بھیجے ہُوئے تمہارے مُلک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں۔ تم کسی طرح اُن کے وعظ و نصیحت کے دام میں نہ آنا۔ عجب نہیں کہ تمہارا مُلک چھنوا دیں۔ جس طرح تم سے ہو سکے، اُن کو تباہ کرو اور اپنے مُلک میں جگہ نہ دو۔ اگر اس معاملے میں سستی اور غفلت سے کام لوگے، تو پچھتانا پڑے گا اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

دُنیادار عُلماء و مشائخ کی مُخالفت کی وجہ

سیّد صاحبؒ یہ مضمُون پڑھ کر عالمِ حیرت میں رہ گئے۔ آپ نے سردارِ موصُوف سے فرمایا کہ ہندوستان میں دُنیا دار عُلماء اور مشائخ پیر پرستی اور قبر پرستی میں گرفتار ہیں۔ اسی کو اپنا دین و آئین جانتے ہیں۔ حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے اور یہی اُن کا ذریعۂ معاش ہے۔ ہمارے وعظ و نصائح سے اللہ تعالیٰ نے وہاں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کی۔ وہ پکّے مُوحّد اور مُتّبعِ سُنّت ہو گئے۔ اس کی وجہ سے اُن دُنیا دار عالموں، پیروں کے شرک کا بازار سرد ہو گیا اور اہلِ حق کی نگاہوں سے وہ گر گئے اور جب اُن سے کچھ نہ ہو سکا تب انھوں نے ہم پر یہ بُہتان و افترا کیا اور آپ کے پاس بھیجا۔ مگر آپ سے بڑی غلطی ہُوئی، جو اب تک اس امر کی

اطلاع ہم کو نہ کی اور اپنا دین و دُنیا کا نقصان کیا، ورنہ یہ شک و شبہہ ہم آپ کے دل سے پہلے ہی دُور کر دیتے۔ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی۔

بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہی آپ نے وُہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھیے گا، ہر کسی کو نہ دِکھلائیے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ لشکر میں ہمارے اکثر غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بُہتان و افترا سُن کر اگر اُن بدخواہوں کے حق میں بددُعا کر دیں تو عجب نہیں کہ فوراً اُن لوگوں کو نقصان پہنچ جائے۔ ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو اُن سے ملائے، تو ہم اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

عالی ہمّتی اور دریا دِلی پھر آپ نے سردارِ موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اِس کی فکر نہ کیجیے گا۔ ہم نے آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ سے کسی طرح کا جُرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے۔ یہ بات کہہ کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سردارِ موصوف بھی اپنے لشکر کو گئے اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ آگئے۔

قاضی کا تقرر سردار سلطان محمد خاں نے ایک درخواست کی کہ سیّد صاحبؒ اپنا ایک قاضی پشاور میں مقرر کر دیں، جو شرع شریف کے موافق لوگوں کا فیصلہ کرے اور جمعہ کو وعظ بھی کہے۔ ہم لوگ اُن کی فرمانبرداری کریں گے اور اُن کے وعظ و نصیحت سے لوگوں کو ہدایت ہوگی۔ آپ نے مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو تجویز کیا۔ دس بارہ غازی آپ نے اُن کے ہمراہ کیے اور اُن کا ہاتھ ارباب فیض اللہ خاں کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ تمھارے سردار کی خواہش کے مطابق ہم اُن کو قاضی کر کے چھوڑے جاتے ہیں۔

* * *

بتیسواں باب

پنجتار کو واپسی

روانگی پشاور سے روانہ ہو کر ہزار خانی میں ارباب فیض اللہ خاں کی مہمانی قبول کر کے چمکنی، ہشت نگر، مردان ہوتے ہوئے امان زئی کی گڑھی میں قیام فرمایا۔ وہاں کے خوانین آپ کی آمد کی خبر سُن کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کی بیوفائی اور بد عہدی کی شکایت اور ملامت کی۔ اُنھوں نے بڑے عُذر و معذرت کے بعد دوبارہ وعدہ کیا اور عُشر دینا قبول کر لیا۔

اہلِ سوات کی شوخ چشمی گڑھی امان زئی میں میر عالم خاں باجوڑی کی طرف سے ایک قاصد قاضی نام چند آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور یہ پیغام لائے کہ ہم کو پشاور کی فتح سے بڑی مسرت ہوئی، سُنّت (جہاد) کے اجرا سے ہم نہایت مسرور و شادماں ہیں۔ اگر آپ ہمارے علاقے کو اپنے قدوم سے مُشرّف فرمائیں، تو ہم سب بھی احکامِ شریعت کو قبول کریں گے اور سُنّتوں کا اجرا کریں گے۔

آپ نے یہ سُن کر اہلِ شوریٰ سے مشورہ فرمایا۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ آپ خود تو پنجتار تشریف لے جائیں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سَو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ روانہ فرمائیں۔ چُنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب لشکر کے سَو چیدہ چیدہ آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ امان زئی سے چل کر بزگڑھی ٹھیرتے ہوئے ٹوندخوڑ قیام فرمایا۔ وہاں چند روز قیام رہا اور عُشر کے تحصیل وصول کا انتظام فرمایا۔

کاٹ لنگ والوں نے بھی اس انتظام کو قبول کیا۔ لُوند خُوڑ سے آپ سوات کی طرف روانہ ہُوئے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، تو مُلا کلیم، مُلا سید عمران خار سے آئے اور بیان کیا کہ موضع لوند خُوڑ میں آپ کے قیام کی اطّلاع اہلِ سوات کو ہوگئی۔ باجُوڑ اور سوات کی طرف آپ کے توجّہ کرنے سے اس علاقے کے خوانین تردُّد میں پڑ گئے کہ آپ یہاں تشریف لا کر شریعت جاری کریں گے۔ اُنھوں نے اپنے جاسُوس خبر رسانی کے لیے متعیّن کر دیے تھے۔ جب لُوند خُوڑ سے آپ کی روانگی کی اطّلاع ملی، تو وُہ سب مقام ڈیری میں جمع ہوگئے اُور وُہ باجُوڑ جانے سے آپ کو روکنے پر کمر بستہ ہیں۔ اس پر ہمارے پُورے دیار کا اتّفاق ہوگیا ہے۔ اِس پر جرگہ ہو چکا ہے کہ کون لوگ کس درے پر بندوقیں لے کر بیٹھیں گے اور کون لوگ کِس مقام کی ناکہ بندی کریں گے۔ اِس لیے جنگ کے بغیر باجُوڑ جانا ناممکن ہے۔

مولانا نے مشورۃً دریافت فرمایا کہ اب طریقِ کار کیا ہے؟ مُلا کلیم نے کہا کہ خار تک تو جانا ضروری ہے تاکہ دوستی و دشمنی کا اندازہ ہو جائے اور چونکہ وہ سب آپ کے ملاقاتی ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کو دیکھ کر اُن کو لحاظ و مروّت آئے اور وُہ مزاحمت نہ کریں، لیکن اس میں عجلت کی ضرورت ہے۔

مولانا نے اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے کُوچ کیا اور خار میں داخل ہُوئے۔ وہاں تمام خوانین نے خار کے دونوں جانب حصار قائم کر لیا اور باجوڑ کا راستہ بالکل روک دیا۔ مولانا نے مسجد میں قیام فرمایا اُور تجاہلِ عارفانہ برت کر دریافت کیا کہ یہ لشکرِ عظیم آخر کس ضرورت کے لیے جمع ہُوا ہے؟ آپ نے ہر ایک سے پوچھا کہ آخر ہم سے کیا قصور ہُوا ہے کہ ہمارے لیے یہ مجمع اکٹھا ہُوا ہے؟ لوگ ایک دُوسرے پر ٹالتے تھے۔ آخر عنایت اللہ خاں پر یہ سلسلہ ختم ہُوا۔ آپ نے اس سے دریافت کروایا اور کہا کہ ہمارے تمھارے درمیان زمانۂ سابق میں محبّت و تعلقات تھے اور ہم ایک عرصے تک اس جوار میں رہے ہیں۔ ہم سے ابھی تک کوئی ایسا فعل نہیں ہُوا، جو محبّت و مروّت کے خلاف ہو۔

عنایت اللہ خاں نے جواب دیا کہ آپ میر عالم خاں کی طلبی پر باجُوڑ جا رہے ہیں۔ جب آپ اور میر عالم خاں باہم متفق ہو جائیں گے، تو پھر ہمارے اُوپر بھی احکام شرعی جاری کریں گے۔ ان احکام کا قبول کرنا اور اُن پر عمل کرنا ہمارے اُوپر شاق ہے، اِس لیے ہم آپ کو وہاں جانے نہیں دینا چاہتے۔

آپ نے فرمایا کہ تم خدا کے فضل سے مسلمان اور مسلمانوں کی اولاد ہو، تمھیں دینی محبّت کی بنا پر احکامِ شرعیہ کے اجرا سے خوش ہونا چاہیے اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ یہ کیا اسلام اور دینداری ہے کہ تم احکامِ شرعی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو؟ ہاں، اگر ہم سے اجرائے احکام میں کچھ افراط و تفریط سرزد ہو، تو اپنے مقامی عُلما سے دریافت کر کے کتابُ اللہ و سُنّتِ رسُول اللہؐ کی رُو سے ہماری اصلاح کرو۔

اِس کے جواب میں اُن لوگوں نے کہا کہ تم کتاب و سُنّت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے۔ قُرآن و سُنّت اور عُلما، سب تمھاری طرف ہیں، لیکن دینی احکام، جو کتاب و سُنّت سے ثابت ہیں، ہمارے اُوپر شاقّ اور بار ہیں۔ اِس لیے ہم تمھیں باجوڑ جانے سے مانع ہیں اور ہم کسی طرح تم کو جانے نہ دیں گے اور اس سلسلے میں ہم جنگ تک کے لیے تیار ہیں۔ پھر جو فیصلہ ہو۔ اگر ہم غالب آئے، تو ہم اپنے رُسُومِ افغانی پر قائم رہیں گے؛ اگر تم غالب آئے اور تمھارا عمل دخل اِس مُلک میں ہُوا، تو ہم اس مُلک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کر سکیں۔

مولانا نے جب یہ تقریر سُنی، تو فرمایا کہ ہم نے ایسے کلمہ گو، جو شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ کا مصداق ہوں، ابھی تک نہیں دیکھے تھے۔ ہم کو آج معلوم ہُوا کہ تم ایسے کلمہ گو ہو کہ احکامِ شرعیہ کا انکار کر کے بھی تم کو ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ نہیں۔ ہم مجبور ہیں کہ امیرالمومنین نے ہم کو تم سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی اور تم کو معلوم ہے کہ ہم بغیر اُن کے حُکم کے کوئی کام نہیں کر سکتے، ورنہ تمھاری اس پوری جمعیت کو دس قرابینوں کی باڑھ سے هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کر دیتے۔

قریب کے ایک گاؤں کے لوگوں کا پیغام آیا کہ اگر مولانا یہاں تشریف لے آئیں، تو ہم باجوڑ پہنچا دیں گے، مگر مولانا نے فرمایا کہ اس میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ قدم قدم پر جنگ ہو گی۔ سید صاحبؒ نے جنگ کی اجازت نہیں دی اور غازی بھی کم ہیں۔ پھر اگر باجوڑ پہنچ بھی گئے، تو سید صاحبؒ سے اور اپنے مرکز سے بالکل منقطع ہو جائیں گے اور لشکرِ اسلام دو جگہوں میں مُنقسم ہو جائے گا۔ نہ ہماری خبر سید صاحبؒ

تک پہنچ پائے گی، نہ وہاں کی خبر یہاں آئے گی۔ آخر یہ طے ہُوا کہ واپسی مناسب ہے اور تیاری شروع ہو گئی۔

جب تیاری شروع ہُوئی اور واپسی کا ارادہ مصمّم ہُوا، تو اہلِ غار نے کہا کہ آج کی رات ضیافت کھائے بغیر ہم آپ کو جانے نہ دیں گے۔ مجاہدین نے کہا کہ جب آپ لوگوں کو احکامِ شرعی کا قبول کرنا گوارا نہیں اور صاف انکار ہے اور آپ اس بے مروّتی سے پیش آئے، تو اب ضیافت کی کیا ضرورت ہے؟ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس گروہ میں شامل نہیں، البتہ ان کی مخالفت کرنے کی بھی طاقت نہیں۔ بالآخر رات اُن کی مہمانی قبول کر کے صُبح وہاں سے کوچ کیا۔ رات بھر اہلِ سوات نے غول دَر غول پہرہ دیا کہ کہیں یہ لوگ نظر بچا کر باجوڑ نہ چلے جائیں۔

ایک جاہلی رسم کی اصلاح احمد خاں کاکا نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارے اِس مُلک میں یہ رسم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق لڑکے والوں سے زرِ نقد لیے بغیر کوئی اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے بیٹے کے ساتھ نہیں کرتا۔ کوئی لڑکے والے سے سَو روپے، کوئی چار پانسو، کوئی ہزار لیتا ہے۔ لڑکے والے غریب روپے کی تلاش میں حیران سرگردان رہتے ہیں۔ اُن کی بیٹیاں بیچاری بیٹھی رہتی ہیں اور نکاح نہیں ہوتا۔ اس بستی کی عورتیں آپ سے دادخواہ اور انصاف طلب ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ سیّد بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے۔ وُہ خُدا کے لیے ہماری بیٹیوں کا انتظام کریں اور ہم کو عذاب سے نجات دیں۔

یہ سُن کر سیّد صاحبؒ بڑی دیر تک عالمِ سُکوت میں رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا، جو ہم سے کہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ضرور اس کا تدارک کریں گے۔ تم خاطر جمع رکھو اور یہ بہت ہی بُری رسم تمہارے مُلک میں ہے، اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے اس کو چھڑا دے اور تم سب لوگوں کو پُورا پُورا مسلمان اور متبعِ سُنّت بنا دے!

سیّد صاحبؒ نے اُسی دن یا اُس کے اگلے دن بستی کے سب لوگوں کو بلوایا اور نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت فرمائی اور نکاح کی ضرورت و فضیلت اور اس رسم کی قباحت بیان کی اور فرمایا

کہ تم سب صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعتِ ہدایت اور بیعتِ امامت کی ہے اور شریعت کے تمام احکام قبول کیے ہیں اور ہر ایک گناہ اور بُرے کام سے توبہ کی ہے، تو خدا و رسُولؐ کا حکم جان کر اس گناہ سے بھی توبہ کرو اور دستورِ شریعت کے موافق برضا و رغبت اپنی بیٹیوں کا اپنی برادری میں نکاح کر دو، اور یہ خدا اور رسُولؐ کے حُکم کے خلاف روپیہ لینے کا دستور ترک کرو۔ اگر تم نہ مانوگے، تو اپنے حق میں بہت بُرا کروگے۔

آپ کی یہ تقریر سُن کر سب نے جاہلیت کی اس رسم سے طوعاً و کرہاً توبہ کی اور اپنی بیٹیوں کے نکاح کر دینے کا اقرار کیا۔

لڑکیوں کی رخصتی جن لڑکیوں کا نکاح ہو جایا کرتا تھا، وُہ بھی اس انتظار میں کہ پٹھانوں کی رسُوم کے مطابق رخصتی کا سامان ہو، برسوں بیٹھی رہتی تھیں، یہاں تک کہ بعض سن رسیدہ ہو جاتیں اور اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتیں۔ منظورہ میں ہے کہ اسی زمانے میں تاکید ہوئی کہ جن لوگوں نے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیا ہے اور وُہ سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہیں، ان کو اُن کے شوہروں کے گھر رخصت کیا جائے۔ حُکم جاری ہُوا کہ جن بالغ لڑکیوں کو نکاح کے باوجُود اُن کے شوہروں کے گھر رُخصت نہیں کیا جاتا، اُن کی اطلاع کی جائے۔ اس کے لیے کارندے مقرر ہُوئے کہ جو والدین یا سرپرست ان بالغ لڑکیوں کو رُخصت نہیں کرتے، اُن سے بزورِ حکومت رخصتی کرائی جائے اور اُن کے شوہروں کے حوالے کیا جائے۔ حافظ عبد اللطیف صاحب اور خضر خاں کابلی اپنی جماعت کے ساتھ اس خدمت پر مامُور ہُوئے۔ دیہاتوں میں شوہروں کے اظہار و بیان کے مطابق ان لڑکیوں کو رُخصت کرایا گیا اس کی عملی صُورت یہ تھی کہ جب شوہر حاکمِ (شرعی) کے یہاں نالش کرتا کہ فلاں دیہات یا موضع میں میری منکوحہ بالغہ ہے اور اس کو رخصت نہیں کیا جاتا، تو لڑکی کے باپ کو دُوسرے اولیاءِ شرعی کے ساتھ طلب کیا جاتا اور اُسے کو فہمائش بلیغ کی جاتی کہ اپنی لڑکی کو رخصت کرے۔ اگر وہ قبول کر لیتا، تو ایک دن اُس کے لیے مُعیّن کر لیتا، ورنہ حاکم کی طرف سے ایک دن اُس کے لیے متعیّن ہو جاتا اس روز اس کا شوہر حافظ عبد اللطیف یا خضر خاں کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنی بیوی کو رُخصت کرا لاتا۔[1]

---

[1] منظورہ صفحہ ۴۳۹

قاضیوں کی شکایت موضع ڈاگئی میں مولوی خیرالدین صاحب نے عرض کیا کہ چھتر بائی سے آتے ہوئے جس بستی میں بھی مجھ کو اُترنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے لوگوں نے اپنے قاضی کی مجھ سے شکایت کی کہ وہ ہم لوگوں پر بہت زیادتی اور تعدی کرتے ہیں اور ہم سے ناحق ہماری استطاعت سے زیادہ تاوان و جرمانے لیتے ہیں۔ آپ سیّد بادشاہ سے عرض کرکے ہمارے لیے کوئی سبیل نکالیں۔ اب آپ جیسا مناسب جانیں، فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ پنجتار پہنچ کر ہم آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کریں گے۔ آپ دَورہ کرکے اور حق و ناحق کی تحقیق کرکے فیصلہ کیجیے گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں اس عہدے کی لیاقت و استعداد نہیں رکھتا۔ اس عہدے کے لیے کسی اور صاحب کو آپ مقرر فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ میں اس کام کی بخوبی استعداد و لیاقت ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ دو کاموں کے متعلق آپ مجھے مجبور نہ فرمائیں؛ ایک عدالت کا کام، دُوسرا مالی کام۔ دونوں کاموں میں اکثر لوگوں کا قدم پھسل جاتا ہے۔ آپ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

پنجتار میں پنجتار کے قریب آپ کی آمد کی خوشی میں سیکڑوں آدمی مرد و عورت آپ کی تعریف میں چاربیت کہتے، تنبل[1] بجاتے اور خوشی کرتے ہوئے اپنے اپنے غول بنا کر آئے اور آپ سے انعام طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو انعام دلوایا اور ہر ایک کو خوش کیا۔ آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں پنجتار کے مجاہدین نے گیارہ فیر توپ کے سر کیے۔

آپ سواری سے اُتر کر مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نفل پڑھی اور اکثر غازیوں نے دو دو نفلی رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ نے سر برہنہ ہو کر بہت دیر تک بآوازِ بلند دُعا کی اور سب نے آمین کہی۔ دُعا کے بعد آپ نے سب کو اجازت دی کہ اپنے اپنے ڈیرے پر جا کر اُتریں۔ آپ نے بھی اپنے ڈیرے پر قیام فرمایا۔

جمعے میں سیّد صاحبؒ کا وعظ جمعے کے دن مولوی احمد اللہ صاحب میرٹھی نے خطبہ پڑھا اور سیّد صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے وعظ کہا۔ آپ نے فرمایا: بھائیو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

---

[1] پشتو میں طبل کو تنبل کہتے ہیں

سے تم تھوڑے لوگوں کو کئی بار بڑے بڑے لشکروں پر غالب اور فتحیاب کیا اور تمھارے دل بڑھ گئے کہ ہم نے لڑائی جیتی۔ اس خیال پر مغرور نہ ہونا۔ اللہ سے ڈرو اور توبہ و استغفار کرو۔ بڑائی اور کبریائی اُسی قادرِ مطلق اور خداوندِ برحق کو سزاوار ہے۔ یہ محض اس کی مدد و عنایت تھی کہ ہم جیسے ناتوانوں کو اُس نے ایسے زور آوروں پر منصور و مظفر کیا جس طرح اُس کو غلبہ اور اقبال دیتے دیر نہیں لگتی، اُسی طرح چھینتے بھی دیر نہیں لگتی۔

چھین لینے کا لفظ آپ کی زبان سے سُن کر اکثر لوگوں کے دلوں کو دھکا سا لگا کہ اللہ خیر کرے کہ حضرت نے یہ کیا فرمایا۔ اُس وقت آپ کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اکثر مجاہدین کے بھی۔ پھر آپ نے ننگے سر ہو کر کمال گریہ و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ دُعا کی۔ تمام لوگ آمین کہتے تھے اور روتے تھے۔

قاضی القضاۃ کا تقرر اس کے اگلے روز سیّد صاحبؒ نے مولوی رمضان صاحب سہارنپوری کو قاضی القُضاۃ کا عہدہ دیا اور چند غازیوں کے ساتھ موضع شیوہ کو رُخصت کیا اور لہاری کے حمزہ علی خاں کو مع رسالہ، اور قصبہ پھُلت کے شیخ ناصر الدین اور شیخ عبد الرحمٰن کو، جو نائب رسالدار تھے، نقارہ اور نشان اور شاہین خانہ دے کر موضع شیوہ کو رُخصت کیا اور رسالدار صاحب کو یہ اختیار دیا کہ اُس اطراف کی بستیوں میں جس قدر مناسب جانیں، اس قدر سوار متعین کر دیں کہ اپنی اپنی بستی کی بخوبی حفاظت کرتے رہیں اور کوئی رعایا پر کسی طرح کا ظلم و زیادتی کرنے نہ پائے۔

سوات کے سرحدی علاقے میں احکامِ شرعی کا اجرا موضع زُندخوڑ اور کاٹ لنگ وغیرہ کے ملک اور قاضی پنجتار آئے اور انھوں نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم نے بھی آپ کی امامت قبول کی ہے، ہمارے ساتھ آپ کوئی مُعتمد عالِم اور مُدبّر روانہ فرمائیں، جو ہماری بستیوں میں شرعی احکام جاری کرے اور عُشر و زکوٰۃ و جزیہ کی تحصیل کرے۔

آپ نے اپنے مُعتمدین سے فرمایا کہ وہاں بھیجنے کے لیے کوئی شخص تجویز کرنا چاہیے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ وہ علاقہ ملکِ سمہ سے جدا ہے اور سوات کا ملک وہاں سے قریب ہے۔ وہاں کے واسطے

کوئی مُدبّر، مُتحمّل اور احکامِ شرعی سے واقف آدمی چاہیے، جو وہاں کے لوگوں کو اپنی حکمتِ عملی سے قابُو میں لائے اور نرمی و آہستگی کے ساتھ اُن کو احکامِ شرعی کی تعلیم دے۔ تیز طبیعت آدمی سے وہاں کام نہ چل سکے گا، کیونکہ وہاں کے لوگ اطاعت و فرمانبرداری کے خوگر نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ایسا کون آدمی ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ وہاں کے واسطے مولوی خیرالدین صاحب مناسب ہیں۔ آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور مولوی صاحب موصوف کو پچاس ہندوستانیوں اور تیس قندھاریوں کے ساتھ مع لعل محمد صاحب جمعدار ان ملکیوں کے ساتھ رُخصت فرمایا۔

مولوی صاحب موضع لُوندخُوڑ میں داخل ہُوئے۔ لُوندخُوڑ بڑی بستی تھی۔ سو دُکان سے زیادہ فقط بقالوں کی تھیں اور چھ ملک تھے۔ ہر ایک کا جُزو جُدا تھا اور تمام رعایا اور بقال چھ جگہ میں برابر تقسیم تھے۔ پانچ چھ دن کے بعد مولوی صاحب نے وہاں کے سب ملکوں کو جمع کر کے کہا کہ آپ مجھ کو جس کام کے لیے لائے ہیں، اس کام کا اِجرا کرنا چاہیے۔ مُناسب یُوں ہے کہ جن باتوں کا آپ سب حضرات امیرالمومنین سے اقرار کر کے آئے ہیں اور مُلک سمہ میں بستی بستی اس کے اِجرا کے واسطے آدمی مُتعین ہُوئے ہیں، اب ان باتوں کے رواج دینے میں آپ سب سے سبقت لے جائیں۔ اس میں خُدا و رسُول کے نزدیک بھی آپ کی نیکنامی اور سُرخروئی ہوگی اور حضرت امیرالمومنین بھی آپ سے راضی ہوں گے اور رعایا پر بھی آپ کی حکومت بنی رہے گی۔ اگر مَیں نے رعایا میں سے ہر ایک کو خود بُلا کر اپنا حُکم اُس پر جاری کیا، تو رعایا تمھارے قبضے میں نہ رہے گی اور تم کو بھی ناگواری ہوگی اور پھر مجھ سے بھی ناخوش ہوگے۔ یہی بہتر ہے کہ جس آرزو اور خواہش سے آپ مجھ کو لائے ہیں، اسی طرح میرے اور آپ کے درمیان موافقت رہے۔ اب جس کام کو آپ لائے ہیں اور امیرالمومنین نے بھیجا ہے، وُہ کام میں آپ سے چاہتا ہُوں۔

اُنھوں نے کہا: یہ بات آپ نے معقول کہی۔ ہماری سمجھ میں آئی۔ مگر رعایا لوگ ہمارا کہنا مان لیں گے، پٹھان لوگ نہیں مانیں گے۔ اس کی کیا صُورت کرنی چاہیے؟

مولوی صاحب نے کہا: اگر آپ اپنے وعدے کے سچّے ہیں تو جو جو کام میں کہوں، اُن کو آپ

پہلے اپنے گھروں میں جاری کریں؛ پھر جو نہ مانے گا، اس سے منوالوں گا۔ اُنھوں نے کہا: وُہ کیا باتیں ہیں؛ بیان کیجیے۔ مولوی صاحب نے کہا: آپ نماز روزہ تو کرتے ہی ہیں، اس میں کچھ تاکید کی حاجت نہیں۔ آپ لوگوں میں ایسے کم ہوں گے، جو نماز روزے کے خوگر نہ ہوں۔ اگر اس میں ان سے تاکید کی جائے گی، تو وُہ بھی بُرا نہ مانیں گے اور منظور کرلیں گے۔ اس لیے کہ آپ سردار ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی زراعت سے پُورا پُورا عُشر دیجیے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ دیجیے۔ اِس مُلک میں اور تو کسی مال پر زکوٰۃ معلوم نہیں ہوتی، مگر جو بکریاں چرانے اور بیچنے کا پیشہ رکھتے ہیں، اُن سے زکوٰۃ لینی چاہیے تیسرے ہندوؤں سے جزیہ۔ آپ کے اپنے اپنے علاقے میں جس قدر بقّال ہیں، تاکید اور کوشش کرکے ان سے جزیہ وصُول کیجیے۔ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہوگا۔ اِس لیے کہ اگر جزیے کا پُورا پُورا روپیہ وصُول ہو جائے گا، تو چہارم حصّہ حق المحنتی آپ کو ملے گا اور تین حصّے حضرت امیر المومنین کو ارسال کیے جائیں گے چوتھے اگرچہ بیوہ عورت کے نکاح کی تاکید کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ رسم اِس مُلک میں جاری ہے، مگر یہ رسم کہ تم اپنی کنواری بیٹیوں کا نکاح روپیہ لیے بغیر نہیں کرتے یہاں تک کہ وُہ جوانی سے بھی گزر جاتی ہیں، یہ رسم اگر ترک کرو، تو معلوم ہو کہ تم اپنے دعووں کے سچّے ہو۔ جس رسم کے چھوڑنے میں تم نقصان جانو، اُسے تم ترک نہ کرو اور جس کا نفع و نقصان برابر ہے، اُس کو چھوڑو، یہ کیا دینداری اور احکامِ الٰہی قبول کرنے کا کیسا دعویٰ ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب کی یہ تقریر سُن کر ایک ملک، جن کا نام صدر الدین تھا، بولا کہ اوّل مَیں اس رسم کو اپنے گھر سے اٹھاتا ہوں۔ میری ایک بیٹی کنواری ہے۔ تین روز کے عرصے میں اس کا نکاح کردُوں گا اور روپیہ نہ لُوں گا، مگر اپنے چند غازیوں کو حکم دیجیے کہ اس روز نکاح کے بعد دس پندرہ بندوقیں داغ دیں تاکہ بستی میں شہرت ہو جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم اس سے خاطر جمع رکھو، انشاء اللہ تعالیٰ میں خود بندوقچیوں کو لے کر تمھارے مکان پر آؤں گا۔ تیسرے روز اُس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اُس نے کوشش کرکے چار پانچ نکاح ایسے ہی اور کروالئے اور کپاس کا عُشر اور بکریوں کی زکوٰۃ جاری ہوگئی اور ہندوؤں کی خانہ شماری جزیے کے لیے مکمل ہوگئی اور لوگ بخوبی اطاعت کرنے لگے۔

تینتیسواں باب

حکومتِ شرعیہ کے عمّال اور غازیوں کا قتلِ عام

اسباب و محرکات پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ پشاور اور سمہ کے پورے علاقے میں حکومتِ شرعیہ کے اُن عمّال، محصّلین، قضاۃ و محتسبین اور اُن غازیوں کو، جو پنجتار کے علاوہ پورے علاقے میں جا بجا متعین اور مقرر تھے، یک دفعہ قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا اور خفیہ طور پر یہ طے کر لیا گیا کہ ایک ہی دفعہ اس کشمکش سے، جو چند سال سے جاری تھی، ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہ کشمکش کیوں تھی اور اس فیصلہ کُن و نامبارک اِقدام کے اصلی اور اندرونی اسباب و محرکات کیا تھے؟ اُن کو اس اندوہناک واقعہ کی تفصیلات پڑھنے سے پہلے معلوم کر لینا ضروری ہے۔

اِس کشمکش کا سب سے بڑا سبب اور محرک سرداروں، خوانین اور مُلاؤں کے ذاتی اغراض و مصالح ہیں۔ سید صاحبؒ اور مجاہدین کی آمد سے پہلے یہ تمام گروہ اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل اور اپنے منافع اور فوائد کے حصول میں بالکل آزاد تھے۔ وہ سب اس علاقے میں من مانی کارروائی کرتے تھے۔ اِس علاقے میں جو کچھ پیدا ہوتا تھا، اُس سے یہ سب گروہ اپنے اپنے حصے اور مُلک کے رواج کے مطابق فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ سردارانِ پشاور رعایا کی کھیتی کا نصف غلہ وصول کرتے تھے اور مختلف اِنتظامات کا خرچ بھی رعایا کے ذمّے تھا۔ اس طرح پیداوار کا دو تہائی حصہ اُن کے پاس چلا جاتا تھا۔

سید صاحبؒ کی آمد، آپ کی بیعت و امامت اور نظامِ شرعی کے نفاذ و اجرا سے اُن کے اُن تمام حقوق و فوائد پر زد پڑی اور اُن کو صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہ صورتِ حال باقی رہی اور نظامِ شرعی کی جڑیں گہری اور مستحکم ہو گئیں، تو اُن کا یہ اقتدار اور انتفاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا اور وہ اپنے حقوق سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔ سرحد کا سارا مُلک انہی دُنیاوی حاکموں اور دینی پیشواؤں کی عملداری میں بٹا ہُوا تھا۔ جن دلوں میں ایمان کی حلاوت، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت اچھی طرح پیوست نہ ہوئے ہوں اور اُن کے بجائے مال کی محبت، جاہ و منصب کا شوق اور تن آسانی و تن پروری کی عادت راسخ ہو چکی ہو، وہ کسی دینی منفعت، اجتماعی مصلحت اور اُخروی سرفرازی و کامیابی کے لیے اپنے ذاتی منافع اور مصالح سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی حفاظت اور کاربرآری کے لیے دین کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اجتماعی مصلحت کو آسانی کے ساتھ قربان کر سکتے ہیں اور سنگین سے سنگین تر جرم کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ اغراض پرستی کے ان افسوسناک واقعات سے داغدار ہے، جن میں بارہا اجتماعی مصلحتوں کا خون ہُوا اور مستحکم سلطنتیں چند اشخاص یا کسی خاص گروہ کی ذاتی اغراض اور حقیر فوائد کی نذر ہو گئیں۔

اس کا دُوسرا سبب یہ ہے کہ صوبۂ سرحد اور افغانستان میں شریعتِ اسلامی کے بالکل متوازی ایک دُوسرا آئین و قانون صدیوں سے جاری تھا جس پر اہلِ سرحد آسمانی شریعت کی طرح عامل و راسخ تھے اور کسی حال میں اس کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس آئینِ افغانی میں اُن کے اغراض و مصالح بھی محفوظ تھے اور باپ دادا کی رسم اور صدیوں کے مُلکی رواج پر بھی عمل ہوتا تھا۔ چند صفحات پہلے ہم نے عنایت اللہ خاں سواتی اور اُس کے ساتھیوں کا یہ صاف صاف اقرار و اعلان پڑھا ہے، جو اُس نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے جواب میں کیا کہ:

> "تم کتاب و سنّت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے، قرآن و سنّت و مسئلہ سب تمہاری طرف ہیں، لیکن وہی احکام، جو کتاب و سنّت سے ثابت ہیں، ہمارے اُوپر شاق اور بار ہیں، اس لیے ہم تمہیں باجوڑ جانے سے مانع ہیں اور ہم کسی طرح تم کو جانے

نہیں دیں گے۔ اس سلسلے میں ہم جنگ کے لیے تیار ہیں۔ پھر جو فیصلہ ہو اگر ہم غالب آئے، تو ہم اپنے رسُوم افغانی پر قائم رہیں گے؛ اگر تم غالب آئے اور تمہارا عمل دخل اس مُلک میں ہُوا، تو ہم اس مُلک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کر سکیں"۔

عنایت اللہ خاں اور اُس کے ساتھیوں نے اپنے اس اعلان و اقرار میں نہ صرف سوات، بلکہ حقیقۃً اُس پورے علاقے کی اکثریت کی اصلی ذہنیت اور خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو اُس زمانے میں وہاں عام تھی۔

یہ دو بُنیادی اسباب ہیں، جنھوں نے نہ صرف غریب الوطن مجاہدین کے خلاف اس خطرناک اقدام پر آمادہ کیا، بلکہ پُورے شرعی نظام اور مستقبل کے دینی توقعات و امکانات کو درہم برہم کر دینے پر اُبھارا، جو اس مُلک میں صدیوں کے بعد پیدا ہوئے تھے اور ان اہلِ علاقہ سے، جن کو انصار کی جانشینی کرنی چاہیے تھی، ایسی قساوت اور سنگ دلی کا ظہور ہُوا جس نے میدانِ کربلا اور واقعۂ حرہ کی یاد تازہ کر دی شاید اُن کو آسانی سے ایسے سنگدلانہ فعل کی ہمت نہ ہوتی، اس لیے کہ جن کے ساتھ وحشت و بربریت کا یہ سلوک کیا گیا، وُہ مسلمان تھے اور دینی اعمال و شعائر کی پابندی میں، نیز اپنے عبادت و تقوٰی میں کھُلے طریقے پر اپنے گرد و پیش میں ممتاز اور نمایاں تھے، لیکن سردارانِ پشاور اور اُن کے درباری علمار نے نیز پیشہ ور اور رسم پرست مُلّاؤں نے اس جماعت اور اُس کے امیر کے متعلق فسادِ عقیدہ اور مسلمانوں کے جان و مال پر تعدی وغیرہ کی جو افواہیں پھیلا رکھی تھیں اور انھوں نے ان پر مختلف قسم کے جو الزامات لگائے تھے اور اُن کی تشہیر کی تھی، ان سب نے مِل کر اس فعل کے لیے اخلاقی اور مذہبی جواز مُہیا کر دیا تھا اور اگرچہ سب کار فرمائی ذاتی اغراض و نفسانیت کی تھی، لیکن اُس کو تھوڑا سا سہارا اس الزام تراشی سے بھی مل گیا تھا جس کو پشاور کی فتح اور حوالگی کے بعد سے خاص طور پر ہوا دی گئی۔

مولانا خیر الدین صاحب شیرکوٹی نے، جو لشکرِ اسلام کے ایک بڑے ذہین، ذکی اور مُبصّر عالم تھے۔ اس قتلِ عام کا بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا اور اُس کے اسباب و محرکات کو بڑی خوبی سے بیان

کیا ہے۔ وُہ اپنی ایک تحریر میں جس کا خلاصہ مولوی سیّد جعفر علی صاحب نے منظورۃ السعداء میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں :

> "تقدیرِ الٰہی اور شُہداء کی خوش قسمتی کے علاوہ اس واقعہ کے چند ظاہری سبب معلوم ہوتے ہیں : ایک تو یہ کہ اس علاقے کے لوگ زمانۂ قدیم سے اطاعت و فرمانبرداری کے عادی نہیں ہیں۔ جب اُن کو اس بات کا تنبّہ ہُوا کہ امام (امیر) کی اطاعت ضروریاتِ دین میں سے ہے، تو اُنھوں نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن اطاعت کو نماز، روزے اور عُشر کے اندر منحصر سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک اتنی ہی بات میں اطاعت ضروری تھی اور وُہ بھی مرضی کے مطابق، جتنا دل چاہتا، عُشر وغیرہ دے دیتے کم یا زیادہ۔ جب اُن سے پُورے پُورے عُشر کا مُطالبہ ہُوا اور جنگ میں شرکت نہ کرنے کا تاوان بھی طلب کیا گیا، نیز لڑکیوں کی شادی اور داماد سے کچھ لیے بغیر اُن کو رخصت کر دینے کی تاکید بھی کی گئی، تو اُن کی طبیعت پر یہ بہت شاق ہُوا اور اُن کو یہ معاملات ناقابلِ برداشت اور تکلیفِ مَا لَا یُطاق معلوم ہونے لگے۔
>
> اسی کے ساتھ وُہ محضر، جو ہندوستان اور سرحد کے عُلماء نے تیّار کیا تھا، اُس کا اثر سردارانِ پشاور کی کوشش سے جا بجا پھیل گیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ یہ گروہ، جو جہاد کے نام سے یہاں آیا ہے، وُہ دین کا مخالف ہے اور وہابی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے دل میں بدعقیدگی پیدا ہوئی۔ انھوں نے مجبوراً اُن کی اطاعت تسلیم کی۔ چونکہ مجاہدین کی قوّت و شوکت روز افزوں تھی، اُن کا کوئی قابو نہیں چلا اور حضرت امیر المومنین کی تاکید لڑکیوں کے نکاح کی بابت خود لڑکیوں کی فریاد اور درخواست پر تھی، اُنھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ انصاف فرمایا جائے۔ اس پر یہ حکم صادر ہُوا کہ جس منکوحہ کا شوہر موجود ہے، تین دن کے اندر اُس کی رخصتی کر دی جائے اور جو لڑکیاں بالغ ہو چکی ہیں اور اُن کے شوہر غیر موجود ہیں، ایک مہینے

کے اندر اُن کا نکاح اور رخصتی کر دی جائے۔ جن لڑکیوں کی نسبت ہو چکی تھی، اُنھوں نے ان لوگوں سے، جو اس کام کے لیے مُقرر ہُوئے تھے، اپنی رخصتی کی درخواست کی۔ چونکہ اہلِ علاقہ احکامِ شرعی قبول کر چکے تھے، اس لیے اُن کا حیل وحُجت کرنا معقول نہ تھا۔ اپنے مروجّہ رسُوم و عادات کا، جو خلافِ شرع تھے، ترک کرنا مناسب تھا۔ (یہ سب ناراضگی اور شکایت مقامی خوانین تک محدود تھی) باقی ہندو بنیے اور اہلِ حرفہ ہندستانیوں کی حکومت سے بہت خوش تھے۔ خوانین کی حکومت میں بڑا ظلم تھا۔ وہ اپنی لڑکیوں کی شادی میں رعیّت سے بڑی گراں قدر رقمیں وصُول کرتے تھے۔ یہ سب احکامِ شرعی کے اجرا کی وجہ سے موقوف ہو گیا۔ اس لیے یہ سب حضرت امیر المومنین اور ہندستانیوں کو بڑی دُعائیں دیتے تھے کہ ان کی وجہ سے وہ اس ظلم و تعدی سے محفوظ ہو گئے۔[1]

مذکورۂ بالا اسباب میں اتنا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ سمہ کے علاقے میں جو غازی متعین یا مقیم تھے یا کبھی کبھی کسی ضرورت سے دَورہ کرتے تھے، اُن میں سے جن کو زیادہ صحبت و تربیت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہُوا تھا یا مزاجاً درشت اور لااُبالی واقع ہُوئے تھے، اُن سے کہیں کہیں بے عنوانیوں اور تعدّی کے واقعات بھی پیش آئے۔ انسانی فطرت ناقابلِ تبدیل ہے۔ اتنی بڑی جماعت کا ایک اخلاقی اور دینی معیار پر ہونا اور شریعت و اخلاق کے سانچے میں سر سے پاؤں تک ڈھل جانا بعید از قیاس ہے۔ جو لوگ نو وارد تھے یا پست معاشرے اور خاندانی ماحول سے تعلق رکھتے تھے، اُن سے شاذ و نادر ایسے واقعات بھی ظاہر ہُوئے، جو اہلِ علاقہ کے لیے آزردگی کا سبب بنے۔ سیّد صاحبؒ کو جب ان کا علم ہُوا، تو سختی کے ساتھ اُن کی سرزنش فرمائی اور فوراً اُن کے تدارک کا انتظام فرمایا۔ مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں: جب آپ کو چھیدیا بیلدار کے متعلق، جو رائے بریلی کا رہنے والا تھا، معلوم ہُوا کہ اُس نے کہیں سے ایک تلوار حاصل کر لی ہے، اپنے سر کے بال سکھوں کی طرح بڑھاتے ہیں، دیہاتوں میں گشت کرتا ہے اور ہر جگہ کھانے کی فرمائش

---

[1] منظورۃ السعدا، ص ۱۰۳۹، ۱۰۴۰۔ مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ میری دانست میں رخصتی کی مدت مختلف تھی، کسی کے لیے کم کسی کے لیے زائد۔ منشی محی الدین کشمیری (مشہور بہ منشی امان زئی) خضر خاں اور حافظ عبد اللطیف تاکید کے لیے مقرر تھے۔ جن لڑکیوں کی نسبت ہو چکی تھی، انھوں نے خود ان حضرات کے ذریعے اپنے شوہروں سے رخصتی کی درخواست کی۔

کرتا ہے، تو آپ کو سخت غصّہ آیا اور بلند آواز سے فرمایا کہ سُن لو، مَیں ظالموں کا دشمن ہُوں، ظالم کا سر پتھر سے کُچلوں گا۔ آپ نے ایک شخص کو حُکم دیا کہ اِس بیلدار کی تلوار چھین لو اور اُس کی گوشمالی کرو کہ پھر مُسلمانوں پر حکومت نہ کرے اور اپنے روزمرّہ کے کام دیوار بنانے اور زمین کھودنے میں مشغول ہو، ورنہ ہم خود اپنے ہاتھ سے اُس کو سزا دیں گے۔ اِسی طرح کریم بخش (جو مولوی نصیرالدین صاحب منگلوری کے رفیقوں میں تھے) کے متعلق معلوم ہُوا کہ بدوضعی اختیار کی ہے اور لکھنؤ کے آزاد اور شوقینوں کی طرح صُورت اور لباس اختیار کیا ہے، مایار اور پشاور کی جنگوں میں شرکت بھی نہیں کی، خُفیہ خُفیہ رعایا پر ظُلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کو میرے پاس گرفتار کرکے لاؤ، مَیں خود اُن کو ایسی سزا دُوں گا کہ ساری شرارت دماغ سے اُڑ جائے گی۔[1]

وقائع احمدی میں بعض بعض عُمّال کی سختی اور بے عنوانی کی شکایت کے واقعات بھی ہیں۔ اسی کے انتظام کے لیے مولوی رمضان صاحب کو قاضی القُضاۃ بنایا گیا تھا اور اُن کو پُورے علاقے کا دَورہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ حمزہ علی خاں رسالدار کو بھی تاکید تھی کہ وُہ اِس کی نگرانی رکھیں کہ کوئی رعایا پر کسی قسم کا ظُلم و تعدّی نہ کرنے پائے۔ حُکم تھا کہ جس پر ظُلم ہو، وُہ سیّد صاحبؒ کے یہاں نالش کرے اور واقعات کی اطلاع کرے لیکن جیسا کہ منظورہ میں ہے، اہلِ سرحد کو نالش و فریاد کرنے اور ذِمّے داروں کو واقعات کی اطلاع دینے کی بہت کم عادت ہے۔[2] وُہ اندر ہی اندر اپنی ناراضگی اور شکایت کو رکھتے ہیں اور جب موقع مِلتا ہے، اشخاصِ متعلقہ سے اس کا سخت انتقام لیتے ہیں۔

سیّد صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے خلاف عُلمائے سرحد کے الزامات

سیّد صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے اکثر علماء حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرح مسائل میں تحقیقی مسلک رکھتے تھے اور فقہ و حدیث کی تطبیق کی کوشش کرتے تھے، لیکن تیرھویں صدی میں تمام عالمِ اسلامی میں بالعمُوم، ہندوستان میں بالخصُوص اور سرحد و افغانستان میں بالاخص جو دینی اور عِلمی جمُود طاری تھا، اُس کے سامنے مروّجہ عادات اور عوام کے مسلک سے سرِمُو انحراف اور ہر ایسی تحقیق، جو عُلماء کے لیے نامانُوس اور نئی تھی، الحاد و زندقہ اور

---

[1] منظورہ، ص ۹۶۰، ۹۶۱　[2] منظورہ، ص ۹۵۸

مذہب سے آزادی کے مرادف تھی۔ چنانچہ سرحد کے علماء نے مشہور کیا کہ یہ ہندوستانی عُلماء اور اُن کا امیر لامذہب لوگ ہیں، خواہش نفسانی کے پیرو اور آزاد خیال ہیں۔ عوام میں اس پروپیگنڈے کا جو اثر ہوا ہوگا، اُس کا اندازہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

مجاہدین کے ساتھ جنگ کرنے میں جو بعض مُسلمان سردار اور باغی قتل ہوئے تھے (جس کے اسباب اور تفصیلات اُوپر گزر چکی ہیں) اُن کا قتل اور اُن کے علاقوں پر قبضہ بھی مجاہدین کے خلاف سخت الزام تھا۔ عُلماء کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان کے جان و مال کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور بلا وجہ شرعی مسلمانوں کی جان و مال پر دست درازی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اُس سے آگے بڑھ کر مجاہدین کو باغی، اور باغی مقتولین کو شہید کہتے تھے۔

اِن دو الزامات کے علاوہ ذاتی طور پر سیّد صاحبؒ کے متعلق ان لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ آپ نہایت دُرشت مزاج، زُود رنج اور غضبناک آدمی ہیں۔ کوئی اگر نصیحت کرے یا معقول بات کہے، تو ناراض ہو جاتے ہیں اور اُس کے ایذا کے درپے ہو جاتے ہیں۔ سیّد صاحبؒ نے ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے اور ان الزامات کی تردید کے لیے عُلماء پشاور کے نام ایک پُر زور اور مُدلّل خط لکھا، جو قلمی خطوط کے مجموعے میں شامل ہے۔ اس خط سے سیّد صاحبؒ کے بہت سے خیالات اور اُس وقت کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اُس خط کے بعض حصّے نقل کیے جاتے ہیں۔

مذہبی بے قیدی کے الزام کا ذکر فرماتے ہیں اور اُس کا جواب دیتے ہیں:

چناں شنیدہ ایم کہ از جملہ مفتریات آں	سُننے میں آیا ہے کہ ان افترا پردازوں کا ایک
مفتریان آنست کہ ایں فقیر را، بلکہ زُمرۂ	افترا یہ ہے کہ اس فقیر، بلکہ پوری جماعت مجاہدین
مُجاہدین بالحاد و زندقہ نسبت می نمایند	کو الحاد و زندقہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور
یعنی، چُناں اظہار می کنند کہ ایں جماعت	اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان پردیسیوں کا
مُسافرین ہیچ مذہب ندارند و بہیچ مسلک	کوئی مذہب نہیں اور یہ کسی مسلک کے پابند
مُتقیّد نیستند، بلکہ محض راہِ نفسانیت می پویند	نہیں بلکہ محض نفسانیت پرست اور لذات
و بہرچہ لذاتِ نفسانی می جویند خواہ موافقِ کتاب باشد خواہ	نفسانی کے جویا ہیں، خواہ کتاب اللہ کے

مخالفت۔ معاذ اللہ من ذالک! پس باید دانست کہ نسبتِ ما مردم باین امرِ شنیع افترائیست قبیح و بہتانیست صریح۔ این فقیر در بلادِ ہندوستان گمنام نیست۔ اُلوفِ اُلوف انام از خواص و عوام این فقیر و اسلافِ این فقیر را می دانند کہ مذہب این فقیر اَباً عَن جَدٍّ حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال این ضعیف بر قوانینِ اُصُولِ حنفیہ و آئینِ قواعد ایشاں منطبق است۔ یکے ازاں خارج از اصُولِ مذکورہ نیست اِلّا ما شاء اللہ۔ آنچہ از ہمہ افرادِ انسان بسببِ غفلت و نسیان صادر می گردد کہ بخطائے خود معترف می باشد و بعد از اعلام براہِ راست معاودت می نماید۔ آرے، در ہر مذہب طریق محققین دیگر می باشد و طریقِ غیرِ ایشاں دیگر۔ ترجیح بعضِ روایات بر بعضِ دیگر بقوتِ دلیل و توجیہ بعضی عبارات منقول از سلف و تطبیق مسائل مختلفہ مدوّن در کتب و امثال ذالک دائماً از کاروبارِ اہلِ تدقیق و تحقیق است باین سبب

موافق ہو یا مخالف۔ خدا کی پناہ! واضح ہو کہ ہم غریبوں کی اس امرِ شنیع کی طرف نسبت محض افترا و بہتان ہے۔ یہ فقیر اور اس فقیر کا خاندان ہندوستان میں گمنام نہیں۔ ہزاروں ہزار آدمی، کیا خاص اور کیا عام، اس فقیر کو اور اس کے بزرگوں کو جانتے ہیں اور اُن کو معلوم ہے کہ اس فقیر کا مذہب اَباً عَن جَدٍّ حنفی ہے اور اس وقت بھی خاکسار کے تمام اقوال و اعمال احناف کے اصُول، قوانین اور قواعد کے مطابق ہیں، ان میں سے ایک بھی ان اصُول سے باہر نہیں۔ ہاں، انسان سے بمقتضائے بشریت جو کچھ غلطی ہو جائے، اس کا امکان ہے اور اس کے ہو جانے کے بعد اس کا اعتراف ہے اور اگر کوئی تنبیہ کرے، تو رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں۔ البتہ، ہر مذہب میں محققین کا طریقہ اور ہوتا ہے اور غیر محققین کا اور۔ بعض روایتوں کو بعض پر ترجیح دینا دلیل کی قوت کا لحاظ کر کے سلف سے منقول، عبارتوں کی توجیہ مختلف مدوّن مسائل میں تطبیق دینا اور اس طرح کی باتیں اہل تدقیق و تحقیق کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔

ایشاں خارج از مذہب نمی توانند شُد، بلکہ ایشاں را لُبِّ لُبابِ اہلِ آں مذہب باید شمرد۔ ہر کہ دریں مقدمہ شُبہہ داشتہ باشد، لازم کہ نزدِ ایں فقیر آمدہ بالمشافہ حلِّ اِشکال نماید، یا خود بفہمد یا ایں فقیر را بفہماند۔

محض اتنی سی بات پر وُہ مذہب سے خارج نہیں ہو جاتے، بلکہ ان لوگوں کو اس مذہب کے پَیرووں کا لُبِّ لُباب سمجھنا چاہیے جس شخص کو اس مسئلے میں کچھ شُبہہ ہو، اس کو چاہیے کہ اس فقیر کے پاس آکر زبانی اور رُو در رُو اس اِشکال کو حل کرے یا خود سمجھ لے یا اس فقیر کو سمجھا دے۔

مُسلمانوں کی جان و مال کی بے وقعتی اور دست درازی کے اِلزام کا جواب دیتے ہیں :

و از جملۂ مُفتریاتِ آں مُفتریانِ مذکور آنست کہ ایں فقیر را بظلم و تعدی نسبت می کنند کہ ایں فقیر بر جان و مالِ مُسلمین بلا وجہِ شرعی دست درازی می کُند و دریں باب بچرب زبانی، حیلہ سازی می نماید۔ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ! ایں فقیر گاہے کسے را بلا وجہِ شرعی یک تازیانہ ہم نہ زدہ باشد، بلکہ زدنِ سنگ ہم بلا وجہ از عاداتِ ایں فقیر نیست۔ ہر کہ چند روز با فقیر ملازمت کردہ باشد، لابُد بریں معنی آگاہ شُدہ باشد۔ فامّا آنچہ سرزنش و گوشمالِ ملکِ جبّار از دستِ ایں ذرّۂ بے مقدار

ان افترا پردازوں کا ایک افترا یہ ہے کہ اس فقیر پر ظلم اور دست درازی کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وُہ مسلمانوں کے جان و مال پر بلا وجہِ شرعی دست اندازی کرتا ہے اور اس بارے میں چرب زبانی اور حیلہ سازی سے کام لیتا ہے۔ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ! اس فقیر نے تو کبھی کسی کو بلا وجہِ شرعی ایک کوڑا بھی نہ مارا ہو گا، بلکہ بلا وجہ کُتّے کو بھی مارنا اس کی عادت نہیں۔ جس شخص کو چند دن بھی اس کے ساتھ رہنے کا اتّفاق ہُوا ہے، اُس کو ضرور اس بات کا علم ہو گا۔ باقی اللہ نے اس ناچیز کے ذریعے بعض مُنافقین و مُرتدّین کی جو سرزنش اور

بہ بعضے از مرتدینِ اشرار و منافقین بدشعار رسید، پس آں را از اعاظمِ سعاداتِ خود می شمارم و اولیٰ علاماتِ مقبولیتِ خود می انگارم بلکہ غیرت در اعانتِ دین و رغبت باہانتِ معاندین از لوازمِ ایمان است۔ ہر کہ غیرتِ ایمانی حمیتِ اسلامی نمی دارد، فی الحقیقت ایمان نمی دارد۔ آیۂ کریمۂ تبارک و تعالیٰ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (۵ : ۵۴)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (۹ : ۷۳)

و اگر بالفرض والتقدیر چیزے ازیں قبیل از دستِ ایں فقیر صادر شدہ باشد پس ایں فقیر را بطریقِ وعظ و نصیحت برآں آگاہ باید گردانید، نہ ایں کہ بطریقِ غیبت

گوشمالی فرمائی ہے، اس کو میں اپنی انتہائی سعادت اور اللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اعانتِ دین میں غیرت اور معاندین کی اہانت و تذلیل کا شوق ایمان کے لوازم میں سے ہے، جس میں غیرتِ ایمانی نہیں حقیقت میں ایمان سے عاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے لوگو، تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا، (تو اللہ کو کچھ پروا نہیں) کہ وہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئیگا، جو مومنین کے حق میں نرم ہوں گے، کافروں کے حق میں سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔" (المائدہ : ۵۴)

(اور فرمایا) "اے نبیؐ، کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔" (التوبہ : ۷۳)

اور اگر بالفرض کوئی چیز اس فقیر کے ہاتھ سے ایسی صادر ہوئی ہو، تو فقیر کو وعظ و نصیحت کے ذریعے اس پر آگاہ کر دیا جائے، نہ یہ کہ محفلوں اور مجلسوں میں اس کی غیبت کی

درمیان محافل و مجالس مذکور نمایند و فقیر را بآں سہو و نسیان مطعون سازند و بر ہمیں خیال از رفاقتِ ایں فقیر در امرِ جہاد و مشارکتِ زمرۂ مجاہدین دست بردار شوند کہ حدیث "اَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَ لَا عَدْلُ عَادِلٍ" درمیانِ ہمہ اہلِ حدیث مشہور است ۔

بالجملہ درخواستِ ایں فقیر از جمیع علماءِ زمانہ ہمیں است کہ تمام مسلمین را عموماً و ایں فقیر را خصوصاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر نمایند و براہِ راست ہدایت فرمایند و آنچہ اعتراض و اشکال در غیبت ذکر می نمایند، آں را بالمشافہ بدلائلِ شرعیہ بپایۂ اثبات رسانند و رُوئے ایں فقیر را بوعظ و تذکیر از راہِ خود پرستی براہِ خدا پرستی گردانند کہ مستعد بر ہمیں امر است کہ اگر بر چیزے از اقوال و افعالِ خود مطلع شود کہ مخالفِ حکمِ خدا و رسولؐ باشد، فی الفور ازاں توبہ نماید و براہِ راست مراجعت کند

جائے اور فقیر کو سہو و نسیان پر نشانۂ طعن بنایا جائے اور محض اس بنا پر جہاد میں اس کی رفاقت اور جماعت مجاہدین کے ساتھ شرکت چھوڑ دی جائے۔ حدیث میں آیا ہے: "جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ کسی ظالم کا ظلم اور کسی منصف کا انصاف اس کو اٹھا نہیں سکتا۔ یہ حدیث علماء حدیث کے یہاں مشہور ہے۔

مختصراً اس فقیر کی تمام علماءِ وقت سے یہی درخواست ہے کہ تمام مسلمانوں کو بالعموم اور اس فقیر کو بالخصوص بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سیدھے رستے کی رہنمائی کریں اور جس اعتراض و اشکال کا غیبت میں ذکر کرتے ہیں، اس کو رُو در رُو شرعی دلائل سے ثابت کریں اور اس فقیر کا رُخ خود پرستی سے خدا پرستی کی طرف موڑ دیں۔ وہ اس کے لیے بالکل تیار ہے کہ اگر اپنے اقوال و افعال میں سے کوئی ایسی چیز اُس کو معلوم ہو، جو خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو، تو وہ فی الفور اس سے توبہ کرے گا اور سیدھے راستے کی طرف لوٹ آئے گا۔

اگر مجادلین مذکورین بر افعال و اقوال ایں	اگر معترضین جو اس فقیر کے اقوال و افعال
فقیر اعتراض می دارند و آں را مخالف	پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کو مخالف شرع
شرع می انگارند، باز ایں فقیر را برآں	سمجھتے ہیں، اگر خود اُس کو اس کی اطلاع نہ
مطلع نہ گردانند و قدرے رنج سفر کشیدہ	کریں گے اور کچھ زحمت سفر برداشت کر
آں را بالمشافہ بپایۂ اثبات نرسانند،	کے بالمشافہ اس کو ثابت نہ کریں گے، تو اس
پس وبالِ آں ہمہ بر گردنِ ایشان است۔	کا وبال اُنھیں کی گردن پر ہوگا۔
و آنچہ بعضے از سفہاءِ دروغ گو	اور بعض دروغ گو، کم عقل اور
و حمقاءِ فتنہ جو مشہور گردانیدہ کہ ہر کہ	مفسدوں نے یہ جو مشہور کیا ہے کہ علماء و
از علماءِ کرام و فضلاءِ ذوی الاحترام ایں	فضلاء میں سے جو صاحب اس فقیر کو
فقیر را امر بالمعروف و نہی عن المنکر	بھلائی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے
می نمایند، ایں فقیر با ایشاں بقہر و غضب	ہیں، یہ فقیر اُن کے ساتھ قہر و غضب سے
پیش می آید و بجان و مالِ ایشاں مضرت	پیش آتا ہے اور اُن کی جان و مال کو نقصان
می رساند و بدست و زبانِ ایشاں را بجبر	پہنچاتا ہے اور اپنے ہاتھ اور زبان سے
بتنِ از تجبرہ می رنجاند، پس ایں امر باطل	اُن کو کسی نہ کسی طرح آزار پہنچاتا ہے، پس یہ
محض است و افتراءِ بحت۔ بارہا جواسیس	بات محض بے اصل و بے بنیاد ہے اور محض
کفار و منافقین را گرفتہ و با ایشاں کلام	بہتان و افتراء۔ بارہا کفار و منافقین کے
غضب ہم نہ گفتہ، بلکہ از ایذاءِ ایشاں	جاسوس گرفتار ہوئے ہیں اور اُن سے خفگی
بالکل دست برداشتہ و ایشاں را بسلامت	کی بات بھی نہیں کی، بلکہ اُن کو تکلیف دینے سے بھی
و عافیت واگذاشتہ۔ چوں بجواسیس	احتراز کیا ہے اور اُن کو عافیت و سلامتی کے ساتھ
کفار و منافقین ایں معاملہ کردہ باشد،	رہا کر دیا گیا ہے۔ جب کفار اور منافقین کے جاسوسوں
آیا ہیچ عاقل تجویز ایں معنی خواہد نمود	کے ساتھ ایسا معاملہ روا رکھا ہے، تو کوئی عقلمند آدمی

کہ ایں فقیر با علماءِ عظام و فضلاءِ کرام کہ محض بر بناءِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نزدِ ایں فقیر آمدہ باشند، کلامِ غضب سخنِ سخیف درمیان آرد؟ ایں امر بعید است از خُلقِ ایمانی و ابعد از مروّتِ انسانی است۔ مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ!

یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ فقیر علماء اور فضلاء کے ساتھ محض فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجا آوری کی پاداش میں غصّہ کی بات یا خلافِ شان گفتگو کرے گا؟ یہ بات ایمانی اخلاق اور انسانی مروّت سے بہت بعید ہے۔ ایسے کام سے اللہ کی پناہ!

چونتیسواں باب

ابرارِ مجاہدین کی مظلومانہ شہادت

فتنے کا آغاز وقائع احمدی میں ہے کہ " ایک دن مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کا خط آیا، جس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ چند روز سے یہاں پشاور میں اور سردار سُلطان محمد خاں کے دربار میں مُلک سمہ کے خوانین کے آدمیوں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مَیں اطلاعاً لکھ رہا ہوں۔ آپ نے اُس کے جواب میں اُن کو لکھا کہ اس سے پہلے سمہ کے خوانین اور دُرّانیوں میں نااتّفاقی تھی، اِس لیے آمد و رفت بند تھی؛ اب اتّفاق ہو گیا ہے۔

مولوی سید مظہر علی صاحب سے سُلطان محمد خاں کی جواب طلبی اور علماء کا سوال و جواب منظورہ میں ہے کہ مولوی سید مظہر علی صاحب نے پشاور سے ایک طویل خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے نام لکھا، جس میں اُنھوں نے تحریر فرمایا کہ ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ ارباب فیض اللہ خاں نے مجھ سے کہا کہ سرداران پشاور کی نیت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہُوا ہے کہ وہ حضرت امیر المومنین سے عداوت کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ میرے اور آپ کے ساتھ بھی کچھ دغا اور فریب کریں گے۔ اِس لیے ں کا خیال رہے کہ جب وُہ مجھے اپنی مجلس میں طلب کریں، تو اُس وقت آپ کو وہاں نہیں ہونا چاہیے ر جب آپ کو طلب کریں، تو مَیں موجود نہیں رہوں گا۔ میرا ارادہ تھا کہ مَیں آپ کو اس سے مُطّلع کر دُوں کہ

اسی اثنا میں سردار سلطان محمد خاں نے مجھے[1] اپنی مجلس میں طلب کیا۔ میرے پہنچنے سے پہلے اُس نے شہر کے تمام عُلمار کو بُلا رکھا تھا۔ سردار نے مجھ سے اپنے بھائی (یار محمد خاں) کے قتل کے بارے میں استفسار کیا کہ وُہ قتل ناحق تھا یا برحق۔ عُلمار بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس سوال و جواب میں شریک تھے۔ مَیں نے کہا: "اس شور و غوغا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سب کو خاموش کر دیں اور اپنے میں سے ایک کو وکیل بنا دیں تاکہ وُہ اہلِ مجلس کی طرف سے بات کرے اور مَیں اُس کو جواب دوں۔" اس پر ہنگامہ کم ہُوا اور انھوں نے ایک عالم کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ مَیں نے کہا: "یار محمد خاں کا نام لینے کے بجائے اگر خادی خاں کا نام لے کر اُس کے متعلق دریافت کیا جائے، تو مناسب ہوگا، اس لیے کہ یار محمد خاں کے نام سے سرداروں کا دل دُکھے گا اور اُن کو رنج ہوگا۔" اس کے بعد مَیں نے کہا: "جب سردار سلطان محمد خاں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہاتھ پر امیر المومنین کے نائب کی حیثیت سے بیعت کی، تو اُسی وقت اس شبہے کا ازالہ کیوں نہ کر لیا؟" سلطان محمد خاں نے جواب دیا: "اُس وقت عُلمار موجود نہ تھے۔ سب تمھارے لشکر کے خوف سے کوہستان میں چلے گئے تھے۔ ہم ناواقف تھے، ہم نے بلا تحقیق بیعت کر لی۔" میں نے کہا: "یہ بات عجیب ہے کہ آپ کو اپنے بھائی کا مقتول ہونا اُس وقت یاد نہیں رہا اور آپ یہ کیسے فرماتے ہیں کہ اُس وقت علمار موجود نہیں تھے؟ آپ کے اُستاد محمد عظیم آخون زادہ اُس وقت شہر میں موجود تھے اور سیّد صاحبؒ سے انھوں نے ملاقات بھی کی تھی!"

گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ اہلِ مجلس کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے جو وکیل مقرر ہُوا تھا، اُس نے کہا: "آپ سردار صاحب سے کچھ نہ کہیے۔ ہماری اس بات کا جواب دیجیے کہ آپ نے سردار یار محمد خاں کو کیوں قتل کیا اور اُن کے مال کو کس طرح حلال سمجھ کر کھایا۔ کیا وُہ مسلمان نہ تھے؟" میں نے کہا: "سردار مذکور و خادی خاں دونوں نے حضرت امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی تھی۔ جب اُن دونوں نے بغاوت اختیار کی، تو اُن کا قتل شرعِ شریعت کی رُو سے جائز ہو گیا۔ باغیوں کا مسئلہ فقہ کی کتابوں میں دیکھ لو۔" اُس شخص نے جواب دیا: "یار محمد خاں نے کیا بغاوت کی تھی؟" میں نے کہا: "وہ پشاور سے فوج کشی کر کے توپوں، شاہینوں اور ہزارہا سوار اور پیادوں کے ساتھ ہُنڈ اور زیدہ آئے۔ حضرت امیر المومنین

---

[1] یعنی سید مظہر علی صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ مجھے سردار سلطان محمد خاں نے طلب کیا۔

نے عُلما کے ذریعے پیغام دیا کہ اس طرح ہم پر چڑھ کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر خادی خاں کے بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں، تو مسئلے کو کتاب میں دیکھنا چاہیے کہ ہمارا خادی خاں کو قتل کرنا مسئلے کے مطابق تھا یا نہیں؟ اگر یہ مسئلے کے مطابق ہے، تو چوں و چرا کی گنجائش نہیں، اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو، تو ہم خود شرعی سزا کے لیے تیار ہیں۔ تمھاری فوج کشی کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُنھوں نے اس پر کان نہیں دھرا اور اُن عُلما سے جو پیغام لے کر آئے تھے کہا: ”اگر تم دوبارہ سیّد کا پیغام لے کر آئے، تو ہم تمھارے کان کٹرا دیں گے“: مجبور ہو کر حضرت امیر المومنین نے اُن کے مقابلے کے لیے فوج بھیجی اور اس کا جو کچھ انجام ہُوا، آپ کو معلوم ہے“۔

اُس طرف کے عُلما بولے: ”یار محمّد خاں خود امام تھے۔ خادی خاں پہلے یار محمّد خاں کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کر چکے تھے۔ جب تم نے خادی خاں کو قتل کیا، تو سردار نے مجبور ہو کر خادی خاں کے انتقام کے لیے لشکر کشی کی“: مَیں نے جواب دیا: ”پہلے تو آپ یہ ثابت کیجیے کہ سردار یار محمد خاں نے اپنی پُوری عُمر بھر میں کبھی امامت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اُن کے لیے شرائطِ امامت ثابت کیجیے۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے، تو جب یار محمّد خاں نے امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کر لی، تو اپنی امامت کو خود کالعدم قرار دے دیا اور امیر المومنین کے مبایعین میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی لشکر کشی اور سرتابی عین بغاوت ہے“۔

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ عُلمائے شہر میں سے ایک نے کہا: ”آج تو آپ امامت اور بغاوت کے مسئلے میں گفتگو کر رہے ہیں، لیکن آپ کے گروہ کے تمام لوگ ہمارے سرداروں کے بھائیوں کے بارے میں ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ وہ مُنافق ہیں، حالانکہ حضرت علیؓ[1] کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ نفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں تھا؛ اس زمانے میں یا تو کُھلا ہُوا کُفر ہے یا اسلام۔ دُوسرے یہ کہ منافقوں کا قتل ممنوع بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی وغیرہ مُنافقین کو قتل نہیں کیا“۔

مَیں نے اس کے جواب میں کہا: ”ہم نے اُن کے قتل کی علّت بغاوت کو قرار دیا ہے، نہ کہ نفاق

---

[1] یہ قول بجائے حضرت علیؓ کے کتابوں میں حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔

کو"۔ اِس پر مجلس برخواست ہو گئی۔

مولوی سیّد مظہر علی صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے اس کی بھی فرمائش کی کہ وُہ دلائلِ قطعیہ سے عُلماء کے ان شبہات کا جواب بھی دیں۔ مولانا نے دو قطعہ خط لکھے: ایک میں یار محمد خاں کے ایسے نفاق کا ثبوت، جو مُستوجبِ قتل ہوتا ہے، دُوسرے میں اس کا ثبوت تھا کہ اُس نے ظلم کی ابتدا کی، اس کی وجہ سے قتل کی نوبت آئی۔ خط میں ہدایت تھی کہ اگر اس مسئلے میں دوبارہ گفتگو کی نوبت آئے اور عداوت اور اصرار میں زور بڑھ گیا، تو پہلا خط اُن کے پاس بھیج کر بلا توقّف و تاخیر اس طرف کا رُخ کرنا چاہیے اور اگر اس مسئلے میں گفتگو ہو کر اس میں بحث و مباحثہ کی نوبت نہ آئے، تو دُوسرا خط اپنے پاس رکھا جائے اور اُن سے رُخصت طلب کر کے اِس طرف کا قصد کرنا چاہیے اور اس مسئلے میں اپنی طرف سے گفتگو کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے اور اگر کوئی دُوسرا اس مسئلے کو پیش کرے، تو جواب نرمی سے دیا جائے۔ آخر میں ہدایت کی کہ حالات کی اطلاع دی جاتی رہے۔[1]

مکتوب میں اس شبہے پر علمی بحث تھی کہ نفاق و منافقین کا وجود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور اُس کے بعد اُن کا وُجود ختم ہو گیا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا: "اِس قول کا مطلب یہ ہے کہ منافقین کا قطعی علم جیسا زمانۂ رسالت میں (وحی کی وجہ سے) ہو سکتا تھا، بعد کے زمانے میں نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے قُرونِ متاخرہ میں مُنافقین کی قطعی تعیین مُمکن نہیں۔ اسی لیے جب تک کوئی شخص اپنے ایمان کا اظہار کرے گا اور کلمہ گو ہو گا، مسلمان اُس کو مُسلمان سمجھتے رہیں گے، لیکن جس وقت وُہ اپنے خُبثِ باطن اور کُفر کا اظہار کرے گا، تو وُہ کافروں میں شمار کیا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو جن حدیثوں میں مُنافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ "وَ إِنْ صَلّٰى وَ صَامَ وَ ظَنَّ أَنَّهٗ مُسْلِمٌ" (چاہے، وُہ نماز روزہ کرتا ہو اور اپنے کو مسلمان ہی سمجھتا ہو) ان احادیث کا مصداق ہو گا۔[2]

---

[1] منظورہ، ص۹۶۵ تا ص۹۶۷

[2] مُحققین کا مسلک یہی ہے کہ نفاق فطرتِ انسانی کی ایک کمزوری اور ایک ایسا اخلاقی اور نفسانی مرض ہے، جو کسی زمانے اور مقام سے مخصوص نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی جلیل القدر تصنیف "الفوز الکبیر" میں اس پر مختصر اور بڑی عالمانہ بحث کی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور جمہور محققین کا یہی مسلک ہے اور اب اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت، حصۂ اوّل، از مُصنّف، "تذکرہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ"۔

ایک مخلص کی اطلاع ایک دن پنجتار کے قریب کی مسجد کے امام[1] سید اصغر نے شیخ عبدالعزیز صاحب سے کہا کہ آج اس بستی میں خوانین کا مشورہ تھا۔ تم کو کچھ اس کا حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا ہم کو کیا معلوم؟ کسی امر کا مشورہ ہوگا۔ اُس نے غصے ہو کر کہا: "تم ہندوستانی لوگ بڑے سیدھے ہو، کچھ اپنے حال سے خبر نہیں رکھتے۔" انھوں نے گھبرا کر پوچھا: "کیا بات ہے؟" سید اصغر نے کہا کہ میں مسلمان ہوں، کافر نہیں ہوں۔ یہاں کے سب خوانین کافر ہو گئے۔ انھوں نے یہ مشورہ کیا ہے کہ جس جس بستی میں سید بادشاہ کے غازی متعین ہیں، آج کے چھٹے روز سب قتل کیے جائیں گے۔ سو جلد جا کر یہ خبر سید بادشاہ کو کرو کہ اس کے دفع کی کوئی صورت تجویز کریں اور اپنے غازیوں کو جا بجا سے بلوا کر اکٹھا کریں۔

شیخ عبدالعزیز صاحب نے اپنے بڑے بھائی شیخ حسن علی صاحب سے ذکر کیا۔ اوّل تو انھوں نے بڑے زور سے تردید کی، پھر سمجھانے بجھانے سے سید صاحبؒ کو اس کی اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ بھائی، تم سے یوں ہی کسی نے کہہ دیا ہے۔ پھر شیخ عبدالعزیز صاحب نے خود جا کر گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اطلاع غلط معلوم ہوتی ہے، لوگ ہمارے اور اُن کے درمیان نااتفاقی ڈالنے کو ایسی خبر اڑاتے ہیں۔

مولوی مظہر علی صاحب اور ارباب فیض اللہ خاں کی شہادت محمد امیر خاں قصوری بیان کرتے ہیں کہ دوسری یا تیسری رات کو میرا پہرہ تھا۔ اچانک ایک سوار نے آکر آواز دی کہ پہرے پر کوئی ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں، میں پہرے پر ہوں۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا کہ میں امام الدین ہوں اور پشاور سے آیا ہوں۔ سید صاحبؒ کو جلد میری اطلاع کرو۔ سید صاحبؒ نے اپنے پاس بلا لیا۔ آپ نے فرمایا: "کہو، کیا بات ہے؟" امام الدین نے عرض کی: "سردار پیر محمد خاں نے مولوی مظہر علی صاحب کو دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بلایا۔ اُن کو اور چار غازیوں اور ارباب فیض اللہ خاں کو شہید کر دیا۔"

سید صاحبؒ نے یہ واقعہ سن کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، شیخ ولی محمد صاحب اور ارباب بہرام خاں

---

[1] منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع دکھاڑا کی مسجد کے امام تھے، جو پنجتار کے قریب جانب مشرق چند میل کے فاصلے پر ہے۔

وغیرہ کو بلا کر یہ حادثہ بیان کیا اور علاقۂ سمہ کے دیہات میں جو مجاہدین متعین تھے، اُن کو بلانے اور اکٹھا کرنے کے لیے فرمایا۔ اس مشورے میں جو رات باقی تھی، وہ گزر گئی۔[۱] دن کو سید صاحبؒ نے سید اسمٰعیل رائے بریلوی کو بلا کر فرمایا کہ اسی وقت تم ہمارے اشدر گھوڑے پر سوار ہو کر جلد موضع شیوہ کو جاؤ اور مولوی رمضان شاہ قاضی القضاۃ سے خلوت میں بلا کر کہو کہ پشاور میں درانیوں نے مولوی مظہر علی اور کئی غازیوں کو شہید کر دیا ہے۔ تم کو سید صاحبؒ کا حکم ہے کہ اسی وقت اپنا سب کارخانہ جہاں کا تہاں چھوڑ کر اپنے سب لوگوں کے ساتھ ہمارے پاس چلے آؤ اور یہی بات یاردسین[۲] میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں سے کہو اور دو چار سوار رسالدار سے لے کر اور یہی پیغام لے کر اس اطراف کی بستیوں کے غازیوں کے پاس بھیج دینا اور تم یہ خبر پہنچا کر کہیں نہ ٹھیرنا، یہیں چلے آنا۔[۳] مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے حکم دیا کہ توپ کو کھینچ کر مسجد کے شمال مغرب کی ٹیکری پر نصب کر دیا جائے۔ آپ نے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف کفار پر ضرب لگانی چاہیے۔ دوسری جانب دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف منافقین پر۔[۴]

اسی وقت سید اسمٰعیل صاحب روانہ ہو گئے اور شیوہ میں جا کر مولوی رمضان شاہ کو آپ کا پیغام پہنچایا اور وہاں سے یاردسین میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں کو یہی حکم سنایا اور کئی سوار رسالدار سے لے کر اور یہی حکم دے کر اس اطراف کی بستیوں کے غازیوں کے پاس روانہ کر دیے۔ مگر یہ حکم سن کر سب کو یہ گمان ہوا کہ مولوی مظہر علی صاحب وغیرہ کے ساتھ درانیوں نے جو یہ معاملہ کیا ہے، تو شاید سید صاحبؒ پھر لشکر جمع کر کے پشاور جائیں گے۔ اس لیے جلد ہم لوگوں کو بلاتے ہیں اور سمہ والوں کی غداری اور مکاری کا کسی کے دل میں خیال بھی نہ تھا۔ اس سبب سے کسی نے کہا کہ ہم یہاں سے شام کو روانہ ہوں گے، کسی بستی کے غازیوں نے کہا کہ ہم آدھی رات یا پچھلے پہر سے چلیں گے۔ اس تساہل اور غفلت میں ہر

---

[۱] منظورہ میں ہے کہ شیخ ولی محمد صاحب نے فرمایا کہ رات کا وقت ہے، کل دن کے وقت لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ سید صاحبؒ نے سکوت فرمایا اور یہی رائے قرار پائی۔ ص ۹۷۶

[۲] یاردسین عام طور پر بولا جاتا ہے۔ تحقیقاً یارحسین ہے۔ تپہ رزڑ کا بہت بڑا قصبہ ہے۔ اسماعیلہ سے راستہ جاتا ہے۔

[۳] وقائع

[۴] منظورہ ص ۹۷۶

بستی کے مجاہدین بستی ہی میں رہے اور اپنے اپنے دوستوں سے بستی میں ملنے لگے اور مصافحہ کرکے رخصت ہونے لگے کہ سیّد صاحبؒ نے کسی ضروری کام کو پنجتار میں اپنے پاس بلایا ہے، سو آج شام کو یا صبح کو ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔

ان لوگوں کا مشورہ پہلے سے ٹھیر چکا تھا کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت اپنی اپنی بستیوں کے غازیوں کو قتل کر ڈالیں اور اس کی اصطلاح انھوں نے آپس میں یہ ٹھیرائی تھی کہ فلاں روز جوار کوٹیں گے۔ اس میعاد میں دو دن باقی تھے۔ پشاور والے دو دن پہلے دست اندازی کر بیٹھے۔ یہ خبر بعض بعض خوانین کو ہو گئی۔ انھوں نے جانا کہ یہ غازی یہاں سے سلامت نکلے جاتے ہیں۔ ان کو یہ آج ہی سمجھ لیں[1]۔ اس بات کا سب نے مشورہ کیا اور اپنی بستی کے ڈوموں سے کہا کہ حجروں کے کوٹھوں پر چڑھ کر نقارے بجاؤ اور بآوازِ بلند پکارو کہ سیّد بادشاہ کی تاکیدِ شدید ہے کہ جلد عُشر کا غلّہ پہنچاؤ۔ سو سب مل کر جس طرح سے ہو سکے، آج ہی جوار کوٹنی شروع کر دو۔ پھر وہ ڈوم حجروں پر نقارے رکھ کر بجانے لگے اور وہی کہنے لگے اور جابجا سے لوگ آ کر جمع ہو گئے۔

یہ حال دیکھ کر غازی لوگ اُن سے پوچھتے کہ آج یہاں بھی نقّارے بجتے ہیں اور اِدھر اُدھر کی بستیوں سے بھی نقّاروں کی آواز آتی ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟ تو وہ اُن سے کہتے کہ سیّد بادشاہ کا حکم ہے کہ جلد عُشر کا غلّہ بھیجو، سو جوار کوٹنے کے لیے ہم لوگوں کو خبر کرتے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو رہتے اور اُن کی سازش کا کوئی احساس نہ ہوتا۔

عشاء کی نماز کے وقت اچانک بستی والوں نے گھیر لیا اور اُن غازیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کوئی نماز پڑھنے میں شہید ہوا اور کوئی وضو اور استنجا کرنے میں۔ یہی حال ہر بستی میں ہوا، مگر کہیں عشاء کے وقت اور کہیں آدھی رات کو اور کہیں پچھلے پہر کو اور کہیں فجر کی نماز میں۔ کوئی کوئی آدمی بھاگ کر یا کسی

---

[1] منظورہ میں ہے کہ جس وقت سیّد اسمٰعیل کو اس اطلاع کے لیے بستیوں میں بھیجا گیا ہے اور پشاور سے اطلاع آئی ہے۔ نصر اللہ خاں، ساکن گڑھی امان زئی پنجتار میں موجود تھا۔ وہ ایک بدباطن و منافق شخص تھا۔ سیّد اسمٰعیل کے روانہ ہوتے ہی وہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا اور سب جگہ اطلاع کرتا گیا کہ پنجتار اس مشورے کی اطلاع ہو گئی ہے۔ جو کام پرسوں کرنا ہے مگر آج ہی نہ انجام دے لیا گیا، تو موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ صـ ۹۲۲

گھر میں چھپ کر بچے اور جان سلامت لے کر پنجتار میں سید صاحبؒ کے پاس آئے۔ باقی سب شہید ہو گئے۔

حاجی بہادر شاہ خاں کی شہادت

حاجی بہادر شاہ خاں رامپوری سید صاحبؒ کے پاس سے رخصت ہو کر امان زئی کی گڑھی کو جاتے تھے۔ جب موضع اسمٰعیلہ میں گئے، تب وہاں کے لوگوں نے اُن کو ٹھیرا لیا کہ آج تشریف نہ لے جائیے یہیں رہیے، آپ کی ضیافت ہے۔ یہ لوگ حاجی صاحب کے بظاہر بڑے معتقد تھے اور اُن سے توجُّہ لیا کرتے تھے۔ وہ وہاں ٹھیر گئے۔ انھوں نے بڑی تعظیم و تکریم سے کھانا کھلایا اور عشار کے وقت اُن کو امام بنایا۔ وُہ نماز پڑھنے لگے۔ پہلی رکعت کا سجدہ کر کے دوسرے میں گئے تھے کہ وہاں کے خان اسمٰعیل خاں نے تلوار ماری اور سر جُدا ہو گیا۔

مولوی رمضان شاہ اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت

شیوہ میں سب غازی سب طرف سے سمٹ کر مولوی رمضان شاہ صاحب کے پاس جمع ہو گئے۔ آنند خاں و مشکار خاں مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کسی بات کا اندیشہ نہ کریں، ہمارے مکان پر چل کر بیٹھیں۔ جب تک ہم جیتے ہیں، کیا مجال جو کوئی آپ پر ہاتھ ڈالے۔ مولوی صاحب نے کہا، "جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی" جو تم نے اس وقت تسلّی و تشفّی کی بات کہی، مگر اس وقت اللّٰہ تعالٰی کے سوا ہم کسی کو اپنا یار و مددگار نہیں جانتے۔ آپ اپنے مکان پر تشریف لے جائیں۔ جو کوئی ہم پر چڑھ کر آئے گا، ہم آپ جیسا ہو گا، دیکھ لیں گے۔

اس عرصے میں طوائیوں نے آ کر ہر طرف سے گھیر لیا۔ جب فجر ہُوئی اور اُجالا پھیلا، اس وقت مولوی صاحب اپنی جمعیّت کے ساتھ نکلے اور طوائیوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ لڑتے بھڑتے شیوہ کے درے نالے تک پہنچے۔ وہاں سے آگے اُنھوں نے نہ جانے دیا۔ وہیں ہر طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔

موضع شیوہ میں جب سیّد امیر علی نے، جو عُشر کی تحریر پر مامور تھے اور اس سلسلے میں دورہ کرتے رہتے تھے، مُلکیوں کا اجتماع دیکھا اور نقّارے کی پے در پے آواز سُنی، تو انھوں نے اپنا گھوڑا تیّار کیا اور عُشر و زکوٰۃ کی پانچ ہزار کی جو رقم پہلے سے جمع تھی، گھوڑے پر بار کی اور پنجتار کی طرف رُخ کیا۔ اُس وقت اُن سے سب سے زیادہ قریب حافظ عبد العلی پھُلتی پسر حافظ قطب الدین پھلتی تھے۔ اُن سے بھی اُنھوں نے کہا کہ اپنا گھوڑا تیّار کرو، ہم تم دونوں پنجتار نکل چلیں۔ حافظ عبد العلی دیہات کے باہر تک

ساتھ آئے۔ اس کے بعد یہ کہ کر مَیں ایسی حالت میں اپنے بھائیوں کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتا، پھر موضع میں آ گئے۔ سید امیر علی یہ کہ کر روانہ ہو گئے کہ مجھے تو اس رقم کو پنجتار پہنچانا ضروری ہے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ مَیں اپنی زندگی سے سیر ہو گیا ہوں اور شہادت کی موت کی تمنا ہے۔ مَیں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہوں گا۔ میرا جینا بھی اُن کے ساتھ ہے، میرا مرنا بھی اُن کے ساتھ ہے۔ چنانچہ وُہ مولوی رمضان شلوؒ وغیرہ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔[1]

مینئی میں مُجاہدین کا مُحاصرہ موضع مینئی میں وہاں کے مُلّا نے تین غازیوں کو اپنے گھر میں چھپا کر اُن کی جان بچائی۔ پیر خاں جماعت دار مورائیں والے ایک مسجد میں محصور ہو گئے اور وہاں سے مقابلہ کرتے رہے۔ بلوائیوں نے ہر طرف سے اَیسا سخت گھیرا کہ نکلنے اور بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ بستی والوں نے سب ناکے بھی روک لیے۔ کوٹھوں کی چھتوں پر بھی لوگ بندوقیں لیے بیٹھے تھے۔ غازیوں کی مار اُن پر نہیں پڑتی تھی اور یہ اُن کے نشانہ بنے ہوئے تھے۔ جب غازیوں کے پاس گولی بارُود نہ رہی اور تلوار کی زد پر یہ لوگ نہ گئے، تب مجبور ہو کر پیر خاں اپنے غازیوں کے ساتھ مسجد میں گھس گئے اور اندر سے کواڑ بند کر کے زنجیر لگا لی۔ اس وقت بندوقیں چلنی موقوف ہوئیں اور سب بلوائیوں نے ہر طرف سے آ کر مسجد کا محاصرہ کر لیا اور اس فکر میں ہوئے کہ اب اُن کو کس ترکیب سے ماریں۔ بعضوں نے کہا کہ دیوار میں نقب کر کے بندوقوں سے مار لیں اور بعضوں نے کہا کہ مسجد میں آگ لگا دیں۔ اس سے آپ ہی جل کر مر جائیں گے اور جو کوئی باہر نکلیں گے، ہم اُن کو مار لیں گے۔ شاہ ولی خاں نے، جس کی یہ مسجد تھی، کہا: "مَیں نہ اپنی مسجد کھودنے دُوں گا، نہ جلانے دوں گا"۔

عُلما، و سادات اور عورتوں کی خوشامد اس گفتگو میں اس بستی کے عُلما، اور سادات کلام اللہ شریف لے کر آئے اور بڑی خوشامد کے ساتھ خدا و رسولؐ کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ ان مُسلمان مظلوموں کو ناحق ظُلم سے قتل نہ کرو۔ خدا کے غضب سے ڈرو، یہ حاجی، غازی اور مُہاجر ہیں اور اُنھوں نے

---

[1] منظورہ ص ۹۷۹ ، ۹۸۰۔ مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ حافظ عبد العلی پھلتی جب پھولڑے کی جنگ سے صحیح سلامت امب میں آئے، تو اپنے شہید نہ ہونے پر بڑی ندامت اور حسرت کا اظہار کرتے تھے اور شہادت کی موت کی تمنا رکھتے تھے۔

تمھارا کوئی نقصان بھی نہیں کیا۔ اسی طرح بستی کی تمام عورتیں کوئی اپنے خاوند کو، کوئی اپنے بیٹے کو، کوئی اپنے بھائی بھتیجے وغیرہ کو لپٹی تھی اور ہتھیار چھینتی تھی اور کہتی تھی کہ ان مظلوموں، بے گناہوں کو مارتے ہو اور کافر ہوتے ہو، غضبِ الٰہی سے ڈرو اور خونِ ناحق نہ کرو۔ مگر وہ کسی کا کہنا خیال میں نہیں لاتے تھے۔

ہندوؤں کی خوشامد اور سفارش سب کے بعد وہاں کے ہندو بنیے جمع ہو کر آئے اور کہنے لگے کہ ہم ہندو لوگ ہیں، کوئی جانور نہ آپ مارتے ہیں، نہ امکان بھر غیر کو مارنے دیتے ہیں اور تم ان آدمیوں کے مارنے پر آمادہ ہو! جو تم چاہو، ہم سے لو، ان کو ہمیں دے دو۔ ہم تم سے اقرار کرتے ہیں کہ ان کو پنجتار میں سید بادشاہ کے پاس نہیں بھیجیں گے، دریائے سندھ کے پار سکھوں کی عملداری میں اُتار دیں گے۔ وہاں سے جدھر چاہیں گے، چلے جائیں گے۔ مگر انھوں نے یہ بھی نہ مانا۔

قتلِ عام غازی یہ تمام قیل و قال مسجد کے اندر سے سُن رہے تھے۔ اس بحث مباحثے میں پانچ گھڑی دن چڑھا۔ آخر سب اس امر پر متفق ہوئے کہ مسجد میں آگ لگا دو۔ جب غازیوں کو یقین ہوا کہ اب یہ مسجد میں ضرور آگ لگا دیں گے، تب وُہ سب مسجد کے کواڑ کھول کر ننگی تلواریں لے کر باہر نکلے۔ مسجد کے صحن میں آ کر پیر خاں کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گر پڑے۔ جلد ایک جوان نے اُن کو اُٹھا لیا اور باہر مشرق کی طرف لے چلا۔ کسی بلوائی نے جان کے خوف سے اُس وقت اُن غازیوں کا تعاقب نہ کیا۔ سب لوگ مسجد کے اندر اُن کے مال و اسباب لُوٹنے لگ پڑے۔ تب یہ لوگ بستی کے باہر نالے پر جا پہنچے اور تسلّی سے پانی پینے پر جُھکے اور جانا کہ ہم سب سلامت بچ گئے۔ اس عرصے میں بلوائی مال و اسباب کے لُوٹنے سے فارغ ہو کر اُن کے تعاقب میں دَوڑے اور نالے کے اندر چاروں طرف سے گھیر لیا اور پتھروں اور نیزوں سے مارنا شروع کیا اور سب کو وہیں قتل کر ڈالا۔ اُن میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑا اور اُن کے کپڑے لتّے ہتھیار وغیرہ لے کر بستی کو چلے آئے۔

مُلّاؤں کی جُرأت بستی میں آ کر اُن کو مخبروں سے معلوم ہُوا کہ بعض مُلّاؤں کے گھروں میں ایک ایک دو دو غازی چھپے ہیں، تو اُنھوں نے خانہ تلاشی شروع کی اور اصرار کیا کہ جس گھر میں کوئی غازی ہو وُہ حوالہ کر دے۔ مُلّاؤں نے صاف انکار کیا اور کہا کہ وُہ ہماری جان کے ساتھ ہیں۔ جب تک دُم میں دم ہے

ہم اُن کو ہرگز حوالے نہ کریں گے۔ آخر بلوائی ناکام رہے اور اِن مُلّاؤں نے اپنی جُرأت و جوانمردی سے کئی آدمیوں کی جان بچالی۔

مجاہد کے جذبات ایک مُلّا کے گھر میں چند غازی چھپے تھے۔ جب خانہ تلاشی موقوف ہُوئی، تو اس مُلّا نے اپنے محلے کے ایک سیّد صاحب سے، جن کا نام میاں مُحمّد تھا، کہا کہ رات کو تین غازی میں نے اپنے یہاں لاکر چھپائے۔ دو کو رات ہی کو بستی کے باہر سلامت نکال دیا۔ اب ایک ہے، مگر بیمار ہے۔ میاں مُحمّد نے مُلّا کو بہت شاباشی دی کہ تم نے بڑی جوانمردی کا کام کیا اور کہا کہ دو غازی میرے حُجرے میں بھی ہیں: ایک زخمی ہے اور ایک تندرست، اور مُلّا سے کہا کہ آج کچھ دیر کے بعد تمھارے یہاں آؤں گا، مگر تم اس غازی کو تسلی کر دینا کہ میرے وہاں جانے سے کسی بات کا اندیشہ نہ کرے۔

میاں خدا بخش رامپوری، جو اس مُلّا کے گھر میں چھپے ہُوئے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ دن رہے وہ سیّد ایک سیاہ کمل سر سے پاؤں تک اوڑھے ہُوئے خفیہ دیوار پھاند کر آئے، مجھ سے لپٹ کر ملے اور بہت روئے اور کہا کہ ان بلوائیوں نے بڑا ظلم اور بے دینی کا کام کیا کہ بے گناہ لوگوں کو مارا۔ مَیں نے کہا: "میاں صاحب، ہم سب لوگ اپنے گھروں سے اسی نیّت سے آئے تھے کہ اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کریں۔ سو جو صاحب شہید ہُوئے، وہ اپنی مُراد کو پہنچے اور جو باقی ہیں، اُن کا ارادہ بھی اللہ تعالیٰ پورا کرے۔ اس بات کا ہم کو کچھ گلہ شکوہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سیّد صاحبؒ کو سلامت رکھے! جو وُہ سالم رہیں گے، تو پھر جہاد کا سامان دُرست ہو جائے گا اور بہتیرے غازی آجائیں گے۔

یہ منظور نہیں میاں مُحمّد، خدا بخش صاحب کو اپنے حُجرے میں لے گئے۔ وہاں دو غازی اور تھے، ایک قصبہ کاکوری کے سیّد حیدر علی، جو زخمی تھے، اور ایک غازی، جو لشکر میں شاہ جی کہلاتے تھے۔ میاں مُحمّد نے تینوں آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ جب نمازِ عشاء سے فارغ ہُوئے، تب اُنھوں نے کہا کہ سیّد حیدر علی تو زخمی ہیں؛ جب تک یہ اچھے ہوں، تب تک ہم اُن کو یہیں رکھیں گے، اس لیے کہ یہ کسی صُورت سے چل نہیں سکتے۔ تم دونوں صاحب کہو کہ تمھارا کیا ارادہ ہے۔

ہم دونوں نے کہا کہ ہماری خاص نیت تو یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے، پنجتار میں حضرت امیر المومنین کے پاس پہنچا دیں۔ میاں محمّد کے دو بیٹے جوان اور بڑے وجیہ تھے۔ انھوں نے اُن سے کہا کہ بیٹا، ان دونوں غازیوں کو سیّد بادشاہ کے پاس پنجتار میں پہنچاؤ۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ پہلے معلوم کر لیں کہ راستہ محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ ان میں کا ایک باہر نکلا اور کئی گھنٹے کے بعد آکر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ مَیں معتبر لوگوں سے معلوم کر کے آیا ہوں کہ یہاں سے پنجتار تک جابجا غدر ہو رہا ہے، ان کے پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، باقی، آپ جو کچھ فرمائیں، ہم فرماں بردار ہیں۔ میاں محمّد نے اُن سے کہا کہ خدا پر توکّل کر کے آج اَور آپ یہاں رہ جائیے، انشاء اللہ کل اس کی کوئی صورت نکالیں گے۔

پھر وُہ رات اور ایک دن ہم اَور رہے۔ دُوسری رات کو پھر اُنھوں نے بیٹوں سے کہا۔ اُن میں سے ایک باہر گیا اور کچھ دیر کے بعد آکر کہنے لگا کہ پنجتار کی طرف تو جانا دشوار ہے، مگر ہاں، اگر یہ راضی ہوں، تو دریائے اٹک پار اُتار کر سکھوں کی عملداری میں ان کو پہنچا دیں۔ وہاں ان سے کوئی مزاحم نہ ہوگا۔

غازیوں نے کہا کہ وہاں جانا تو کسی طرح ہم کو منظور نہیں، حضرت کے سوا اَور کہیں نہ جائیں گے، اور اگر پنجتار کا راستہ غیر مامون ہے، تو ہم کو موضع کوٹھہ میں سیّد میر آخوند زادہ کے پاس پہنچا دو۔ جب تک غدر ہے، ہم وہیں رہیں گے۔ انھوں نے اس کو قبول کیا اور اُن کو کوٹھہ پہنچا دیا، جہاں وہ چند دن ٹھیر کر پنجتار میں سیّد صاحبؒ کے پاس پہنچ گئے۔

وفادار رفیق مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ حبیب خاں تُنیر والے، جو مینئی کے جلسے میں غازیوں کے ہمراہ تھے اور اُن کی عُمر تقریباً ساٹھ سال تھی، اُن کو بلوائیوں نے آواز دی کہ تم ہمارے پاس آؤ، تم ولایتی ہو، ہم تم کو قتل نہیں کریں گے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم کو تمھارے ہاتھوں زندہ رہنا منظور نہیں اور غازیوں کے ساتھ شہید ہو جانا منظور ہے۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کی رفاقت نہ چھوڑی۔ جب ساتھی تلواریں کھینچ کر مقابلے کے لیے مسجد سے باہر آئے، تو حبیب خاں بھی ساتھ تھے۔ بلوائیوں میں سے ایک نے اُن کے سر پر تلوار ماری، سر میں زخم آیا۔ ایک سُنار نے بیچ میں آکر اُن کی جان بچائی۔ وُہ

بالاکوٹ کے معرکے تک زندہ رہے۔[1]

حاجی محمُود خاں رامپوری اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت

حاجی محمُود خاں رامپوری بیس آدمیوں کے ساتھ تحصیلِ عُشر کے واسطے موضع سُدم میں متعین تھے جب اُنھوں نے سَمہ کی بستیوں کی خبر سُنی، تو اپنے سب لوگوں کو ہتھیار بندھوا کر اور ساتھ لے کر بستی سے باہر نکل پڑے اور بستی کے کنارے نالے پر جا کر ٹھیرے، اس خیال سے کہ دن کو کوئی ہمارے نزدیک نہ آسکے گا، اور اگر آئیگا، تو ہم مقابلہ کریں گے اور جب رات ہوگی، تو پہاڑ کے راستے سے پنجتار چلے جائیں گے۔ جب وُہاں کا خان مبین خاں موضع اسمٰعیلہ سے حاجی بہادر خاں صاحب کا کام تمام کر کے آیا اور اُس کو معلوم ہوُا کہ حاجی محمود خاں اپنے لوگوں کو لے کر صحیح و سلامت نکل گئے اور نالے پر ٹھیرے ہیں۔ تو وہ حاجی محمود خاں کے پاس گیا اور تسلی اور دلاسے کی باتیں کرنے لگا کہ تم مجھ کو اپنا خیر خواہ دوست جانتے ہو یا بدخواہ دشمن؟ وُہ سیدھے سادے مسلمان، کہنے لگے کہ مَیں تم کو اپنا خیر خواہ دوست جانتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ مَیں آج بستی میں نہ تھا، ورنہ یہ شر و فساد ہرگز نہ ہونے دیتا۔ اب مَیں آیا ہوں سب کو تم لوگوں کے پاس سے دفع کیے دیتا ہوں۔ تم خاطر جمع رکھو اور یہیں نالے پر ٹھیرے رہو۔ آج رات کو صحیح و سالم تم سب کو پنجتار پہنچا دُوں گا۔

کچھ دیر کے بعد پھر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب تھوڑا دن رہا ہے، تم چلنے کو تیار رہو، مگر میں اپنی بدنامی سے ڈرتا ہوں، تم کو ہتھیار باندھے ہوُئے نہیں لے جا سکتا۔ تم سب اپنے ہتھیار میرے گھر میں امانت رکھ دو، مَیں تیسرے روز پنجتار تمھارے پاس پہنچا دُوں گا۔ تقدیر کا لکھا ٹلتا نہیں۔ ان سب نے اپنے ہتھیار کھول کر اس کے حوالے کیے۔ وُہ لے کر اپنے گھر گیا۔ جب یہ سب خالی ہاتھ رہ گئے، تو بلوائیوں نے آکر گھیر لیا اور ایک ایک کو پچھاڑ کر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔ ان لوگوں میں اکثر حاجی صاحب کے ہم قوموں میں تھے۔ عظیم اللہ خاں نام حاجی صاحب موصُوف کے چھوٹے بھائی نے وہیں ایک پٹھان کے یہاں نکاح کیا تھا۔ اُن کو اُنھیں کے خُسر نے چھاتی پر چڑھ کر ذبح کیا۔ اس واقعہ میں پندرہ آدمی شہید ہوُئے۔ دو آدمی بھاگ کر ایک بُڑھیا کے گھر میں جا چھپے اس نیک بخت نے رحم

---

[1] منظورہ ص ۱۰۰۰، ۱۰۰۱

کھا کر اپنے گھر میں بُھس کے اندر چُھپا رکھا۔ اُوپر ایک گُدڑی ڈال دی۔ رات کو سلامت نکال دیا۔ اور وُہ راتوں رات بھاگ کر پنجتار آ گئے۔ ان سے اس واقعہ کی تفصیل معلوم ہُوئی۔

بعض مُلّاؤں کی ہمدردی بعض زخمیوں کو اور بعض اُیسے مُجاہدین کو، جو قاتلوں کے نرغے میں تھے، مُلّاؤں نے بچایا۔ گُلاب خاں کہتے ہیں: "مَیں نیم جان شہیدوں کے گروہ میں زخمی پڑا ہُوا تھا۔ ظالم جب غازیوں کے ہتھیار لے کر اور مجھے مُردہ سمجھ کر گھر چلے گئے، تو ایک مُلّا نے مجھے زخمی دیکھ کر میرے حال پر رحم کھایا اور مجھے اپنے گھر لے جا کر ایک دن اور ایک رات رکھا۔

لکھمیر خاں کا واقعہ لکھمیر خاں اپنا قصّہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پانچ سوار موضع تُلاندئی میں تھے۔ مُجھے رات کو غُسل کی حاجت ہُوئی۔ مَیں تلوار لیے ہُوئے ایک ندّی پر گیا، جسے باغی محاصرہ کیے ہُوئے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: "کہاں جاتے ہو؟" میں نے کہا: "غُسل کو جاتا ہوں"۔ اُس کے ساتھی نے کہا: "جانے دو"۔ طہارت کے بعد مَیں نماز میں دُوسری رکعت میں کھڑا ہُوا تھا کہ دو آدمی پہنچے۔ ایک نے تلوار اُٹھائی، دُوسرے نے کپڑے لیے اور عین نماز کی حالت میں میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایک نے ایک ہاتھ پکڑا، دُوسرے نے دُوسرا اُور دیہات کی طرف لے چلے۔ ایک نے کہا کہ کام تمام کرو، دُوسرے نے کہا کہ جہاں اس کے ساتھی مارے گئے ہیں، وہیں ماریں گے۔ مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہُوا۔ بچنے کی اُمید نہ تھی۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے زور کیا اور ہاتھ چھڑا لیے اور بھاگا۔ وُہ کچھ دُور میرے پیچھے دَوڑے۔ پھر واپس گئے اور سواروں کو جا کر خبر کی۔ ایک سوار نے اپنا گھوڑا میرے پیچھے دَوڑایا۔ ندی کے پاس پہنچ کر گھوڑا کسی چیز کو دیکھ کر بدکا، سوار گرا اور گھوڑا بھاگا، سوار تو اپنے گھوڑے کے پیچھے دَوڑا اور مَیں بھاگ کر پنجتار آ گیا۔

ایک لڑکے کی ہمّت حافظ الٰہی بخش نابالغ تھے۔ اُن کے ماموں کو ملوائیوں نے شہید کر دیا۔ ایک ظالم نے اُن کے سر پر تلوار رکھی، دوسرا ساتھی اُن کے اوپر گر پڑا اور کہا کہ اس جوان کو چھوڑ دو، یہ حافظِ قرآن ہے۔ مَیں اس کو غلام بنا لُوں گا۔ چنانچہ زخم کے باوجُود وُہ زندہ رہے۔ جب سیّد صاحبؒ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا، تو فرمایا کہ وُہ خدا کا غلام ہے، کس کی مجال ہے کہ اس کو اپنا غلام بنائے؟ بہرحال

وہ شخص حافظ الٰہی بخش کو اپنے گھر لے گیا اور ایک جرّاح کو اُن کی مرہم پٹی کے لیے مقرر کیا اور حافظ جی سے کہا کہ میرے بچّوں کو قرآن پڑھایا کرو۔ حافظ اتنا فرزانہ تھا کہ اس کے باوجود کہ بچّوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اس کو پشتو بخوبی آ گئی تھی، مگر وہ اَنجان بنا رہا اور اُن کی باتیں غور سے سُنتا رہا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ لڑکا پشتو سے ناواقف ہے۔ ایک روز جرّاح کچھ لوگوں سے کہنے لگا کہ مَیں اس بچّہ کے ایسی دوا لگاتا ہوں کہ زخم مندمل ہونے کے بجائے ہرا رہے، مگر زخم ہے کہ خشک ہوتا جا رہا ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ ایک زہر آلود بتّی اس میں رکھ دوں تاکہ یہ مر جائے۔ حافظ نے اپنے ایک عزیز شاگرد، سے، جو طاقتور جوان تھا، ایک روز یہ قصّہ سُنایا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مجھ کو امیر المومنین کے پاس پہنچا دیں، مَیں پانچ روپیہ آپ کو نذر کروں گا۔ اس نے پہنچا دیا۔ سیّد صاحبؒ نے فوراً پانچ روپے عنایت فرمائے اور اس بچّے کو اُس کے استاد حافظ صابر کے سپرد کیا، اور نُور بخش جرّاح کو علاج کے لیے مقرر کیا۔ نُور بخش نے زخم دیکھ کر کہا کہ واقعی اس بدنیّت جرّاح نے اس کو ہلاک کرنے کی تدبیر کی تھی، اس کے سر کی ہڈّی خراب ہو گئی ہے، اس کو نکالنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہڈّی نکالی گئی۔ لڑکے نے حرکت تک نہ کی، نہ زبان سے اُف کہا۔ جرّاحی کے بعد کسی نے ارادہ کیا کہ لڑکے کو گود میں لے کر پہنچا دے۔ کہنے لگا کہ زخم میرے سر میں ہے، میرے پاؤں میں تو نہیں! چنانچہ خود اپنے پاؤں چل کر لشکر میں گئے۔ پھر سارے لشکر میں گشت کر کے غازیوں سے مُلاقات کی۔[1]

---

[1] منظورۃ السعداء، ص ۱۰۰۵، ۱۰۰۶

پینتیسواں باب

محفوظ مجاہدین

مولوی خیرالدین صاحب کا حزم و تدبّر مولوی خیرالدین صاحب ٹُونڈ خوڑ میں تھے، جہاں کے مُلک اُن کو اپنے علاقے میں عُشر و زکوٰۃ و جزیہ کے اِجرار کے لیے سیّد صاحبؒ سے طلب کرکے لائے تھے۔ انھوں نے سَمَہ کے مواضعات میں مُجاہدین کے قتلِ عام کی خبر سُنی اور معلوم ہُوا کہ پورے مُلک میں غدر مچا ہُوا ہے۔ اس اثنا میں سیّد صاحبؒ کی طلبی کی اطلاع ملی۔ آپ نے اس اِطلاع کو عام نہ کیا۔ اگلے روز قاصد کے ہاتھ سیّد صاحبؒ کا پروانہ پہنچا کہ تم سے یہاں کچھ ضروری کام ہے، وہاں کے قاضی کو اپنی جگہ قائم کرکے ایک مُلک کو اپنے ہمراہ لے کر اپنی جمعیّت سمیت جلد ہمارے پاس چلے آؤ۔ اس خط کا مضمون بھی مولوی صاحب نے سوائے اپنے غازیوں کے کسی پر ظاہر نہ کیا کہ جب تک چلنے کی تیاری کسی طرف قرار نہ پائے، اس حال کا اظہار مناسب نہیں۔

اسی دن ایک غریب صُورت آخوند گھبرایا ہُوا آیا اور پوچھنے لگا: "مولوی خیرالدین صاحب کہاں ہیں؟ اُن سے کچھ بات کہنی ہے۔" لوگوں نے مولوی صاحب کی طرف اِشارہ کیا۔ اُس نے اُن کو الگ لے جا کر کہا: تم کو کچھ سَمَہ کا حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ اُس نے کہا کہ تمھارے غازی لوگ جہاں جہاں متعین تھے، سب قتل کر ڈالے گئے اور اکثروں کا نام لیا اور اُن کے قتل کی صُورت بیان کی

اور کہا کہ پنجتار کا حال نہیں معلوم کہ سیّد بادشاہ پر کیا گزری، تم جلد اپنی جان بچانے کی کوشش کرو۔ میں سیّد بادشاہ کا غلام اور فرمانبردار ہوں۔ اس وقت صرف تم کو خبر دینے آیا ہوں، اور اب میں اپنے گھر جاتا ہوں کہ یہاں سے نزدیک ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُسی وقت چلا گیا۔

یہ خبر سُن کر مولوی صاحب کے ساتھی گھبرائے۔ آپ نے سب کو تسلی دی اور کہا کہ گھبرانے سے کام بنتا نہیں، بگڑتا ہے۔ استقامت سے کام لو اور جناب الٰہی میں دُعا کرو کہ تمھارے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دے اور جیسا میں تم سے کہوں، ویسا کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا۔

نماز کے بعد پھر آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ بھائیو، ایک بات میں تمھاری خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ اگر تم مجھ کو اپنا امیر جانتے ہو، تو بدل وجان اس کو مانو اور وقت پر کوئی عقل وتدبیر نہ بتلاؤ۔ ایسے وقت پر متفرق باتوں سے طبیعت پراگندہ ہو جاتی ہے اور بنی ہوئی تدبیر بگڑ جاتی ہے۔ مجھ کو امیر المومنین نے تم پر امیر کیا ہے۔ معاذ اللہ! اگر کوئی سُوءِ تدبیر مجھ سے صادر ہو اور اس سے تم بھائیوں کو گزند پہنچے، تو بیشک میں خدا کے نزدیک پکڑا جاؤں گا۔ تم نے اپنے بھائیوں کی شہادت کا حال سُنا کہ کہیں غفلت میں نماز پڑھتے اور کہیں سوتے مارے گئے اور کہیں اپنی سُوءِ تدبیر سے۔ مخالفین میں سے ایک بھی نہ مارا گیا اور نہ زخمی ہُوا۔ اُن کی شہادت ہی مقدر تھی۔ اس وقت خدا کے فضل وکرم سے تم سب ہوشیار اور بیدار رہو اور اپنے سپہ گری کے سازوسامان سے تیار رہو۔ تقدیرِ الٰہی کا مُعاملہ تو جُدا ہے، مگر بظاہر اسباب ایسا نہیں ہو سکتا کہ مخالفین اپنے کو صحیح وسلامت رکھ کر تم سب کو مار لیں۔ ان کو بھی اپنی جان پیاری ہے، بلکہ ہماری دہشت اُن پر غالب ہے۔ اگر ہم سُو آدمی شہید ہوں گے، تو وُہ انشاء اللہ سیکڑوں مارے جائیں گے اور اگر تقدیر میں ہم لوگوں کی شہادت ہی لکھی ہے، تو کچھ کوشش وتدبیر پیش نہ جائے گی، بلکہ جو تدبیر کریں گے، اُلٹی پڑے گی۔ سب نے کہا کہ ہم آپ کے فرمانبردار ہیں۔ جو فرمائیے گا، م وُہی کریں گے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے کہا کہ میں ایک جال پھیلاتا ہوں، اگرچہ اس وقت وُہ کسی کے خیال ں نہ آئے گا۔ یہ خُوب سمجھ لو کہ بستی کے لوگوں میں جب تک اُن کے بُلک شریک نہ ہوں گے، تب تک

ہم پر کوئی ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔ سو اب سب کمر باندھ ہتھیار لگا کر اپنی مسجد میں بیٹھے رہو اور اس وقت کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوائے اپنا دوست نہ جاننا اور اُس کی باتوں میں نہ آنا اور جتنا تم سے کہوں، اُتنا کرنا۔ اب مَیں نماز پڑھ کر مُصلّے پر بیٹھتا ہُوں، تم چقماق والے چار آدمی میری پُشت پر کھڑے رہو، اَور تم میں سے چار قرابین والے اس درخت کے نیچے، جو مسجد کے صحن میں ہے، کھڑے رہیں۔ جب دیکھیں کہ مَلِک گاؤں کے آدمیوں کو لے کر آئیں اور ہم پر حملہ کریں، تب ان مَلکوں کے قتل کی طرف توجہ کریں اور ہماری شرکت کا لحاظ نہ کریں، اگرچہ ہم مارے جائیں۔ اگر مَلک ہمارے قابو میں آگئے، تو پھر مسجد سے باہر نہ نکلنے دینا۔ مزید چھ آدمی مسلح ہو کر بازار جائیں اور چھیوں بنیوں سے کہیں کہ کئی روز ہُوئے، تم نے نام لکھوائے ہیں، اب تک جزیے کا روپیہ تم نہیں لائے۔ اِسی وقت لے چلو۔

یہ سُن کر میر عبدالرحمٰن تھانوی بولے کہ مولوی صاحب، یہ کیا فرماتے ہو؟ یہ جزیے کے تحصیل وصُول کا وقت ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہ دیا تھا کہ کوئی مجھ کو تدبیر نہ بتائے۔ جو کہوں، کرے۔ تم اتنے جلد ہی اس بات کو بھُول گئے۔ یہ سُن کر وُہ خاموش ہو گئے۔

چھ آدمی مسلح ہو کر بازار گئے اور انھوں نے بنیوں سے تقاضا کیا۔ وُہ اپنے اپنے عِلاقے کے مَلک کے پاس دَوڑے گئے اور کہا کہ یہ سعی کا وقت ہے، آپ جزیے کے روپے میں کچھ تخفیف کرا دیجیے۔ چنانچہ آگے آگے بنیے، پیچھے پیچھے مَلک مسجد میں آکر جمع ہو گئے۔ مولوی صاحب نے عصر کے وقت سے جزیے کی تحصیل وصُول شروع کی۔ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مغرب کے بعد وہ سب مَلکوں کو مسجد کے اندر لے گئے اور سیّد صاحبؒ کا خط پیش کیا۔ مَلکوں نے کہا کہ اب تو رات ہُوئی، کل دن کو ہم سب آپس میں صلاح کر کے ایک مَلک کو تمھارے ساتھ کر دیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا: "یہ کام کل کی صلاح کا نہیں ہے۔ جو صلاح کرنی ہو، اس وقت کر لو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم جاتے ہیں اور جرگہ کر کے ایک مَلک کو تمھارے ساتھ کر دیتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ یہیں مسجد میں جرگہ کر لو۔ وُہ جرگہ کر کے صدرالدین مَلک کو مولوی صاحب کے پاس لائے اور اُس کا ہاتھ مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ تو آپ کے ساتھ جائے گا، اس کی شرم آپ کے ہاتھ ہے اور راستہ بھی ہم نے اس کو بتا دیا ہے۔ اب آپ کو اختیار

ہے، جب چاہیے، جائیے۔ مولوی صاحب نے صدرالدین کو اپنے پاس بٹھالیا اور باقی ملکوں سے کہا کہ اب تم اپنے گھر جاؤ اور روٹی کھاؤ۔ ملک صدرالدین نے کہا کہ اگر اجازت ہو، تو میں بھی اپنے گھر سے روٹی کھا آؤں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ کھانا کھانا اور اُس کو جانے نہ دیا۔

ملک ظُہر سے مغرب تک مسجد میں رہے تھے۔ اُن کو سَمہ کی سازش کا کچھ حال معلوم نہ تھا جب وہ اپنے اپنے گھر گئے، تو وہ خبر انھوں نے بھی سُنی۔ وہ ششدر رہ گئے اور انھوں نے آپس میں جرگہ کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ اِس مولوی نے کوئی ایسا کام نہیں کیا، جو ہم اس کی جان کے خواہاں ہوں۔ کام تو وہی کیا، جو سَمہ میں اَور ہندوستانیوں نے کیا۔ فرق اتنا ہے کہ اُنھوں نے خود کیا اور اس سبب سے لوگوں پر شاق گزرا اور وہ اُن کے دشمن ہوگئے اور اس مولوی نے وہی کام ہماری رضامندی سے کیا اور ہمارے ہاتھوں سے کرایا۔ اور دُوسری بستیوں میں تو ہندوستانی لوگ سیّد بادشاہ کے فرمانے سے بیٹھے اور ہم اس کو اپنی خوشی سے اور سیّد بادشاہ سے درخواست کر کے لائے تھے۔ سو اس پر ہاتھ ڈالنا نہایت بے دینی اور بے انصافی ہے۔ لیکن اگر یوں ہی چھوڑ دیں، تو کل سَمہ والے ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔ اب ایسا کرو کہ ان کے ہتھیار تو لے لو اور ان کو اپنی بستی سے سلامت نکال دو۔ ہتھیار لینے میں بھی اتنی مروّت کرو کہ اس حجرے والے اُس حجرے والے غازی کے ہتھیار لیں۔ اور اُس حجرے والے اِس حجرے والے غازیوں کے ہتھیار لیں۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں بستی والوں نے مسجد کو گھیر لیا۔ چالیس پچاس آدمی بندوقیں باندھے کچھ مسجد کی صحن کی دیوار پر بیٹھے تھے اور کچھ متفرق دائیں بائیں کھڑے تھے۔ مولوی خیرالدین صاحب نے باہر نکل کر پوچھا: تم یہاں کیوں جمع ہو؟ یہاں کون سا تماشا ہو رہا ہے جو تم دیکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم مال لُوٹنے کے واسطے جنگل کو جاتے ہیں، اس لیے جمع ہیں۔ مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ کہیں جاؤ، مگر ہمارے پاس نہ آؤ، نہیں تو ہماری تمھاری لڑائی ہے۔ اُنھوں نے جانے میں تامّل کیا۔ مولوی خیرالدین صاحب نے اپنے آدمیوں سے پکار کر کہا کہ تم مسجد سے باہر نکل آؤ، ان کی نیت میں کچھ فتور معلوم ہوتا ہے۔ اور ان بلوائیوں سے غُصّے ہو کر کہا کہ جیسے سَمہ کی بستیوں میں ہمارے بھائیوں کو غفلت میں شہید کیا، اگر ہم بھی غافل ہوتے، تو ویسے ہی مارے جاتے۔ اب تو ہم ہشیار اور اپنے ہتھیاروں سے تیار ہیں۔ اتنے

آدمی تب مریں گے، جب تمھاری صدہا عورتوں کو بیوہ اور تمھارے صدہا لڑکوں کو یتیم کر دیں گے تمھاری اس میں خیر ہے کہ جلد یہاں سے چلے جاؤ، نہیں تو اپنے غازیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ایک طرف سے بستی کا قتلِ عام شروع کر دیں۔ اس وقت تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ غازی لوگ تو مسجد میں مسلح بیٹھے تھے جونھیں وہاں سے باہر نکلے، تمام بلوائی جنگل کی طرف بھاگ گئے۔

مولوی صاحب نے بستی سے نکل جانے کی تیاری کی۔ پنجتار کا راستہ بالکل غیر مامون تھا۔ آپ نے پڑاں غار[1] کا ارادہ کیا، جہاں کا ملک لعل محمد بڑا دیندار اور سید صاحبؒ کا مخلص تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب ملک آئے اور خوشامد آمیز باتیں کہنے لگے کہ کچھ ہماری عرض ہے، مگر ہم کہ نہیں سکتے ہیں۔ مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ تم اپنے حصے کے روپوں کو کہتے ہو گے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کتنے روپے تحصیل وصول ہوئے ہیں اور کس کے پاس ہیں اور تمھارے حصے کے کتنے روپے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ سو روپے تحصیل ہوئے ہیں اور تمھارے حکم سے قاضی کے پاس امانت ہیں، تمھارے وعدے کے موافق ہمارے حصے کے پچیس روپے ہوئے۔ مولوی صاحب نے قاضی صاحب سے کہا کہ پچیس روپے ان کے حوالے کرو اور باقی پچھتر روپے میں نے سب ملکوں کو انعام دیے۔ ان باتوں سے وہ بہت خوش ہوئے اور خوشامد سے کہنے لگے کہ اس وقت رات میں کہاں جاؤ گے، جب تک پنجتار کا راستہ صاف نہ ہو، تب تک تم یہاں سے کہیں نہ جاؤ۔ جس طرح ہم لوگ پہلے آپ کے فرمانبردار تھے، اسی طرح اب بھی ہیں، بلکہ اب اس سے زیادہ آپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری نہ کریں تو ہم اشراف نہ ہوں گے۔ ہماری طرف سے کچھ شبہ اور وسوسہ آپ اپنے دل میں نہ لائیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم صاحبان سے ایسی ہی امید ہے، مگر ہم کو حضرت امیرالمومنین کے پاس پہنچنا ضرور ہے۔

پنجتار کا سفر پڑاں غار جانے کا حال آخوند گل کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ اخوند گل پشاوری عالم، دیندار، پرہیزگار اور سید صاحبؒ کا مخلص تھا۔ لُونڈ خوڑ سے کچھ کم ایک کوس پنجتار کی طرف چلے۔ وہاں

---

[1] اصل لفظ "پڑانگ غار" ہے۔ کثرتِ استعمال سے "پڑاں غار" کہنے لگے ہیں۔ پڑانگ پشتو میں چیتے کو کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں وہاں چیتے کا غار ہو گا، پھر بستی کا یہ نام ہوا۔

ایک گورستان تھا۔ اُس میں پہنچ کر آخوند گُل نے ملک صدر الدین اور رہبر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہاں سے پڑاں غار کا راستہ لو۔ صدر الدین نے کہا کہ بھائی ہندوستانیو، دانائی تم پر ختم ہے کہ لُونْد خُوڑ سے یہ ارادہ کسی پر ظاہر نہ کیا۔ مَیں بھی سوچ میں تھا کہ یہاں سے پنجتار تک کیونکر جانا ہوگا، مگر خوف سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ اب میری جان میں جان آئی۔ اب فضلِ الٰہی سے تم صحیح و سلامت بچ گئے۔ مولوی خیرالدین صاحب نے گورستان سے پڑاں غار کا راستہ لیا اور صدر الدین کو گورستان سے رُخصت کیا اور موضع جلالہ اور دُوسری بستیوں میں ہوتے ہُوئے پڑاں غار پہنچ گئے۔ موضع جلالہ میں آپ نے ایک طالب علم کو سیّد صاحبؒ کے نام خط دینا چاہا۔ اُس نے خط لے جانے سے عُذر کیا۔ آپ نے اُس کی بغل سے کتاب لے کر اور کھول کر ایک جگہ یہ عبارت لکھ دی کہ خدا کے فضل و کرم سے ہم جلالہ تک آ گئے ہیں اور موضع پڑاں غار تک جاتے ہیں۔ آپ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قدموں تک پہنچائے۔ ملک لعل محمد اُن کے آنے سے بہت خوش ہُوا اور اُن کو اپنی بستی میں ٹھیرایا کہ جب تک پنجتار کا راستہ صاف نہ ہو، یہیں قیام کریں۔

ایک مہینہ پڑاں غار میں قیام رہا۔ وہیں سیّد صاحبؒ کا مکتوب اس مضمون کا پہنچا کہ راستہ تجویز کر کے تمھارے لانے کے لیے تنگئی کے محمود خاں بارک زئی کو بھیجا ہے۔ جس راستے سے وُہ تم کو لائیں، بلا انکار اُن کے ساتھ آنا۔ دوپہر کو محمود خاں آگئے۔ راستے میں بارہ آدمیوں کو، جن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، چلنے سے معذور تھے اورنگ شاہ کی گڑھی[1] میں چھوڑا۔ کچھ دیر گھڑیالہ میں ٹھیر کر جب موضع مہر علی کے پاس نکلے، وہاں ایک آدمی ملا۔ اُس نے کہا کہ تمھاری تو شیوہ میں آج رات بھر بڑی نگہبانی رہی کہ لُونْد خُوڑ کا مولوی کہیں نکل نہ جائے۔ ابھی دو سوار یہاں سے گئے ہیں تم جلد نکل جاؤ، اگر تم راستے راستے آتے، تو کوئی نہ کوئی ضرور ملتا، مگر تم راستہ چھوڑ کر آئے اس لیے کوئی نہ ملا۔ راستے میں مولوی صاحب نے ایک آدمی سے جو شیوہ کی کسی بستی میں رہتا تھا، کہا کہ شیوہ والوں سے کہہ دینا کہ لُونْد خُوڑ کا مولوی، جس کی تم رات کو چوکسی کرتے تھے، وُہ آج سلامت نکل گیا۔ اب آدھ کوس پر ٹھیرا ہے۔ اگر تم کو کچھ

---

[1] یہ بستی لُونْد خُوڑ سے دو کوس پر واقع تھی۔ معلوم ہُوا کہ اب وہاں کوئی گاؤں نہیں۔ (سیّد احمد شہید صفحہ ۳۱ ج ۲)

ہمّت اور جُرأت ہو، تو جاؤ، نہیں تو پچھتاؤ گے۔ وہاں سے پہاڑ کے راستے راستے موضع مکدرہ میں آئے۔

مولوی خیر الدین صاحب کا استقبال اور حمد و دُعا

مکدرے سے زیدے کے فتح خاں نے سیّد صاحبؒ کو مولوی خیر الدین صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔ مولوی خیر الدین صاحب کا بھی خط تھا۔ سیّد صاحبؒ بہت خوش ہُوئے اور سر برہنہ ہو کر دُعا کی اور یہ پیغام بھیجا کہ کل سویرے ہم آپ کے استقبال کو آئیں گے۔ آپ نے توپ خانے کے داروغے مولوی احمد اللہ صاحب سے فرمایا کہ جب ہم مولوی خیر الدین صاحب کو لے کر آئیں، تو تم خوشی کی گیارہ توپیں سر کرنا۔

اگلے روز آپ نمازِ فجر کے بعد تین سَو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہُوئے۔ جب مُولوی خیر الدین صاحب آتے ہُوئے نظر آئے اور آپ کے اور اُن کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہا، آپ پیادہ پا تشریف لے چلے اور مولوی خیر الدین صاحب اور سب غازیوں سے بڑی محبت اور تپاک سے ملے، ہر ایک کو سینے سے لگایا اور عافیت مزاج پوچھی اور پنجتار کی طرف لے کر چلے۔ لوگوں کو اشارہ کیا کہ خوشی کی بندوقیں داغتے چلو۔ جب پنجتار کے نالے پر سواری آئی، تو پنجتار میں توپوں کے گیارہ فیر سر ہُوئے اور بندوقوں کی باڑھیں چلنے لگیں۔ وہاں سے سب کو ہمراہ لیے ہُوئے بستی میں داخل ہُوئے۔ پہلے مسجد میں تشریف لائے اور نفلِ شُکرانہ کی دو رکعت پڑھ کر دُعا میں مشغول ہو گئے اور دیر تک دُعا کی کہ "خداوندا، تو نے اِن بھائیوں کو مُوذیوں کے چنگل سے چھڑا کر ہم تک سلامت پہنچایا۔ ہمارے نزدیک یہ لوگ گویا از سرِ نو پیدا ہُوئے۔ دُعا کے بعد سب کو اجازت دی کہ سب بھائی اپنے اپنے بھیلے میں جا کر اُتریں۔ اس کے بعد آپ اپنے ڈیرے پر تشریف لائے اور بھیلے میں حُکم بھجوا دیا کہ جو بھائی جس بھیلے کے ہیں، ان کی تین تین وقت ضیافت کریں اور شیخ ولی مُحمّد صاحب سے فرمایا کہ اِن بھائیوں کے کپڑے پھٹ گئے ہیں اور جُوتے ٹوٹ گئے ہیں۔ جلد نئے بنوا کر اُن کو پہنا دو اور جس چیز کی حاجت ہو، اس کی درستگی کرا دو۔

چھتر بائی اور امب کے مُجاہدین

سمہ کے علاقے سے باہر جو مجاہدین چھتر بائی اور امب کی گڑھی میں متعیّن تھے، وہ اس غدر اور کُشت و خون سے محفوظ رہے۔ ان میں سے حافظ مُصطفےٰ جھنجھانوی تیس غازیوں کے ساتھ اور شیخ بلند بخت دیوبندی ساٹھ ستّر آدمیوں کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ سیّد صاحبؒ کی طلبی تک وہیں

رہے اور سفرِ ہجرت ثانیہ میں برڈھیری کے مقام پر آپ سے آ کر مل گئے۔

اسب کی گڑھی کا تخلیہ پائندہ خاں کو سمہ کے غدر کا حال معلوم ہوا۔ وہ تنولیوں کو جا بجا سے جمع کر کے چھتربائی اور اسب پر آیا اور یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے دونوں مکان خالی کر دو اور تم سب اپنے سید بادشاہ کے پاس پنجتار چلے جاؤ۔ حافظ مصطفےٰ، شیخ بلند بخت اور سید عمر نے جواب دیا کہ امیر المومنین کے حکم کے بغیر ہم اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کریں گے۔ اس پر پائندہ خاں نے لڑائی شروع کر دی۔ ان تینوں صاحبوں نے سید صاحبؒ کو اطلاع کی۔ آپ نے ان کو لکھا کہ تم سب بھی اپنی اپنی جگہ قیام رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ چند روز میں ہم ہجرت کر کے اسی طرف کو آئیں گے۔ اگر کسی اور طرف کو جائیں گے، تو ہم سب کو بلا لیں گے۔

پائندہ خاں نے جب اسب کی گڑھی پر حملہ کیا، تو شیخ بلند بخت نے اس گڑھی کی مورچہ بندی کی اور توپیں نصب کر دیں اور کئی بار حملہ آوروں کو پسپا کیا۔ اسی طرح ان کے متواتر حملے ہوتے رہے اور مجاہدین اپنی جوانمردی سے ان کو پسپا کرتے رہے۔ آخر شیخ بلند بخت نے ایک لڑکے کے ذریعے پنجتار سید صاحبؒ کو اطلاع کی۔ سید صاحبؒ نے اس کے جواب میں سمہ کے غدر کی اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ "میں نے تمہارے متعلق سید اکبر صاحب کو لکھا ہے، تم ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرو۔ چند روز کے بعد سید اکبر صاحب شیخ بلند بخت کے پاس گڑھی میں آئے اور مجاہدین کا اسباب گڑھی سے نکلوا کر عشرے میں بھجوا دیا اور سب لوگوں کو ساتھ لے کر عشرے میں آ گئے۔ ۲۰ دن تک مجاہدین اور پائندہ خاں کے لشکر کے درمیان جنگ رہی۔ عشرے سے دریائے سندھ کے ذریعے توپیں اور گولہ و بارود اور غلہ لدوا کر ستھانہ روانہ کیا۔

ہری سنگھ کا پیغام اور مجاہدین کا جواب دریائے اٹک کے کنارے کنارے کوس کوس کے فاصلے سے سکھوں کی کئی گڑھیاں تھیں۔ ان کی ایک گڑھی اسب کی گڑھی کے بالکل مقابل تھی۔ پائندہ خاں اور مجاہدین کی جنگ کے دوران میں ایک روز اس گڑھی کے سکھوں نے دریا کے کنارے سے غازیوں کو پکارا کہ تمہاری گڑھی میں جو کوئی معتبر آدمی ہو، وہ دریا کے کنارے آئے، ہم اس سے بات کہیں گے۔ شیخ بلند بخت

نے تین آدمیوں کو تجویز کیا کہ دریا پہ پہنچیں اور اس کا پیغام سُنیں۔

جب وُہ تینوں دریا کے کنارے پہنچے، تو دریا کے پار سے ایک سکھ نے پُکار کر کہا کہ غازیو! سپاہی کی قدر سپاہی خوب جانتا ہے، مَیں ٹولیوں کے ساتھ تمھاری لڑائی دیکھ کر بہت خُوش ہُوا کہ تم خلیفہ کے لوگ بڑے بہادر اور سپاہی ہو۔ مجھ کو تمھاری خیر خواہی منظور ہے۔ مَیں اپنا ایک آدمی خط دے کر تمھارے پاس بھیجتا ہوں اور کچھ زبانی پیغام بھی اس سے کہہ دُوں گا۔ تم دونوں کا جواب سمجھ بوجھ کر میرے آدمی کے زبانی کہلا بھیجنا۔

پھر ان کا ایک آدمی اس پار آیا اور ان تینوں آدمیوں سے کہا کہ مجھ کو اپنے سردار کے پاس لے چلو، تو مَیں خط بھی اُن کو دُوں اور زبانی پیغام بھی کہوں۔ لوگ اس آدمی کو شیخ بلند بخت کے پاس لے گئے۔ اس نے وہ خط دیا۔ وہ کھولا گیا۔ اس کا خط ہندی[1] میں تھا اور اُس پر ہری سنگھ کے نام کی مُہر تھی۔ وہاں اُس وقت کوئی ہندی پڑھنے والا نہ تھا کہ اس خط کا حال معلوم ہوتا۔ اس آدمی نے زبانی بیان کیا کہ اس کا یہ مضمون ہے کہ ہمارے خالصہ یعنی سردار ہری سنگھ نے لکھا ہے کہ تم خلیفہ صاحب کے غازی لوگ بڑے بہادر، امانت دار اور نمک حلال ہو۔ پائندہ خاں کے لشکر نے تم کو گھیر رکھا ہے۔ تم کو مناسب یہ ہے کہ گڑھی اور گڑھی میں جو کچھ ہتھیار وغیرہ پائندہ خاں کے ہوں، وُہ پائندہ خاں کے لشکر کے سپُرد کرو اور تم سب ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تم سب کو نوکر رکھ لیں گے اور خلیفہ صاحب سے زیادہ تمھاری عزت کریں گے۔

شیخ بلند بخت نے اس کو جواب دیا کہ تم جا کر ہماری طرف سے اپنے خالصہ سے کہو کہ وُہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امیر المومنین حضرت سید صاحبؒ کے فرمانبردار ہیں اور اُن کے حُکم کے بغیر اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے وطن سے صرف خدا کی راہ میں کافروں سے جہاد کرنے کو آئے ہیں۔ ہم لوگ مُلک کے طالب نہیں ہیں اور نہ کسی کی نوکری چاکری کرتے ہیں۔ ہمارا جینا مرنا سید صاحبؒ کے ساتھ ہے، اور ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ پائندہ خاں کا لشکر کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اگر تمھارا راجہ

---

[1] غالباً گرمکھی کو وُہ بھی ہندی کی ایک شاخ ہے۔

رنجیت سنگھ اپنا لشکر لے کر آئے، تو ہم اس کو بھی کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ خوف تو موت کا ہوتا ہے اور ہم لوگ خدا کی راہ میں اپنی جانیں نثار کرنے آئے ہیں۔ پھر ہم کو کس بات کا غم؟ اور خبردار، پھر کسی کی زبانی ایسا بیہودہ پیغام ہم کو نہ بھیجنا۔ یہ سن کر وہ آدمی جہاں سے آیا تھا۔ واپس چلا گیا۔

چھتربائی کا تخلیہ چھتربائی کے مجاہدین نے بھی چالیس روز تک پائندہ خاں کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ پائندہ خاں نے مجاہدین کے امیر حافظ مصطفےٰ کاندھلوی سے کہلا بھیجا کہ یا تو تم لوگ پنجتار چلے جاؤ یا ہماری نوکری کرلو۔ ہم اچھی طرح تمھاری خدمت اور قدردانی کریں گے۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو اور ہندوستان جانے کا ارادہ ہو، تو ہم تم کو صحیح و سالم سندھ کے پار اُتار دیں۔ اپنے وطن چلے جاؤ، مگر بہر صورت گڑھی خالی کردو۔

حافظ صاحب نے کہا کہ اپنے خان سے ہماری طرف سے جا کر کہو کہ وُہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت امیرالمومنین کے فرمانبردار ہیں۔ اُن کے حکم کے بغیر ہم ہرگز گڑھی خالی نہیں کریں گے۔ ہم لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرنے آئے ہیں۔ کسی کی نوکری چاکری کرنے نہیں آئے، نوکری چاکری وُہ کرے، جو مال و دولت کا طالب ہو۔ ہم کو اس کی پروا نہیں۔

متواتر چالیس دن تک جنگ کا سلسلہ جاری اور گولیاں چلتی رہیں۔ ایک روز رات گئے کسی آدمی نے تین بار بآواز بلند پکار کر کہا کہ حضرت امیرالمومنین کے حکم سے سید اکبر صاحب امب کی گڑھی کے غازیوں کو عشرے میں لے گئے ہیں، اُن کے آدمی تم کو بھی لینے آئیں گے۔ تم اُن کے ساتھ بلا انکار چلے جانا۔ ایک روز سید اکبر صاحب کے آدمی آئے اور اُن کے ساتھ مجاہدین گڑھی سے باہر نکلے اور سب ہندوستانی کھبل بائی کے کنارے ہو کر امب گئے اور وہاں سے عشرے کو آئے اور بڑا دشوار گزار سفر طے کر کے بھس ڈھیری میں سید صاحبؒ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

چھتّیسواں باب

غدر کے اسباب کی تحقیق
اور
ہجرت کا عزم

پنجتار پر بلوائیوں کا نرغہ جب جا بجا سے غازیوں کی شہادت کی خبریں آرہی تھیں، اس سے کچھ دن بعد ایک روز سردار فتح خاں کی قوم خدو خیل اور زیدوں کے غول اپنے اپنے نشان لے کر آئے اور سردار موصوف کے حجرے میں اُترے۔ کچھ دیر کے بعد ایک دُوسرا غول آیا اور فتح خاں کے حجرے میں اُترا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم اس طرح مسلح ہو کر کیوں آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم سیّد بادشاہ کی مدد کو آئے ہیں اور جن لوگوں نے سمہ کی بستیوں میں غازیوں کو قتل کیا ہے، اُن سے بدلہ لیں گے اور ابھی ہمارے اور بھی بہت سے لوگ آئیں گے۔

پھر اس کے بعد چار چار گھنٹے کے فاصلے سے اور کئی غول اپنے اپنے نشان لیے ہوئے آئے اور اسی حجرے میں اُترے۔ رات کو بھی ایک غول بستی کے باہر جنوبی جانب گورستان میں اُترا۔ سب لوگوں کا گمان قوی تھا کہ یہ تمام فساد فتح خاں کا برپا کیا ہوا ہے۔ آخر معمور خاں لکھنوی، ابراہیم خاں خیرآبادی اور امیر خاں قصوری، جو پہرے پر مقرر تھے، سیّد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں کی آمد کی اطلاع کی اور فتح خاں اور ان پر اپنا شبہہ ظاہر کیا۔ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ارباب بہرام خاں، مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری، منشی خواجہ محمد (حسین پوری)، شیخ ولی محمد پھلتی وغیرہم کو بلایا

اور ان میں فتح خاں کا ایک علاتی بھائی احمد خاں بھی تھا۔ پھر آپ نے سب سے کہا کہ بعض بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ یہ لوگ فساد کے ارادے سے آئے ہیں۔ ہم کو تو اس بات کا اُن سے گمان نہیں ہے۔ کہو، تمہارے نزدیک کیا ہے؟

یہ بات سُن کر ارباب بہرام خاں اور احمد خاں نے عرض کی کہ جو کچھ آپ نے سُنا ہے، یہ بات سچ ہے۔ یہ تمام فساد فتح خاں کا ہے۔ اُس مُفسد نے ان سب کو بُلا کر جمع کیا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ منافق آپ کے ساتھ کچھ فریب کرے، کیونکہ ہم کو معتبر لوگوں سے معلوم ہُوا ہے کہ سمہ سے پشاور تک اسی مفسد کی مشورت سے اپنے اتنے غازی مارے گئے ہیں، بلکہ احمد خاں نے یہ بھی عرض کی کہ اگر آپ کی اجازت ہو، تو میں اس مُوذی کو مار ڈالوں، سب فساد دفع ہو جائے گا۔ اپنے بعض بعض ہندوستانیوں نے کہا کہ اگر آپ فرمائیں، تو ہم فتح خاں کو زندہ گرفتار کر لیں اور آپ پنجتار پر قبضہ کریں۔ ارباب بہرام خاں اور مولوی احمد اللہ صاحب نے عرض کی کہ آپ صرف پانسو غازی اور دو ضرب توپ ہمارے ہمراہ کر دیں، تمام مُلک سمہ کو مُفسدوں سے خالی کرنے کا ہمارا ذمہ ہے۔ جہاں ایک دو بستیوں کو توپوں سے اُڑا دیا، سارا مُلک تھرا جائے گا اور کوئی مقابلے پر نہ آئے گا، سب فرماں بردار ہو جائیں گے۔ اسی طور اور لوگوں نے بھی گزارش کی۔

سید صاحبؒ کا ارشاد جب سب اپنی اپنی تقریر کر چکے، تب سید صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تم صاحبوں نے کہا، یہ ایک بھی ہم کو منظور نہیں، نہ فتح خاں کے حق میں، اور نہ سمہ والوں کے حق میں۔ فتح خاں ہمارا مُحسن ہے، اُس نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ اوّل تو اُس نے اپنے یہاں ہم کو جگہ دی، دوسرے آج تک ہر کہیں ہماری شرکت کی، اس کی طرف سے کسی امر میں بدگمانی کرنی نہیں چاہیے اور جو کچھ یہ معاملہ پیش آیا، مشیتِ الٰہی یوں ہی تھی، یقینی بات جانے بغیر کسی پر قیاس سے گمان کرنا اور اس کا الزام دھرنا نہیں چاہیے۔ یہ معاملہ اللہ تعالےٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ جنھوں نے یہ فساد کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے آپ سمجھ لے گا۔ ہم تو اپنے پروردگار کی رضامندی کا کام کرنے آئے ہیں، تپنہ داری اور نفسانیت کے واسطے نہیں آئے ہیں اور جو تم صاحبوں کو ان لوگوں کی طرف سے وسوسہ ہے، سو

فتح خاں کو بلا کر اس کا حال بھی دریافت کر لیں گے تم کسی نوع کا اندیشہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سب طرح سے خیر کرے گا۔

فتح خاں سے گفتگو پھر اُسی وقت آپ نے سردار فتح خاں کو بلوایا اور اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ خان بھلائی، اِن مُلکیوں نے آکر ہجوم کیا ہے۔ ان کو کس نے بلایا ہے؟ خان موصوف نے کہا کہ ان کو آپ کی مدد کے واسطے میں نے بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی ہم کو کچھ مدد کی ضرورت نہیں ہے، ان کو رخصت کر دو۔ اپنے اپنے مکان کو جائیں۔ جب کبھی حاجت ہوگی، تب اُن کو بلا لینا۔ ہم کو تو اپنے پروردگار کی مدد کافی ہے، غیر کی مدد کی کچھ پروا نہیں۔ جو وہ مددگار ہوگا، تو سب مددگار ہو جائیں گے۔ خان موصوف یہ بات سُن کر اپنے دل میں بہت نادم ہوا اور کہا کہ میں ابھی جا کر اُن کو رخصت کیے دیتا ہوں۔ پھر اُسی وقت اُن سب کو جواب دیا۔ اسی روز وہ اپنی اپنی طرف چلے گئے۔ پھر کچھ لوگ گورستان میں پڑے رہے۔ پھر دو تین روز کے اندر وہ بھی دفع ہوئے۔

فتح خاں کی حاضری فتح خاں پنجتاری، جو اس ہنگامے کے پورے عرصے میں پنجتار سے باہر رہا، اپنے گھر آیا۔ اس نے سید صاحبؒ کی ملاقات کے لیے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ چوکیداروں نے اس کو اجازت نہ دی اور آپ کو اندر جا کر اطلاع دی کہ فتح خاں ہتھیار لگائے ہوئے اندر آنا چاہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟ فرمایا: "جیسے وہ ہمیشہ آیا کرتا تھا، آنے دو"۔ بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو اس کے ہتھیار رکھوا لیں، جب وہ ملاقات کر کے جانے لگا، تو ہتھیار اس کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ فرمایا کہ یہ مجھے منظور نہیں۔ باغیوں کے ساتھ اس کی شرکت ظنی ہے یقینی نہیں کہ شرعی طریقے پر اس کو ثابت کیا جا سکے اس لیے اس کو مسلح آنے دو۔ اگر اس کی کوئی اور نیت ہے، تو بھی کچھ ڈر نہیں۔

دل کا علاج فتح خاں نے عرض کیا کہ ہماری قوم آپ کی نصرت کرنا چاہتی ہے اور معمول کے مطابق عُشر وغیرہ دینا چاہتی ہے۔ فرمایا کہ اپنی قوم سے کہ دو کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ تم اپنے قول میں سچے ہو؟ ہزارہا آدمی اپنے قول سے پھر گئے اور انھوں نے غازیوں کی لاشوں کے ساتھ وہ کیا، جو کفار نہیں کرتے۔ اب تو ہم کو تمھارے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے میں بھی شک ہے کہ سچے دل سے کہتے ہو کہ جھوٹے دل سے تمھارا اقرار کلمۂ توحید محض قوم کے رسم و رواج کی بنا پر ہے۔ ہم کو تو اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے

دل کا علاج کریں کہ کمرگریوں کی طرف سے ہمارا شک زائل ہو۔[1]

عُلمار اور سادات کا اجتماع اور سبب کی تحقیق

ایک روز سید صاحبؒ نے اپنے معتمد لوگوں اور سردار فتح خاں سے فرمایا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مُلک کے عُلمار اور سادات اور بعض بعض مُلک اور خوانین کو، جو ہمارے مخلص دوست ہیں، بُلا کر جمع کریں اور اُن سے پُوچھیں کہ اس مُلک کے لوگوں نے ہمارے غازیوں کے ساتھ کُشت و خُون کا جو معاملہ کیا، اس کا سبب کیا ہے؟ دغابازی کا ایسا معاملہ مسلمان لوگ عہد و پیمان کر کے کافروں کے ساتھ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ساتھ۔ اگر ایسا ہی کوئی قصور ہم لوگوں سے صادر ہُوا ہے کہ اسی سزا کے لائق تھے، تو ہم کو آگاہ کریں کہ ہم اس سے تائب ہوں اور اپنے قصور پر نادم ہوں اور جو بے خطاؤں ہی افترا و بہتان کر کے اُنھوں نے یہ زیادتی کی ہے وہ بھی معلوم ہو جائے۔ پھر ہم کو اختیار ہے؛ چاہے، معاف کریں، چاہے، اپنا بدلہ لیں۔

حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور یہ تجویز بہت پسند کی۔ آپ نے فتح خاں سے فرمایا کہ خاں بھائی، جن صاحبوں کے نام ہم طلبی کے خطوط لکھوائیں، اُن کو تم اپنے آدمیوں کے ہاتھ بھجوا دو، اس لیے کہ لوگ تمھارے زیادہ واقف کار ہیں اور رستے میں اُن سے کوئی مزاحم بھی نہ ہوگا۔ ہمارے ہندوستانی کسی صُورت سے نہیں جا سکتے، اس لیے کہ تمام مُلک بگڑا ہُوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اہم آدمیوں کے نام بتلائے۔ اُن میں علمار و سادات اور خوانین و رؤسار بھی تھے۔ سب کے نام خطوط لکھے گئے اور وُہ خطوط فتح خاں نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ بھجوا دیے۔

اہل علاقہ کی مہمانداری اور مدارات

سید صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جو صاحبان آئیں، اُن کی پوری مہمانداری و خدمت گزاری کی جائے۔ اس میں کسی طور کا فرق نہ ہو۔ اور اگر بلائیوں میں سے اُن کے ساتھ کوئی آئے اور یہ معلوم ہو کہ اُنھیں لوگوں نے ہمارے غازیوں کو شہید کیا ہے، تو اُن سے کوئی شخص کسی طرح کا تعرض نہ کرے اور نہ اُن کو چھیڑے، بلکہ اَوروں کے مقابلے میں اُن کی زیادہ خاطرداری کی جائے۔

تین چار دن میں سب صاحبان تشریف لے آئے۔ اُن میں سادات و عُلمار بھی تھے اور ملک

---

[1] منظورۃ السعداء، ص ۱۰۰۱، ۱۰۰۲

اور خوانین بھی اور بہت سے مُفسدین اور بلوائی بھی۔ سید صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق اُن لوگوں کی پوری خاطرداری اور کھانے پینے سے تواضع کی گئی اور مُفسدوں اور بلوائیوں کو پہچان لینے کے باوجود کسی نے اُن سے تعرّض نہیں کیا اور نہ کوئی فرق محسوس ہونے دیا۔

سید صاحبؒ کا استفسار سب حضرات سید صاحبؒ کے ڈیرے پر جمع ہوئے۔ آپ نے عُلما، کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم آپ صاحبوں سے سوال کرتے ہیں کہ جب ہم اپنے وطن ہندوستان سے ہجرت کرکے جہاد فی سبیل اللہ کے انتظام کے لیے آپ کے اس ملک میں آئے، تو یہاں کے اکثر خوانین وغیرہ میں نااتفاقی اور کینہ داری نظر آئی کہ ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا ہُوا تھا اور کفار سے جہاد مسلمانوں کے اتفاق کے بغیر نہیں ہو سکتا، تو ایک مُدت تک للہ فی اللہ سعی اور کوشش کرکے ان لوگوں کو آپس میں ملایا۔ پھر اُنھوں نے اور آپ سب نے ہمارے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعتِ امامت اور بیعتِ ہدایت کی اور ہم کو اپنا پیر و مُرشد اور امام بنایا اور عہد و پیمان کیا کہ ہم ہر حال میں اس کارِ خیر میں جان و مال سے تمھارے شریک ہیں، پھر آپ سب نے خود ہی کہا کہ ہم نے بیعت، کا حکم بسر و چشم قبول کیا۔ اب آپ ہماری بستیوں میں ہمارے ہی لوگوں میں سے ایک ایک قاضی مقرر کر دیں کہ شرع شریف کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کیا کرے اور ہماری شادی غمی میں شرعی احکام جاری کیا کرے۔ تو آپ ہی کے کہنے کے مطابق، جن کو آپ نے کہا، اُن کو ہم نے قاضی بنایا۔ پھر شریعت کے موافق آپ سب نے برضاؤ رغبت عُشر دینے کا اقبال کیا اور کہا کہ اُس کی تحصیل وصُول کے لیے آپ اپنے مُجاہدین متعین کر دیں اور ہم سے عُشر کا غلہ وصُول کر لیا کریں۔ آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے اپنے غازی متعین کر دیے۔ ایک مُدت تک یہ کارخانہ جاری رہا۔ پھر ہمارے لوگوں سے خدا و رسُولؐ کے خلاف کون سی بات سرزد ہُوئی کہ جس کی وجہ سے آپ کا تمام مُلک ہم لوگوں کا مخالف اور جانی دشمن ہو گیا؟ اس سے پہلے ہم سے کسی نے نہ کبھی بات کی شکایت کی اور نہ کوئی اطلاع دی۔ آپ ہی آپ لوگوں نے یکبارگی بدعہدی کرکے ہمارے صدہا غازی قتل کر ڈالے۔ اس کا سبب ہم کو بالکل معلوم نہ ہُوا۔ آپ خود سوچ سمجھ کر ہم کو اس کا جواب دیجیے۔

معاملے کی تحقیق لوگوں نے اس مجلس سے اٹھ کر کئی روز تک آپس میں گفتگو کی، لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔ آخر آپ کے پاس آکر کہا کہ ہم سب متحیر و متفکر ہیں کہ اتنا کشت و خون کس سبب سے ہوا۔ ہمیں اس کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہو سکی، کیونکہ نہ تو ہم اس معاملے میں شریک تھے اور نہ انھوں نے ہم کو مشورے میں شریک کیا۔ اس کا سبب وہی لوگ جانتے ہوں گے، جنھوں نے یہ معاملہ کیا۔

آپ نے فرمایا کہ ہم تو سبب جاننا چاہتے ہیں۔ آپ ہی ان سے معلوم کر کے ہمیں مطلع کیجیے۔ آخر سب نے مشورہ کر کے یہ عرض کیا کہ تختہ بند کے سید میاں اس ملک کے بڑے بااثر بزرگ اور سب کے پیشوا و مقتدا ہیں۔ اگر یہ رزڑوں کی بستیوں میں جائیں اور اس کی تحقیق کریں، تو ہو سکتا ہے۔ آپ نے اس کو پسند فرمایا اور سید میاں کے ساتھ قابل آخوند زادہ کو، جو بڑے عالم اور خوش تقریر تھے، ان کے ہمراہ کر دیا۔

سید میاں پانچویں یا چھٹے روز واپس آئے۔ آپ نے حال پوچھا۔ قابل آخوند زادہ نے کہا کہ ہم اور سید میاں یہاں سے چل کر رزڑوں کے علاقے میں جا کر ٹھیرے اور اپنا آدمی بھیج کر بستیوں کے کئی نامی نامی آدمیوں کو بلوایا۔ جب سب آکر جمع ہوئے، تو ہم نے ان سے سوال کیا کہ تم نے جو بلوہ کر کے سید بادشاہ کے اتنے غازی قتل کیے، اس کا کیا سبب ہے؟ اگر معقول جواب دو گے، تو تمھارے بچاؤ کی صورت ہے؛ نہیں تو بہت ذلت و خواری اٹھاؤ گے اور قرار واقعی سزا پاؤ گے۔ تم نے ان کو دغا دے کر غفلت میں قتل کیا۔ نہیں تو تمھاری کیا مجال تھی، جو تم ان پر ہاتھ ڈالتے؟ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے سردار یار محمد خاں کی لڑائی جیتی اور سلطان محمد خاں کو شکست دے کر پشاور تک پیچھا کیا۔ بدھ سنگھ چار توپوں اور دس ہزار فوج کے ساتھ اکوڑے میں پڑا تھا۔ صرف سات سو غازیوں نے جا کر اس پر چھاپہ مارا۔ اور ان سب کی کیا حقیقت ہے؟ سید بادشاہ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور اسی نیت سے ہندوستان کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ یہ حال تم سب جانتے ہو۔ سید بادشاہ کے پاس پنجتار میں جو لشکر ہے، وہ توپ خانہ لیے گولے بارود سے تیار ہے۔ اگر انھوں نے اس طرف قصد کیا، تو تم میں سے کسی کو مقابلے کی جرأت نہ ہوگی اور سب کے سب مارے جاؤ گے۔

سید بادشاہ نے ہم کو تمھارے پاس اس کا جواب لینے کے لیے بھیجا ہے۔ تم ہمیں اس کا جواب دو۔

بلوائیوں کا بیان وہ تکی کی یہ گفتگو سُن کر وہ گھبرائے اور سر جُھکا کر عُذر بیان کرنے لگے اور کہنے لگے: یہ لوگ ہم پر ظلم و تعدّی کر کے ہماری بہنوں، بیٹیوں کا نکاح کر ڈالتے تھے اور تھوڑے تھوڑے قصُور پر ہم کو بے عزّت کرتے تھے اور جُرمانہ کرتے تھے۔ جب ہم لوگ حد سے زیادہ تنگ ہُوئے، تب ہم نے یہ کام کیا۔

مَیں نے کہا کہ تمھارا یہ عُذر بیجا اور نامعقول ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ تم جو نکاحوں کی شکایت کرتے ہو، وہ محض غلط ہے۔ انھوں نے جو نکاح کروائے، وہ شریعت کے موافق اور تمھاری رضامندی سے تمھاری ہی قوم میں کروائے۔ کسی نے تمھاری بہن بیٹی کا نکاح اپنے ساتھ نہیں کیا کہ جس سے تم کو ننگ و عار آتا ہے۔ باقی رہے جُرمانے کے معاملے، تو جب کوئی حاکم ہوتا ہے تو وہ قصُورداروں سے جُرمانہ بھی لیتا ہے، قید بھی کرتا ہے، زد و کوب بھی کرتا ہے۔

پھر خطوط جب وہ لوگ کوئی معقُول جواب نہ دے سکے، تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ خطوط لا کر دیے اور کہا کہ یہ خط ہندوستان کے عُلما نے اور پشاور سے دُرّانیوں نے ہم کو بھیجے۔ ان خطوط کی بنا پر ہم لوگوں نے متفق ہو کر یہ کام کیا۔ اصل وجہ یہی ہے۔ سید صاحبؒ نے وہ خطوط مُلاحظہ فرمائے۔ یہ اُسی محضر کی نقل تھے، جو ہزار خانی کے میدان میں مُلاقات کے وقت سردار سُلطان مُحمّد خاں نے سید صاحبؒ کو دیا تھا۔

سید صاحبؒ کا ارشاد آپ نے یہ سب سُن کر فرمایا کہ بڑے افسوس کی جگہ ہے کہ کچھ اُوپر چار برس ہم کو ہندوستان سے یہاں آئے ہو گئے۔ اِتنی مدّت تک ہم ان لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرتے رہے، ہر طرح کے وعظ و نصیحت سے اُن کو سمجھایا اور اُن کے دِین و دُنیا کی بھلائی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، مگر خدا جانے، یہ کیسے سخت دل کے لوگ ہیں کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا ان پر ذرّہ بھر بھی اثر نہ ہُوا۔ ہم نے حتی الامکان ان کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی اور اُنھوں نے اپنی شرارت اور بغاوت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی اور نفاق اُن کے دِلوں سے نہیں گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں

پر عتابِ الٰہی ہے۔ ہم کو ان لوگوں سے اپنا عوض لینا بھی منظور نہیں۔ ہم کس کس شخص سے عوض لیں؟ بہتر یہی ہے کہ یہ معاملہ ہم اپنے خدا کے سپرد کریں۔ وہی مُنتقمِ حقیقی ہے۔ جس طرح چاہے گا، انتقام لے گا۔

اور بڑے حیف کی جگہ ہے کہ جب سُلطان مُحمّد خاں نے ہم کو یہ کاغذ دیا تھا اور کہا تھا کہ ہماری بغاوت کا سبب یہی ہے، اُسی وقت ہم نے کہا تھا کہ ہمارے ہندوستان کے دُنیاداروں، بدعتیوں اور گور پرستوں نے ہم پر یہ اِفترا کیا ہے اور اس اِفترا کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں وعظ، نصیحت کی برکت سے بے شمار لوگوں کو ہدایت نصیب کی، وُہ تمام شرک و بدعت سے تائب ہو کر پُورے پُورے مُوحّد اور مُتّبعِ سُنّت ہو گئے اور اُن کی پیر پرستی اور گور پرستی پر ردّ و قدح کرنے لگے، اُن کی آمدنی کا بازار سرد ہو گیا اور وُہ خود تمام مُوحّدین کی نظروں میں خفیف اور حقیر ہو گئے۔ اس کے حسد اور بُغض سے اُنھوں نے ہم پر یہ بُہتان اور اِفترا کیا اور تم سے بڑی نادانی اور خطا یہ ہُوئی کہ تم نے اس بہتان نامے کو اب تک اپنے پاس رکھا اور دل ہی میں ہم سے عداوت اور بغاوت پیدا کی اور اس سے ہم کو آگاہ نہ کیا۔ وَ اِلّا ہم تمھارے دلوں کا شُبہہ رفع کر دیتے۔ اس پر اُس نے کہا کہ مجھ سے خطا ہُوئی اور میں از سرِ نَو آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں کہ اب بارِ دیگر تم سے بغاوت نہ کروں گا۔ اسی پر ہم نے پشاور لیا ہُوا اُس کو دے دیا اور پھر اس بہتان نامے کو دستاویز کر کے اس دغاباز منافق نے لوگوں کو فساد پر آمادہ کر کے یہ خرابی کی کہ صدہا مسلمانوں کا خونِ ناحق ہُوا۔ اب ہم کیا کہیں؟ خدا اس کو سمجھے! اس سے بہتر تو بہرحال اس کا بھائی دوست مُحمّد خاں ہے۔ آج تک خُوب رہا کہ نہ ہمارے ساتھ اُس نے کچھ بھلائی کی اور نہ کچھ بُرائی۔ اور اُنھوں نے مُنافقانہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور ہم کو اپنا امام بھی بنایا اور آخر کو اس کا ثمرہ ظاہر ہُوا۔

حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ اب ان لوگوں میں رہنا خُوب نہیں۔ اب یہاں سے ہجرت کریں گے اور جدھر اللہ تعالیٰ لے جائے گا، اُدھر جائیں گے، مگر یہاں نہ رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ قدیم سے یہ سُنّت اللہ جاری ہے۔ انبیاء علیہم السّلام حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرتؐ کے نائبوں میں سے اب تک جو داعی الی اللہ ہُوئے ہیں، آپ ہی آپ مخالفین بے دین

اُن کی ایذا رسانی کے درپے ہوتے ہیں۔ اگر نام بنام ہر ایک کے حال کو بالتفصیل بیان کریں، تو بہت عرصہ چاہیے اور وہ ہمیشہ خلائق کی خیر خواہی و جانفشانی کرتے رہے اور مخالفین اُن کی بے عزّتی و ایذا رسانی کے درپے رہے۔ مگر یہ لوگ اُن پر بھی سبقت لے گئے اس لیے کہ وہ ان ہادیوں کے دین کے مُنکر و مخالف تھے اور انھوں نے باوجود مُقِرّ اور موافق ہونے کے یہ فعل کیا۔

اس کے بعد دعاءِ خیر کر کے آپ نے اہلِ مجلس کو رُخصت کیا۔ سب اپنے اپنے ڈیرے پر گئے۔ اگلے روز جمعہ کا دن تھا۔ نمازِ جمعہ میں بے شمار آدمی جمع ہوئے۔ آپ نے نماز کے بعد یہی مضمون بعض نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ پھر بیان کیا۔ تمام سامعین پر حال سا طاری تھا اور اکثر کے آنسو جاری تھے۔ وعظ و نصائح کے بعد آپ نے دعا کی اور ڈیرے پر تشریف لائے۔

جہاد بہ طریقِ سنّت مولوی خیر الدین صاحب نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ تنہائی میں عرض کرنا ہے۔ یہ بات سُن کر آپ مسجد کے اندر ہو بیٹھے۔ مولوی خیر الدین صاحب نے عرض کیا کہ مَیں خُوب جانتا ہوں کہ آپ کی نیّت میں یہ بات ہے کہ کسی طرح ہم جہاد بطریقِ سُنّت کریں اور جس طرح سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے وقت میں لوگ امام کے حُکم پر کمر باندھ کر کفّار سے لڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُن کو فتحیاب کرتا تھا اسی طرح للّٰہی لوگ میرے ساتھ جمع ہو کر جہاد کریں۔ اسی نیّت سے آپ نے ہندوستان کے اکثر شہروں اور یہاں یوسف زئی کی بستی میں دَورہ کر کے وعظ اور نصیحت فرمائی اور ہندوستان سے یہاں تک لاکھوں آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ ہدایت، بیعتِ جہاد اور بیعتِ امامت کی۔ آپ کے خیالِ مُبارک میں یہ بات آئی کہ اگر ان لاکھوں آدمیوں میں سے ہزاروں بھی جمع ہو جائیں گے، تو سُنّتِ نبوی کے طریق کے موافق جہاد بخوبی ہوگا۔ اسی وجہ سے آپ کو نوکر رکھنے سے نفرت رہی۔ اگر کسی کے کہنے سُننے سے کچھ لوگ نوکر بھی رکھے تو پھر کسی حیلے بہانے سے چند روز بعد اُن کو موقوف کر دیا۔ اس عرض سے میری غرض یہ ہے کہ کیا اب بھی آپ کو یہ اُمید باقی ہے کہ نوکر رکھے بغیر اس زمانے میں جہاد ہو سکے گا؟ لاکھوں آدمی جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی تھی اور جہاد کے قائم ہونے پر حاضر ہونے کا پختہ وعدہ کیا تھا، کہاں گئے؟ اسی واسطے پہلے

بھی غرض تھی اور اب بھی ہے کہ یہ زمانہ سُنّت کے مطابق جہاد کرنے کا نہیں۔

سیّد صاحبؒ کا عزم اور فیصلہ آپ نے یہ سب نشیب و فراز کی گفتگو سُن کر فرمایا کہ آپ دُنیا کا ظاہری کارخانہ دیکھ کر اپنی سمجھ کے مطابق ٹھیک کہتے ہیں، مگر مَیں اپنی طرف سے شروع سے آج تک اسی طرح سعی و کوشش کرتا رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ جب تک زندگی باقی ہے، اسی کوشش میں لگا رہوں گا اور کسی کے اقرار کرنے اور حاضر ہونے سے کوئی غرض نہیں، اور نہ فتح و شکست سے کچھ مطلب ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چاہے، اپنے دین اسلام کو شکست کرے یا چُست، مَیں اس کا فرماں بردار بندہ ہوں۔ اگر تن تنہا رہ جاؤں گا، تب بھی اسی کے کام میں اپنی جان صرف کروں گا

یہ جواب سُن کر مولوی خیرالدین صاحب خاموش ہو رہے۔

ہجرت کے متعلق مولوی خیرالدین صاحب کی گفتگو مولوی خیرالدین صاحب نے ہجرت کے متعلق سیّد صاحبؒ سے گفتگو کی۔ اُنھوں نے عرض کی کہ جو آپ یہاں سے ہجرت کی تیاری فرما رہے ہیں، تو میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہاں سے منتقل ہونا مناسب نہیں ہے۔ اگر آپ دُوسرے مُلک میں جائیں گے، تو پھر ایک مُدّت مدید چاہیے کہ وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصائح کریں اور اُن کی عادت و خصلتوں سے واقف ہوں۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ وہ لوگ کس قسم کے ہوں۔ آپ کے وہاں ٹھیرنے سے راضی ہوں یا نہ ہوں۔ اس سے تو یہیں ٹھیرنا مناسب ہے، کیونکہ یہاں کے آدمی برتے ہوئے ہیں، مخلص و منافق اور مطیع و باغی ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے ہیں۔ جہاد کا جو معاملہ یہاں آسانی سے بنے گا، اس کو دوسری جگہ ایک مُدّت دراز چاہیے۔

اہلِ سَمَہ سے مایُوسی اور طبعی تنفُّر آپ نے فرمایا: بات تم سچ کہتے ہو، مگر یہاں قیام کرنے کی کوئی صُورت نظر نہیں آتی، کیونکہ مخلص لوگ تو تھوڑے ہیں اور مُفسد بہت۔ اب اُن سے ہدایت و صلاحیت کی اُمید نہیں رہی۔ ایک بار اُن سے دھوکا کھا کر پھر ان میں رہنا دینداری اور ہوشیاری سے بھی بعید ہے۔ حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَّرَّتَيْنِ“[1]۔ سوات

---

[1] مومن ایک سُوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، یعنی، ایک جگہ سے کئی کئی بار دھوکا نہیں کھاتا۔

کا ملک، جو اِس علاقے کی پُشت پر ہے، وہ بھی مخالف ہے۔

اِس کے علاوہ فتح خاں، جس کے یہاں ہم مقیم ہیں، اس کی طرف سے بھی ہم کو اعتماد جاتا رہا۔ اگر تمام لوگ مخالف ہوتے، تو کچھ بھی پروا نہ تھی۔ فقط یہ ہمارے قیام سے راضی ہوتا، تو بھی یہاں رہنے کی ایک صُورت تھی۔ اب یہاں کے لوگوں سے مجھ کو ایسی نفرت معلوم ہوتی ہے، جیسی آدمی کو اپنی قَے سے۔ اب یہاں سے ہجرت ہی کرنی بہتر ہے۔

مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ ہم فرماں بردار ہیں۔ آپ جس طرف کو چلیں گے، ہم لوگ بلا عُذر آپ کے ہم رکاب ہوں گے۔

شُہداءِ سمہ اپنے مُلک کے خلاصہ اور لُبِّ لباب تھے

ارباب بہرام خاں نے کہا کہ آپ اجازت دیں، تو مَیں لشکر کا ایک حِصّہ اور توپ لے کر دیہاتوں کا دَورہ کروں اور انشاء اللہ جنگ کی نوبت بھی نہیں آئے گی اور سب تابع ہو جائیں گے۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی، اوّل اوّل جب ہم اس مُلک میں پہنچے، تو نہ ہم اس قوم کے حالات سے واقف تھے، نہ وُہ ہمارے حالات سے۔ ہم نے کئی سال وعظ و نصیحت کے ساتھ اُن کی دلجوئی کی۔ جب اس کا کوئی اثر نہیں ہُوا، تو ہم نے حاکمانہ معاملہ کیا اور فہمائش اور دلائل کے ساتھ اپنے احکام کی حقیقت ثابت کرنے سے دریغ نہیں کیا اور ہمارا مقصُود اس تمام جد و جہد سے محض دینِ حق کا اجرا تھا۔ اس پر بھی کوئی اثر نہیں ہُوا، بلکہ اُن کی سرکشی اور تمرد میں اتنی ترقی ہُوئی کہ اتنے مُسلمانوں کو، جو اپنے مُلک کا خلاصہ اور لبِّ لباب تھے، شہید کر دیا۔ ہماری نیّت اس پورے طرزِ عمل سے مُلک گیری یا جاہ طلبی کی نہ تھی۔ ہمارا مقصُود محض اصلاح و تربیت تھی۔ اب ہم اس مُلک کے لوگوں کو منتقمِ حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور اپنے باقی ماندہ رفیقوں کو لے کر کسی دُوسرے مُلک کی طرف رُخ کرتے ہیں، اس لیے کہ جب ہم نے اپنے مُلک سے ہجرت اختیار کی، تو جہاں کہیں راستباز اور صادق القول لوگ ملیں گے، وہیں ہم قیام اختیار کر لیں گے، کچھ اسی مُلک پر انحصار نہیں ہے۔[1]

---

[1] منظورۃ السعداء، صـ ۱۰۰۳

سَینتیسواں باب

ہجرت کا دُوسرا سفر

ہجرت کے داعی چار مشہور سردار اس بات کے داعی تھے کہ سیّد صاحبؒ سمہ سے ہجرت کر کے اُن کے علاقے میں تشریف لائیں اور اپنی نُصرت و رفاقت کا وعدہ کرتے تھے۔ ایک سلطان زبردست خاں مُلک کھکا بمبا کا سردار تھا۔ بارہا اُس کی عرضیاں سیّد صاحبؒ کے پاس آئیں اور اُس کا بڑا دیندار وکیل راجہ پارس نام کئی سال سے اسی مقصد سے آپ کے پاس پنجتار میں مقیم تھا۔ دُوسرا ناصر خاں سواتیوں کا سردار تھا۔ وُہ بھی کئی سال سے اس غرض کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ تیسرے حبیب اللہ خاں خان خیل پکھلی کا سردار تھا۔ اس کے بھی کئی سال سے اس درخواست کے خُطوط آتے تھے اور اس کے آدمی بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ چوتھا سردار عبدالغفور خاں مُلک اگرُور کا خان تھا۔ اس کا بھائی کمال خاں اس مقصد کے لیے کئی سال سے آپ کے ساتھ تھا۔

ہجرت کی شہرت اور مخلصین کا تأسف جب آپ کی ہجرت کی خبر مشہور ہُوئی، تو جو حقّانی عالم مخلص سادات اور معتقد خوانین پنجتار میں حاضر تھے، سب کو اس خبر سے بڑا رنج ہُوا۔ یہ خبر سُن کر اطراف و نواح کے مخلصین و معتقدین بھی آنے لگے اور سمجھانے لگے کہ کسی طرح آپ یہاں سے نہ جائیں۔ ایک روز سردار فتح خاں کی قوم کے لوگ، جو اطراف کی بستیوں میں رہتے تھے، جمع ہو کر پنجتار آئے اور فتح خاں کو ساتھ لے کر آپ

کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت عصر و مغرب کا درمیان تھا اور آپ مسجد میں بیٹھے تھے۔ فتح خاں نے عرض کیا کہ میری قوم کے یہ لوگ آئے ہیں اور آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، بیان کرو، یہ بھائی کیا کہتے ہیں۔ فتح خاں نے کہا: یہ سب صاحب عرض کرتے ہیں کہ آپ یہاں سے کہیں تشریف نہ لے جائیں، ہم سب آپ کے فرماں بردار و جاں نثار ہیں۔ ہم سے آج تک آپ کی خدمت میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں ہوئی۔

فتح خاں کی مرضی آپ نے فرمایا: یہ بھائی سچ کہتے ہیں۔ آج تک اُن سے کوئی قصور صادر نہیں ہوا۔ ہم اُن سے راضی ہیں۔ ان پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے اور جو یہ کہتے ہیں کہ سید بادشاہ یہاں سے نہ جائیں، اللہ تعالیٰ اُن کو جزاءِ خیر دے! بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اور مُلکِ سمہ و سوات، بُنیر وغیرہ کے تمام لوگ یہ کہیں کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور اکیلے تم کہو کہ جاؤ، تو مَیں چلا جاؤں گا اور تمام لوگ کہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تم اکیلے کہو کہ نہ جاؤ، تو مَیں ہرگز نہ جاؤں گا اور اگر اس بات کے کہنے سے تم کو کچھ لحاظ معلوم ہوتا ہو تو اپنے دل کی بات چُپکے سے میرے کان میں کہ دو۔

یہ فرما کر آپ نے فتح خاں کو اپنے پاس بٹھا کر اپنا کان فتح خاں کے مُنہ کے پاس کر دیا۔ بہت دیر تک فتح خاں کچھ باتیں کرتا رہا اور آپ بھی اُس کے کان میں کچھ باتیں کہتے رہے۔ تمام لوگ دُور سے دیکھتے رہے، مگر کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ باتیں کیا تھیں۔

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد! جب سید صاحبؒ فتح خاں سے باتیں کر چکے، تو آپ اُس کی قوم کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ “بھائیو، ہم تم سے راضی ہیں، تم پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے۔ ہم جو یہاں سے جاتے ہیں، تو کسی مصلحت سے جاتے ہیں اور ہم تمھارے فتح خاں کو خلیفہ بنا کر جائیں گے۔ جو کچھ عُشر کا غلہ تم سب ہم کو دیتے تھے، اب اُن کو دیا کرنا اور شریعت کے جو احکام فتح خاں تم کو تعلیم کریں، اُن کو قبول کرنا اور اُن سے کسی امر میں بغاوت نہ کرنا۔ اور ہندوستان کے جو لوگ اس طرف ہو کر کبھی آئیں، تو اُن کی خاطرداری کرنا، اُن کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا۔”

اسی طرح اُن کو اچھی طرح سمجھا بُجھا کر رخصت کیا۔

ہجرت کے بارے میں ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب

پنجتار میں جب ہجرت کی تیاری شروع ہوئی اور اس کا عام چرچا ہوا، تو قاضی سید محمد حبان شہید مرحوم کے استاد مُلّا شریعت، جو اُس وقت وہاں موجود تھے، فرمانے لگے کہ چونکہ یہ اسلامی مُلک ہے اور یہاں کے خوانین سب مسلمان ہیں اور جو کچھ کُشت و خُون و بدعہدی و نافرمانی یہاں کے لوگوں سے سرزد ہوئی ہے، وُہ کبیرہ گناہ سے زیادہ نہیں اور کُفر تک نہیں پہنچی۔ اس لیے اس مُلک سے ہجرت از رُوئے شریعت جائز نہیں۔

چونکہ اکثر لوگوں کو ہجرت کے مقابلے میں وہاں کا قیام مرغوب تھا، اُنھوں نے سید صاحبؒ تک اس کی اطلاع پہنچائی۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ مُلّا شریعت اس طرح کہتے ہیں، آپ اُن کو شرعی دلیل سے مطمئن کر دیں۔ مولانا نے ایک حدیث پڑھی[1] اور فرمایا کہ اِس حدیث سے اس مسئلے کا استنباط ہوتا ہے۔ مُلّا صاحب نے فرمایا کہ ہاں، اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرنی چاہیے، لیکن مَیں اِس کو اُس وقت مانوں گا، جب فُقہائے حنفیہ میں سے کسی کا قول یا فقہِ حنفی کا کوئی جُزئیہ اس کی تائید میں مِل جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بات تو مشکل ہے، اس لیے کہ کُتبِ فقہ کی کوئی ایسی صراحت میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ ایک استنباط ہے۔ اگر فقہائے متقدمین میں سے کسی کو اس مسئلے کی ضرورت پڑتی اور یہ حدیث بھی یاد ہوتی، تو وُہ اس سے استنباط کر کے اپنی کتاب میں لکھ دیتے۔

مولانا نے یہ ساری گفتگو سید صاحبؒ سے نقل کی۔ سید صاحبؒ نے فرمایا: کیا مُلّا صاحب اس کے قائل ہوئے کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے نکلتا ہے؟ مولانا نے فرمایا: جی ہاں، وُہ اتنی بات کے تو قائل تھے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا: "مَیں اُن کو سمجھاؤں گا"۔ سید صاحبؒ نے مُلّا صاحب کو بُلایا اور ایک پرندے کا نام لے کر فرمایا: مولانا، اُس کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے کہ حرام؟ مُلّا صاحب نے کہا: "اس پرندے کے پنجے ہیں یا نہیں؟" سید صاحبؒ نے فرمایا: "فقہ کی کسی کتاب میں بھی اس پرندے کا نام اور اس کی حلّت و حُرمت کی تصریح ہے یا نہیں؟" مُلّا صاحب نے کہا: "صحیح حدیث میں یہی قاعدۂ کُلّیہ

---

[1] مولانا جعفر علی صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں چونکہ اس مجلس میں نہیں تھا، اس لیے مجھے حدیث کے الفاظ اور مضمون معلوم نہیں ہو سکا۔

آیا ہے۔ اسی پر فقہاء حِلّت و حُرمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی فقیہ کسی پنجے والے پرندے کو حلال بھی لکھ دے، تو جمہورِ فقہاء اُس کی تحریر پر فتویٰ نہیں دیں گے اور اُس کے قول کو رد کر دیں گے۔" سیّد صاحبؒ نے فرمایا: "جب ایک حدیثِ صحیح سے ایسے مقام سے ہجرت کا استنباط ہوتا ہے، تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی فقیہ اس جُزئیہ کو اپنی کتاب میں بھی درج کرے؟ فقہاء عالم الغیب تو نہیں تھے، جو اُن کو معلوم ہوتا کہ فلاں وقت آپ کو اس مسئلے کی ضرورت پڑے گی۔ فقہاء کے قول پر عمل اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ انھوں نے کتاب و سُنّت سے استنباط کر کے اپنی کتابوں میں اُن مسائل کو درج کر دیا ہے۔ پس شریعت کی بُنیاد اللہ اور اُس کے رسُولؐ کا قول ہے۔"

اس پر مُلا صاحب بہت خوش ہوئے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا اور خود بھی شریکِ ہجرت ہوئے۔[1]

ہجرت کی اطلاع اور وصیت آپ نے ہجرت سے پیشتر پنجتار سے پیر صبغۃ اللہ، ابو القاسم خاں امیرانِ سندھ اور دونوں بیویوں کے نام الگ الگ خطوط تحریر فرمائے۔ امیرانِ سندھ اور پیر صاحب کو تحریر فرمایا: "آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اُمید ہے کہ اگر تقدیر کا نوشتہ اور مالکِ حقیقی کی مرضی یہی ہے کہ ہماری زندگی اسی عبادت میں صرف ہو جائے، تو اُس صُورت میں از راہِ خیر خواہی اور دینداری اس کو ضروری سمجھیں کہ ان مستورات کو جو اپنے وطن سے ہجرت کر چکی ہیں، حرمین شریفین تک پہنچا دیں۔" بیبیوں کے نام خط میں تحریر تھا: "اگر ہمارا پیمانۂ عُمر اسی عبادت کے دَوران میں پُر ہو جائے، تو تم حرمین شریفین چلی جانا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرنا، اس لیے کہ اس زمانۂ پُر فتن میں ایمان کی حفاظت کسی اور جگہ نظر نہیں آتی۔ وہاں کی زیادتیوں کی تکالیف پر صبر کرنا اور وہاں توطّن اختیار کرنا بہتر ہوگا۔"[2]

راستے کا انتخاب ایک روز آپ نے سردار فتح خاں کو بُلا کر فرمایا کہ ہمارا یہ ارادہ ہے کہ ہم یہاں سے جھنڈے بوکے اور سینی، ٹوپیے اور پکھلی ہو کر جائیں۔ تم ان بستیوں کے خوانین سے کہلا بھیجو کہ وہ ہم سے تعرّض نہ کریں۔ اس راستے کے اختیار کرنے میں فائدہ یہ تھا کہ راستہ ہموار ہے، توپیں چلی جائیں گی۔

خوانین کا انکار فتح خاں نے ان بستیوں کے خانوں کو کہلا بھیجا۔ یہ وہی بستیاں تھیں جہاں غازیوں

---

[1] منظورہ ص ۱۰۵۰، ۱۰۵۱

[2] ایضاً ص ۱۰۵۲

کو شہید کیا گیا تھا۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس بہانے سے آکر غازی ہم سے انتقام لیں۔ انھوں نے صاف جواب دیا کہ ہماری طرف سے ہو کر نہ آئیں، ہم کو منظور نہیں ہے۔ فتح خاں نے یہ جواب آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر نہیں مانتے، تو نہ سہی؛ کوئی اور راستہ تجویز کرو۔ ہم کو تو راستے راستے جانا ہے، کسی سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی منظور نہیں ہے۔

فتح خاں نے کچھ دیر سوچ کر عرض کیا کہ ایک راستہ تو ہے، مگر سخت دشوار، پہاڑ ہو کر ہے؛ اس راستے پر توپیں نہ جا سکیں گی۔ وہ یہ ہے کہ آپ یہاں سے موضع کنگلئی اور بڈھیری پیر اڑبیون کے پہاڑ پر چڑھیں اور موضع کرنا میں جا اتریں۔ وہاں سے کابل گرام ایک میل ہے۔ اس کے بیچ دریائے سندھ اترنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ہم کو منظور ہے۔ ہم اسی طرف ہو کر چلے جائیں گے۔

سردار فتح خاں کے ساتھ مشفقانہ سلوک ایک روز آپ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے۔ سردار فتح خاں بھی اس وقت موجود تھا۔ آپ نے اپنا کرتا اپنے ہاتھ سے خانِ ممدوح کو پہنایا اور اپنا عمامہ اس کے سر پر باندھا اور خلافت نامہ لکھوا کر دیا۔

رفیقوں کو اختیار روانگی سے پیشتر آپ نے اپنے ساتھیوں اور مقامی مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ بھائیو! اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عبادت (جہاد) میں شریک کیا اور تم نے محض لوجہ اللہ اس راستے کے گرم و سرد کو برداشت کیا۔ تم نے نصرت و رفاقت کا حق ادا کیا، اب ہم اس ملک سے دور دراز ملک کا قصد رکھتے ہیں۔ ہم کو خود معلوم نہیں کہ کہاں جائیں گے۔ سفر کو قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ کہا گیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ سفر کوہستان کا ہے۔ اس میں کھانے پانی کی ضرور تکلیف ہوگی اور مالوفات و عادات کو ترک کرنا ہوگا۔ اس لیے وہ شخص ہمارے ساتھ چلے، جو صبر و استقامت کے لیے تیار ہو اور مالک کی شکایت زبان پر بھی نہ لائے۔ ہم ابھی سے خبردار کر دیتے ہیں کہ تکلیف کے پیش آنے کے وقت کوئی یوں نہ کہے کہ سید نے ہم کو دھوکا دیا، یا یہ کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ اتنی تکلیفیں پیش آئیں گی۔ پس جو شخص اپنے اندر صبر و برداشت کی طاقت پائے، وہ ہمارا شریک ہو۔

زندگی کا فیصلہ ہم تو اپنی پوری زندگی اپنے مالک کی رضا میں صرف کر دیں گے اور جو شخص تکلیف جسمانی

اور نفسانی پر صبر نہ کر سکے، وہ ہم سے علٰحدہ ہو جائے، لیکن اُس کو خراسان یا ہندوستان نہیں جانا چاہیے اگر وُہ جاتا ہے، تو عرب کا رُخ کرے، اس لیے کہ ایمان کی حفاظت عرب کے سوا اور جگہ مشکل ہے۔ وہ حرمین شریفین کی اقامت اختیار کرے اور وہاں کے حُکّام کی زیادتی اور وہاں کے مصائب پر صبر کرے کہ وہاں دین میں خلل نہیں آئے گا، اگرچہ بدعات سے وہ مُلک بھی پاک نہیں ہے۔[1]

اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب سے خطاب کر کے فرمایا کہ مولانا، آپ تلاوت خُوب کریں۔ ہم کثرت سے مراقبہ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم کسی ایسے مقام پر پہنچ جائیں، جہاں جہاد کا اچھی طرح نظم ہو سکے۔ ان کلمات کو سُن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور لوگ مُرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔[2]

راہِ خدا کا نیا مہمان مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ اسی موقع پر شیخ امجد علی غازی پوری، جو زخمی تھے، پہنچے۔ یہ وُہی نوجوان ہیں، جن کو ان کے والد شیخ فرزند علی رئیس غازی پور نے اسمٰعیل ذبیح کی طرح اللہ کے راستے میں قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔

روانگی کی تیاری آپ نے ہجرت کی تیاری شروع کی اور لشکر کے غازیوں کو جماعت جماعت اور اکیلے اکیلے کہلا بھیجا کہ جو اسباب ضرورت سے زائد ہو، اس کو جلد دو چار روز کے اندر اندر بیچ ڈالیں یا کسی کو لِلّٰہ فی اللہ حوالے کر دیں اور سفر کی تیاری کریں اور کئی ٹکڑیاں موضع کنگلی وغیرہ کی طرف راستہ صاف کرنے کے لیے روانہ کیے۔

جب سفر کا سامان درست ہو گیا، تو ایک روز آپ نے پنجتار سے کُوچ فرمایا۔[3] جو مکان غازیوں نے چھانٹے بنائے تھے، وُہ سب بدستور چھوڑ دیے۔ بعضوں نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو جلا دیں۔ آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اس کے جلانے بگاڑنے سے کیا فائدہ؟ اگر یہ گھر بنے رہیں گے، تو مسلمانوں کے کام آئیں گے، وُہ اس میں آرام پائیں گے اور تم کو ثواب ہوگا۔ پھر کسی نے اُن کو ہاتھ نہ لگایا۔

---

[1] منظورۃ السعداء: اس تقریر کو سُن کر بھی رُفقا ساتھ ہی رہے اور کسی نے واپس جانا گوارا نہ کیا۔

[2] ایضاً، ص ۱۰۵

[3] یہ ماہِ رجب ۱۲۴۶ھ کا کوئی دن تھا۔

جاں بلب نواسے سے ملاقات سید موسیٰ (بن سید احمد علی شہید) جو مایار کی جنگ میں سخت زخمی ہُوئے تھے، بموضع دکھاڑا میں تھے۔ شیخ حسن علی اپنے بھائیوں کے ساتھ اُن کی خدمت اور تیمار داری میں تھے۔ ان کو اطلاع بھیجی گئی کہ کن گلئی میں آکر ملیں۔ شیخ صاحب آپ کے پہنچنے سے ایک روز پیشتر سید موسیٰ کو لے کر کن گلئی میں آگئے تھے۔ اُن کی حالت نازک تھی اور تکلیف بہت تھی۔ شدت سے سید صاحبؒ کے منتظر تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ کب تشریف لائیں گے۔ سید صاحبؒ کن گلئی تشریف لائے، تو سید موسیٰ کو دیکھنے آئے اور اُن کی خاطر ایک روز وہاں قیام فرمایا۔

اگلی منزلیں کن گلئی سے کوچ کے وقت اپنے اہل و عیال کو لانے کے لیے قاصد کو آپ نے منگل تھانہ روانہ کیا۔ اسی منزل میں وُہ بھی آکر شریکِ قافلہ ہُوئے۔

اگلی منزل لمری میں ہُوئی۔ وہاں سے چل کر برڈھیری منزل ہُوئی۔ وہیں سید موسیٰ کی وفات کی خبر سُنی۔ یہیں شیخ بلند بخت دیوبندی اور حافظ مصطفیٰ کاندھلوی شریکِ لشکرِ اسلام ہُوئے۔[1]

اسلامی معاشرت کا ایک نمونہ ایک روز لشکر کے سب لوگ چلے جاتے تھے۔ اس اثنا میں ارباب بہرام خاں کی بیوی اور بیٹی گھوڑی پر سوار آئیں۔ سب غازی مُنہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ارباب نے کہا کہ بھائیو! میری کیا حقیقت اور کون سی عزت ہے؟ صحابۂ کرامؓ کی بیبیاں لشکرِ مجاہدین میں رہی ہیں۔ یہ پاؤں میں پتابہ اور ہاتھ میں دستانہ پہنے اور سر تک کپڑا اوڑھے ہیں۔ اسی کا نام پردہ ہے اور یہ تم بھائی جانتے ہو کہ ان میں ایک بہرام خاں کی بیوی اور ایک بیٹی ہے۔ اس میں کون سی شرم و حقارت کی بات ہے؟

زود پشیمان شاہزاد خاں، جو باغیوں اور مفسدوں کا سرگروہ تھا، سید صاحبؒ کی ہجرت کا شہرہ سُن کر پریشان ہُوا کہ آپ بڑے صاحبِ ارادہ اولوالعزم ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے جا کر کسی ملک میں اقتدار حاصل کریں اور پھر ہم سے اپنے غازیوں کا بدلہ لیں۔ وُہ بہت سے مُلکوں اور خانوں کو ساتھ لے کر موضع برڈھیری میں حاضر ہُوا اور اپنے آنے کی اطلاع کی۔ آپ مجاہدین کے ساتھ اُس کے لینے کو گئے اور اپنے ڈیرے پر لائے، بڑی عزت و توقیر سے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور خیر و عافیت پوچھی۔ آپ نے

---

[1] منظورہ: ص ۱۰۶۳، ۱۰۶۴

اُس سے مُجاہدین کے خلاف فوج کشی کی شکایت کی۔ اُس نے کہا: آپ بجا فرماتے ہیں، مگر میں کیا کروں؛ مجھ کو سمہ والوں نے جھوٹ سچ باتیں کر کے بہکایا کہ سید بادشاہ ہم لوگوں پر ناحق زور و زیادتی کرتے ہیں اور نئے نئے احکام جاری کرتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ قصور پر ہم کو بے عزت کرتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "خان بھائی، بڑے حیف کی بات ہے کہ ان مُفسدوں کے بہکانے سے تم نے ہزاروں لے کر ہم پر چڑھائی کی اور یہ نہ کیا کہ اپنے دو چار معتبر عالموں کو بھیجتے اور اس کی تحقیق کرتے کہ وہ کون سے نئے نئے احکام اور کون سے زور زیادتی کے احکام ہیں۔ اگر وہ واقعی خلافِ شرع ہوتے، تو وہ قرآن و حدیث سے ہم کو سمجھا کر الزام دیتے اور ہم سے توبہ کرواتے اور اگر کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ کے موافق ہوتے، تو ان کو الزام دیتے اور اُن سے توبہ کرواتے۔

شاہزاد خاں نے کہا: "آپ حق فرماتے ہیں اور بے شک میں خطاوار ہوں۔ آپ میری خطا معاف فرمائیں اور بغاوت کا حکم مجھ پر نہ لگائیں۔" سید صاحبؒ نے فرمایا: "تم نے ہماری کوئی خطا نہیں کی جو کچھ خطا کی، اپنے خدا کی کی۔ یہ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتی۔ وہ پروردگار تم کو چاہے معاف کرے؛ چاہے، پکڑے۔ اگر تم سچے دل سے توبہ کرتے ہو اور اس قادرِ مطلق کی پکڑ سے ڈرتے ہو، تو اُمید قوی ہے کہ وہ غفور رحیم بے نیاز تم کو معاف کر دے اور جو فقط ہمارے راضی کرنے کو زبانی توبہ کرتے ہو، تو تم جانو، ہم سے کچھ مطلب نہیں۔"

یہ سُن کر وہ رونے لگا اور کہا کہ مجھ کو تو سمہ والوں نے دین و دُنیا دونوں سے کھویا۔ اب میرا کہیں ٹھکانا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے سامنے گریہ و زاری کرو اور اس کے غضب سے ڈرو۔ وہ پروردگار تم پر رحم کرے گا۔ اور جو تم یہ کہتے ہو کہ مجھ کو باغیوں میں شمار نہ کیجیے؛ تو یہ بات ہم نے قبول کی، تم ہمارے فرماں برداروں میں ہو، باغیوں میں نہیں۔ اب ہم یہاں سے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کوئی مُلک ہم کو عنایت کرے گا، تو انشاء اللہ تعالیٰ جیسے اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ سلوک کریں گے، ویسے ہی تمھارے ساتھ بھی سلوک کریں گے۔ اب ہماری طرف سے تم پر یہ حکم ہے کہ اگر ہمارے ہندوستان سے کوئی قافلہ آئے، تو حتی المقدور اُن کے ساتھ سلوک کرنا اور کسی طرح اُن کو

تکلیف نہ دینا اور اگر تم سے ہو سکے، تو اُن کو بحفاظتِ تمام ہمارے پاس پہنچا دینا۔ اللہ تعالیٰ تم کو جزاءِ خیر دے گا۔

سردار فتح خاں کو بھی (جو ابھی تک آپ کے ہمراہ تھا) بڑا پچھتاوا ہُوا کہ سیّد صاحبؒ کے پنجتار میں رہنے کی وجہ سے تمام مُلکِ سمّہ کے خوانین پر میرا بڑا رُعب تھا اور سب خوانین مجھ سے دبتے تھے۔ آپ وہاں سے چلے آئے، اب میں سب کی نظروں میں خفیف ہو جاؤں گا اور میرا سارا رُعب جاتا رہے گا۔ وُہ شاہزاد خاں کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ تم چل کر میری طرف سے عُذر معذرت کر کے سیّد صاحبؒ کو یہاں سے پھیرے چلو۔ اب میری تو جرأت نہیں پڑتی کہ مَیں ان سے اس معاملے میں کچھ کہوں، کیونکہ پہلے پنجتار میں سیّد بادشاہ نے مجھے ہر طرح سے سمجھایا کہ تم مجھ کو یہاں رہنے کی اجازت دو، تو مَیں یہاں رہوں مگر اُس وقت مَیں نے اپنی بیوقوفی سے اس بات کا اقرار نہیں کیا۔ شاہزاد خاں سیّد صاحبؒ کے پاس آیا اور بہت کچھ عُذر معذرت کر کے آپ سے عرض کی کہ آپ یہاں سے پنجتار تشریف لے چلیں، ہم سب اپنی جان و مال سے آپ کی اطاعت و خدمت کریں گے۔ جس طرح آپ ہم لوگوں پر حکومت کرتے تھے، اسی طرح کریں اور جو احکامِ شریعت ہم پر جاری کریں، وُہ سب ہمیں منظور ہیں، اب کسی طرح کا انکار نہ ہو گا۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، اب تم ہم سے اس معاملے میں گفتگو نہ کرو۔ اس کا وقت نکل گیا۔ اتنے برس ہم یہاں رہے اور تم لوگوں کو طرح طرح کے وعظ و نصیحت سے سمجھایا اور تم لوگوں کے درمیان جو تپّہ داری[1] تھی، اُس کو دفع کر کے سب کو ملایا، اسی نیّت سے کہ کچھ خدا کا کام نکلے اور جس مطلب کے لیے ہم ہندوستان سے یہاں آئے، وُہ مطلب پُورا ہو لیکن آج تک تم لوگوں سے سوائے حیلہ سازی و دغابازی کے ہم نے کچھ نہ دیکھا اور نہ ہماری طرف سے تم لوگوں کا دِل صاف ہُوا۔ پھر اب یہاں رہنے کی کون سی صُورت ہے اور ہدایت اور اتفاق کی تم لوگوں سے کیا اُمید ہے؟ اب ہماری یہ نیّت ہے کہ وہاں چل کر ٹھیریں، جہاں کچھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام نکلے۔

---

[1] خاندانی جنبہ داری اور عصبیت۔

با دُشمناں مُدارا اس کے بعد آپ نے اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ سلو خاں ہمارے واسطے جو بچھیرا لایا ہے، اُسے لاؤ، تو شاہزاد خاں کو دے کر رُخصت کریں۔ اُن کو یہ بات ناگوار ہُوئی اور آہستہ سے حضرت سے عرض کی کہ یہ شخص تو بڑا مُفسد اور آپ کا دشمن ہے۔ یہ اس لائق نہیں ہے کہ وُہ عمدہ بچھیرا آپ اُس کو دیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، مگر اس کو ایسا سمجھو کہ جیسے کوئی کٹکھنے کُتّے کے آگے اُس کے شر سے بچنے کے لیے لُقمہ ڈال دیتا ہے۔

اڑتیسواں باب

بڑھیری سے راج دواری تک

مجاہدین کی تروتازگی اور نشاط بڑھیری سے روانگی سے ایک روز پہلے آپ نے لوگوں سے فرمایا: بھائیو، کل سویرے کوچ ہوگا۔ ہوشیار ہو رہو اور جن صاحبوں کو کچھ کارِ ضروری ہو، اس سے فراغت کرلیں۔ اس کے بعد اسی مجلس میں آپ نے بہت دیر تک ہجرت و جہاد کے فضائل اور مجاہدین و شہدا کے بلند مراتب کا بیان کیا۔ یہ وعظ سن کر حاضرین کے قلوب از سرِ نو تر و تازہ ہو گئے اور وہ سفر کی تکلیفوں کو بھول گئے، جیسے مرجھائی ہوئی کھیتی پانی دینے سے لہلہا اُٹھے۔

یہاں سادات تختہ بند و ڈاگئی وغیرہ اور علما و خوانین کو، جو پنجتار سے ساتھ آئے تھے، رخصت فرمایا۔ فتح خاں اور قابل آخوند زادہ ساتھ رہے۔[1]

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد آپ نے لشکر سمیت کوچ فرمایا۔ چار کوس پر ایک ندی بُرندو ملی۔ نمازِ ظہر کے بعد اُتر کر اس کے کنارے ڈیرہ کیا۔ وہاں سے پیاڑ پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوتی تھی۔

راستے کی دشوار گزاری پہاڑ کی چڑھائی بڑی سخت تھی۔ پتھروں پر سنبھال سنبھال کر اور پاؤں جما جما کر چڑھنا پڑتا تھا۔ تمام دن لشکر پہاڑ پر چڑھتا رہا۔ ایک جگہ ایک اونٹ پھسل کر نیچے گر پڑا اور ایک جگہ

---

[1] منظورہ ص ۱۰۸۹

ایک گھوڑا۔ دونوں کو لوگوں نے اُتر کر ذبح کیا اور ٹکڑے کر کے اُوپر اُٹھا لائے، پہاڑ عبُور کر کے موضع کرنا میں قیام ہُوا۔ فتح خاں یہاں سے رُخصت ہُوا۔

موضع کابل گرام میں دریائے سندھ سے اُتر کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھڑوں کے چھتّے سے سلامت نکالا۔ شُکرانہ کی دو رکعت نفل پڑھ لیں، پھر وضُو کر کے آپ نے دوگانہ ادا کیا۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، اب اس وقت ہم تم سے کہتے ہیں کہ سمہ میں جو کچھ بلوا و کُشت و خُون ہُوا، یہ سب فتح خاں کی شرارت تھی، اور جو مَیں نے اُس کو خلیفہ کیا اور خلافت نامہ دیا، تو صرف مصلحتِ وقت جان کر، ورنہ وُہ اس قابل نہ تھا اور دُرّانیوں نے ہم سے مل کر پھر ہم سے دغا کی، مگر دوست محمّد خاں بہت اچھا رہا۔ اُس نے نہ بہت دوستی کی اور نہ دشمنی اُس کی طرف سے ہم کو کوئی شکایت نہیں اور بلوے کے بعد جو ہمارے بعض غازی بھائی کہتے تھے کہ ہم کو اجازت دیجیے، تو ہم ان سے اپنے بھائیوں کا بدلہ لیں، ہم نے اُن کو منع کیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے وُہ تمام معاملہ اپنے پروردگار کے سپُرد کر دیا تھا، وُہی خُوب اُن سے ہمارے بھائیوں کا بدلہ لے گا۔ ہم لوگ تو اپنے گھر سے یہ نیّت کر کے نکلے ہیں کہ اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں صرف کریں گے، باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے یا کافروں کے ہاتھ سے، ہمارا مطلب دونوں صُورت میں حاصل ہے۔

اللہ کا شُکر پہاڑ کے دامن میں آپ کے حُکم سے مُجاہدین نے الاؤ جلایا۔ سردی بہت تھی نمازِ مغرب کے بعد آپ بھی اس الاؤ پر تشریف لائے اور کھڑے کھڑے ہاتھ پیر سینکنے لگے اور ارباب بہرام خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ خان بھائی، اَلحمدُ لِلّٰہ! پروردگار کی ہم لوگوں پر کیا عنایت ہے! اگر ہم کسی امیر یا بادشاہ کے نوکر ہوتے اور وُہ ہم کو اپنی کسی مہم پر ایسے کوہستان میں بھیجتا، تو طمعِ دُنیا سے بالضرور جانا پڑتا اور سفر کی مُصیبت اُٹھانی پڑتی اور انجام اس کا سوائے مشقّت کے اور کچھ نہ تھا۔ آج ہم لوگ نہ کسی کے نوکر نہ چاکر، صرف اپنے پروردگار کی رضامندی کو ایسے سخت راستے میں آئے ہیں اور جہاں پروردگار لے جائے گا، وہاں جائیں گے اور تمام صحابہ و

ابعین رضی اللہ عنہم اجمعین جو درجاتِ عالیات کو پہنچے، سو ایسی ہی محنت و مشقّت راہِ خدا میں اُٹھا ر پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی ان صاحبوں کی اتّباع نصیب کرے اور ہم سے راضی ہو! سی طرح اور بہت سی باتیں آپ نے فرمائیں۔ اکثر لوگ رقّت سے آبدیدہ تھے اور سب پر ایک یفیت طاری تھی۔

وضع راج دواری میں قیام موضعِ تاکوٹ میں، جو ناصر خاں کی حکومت کا علاقہ تھا، آٹھ نو روز رہنے ا اتفاق ہوا۔ کیونکہ برف پڑنے کا موسم قریب تھا۔ ناصر خاں نے ضلع کے ممتاز لوگوں سے مشورہ کرکے تجویز لیا کہ اس عرصے میں موضع راج دواری میں قیام کیا جائے، کیونکہ وہ بستی مرکزی جگہ پر تھی۔ کئی پنچکیاں ھی تھیں اور ایندھن پانی کی بھی بہت افراط تھی۔ وہاں کی رعایا کو اور بستیوں میں گھر بتا دیے گئے تھے اور اج دواری کو مجاہدین کے لیے خالی کر دیا گیا۔ آپ وہاں مع لشکر مقیم ہوئے۔ ایک مکان، جو مسجد کے زیب تھا، آپ کے قیام کے لیے تجویز ہوا۔ یہ شعبان کا مہینہ اور سنہ ۱۲۴۶ھ تھا۔

دو سرداروں کی مصالحت ایک روز حبیب اللہ خاں[1]، جو سعادت خاں کا بیٹا تھا، راج دواری میں آپ سے ملنے آیا۔ اُس کی گڑھی بالاکوٹ اور مظفر آباد کے درمیان واقع تھی۔ سکھوں نے وہ گڑھی چھین لی تھی اور خانِ ممدوح وہاں سے جلا وطن تھا۔ حبیب اللہ خاں کے باپ نے ناصر خاں کے کسی عزیز کو مار ڈالا تھا۔ اس سبب سے ان دونوں کے درمیان پتنہ داری تھی۔ ناصر خاں نے سیّد صاحبؒ سے اپنی پتنہ داری کا شکوہ کیا اور کہا کہ مجھ سے اور حبیب اللہ خاں سے عداوت ہے۔ آپ نے ناصر خاں کو سمجھایا اور فرمایا کہ خان بھائی، ہم یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے انتظام کے واسطے آئے ہیں۔ ہماری یہ نیّت ہے کہ سب مسلمان بھائیوں کو، جس صورت سے ہو سکے، متفق کر کے سکھوں سے جہاد کریں اور تم اپنی نااتفاقی کا گلہ کرتے ہو! تم کو چاہیے کہ آپس کی عداوت کو دُور کرو اور للہ فی اللہ حبیب اللہ خاں سے مل جاؤ کہ کچھ دین کا کام نکلے۔ ناصر خاں نے جواب دیا کہ مَیں تو آپ کا فرماں بردار خادم ہوں۔ جو کچھ مجھ کو ارشاد ہوگا، بلا انکار بجا لاؤں گا۔

---

[1] مشہور گڑھی حبیب اللہ اسی کی طرف منسوب ہے۔

پھر آپ نے حبیب اللہ خاں کو تنہائی میں سمجھایا اور ملنے پر راضی کیا اور نمازِ عصر کے بعد دونوں صاحبوں کو اپنے پاس بُلا کر بٹھایا اور دونوں کو ہاتھ پکڑ کر ملایا۔ دونوں اُٹھ کر کشادہ پیشانی کے ساتھ بغلگیر ہُوئے۔ یہ دونوں سردار اس مُلک کے بڑے نامی رُکن تھے۔ باقی جو چھوٹے چھوٹے رئیس تھے، وہ اُن کے حکم پر تھے۔

لشکر کے کھانے کا انتظام سیّد صاحبؒ نے ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ دونوں کے درمیان کی عداوت اور خصومت دُور فرمائی، اب کوئی ایسی راہ نکالیے کہ کچھ جہاد کا کاروبار شروع ہو۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ ابھی اس مُلک میں نَووارد ہیں۔ یہاں چال ڈھال اور گاؤں بستی سے واقف نہیں ہیں اور کھانے کی تدبیر کرنی بھی ضرور ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ نقد روپیہ تو ہم سے لیجیے اور بازار کے نرخ کے موافق اپنی کوشش اور انتظام سے غلّہ بھجوا دیا کیجیے اور جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو، وہ ہم سے لے لیا کیجیے۔” انھوں نے اس کو منظور کیا۔ آپ نے دُعاءِ خیر کر کے مجلس برخاست کی۔ اس دن سے انھیں دونوں صاحبوں کی معرفت لشکر کے خرچ کے لیے اس نواح کی بستیوں سے غلّہ آنے لگا۔

ستمہ کا عبرتناک انجام راج دواری میں ضلع ٹوپی کے آخوند بہاء الدین نے وطن سے آ کر بیان کیا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد مُلک ستمہ والوں کی بڑی بڑی خرابیاں و بے عزتیاں ہوئیں جب آپ نے پنجتار سے کوچ کیا اور اس طرف کو روانہ ہوئے، اس کے کئی روز کے بعد ہری سنگھ نلوہ پچیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ اُتر کر ستمہ میں آیا اور جن بستیوں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ بغاوت کر کے غازیوں کو قتل کیا تھا، ان سب کو بُلا کر یہ سوال کیا کہ تم سب خالصہ رنجیت سنگھ کی رعیت تھے اور ہمیشہ سے تم خالصہ کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے، کئی برس سے خلیفہ صاحب یہاں آ کر تم پر حاکم، اور تم اُن کی رعیت ہوئے اور اُن کو تم سب نے اپنا امام بنایا، پھر اُن سے بغاوت کر کے اُن کے غازیوں کو قتل کیا اور اُن کے ہتھیار وغیرہ لُوٹ کر اپنے گھر میں رکھ لیے۔ خلیفہ صاحب یہاں سے کوچ کر گئے۔ اب پھر تم سب خالصہ کی رعیت ہو۔ بدستورِ سابق جو سالیانہ تم دیا کرتے تھے، وہ دیا کرو او

جو خلیفہ صاحب کے غازیوں کے ہتھیار وغیرہ تم نے لے لیے ہیں، وہ ہم کو دے دو۔ اُن کا مالک خالصہ ہے، وہ تم کو ہضم نہ ہوں گے۔

اس کے جواب میں اُن لوگوں نے عُذر و حیلہ کیا کہ ہمارے پاس اُن کا کچھ مال و اسباب نہیں ہے۔ اس میں گفتگو بڑھ گئی۔ ہری سنگھ نے اپنے لشکر کو اشارہ کیا کہ ان کے گھر بار لُوٹ لو۔ انھوں نے اُن کا مال و اسباب گھروں میں گھُس کر لُوٹا اور اکثر آدمیوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی پکڑ لیا اور ہری سنگھ کے پاس لے گئے۔ کچھ لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ ہم سید بادشاہ کے باغیوں میں نہیں ہیں اور نہ اُن کے غازیوں کو ہم نے لُوٹا مارا ہے۔ ہمارا مال و اسباب تمھارے سپاہیوں نے کیوں لُوٹا اور ہماری عورتوں کو کیوں یہ لوگ پکڑ لائے؟ ہری سنگھ نے اس بات کو لوگوں سے تحقیق کر کے مال و اسباب واپس کر دیا اور اُن کی عورتیں بھی اُن کے حوالے کیں اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر مع لشکر دریاے سندھ اُتر کر چلا گیا۔[1]

اہلِ ستمہ کو جواب مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

> "ستمہ کے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے پاس آئے اور راستے میں ملے اور واپس چلنے کے لیے سخت اصرار کیا۔ آپ نے قبول نہیں فرمایا کہ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَّرَّتَیْنِ (مومن سانپ کے سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا)۔ وہ لوگ آپ کے ساتھ ساتھ رہے اور اُن کا اصرار بڑھتا رہا۔ موضع راج دواری میں پہنچ کر آپ نے اُن سے اتنا فرمایا "جاؤ اور اپنے جلے ہوئے مکانات کو درست کرو"۔[2]

صاحبزادی کا تولّد ماہ شعبان ۱۲۴۶ھ کی تیسری شب کو آپ کے یہاں صاحبزادی کی ولادت ہوئی۔ آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم پنجتار سے ہجرت کر کے آئے ہیں اس سبب سے ہم نے نام اُس کا ہاجرہ رکھا۔ میاں جی چشتی نے آپ کے حکم سے جا کر اُن کے کان میں اذان

---

[1] محمد امیر خاں قصوری نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ اُنھوں نے ستمہ کی متعدد عورتوں کو لاہور کے بازار میں طوائف کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

[2] منظورہ ص ۱۰۹۴

کی اور ساتویں روز عقیقہ ہُوا۔

درون کا انتظام ایک روز آپ نے ناصر خاں و حبیب اللہ خاں وغیرہ خوانین سے، جو وہاں موجود تھے، فرمایا کہ بھائیو، ہم لوگ پنجتار سے جہاد کے انتظام کے لیے تم صاحبوں کے بُلانے پر یہاں آئے ہیں۔ اتنے دن تم صاحبوں کی ضیافتیں اور مہمانیاں کھالیں۔ اب کوئی ایسی راہ نکالو کہ کچھ کام جہاد کا جاری ہو۔ بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبراتی ہے۔

ان صاحبوں نے درون کے خوانین کا جرگہ کیا اور مشورہ کیا کہ سکھوں کی تحصیل کے دِن قریب ہیں۔ اُن کے آنے سے پہلے اگر دو تین درون کے دہانے پر تھوڑا تھوڑا لشکر متعین کر دیا جائے، تو درون کے اندر کی رعایا قابُو میں آجائے۔ ان سے سکھ ظلم و تعدّی کر کے دوچند، سہ چند محاصل لیتے ہیں۔ اگر سیّد بادشاہ کے لوگ اُن کو قابُو میں لاکر اُن پر عُشر مقرر کریں گے، تو اُن پر گرانی نہ ہوگی اور وُہ سیّد بادشاہ کی اطاعت اور اعانت منظور کریں گے۔ پھر جب اِدھر سے سکھوں کا لشکر آئیگا، اس وقت اِنشاء اللہ اس نواح کے ہم سب مسلمان سیّد بادشاہ کے شریک ہو کر ان سے نبٹ لیں گے۔

سیّد صاحب نے یہ سُن کر فرمایا کہ عُشر کا انتظام تمھارے ہی ذِمّے ہے۔ ایسا کرنا کہ رعایا پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے کہ اُن کو ہم لوگوں کی حکومت ناگوار گزرے۔ اس بات سے ہم راضی نہیں ہیں۔

دوسرے یا تیسرے روز آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی امارت اور مولوی خیر الدین صاحب شیرکوٹی کی ہمراہی میں درون کو روکنے کے لیے لشکر بھیج دیا اور تھوڑا سا لشکر راج دواری میں اپنے پاس رکھا۔ مولانا نے پچاس ساٹھ آدمی اپنے پاس رکھ کر باقی لشکر پر مولوی خیر الدین صاحب کو امیر کر کے بھوگڑمنگ کی طرف روانہ کر دیا اور آپ موضع بھیرن میں داخل ہُوئے۔

بیعت صُفّہ راج دواری میں اکثر غازیوں نے آپ کے ہاتھ پر اصحاب صُفّہ کی بیعت کی۔ اس بیعت میں عہد و پیمان یہ تھا کہ اپنی چھوٹی بڑی سب حاجتوں کو سوائے خدا کے کسی سے نہ طلب کریں گے اور جو بات اپنے حق میں معیوب و مکروہ جانیں گے، وہ اور کسی مسلمان بھائی کو نہ کہیں گے اور اپنی

ضرورت پر مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم رکھیں گے اور جو چیز اپنے نفس کے لیے پسند کریں گے، وُہی اور مسلمانوں کے واسطے بھی پسند کریں گے اور جو کام کریں گے، وُہ پروردگار کی رضامندی کے واسطے کریں گے، اپنے نفس کی خواہش کا کام نہ کریں گے۔

میاں خدا بخش رامپوری کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہمراہ جانے کو میرا نام بھی لکھا گیا تھا۔ میرے چھوٹے بھائی الٰہی بخش نے مجھ سے کہا کہ بھائی، زندگی و موت خدا کے اختیار میں ہے۔ اب تم حضرت امیر المومنین سے جُدا ہو گئے، پھر دیکھا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کب ملائے۔ سو جیسے اور بھائیوں نے اصحاب صُفّہ کی بیعت کی ہے، تم بھی کر لو۔ میں نے کہا کہ ہاں، تم اچھی بات کہتے ہو، مگر میرے نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ میں اس بیعت کا حال ابھی تک نہیں سمجھا ہوں، اور سمجھ بوجھ کر کام کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بھائی مجھ کو سمجھا دیں، تو پھر میں بھی کر لوں۔ اُنھوں نے کہا کہ اس وقت تک تو اس کا حال معلوم کرنا ممکن نہیں، اس وقت بیعت کر لو، پھر کبھی کسی صاحب سے پوچھ کر وہ بھی کر لینا، کیونکہ یہ تو جانتے ہی ہو کہ یہ بات کچھ تو بہتر ہے، جو سید صاحبؒ کے خاص لوگوں نے بیعت کی ہے۔

یہ بات میرے خیال میں بھی آ گئی۔ میں نے آپ کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ آپ نے مجھ کو مولانا صاحب کے ہمراہیوں میں لکھوایا ہے، اب دیکھیے، کب اللہ تعالیٰ آپ کے دیدار سے مشرف کرے۔ اس وقت میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اصحاب صُفّہ کی بیعت میں تبرُّکاً میں بھی شریک ہوں، اگرچہ میں اس کے حال سے بخوبی واقف نہیں ہُوں اور نہ اپنے میں اس قدر حوصلہ و جرأت دیکھتا ہوں کہ اس بارِ گراں کو اُٹھاؤں، مگر تائیدِ الٰہی کے ساتھ میری مثال اس امر میں ایسی ہے، جیسے حضرت یُوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام کی خریداری کو ایک بُڑھیا سُوت کی انٹی لے کر گئی تھی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ بڑے بڑے خریدار لاکھوں روپیہ دینے کو موجود ہیں، تجھ کو وہاں کون پُوچھے گا؟ اس نے کہا کہ یہ بات میں بھی جانتی ہوں کہ میں وہاں کس گنتی میں ہوں لیکن خریداروں میں تو شمار ہُوں گی۔ سو حضرت، آپ میرے واسطے دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو اس بیعت پر تا دمِ مرگ

ثابت قدم رکھے۔

حضرت نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ میرا بھی یہی حال ہے کہ مجھ کو اپنے نفس پر اعتماد نہیں، مگر پروردگار کی تائید کے ساتھ۔ تم میرے واسطے بھی دعا کرو کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ ثابت رکھے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے بیعت لی اور دعا کرکے مجھ کو رخصت کیا۔

اُنتالیسواں باب

لشکرِ مجاہدین

بالاکوٹ، سچوں اور مظفر آباد میں

بالاکوٹ کا انتخاب اس زمانے میں پکھلی اور وادیِ کاغان کے رؤسا، اور اہلِ علاقہ کی امارت و ریاست کچھ تو سکھوں کے حملوں اور تعدیوں سے، اور کچھ آپس کی ناچاقیوں اور خانہ جنگیوں سے تزلزل میں تھی بعض اہلِ ریاست اپنی ریاستوں سے جلا وطن اور معزول تھے۔ سلطان نجف خاں اپنے چچیرے بھائی سلطان زبردست خاں کو سکھوں کی حمایت سے گڑھی مظفر آباد سے شہر بدر کر کے گڑھی پر قابض تھا۔ اسی نام کا ایک سربرار سلطان نجف خاں گھوڑی والا اپنے مرکزِ ریاست سے جلا وطن کوہ درابہ میں مقیم تھا۔ راجہ مظفر خاں اپنے بھائی راجہ منصور خاں والیِ ملکِ درابہ کے خوف سے بھاگا ہوا تھا۔ حبیب اللہ خاں (گڑھی حبیب اللہ) سکھوں کے خوف سے اپنی گڑھی چھوڑ کر بالاکوٹ کے درے میں پناہ گزین تھا۔ یہ سب سیّد صاحبؒ کی اعانت کے طالب تھے۔ کشمیر جانے والے راستے میں ان خوانین اور سرداروں کی ریاستیں اور علاقے پڑتے تھے۔ ان کے ساتھ دینے اور مطمئن ہونے سے کشمیر کا راستہ بھی محفوظ ہو جاتا تھا اور کشمیر پر قبضہ کرنا بھی آسان ہو جاتا تھا۔

ان سب کو مدد دینے اور ان کی حمایت اور فوجی قوت حاصل کرنے اور کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے کے لیے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ تھا۔ اس لیے آپ نے مولوی خیر الدین صاحب

اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو بالاکوٹ بھیجنے کی تجویز کی۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس کا اندازہ تھا۔ اس لیے انھوں نے مولوی خیرالدین صاحب کو لکھا کہ آپ اپنے لوگوں کے ساتھ تیار رہیے اغلب ہے کہ دو تین روز کے اندر آپ کے لیے امیرالمومنین کی طرف سے بالاکوٹ جانے کا حکم آنے والا ہے۔ چنانچہ تیسرے ہی روز (۲۷ شعبان ۱۲۴۶ھ کو) مولانا کا حکم پہنچا کہ آپ لشکر کے ساتھ بالاکوٹ چلیے۔ آپ کے تین چار روز کے بعد ہم بھی آئیں گے۔

مولوی خیرالدین صاحب بالاکوٹ میں

بالاکوٹ پہنچنے کا حکم مولوی صاحب کے پاس دوپہر کو آیا تھا۔ اس رات کو برف پڑی تھی، لیکن مولوی صاحب نے اس بات کا کچھ خیال نہ کر کے اسی روز بھوگڑمنگ سے بالاکوٹ کی طرف کوچ کیا۔ اگرچہ بالاکوٹ وہاں سے تین ہی کوس کے قریب تھا، مگر برف کے پہاڑوں کے چڑھنے اترنے میں لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ چار گھڑی رات گئے فضلِ الٰہی سے صحیح سلامت بالاکوٹ میں داخل ہو گئے۔

مظفرآباد پر حملے کا مشورہ اور مولوی خیرالدین صاحب کا انکار

مولوی خیرالدین صاحب کے بالاکوٹ پہنچنے کے بعد ان سب رئیسوں نے جو اپنی ریاستوں سے بے دخل یا اپنے بھائیوں سے خائف اور برسرِجنگ تھے، دریائے کنہار کے کنارے، جو بالاکوٹ کے نیچے بہتا ہے، آ کر مولوی خیرالدین صاحب کو پیغام دیا کہ ہم بالاکوٹ نہیں آ سکتے۔ اگر آپ دریا کے اس پار تکلیف فرمائیں، تو ہم آپ سے کچھ رازدارانہ بات کہیں۔ مولوی صاحب تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کے آنے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ سلطان نجف خاں والیِ مظفرآباد شیر سنگھ کے ساتھ پشاور کی طرف گیا ہوا ہے۔ مظفرآباد خالی پڑا ہے سوائے ۸۰۰ آدمیوں کے جن کا دریا کے اوپر گڑھی میں تھانہ ہے۔ کوئی اور نہیں ہے۔ لشکرِ اسلام کے آنے کی خبر ہی سے وہ بھاگ جائیں گے۔ بالفرض اگر مقابلے کی نوبت بھی آئے گی، تو ہم کافی ہوں گے۔ غازیوں کا لشکر محض برکت کے لیے ہو گا۔ جس وقت مظفرآباد پر ہمارا قبضہ ہو جائے گا، ہم سب اپنی اپنی ریاستوں میں داخل و متصرف ہو جائیں گے۔ اس وقت امیرالمومنین کو بھی بلا دغدغہ راج دواری سے بلا کر مظفرآباد میں بٹھا دیں گے، پھر کشمیر کو فتح کرنے کی طرف رخ کریں گے۔ جس وقت سلطان نجف خاں اور شیر سنگھ

پشاور سے واپس آ جائیں گے، اُس وقت مظفر آباد کا فتح کرنا دشوار ہوگا۔

مولوی خیر الدین صاحب نے یہ بات سُن کر فرمایا کہ ہم کو حضرت امیر المومنین نے اسی قدر حکم دیا ہے کہ ہم بالاکوٹ میں قیام کریں۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پیچھے سے آتے ہیں۔ مَیں تو مولانا کا فرمانبردار ہوں، خود مختار نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین اس مُلک میں تازہ وارد ہیں یہاں کے اُمراء و خوانین کے حالات ابھی اُن کو پُورے طور سے معلوم نہیں۔ اُن سے ملنے اور اُن کے حالات دریافت کرنے کے بعد جیسا مناسب سمجھیں گے، عمل کریں گے۔ آپ لوگوں نے بھی ابھی تک جناب ممدوح کی نہ تو زیارت کی ہے اور نہ ہماری نیّت اور مقاصد سے واقف ہیں شاید آپ ہم کو بھی اپنی طرح جاہ و حشمت دُنیا کا طالب سمجھتے ہیں اس وقت آپ کے لیے مناسب یہی ہے کہ آپ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اپنے حالات اور مقاصد کو آپ کے سامنے پیش کریں اس کے بعد اپنی رفاقت کی درخواست کریں۔

ان رؤسا نے سیّد صاحبؒ کے پاس جانے کی مشکلات اور معاملے کی طوالت اور اپنے اہل و عیال کے غیر محفوظ رہ جانے کا عُذر کیا۔ مولوی صاحب نے ہر بات کا معقول جواب دیا۔ یہ بھی فرمایا کہ ہمارے پاس اتنا لشکر بھی نہیں ہے کہ نصف ہم بالاکوٹ میں چھوڑیں اور نصف مظفر آباد میں۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کے غازیوں کی شرکت برائے نام چاہیے، مقابلہ تو ہم خود کریں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مَیں اس خوش گمانی میں مُبتلا نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ میں ایسی ہی ہمّت اور جُرأت ہوتی، تو آپ کیوں اپنے اپنے مقامات چھوڑنے پر مجبور ہوتے۔ ہم پانچ سال سے اسی طرح کے معاملات دیکھ رہے ہیں ہمیں آپ کے مُلک کا خُوب تجربہ ہے۔ تین روز تک اسی طرح گفتگو رہی، لیکن مولوی صاحب مظفر آباد پر حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔[1]

سکھوں کے زیرِ حکومت بستیوں کو لُوٹنے سے احتراز

مولوی خیر الدین صاحب کے بالاکوٹ روانہ ہونے کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے موضع بھہان سے کُوچ کر کے بھوگڑمنگ میں قیام کیا۔ وہاں کئی قندھاریوں نے مولانا صاحب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو اُس درے کے باہر ضلع پکھلی کی جو بستیاں سکھوں کی عملداری میں ہیں، اُن میں سے دو ایک لُوٹ لائیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہاں،

---

[1] منظورہ ص ۱۱۳۶، ص ۱۱۱۱

کفار کی بستیاں غازیوں کو لوٹنی درست تو ہیں، مگر اس میں ایک نکتہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان بستیوں کی رعایا مسلمان ہے۔ وہ کفار کے غلبے کی وجہ سے اُن کے محکوم ہو گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو غلبہ دے گا، تو وہ اُن کے محکوم ہو جائیں گے۔ اگر آج اُن کو لوٹ مارو گے، تو وہ لوگ اس کو سند بنا لیں گے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں کا لوٹنا درست ہے۔ سید بادشاہ کے غازیوں نے ہماری بستیوں کو لوٹا تھا۔ پھر یہ بھی اپنے مُلک میں لُوٹ مار کیا کریں گے اور اُن کی یہ عادت نہ چھوٹے گی، جیسے عرب کے بدوؤں میں اسلام کے باوجود لوٹ مار کی عادت جاری ہے اور کسی طرح نہیں چھوٹتی۔ بہتر یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرو کہ اوروں کو دستاویز ہو جائے۔ قندھاری آپ کی یہ تقریر سُن کر اپنے ارادے سے باز آگئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بالاکوٹ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بھوگڑمنگ سے روانہ ہو کر ایک گاؤں میں کچھ دیر توقف فرمایا۔ وہاں لوگوں نے مشورہ دیا کہ اگر مزید توقف کیا گیا، تو برف ریزی کی شدت سے بالاکوٹ کا راستہ بالکل مسدود ہو جائے گا اور ایک مہینے کے قریب انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ سُن کر مولانا نے کُوچ کا فیصلہ فرمایا۔

ہمراہیوں کے ساتھ دوپہر کے قریب بھوگڑمنگ سے بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے پہاڑ کی چڑھائی آئی۔ وہاں کئی چشمے جاری تھے۔ ظہر کا وقت ہوا۔ سب نے وضو کر کے وہیں نماز پڑھی۔ پھر قطار باندھ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ تمام پہاڑ برف کے مارے سفید بلور سا نظر آتا تھا۔ سب کے آگے ناصر خاں چند گوجروں کے ساتھ چل رہے تھے۔ گوجر پیال کی چپل پاؤں میں پہنے برف پر چلتے تھے۔ ان کے چلنے سے برف پر نشان سا بنتا جاتا تھا۔ اسی نشان پر سب آگے پیچھے چل رہے تھے۔ اس عرصے میں ابر آگیا اور برف برسنے لگی۔ عصر اخیر کو برف برسنی موقوف ہوئی اور آفتاب نظر آیا۔ اسی وقت لوگوں نے جلد جلد اسی برف سے وضو کر کے جس نے جہاں موقع پایا، وہاں نماز پڑھی۔ کسی نے اکیلے، کسی نے جماعت سے۔ کسی نے پہاڑ کی چوٹی پر مغرب کی نماز پڑھی، کسی نے درے میں۔ اُسی وقت لوگوں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا۔

راستہ کی دُشوار گزاری اور مُجاہدین کی جاں سپاری وہاں سے پہاڑ کا اُتار شروع ہوا۔ برف کی کثرت سے

پہاڑ کا نشیب و فراز برابر ہو گیا تھا، راستے کا پتہ نشان نہیں معلوم ہوتا تھا، سب لوگ اٹکل سے چل رہے تھے اور جابجا ایک دوسرے پر پھسل پھسل کر گرتے تھے۔ اس وقت تکلیف کے مارے لوگ اپنی زندگی سے تنگ تھے۔ جو دو چار بار پھسل کر گرا، اس میں چلنے کی طاقت نہ رہی۔ باربرداری کے جو چند خچر گولی بارُود وغیرہ سے لدے ہُوئے تھے، وہ بھی لوگوں سے چھُوٹ گئے۔ اس اثنا میں کئی آدمیوں نے پکار کر آواز دی کہ مولانا محمدؐ اسمٰعیل صاحب گر گئے۔ یہ سُن کر تمام لوگ مارے غم کے رونے لگے۔ دامن کوہ میں جابجا چند گھر گوجروں کے تھے۔ ناصر خاں کے ساتھی گوجروں نے اپنی بولی میں گوجروں کو پکارا کہ جلد دوڑو غازی لوگ برف میں گر گئے۔ ان کو اُٹھاؤ۔

اسی وقت وُہ تمام گوجر اپنے اپنے گھر سے ایک ایک کلھاڑی اور چیڑ کی ایک ایک لکڑی مشعل کی طرح جلا کر دوڑے۔ اُن میں سے ایک گوجر نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اپنی پُشت پر چڑھا لیا۔ مُولانا صاحب نے اور گوجروں سے فرمایا کہ اوپر اور بہت غازی بھائی گرے پڑے ہیں۔ اُن کو سنبھالو۔ اُنھوں نے جا کر اُن کو اپنی پُشت پر سوار کیا اور وہاں سے اُتار کر اپنے گھروں میں لائے اور بہت غازی لوگ نہ آسکے۔ وُہ اسی پہاڑ پر برف میں پڑے رہے۔ گوجروں نے اُن کے نزدیک آگ جلائی تھی اور اُن سے کہ دیا تھا کہ خبردار آگ کے نزدیک نہ جانا، دُور ہی سے دیکھنا۔ جن کو اپنے گھروں میں لے گئے تھے، اُن کے نزدیک بھی آگ جلا کر کہ دیا کہ آگ کے پاس نہ جانا، نہیں تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ پھر اُن گوجروں نے غازیوں کو گرم گرم دُودھ پلایا اور اُسی وقت کئی بکرے ذبح کیے اور اُن کا گوشت بھُون کر دو دو، تین تین تکّے تقسیم کیے اور کہا کہ اس وقت تمھاری یہی دوا ہے۔

مولوی جعفر علی صاحب اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عصر کی نماز پہاڑ کے نیچے ادا کی۔ برف پتھروں کے اوپر سے بہ رہی تھی۔ شام کے قریب چڑھنے کی نوبت آئی۔ برف کی کثرت سے سارا پہاڑ اور درخت سپید تھے۔ اونچا نیچا کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ رہبر آگے آگے چلتا تھا اور تمام لشکر اس کے پیچھے پیچھے۔ مغرب کی نماز کا وقت کسی کو پہاڑ کے اُوپر، کسی کو کمر کوہ میں آگیا۔ کسی نے اشارے سے نماز ادا کی، کسی نے اور طرح سے۔ لشکر قطار باندھے ہُوئے چلا جا رہا تھا۔ ایک آگے، ایک پیچھے

چل رہا تھا جیسے تسبیح کے دانے ہوتے ہیں۔ آگے کا آدمی جس جگہ قدم رکھتا تھا، پیچھے والا اِسی پر قدم رکھے ہوئے چلتا تھا۔ دائیں بائیں کسی طرف پاؤں نہیں رکھتا تھا کہ مبادا کوئی گڑھا ہو یا اندر سے زمین خالی ہو اور وُہ اس میں غرق ہو جائے۔

جب پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُترنا ہُوا، تو اور زیادہ دُشواری محسوس ہُوئی۔ کہیں کہیں تو ایسی نوبت آئی کہ سر نیچے پاؤں اُوپر کرکے اُترنا پڑا۔ ہاتھ پاؤں درد کرنے لگے اور ہاتھ پاؤں میں کثرت سے کانٹے چبھ گئے۔ لیکن سردی کی شدت کی وجہ سے تمام بدن ایسا سُن ہو گیا تھا کہ کانٹوں کے چبھنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بدن کے بیرونی حصّے میں سردی سے تکلیف محسوس ہوتی تھی اور سینے اور پیٹھ میں رُوئی کا لباس پہنے ہوئے ہونے کی وجہ سے پسینہ تھا، سانس پھُولنے کی وجہ سے زبان سے بات نہیں نکلتی تھی، ہر شخص ہر سانس کو دمِ واپسیں سمجھتا تھا۔ اِس لیے گرتے وقت کلمۂ توحید اور اللہ کا نام وردِ زبان ہوتا تھا۔[1]

جو لوگ مولانا اسمٰعیل صاحب کے پاس تھے، اُنھوں نے پوچھا کہ کل صبح کو پہلا روزہ ہے۔ ہمارے واسطے آپ کیا فرماتے ہیں؟ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ مسافر ہیں، مسافروں پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے۔ جہاں مقیم ہوں گے، دیکھا جائے گا۔ صبح لوگوں نے وضو کرکے نماز پڑھی اور سب لوگ جا بجا سے آکر مولانا صاحب کے پاس اکٹھے ہوئے۔ مولانا نے گوجروں سے فرمایا: جو غازی لوگ پہاڑ پر رہ گئے ہیں، اُن کو بھی لاؤ۔ ہم آج مٹی کوٹ میں مقام کریں گے۔

اگلے روز کچھ دن چڑھے وہاں سے کوچ ہُوا۔ پانچ چھ گھڑی دن چڑھے مع الخیر سب لوگ بالاکوٹ میں داخل ہو گئے اور مولوی خیرالدین صاحب ان کے ہمراہیوں سے ملے۔ اس روز شام کو مولانا صاحب نے اپنے سب ہمراہیوں سے کہہ دیا کہ جو جو بھائی بیمار و معذور نہ ہوں، وُہ کل سے روزہ رکھیں، اب ہم یہاں مقیم ہیں۔ اگلے روز سے لوگوں نے روزے رکھنے شروع کیے۔ رمضان سب کو وہیں گزرا اور وہیں سب نے عید کی نماز پڑھی۔

---

[1] منظورہ: ص ۱۱۳۰ ۱۱۲۲۰

سیّد صاحبؒ کا سچون میں قیام سرداروں اور خوانین نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب عنایاتِ الٰہی سے یہاں سے بالاکوٹ تک آپ کے مجاہدین کا عمل دخل ہو گیا ہے، پہاڑوں کی برف پگھل گئی اور سکھوں کے آنے کا موسم قریب آیا۔ یہی اُن کی تحصیل کا موسم ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ یہاں سے چل کر کچھ دن موضع سچون میں قیام کریں، کیونکہ سچون کے بعض بعض لوگ حسن علی خاں پر شبہہ کرتے ہیں کہ وہ کہیں سکھوں سے مل نہ جائے۔ اگر وہ سکھوں سے کچھ خفیہ سازش رکھتا ہو گا، تو وہاں آپ کے رہنے سے دبا رہے گا اور سکھوں سے نہ ملے گا۔

سیّد صاحبؒ نے اُن کے مشورے کو پسند فرمایا اور بیوی صاحبہ اور دُوسرے غازیوں کی بیویوں کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے چند آدمی متعین کر دیے اور ساڑھے تین سَو غازیوں کے ساتھ سچون روانہ ہوئے۔ ۲۴؍ رمضان المبارک (۱۲۴۶ھ) کو سچون میں تشریف فرما ہوئے۔

مظفر آباد کی طرف مہم کی روانگی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جب بالاکوٹ پہنچ گئے، تو پکھلی اور کاغان کے رؤسا سلطان زبردست خاں وغیرہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مظفر آباد پر فوج کشی کی تجویز ٹھہرائی۔ مولانا نے اُن کو زبان دے دی کہ ہمارے لشکر کا ایک حصّہ بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔ انھوں نے اس سے زیادہ کی درخواست کی۔ آپ نے اِنکار فرمایا اور فرمایا کہ غازیوں کی جماعت برکت اور نام کے لیے چاہیے۔ جب آپ اس مجلس سے اُٹھے، تو فرمایا کہ سلطان زبردست خاں کی باتوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفاق کے شائبے سے خالی نہیں۔ اس لیے اُس کو لشکر کے بڑے حصّے کی شرکت پر اصرار ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب کو اس تجویز سے اختلاف تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ کا حُکم ہے، تو لشکر جائے، لیکن مجھے جانے پر مجبور نہ فرمایا جائے، اس لیے کہ لشکر بے سروسامان ہے۔ اگر سلطان زبردست خاں کی خواہش ہے کہ لشکر جائے، تو سامان کی درستی کے لیے پانچ ہزار روپیہ دے۔ اگر آنجناب کا ارشاد ہے، تو تین ہزار، نہیں تو دو ہزار ضرور عنایت فرمائیے۔

مولانا نے فرمایا: اس وقت اِتنی رقم کہاں ہے؛ زبردست خاں وعدہ کرتا ہے کہ مظفر آباد

پہنچنے کے بعد سارا سامان مُہیا کر دیا جائے گا۔" مولوی صاحب نے کہا: "یہ سب اُس کی حیلہ سازی ہے۔ آپ اس لشکر کا کسی اور کو سردار بنا دیں۔"[1]

آپ نے مُلا قطب الدین خان ننگرہاری، منصور خاں قندھاری اور منشی غوث محمد امان زئی والے کو سردار کر کے تقریباً دو سَو غازیوں[2] کے ہمراہ، جن میں اکثر قندھاری تھے، سلطان زبردست خاں کی معیت میں مظفر آباد روانہ فرمایا۔

جب سلطان زبردست خاں مع لشکر جاتے جاتے دریائے مظفر آباد پر پہنچا، سکھوں کو خبر ہوئی دریا کے گھاٹ پر دو کشتیاں تھیں۔ اُنھوں نے دونوں کشتیاں کھینچ کر اپنی گڑھی کے نیچے باندھ لیں اور آپ گڑھی میں گھُس کر لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ دریا پر مقامی لوگوں نے ناڑہ[3] باندھ دیا تھا، جس سے وُہ دریا عبور کرتے تھے۔ ہندوستانیوں نے کہا کہ ہم کو ناڑہ سے دریا عبور کرنے کی مہارت نہیں، ہم اللہ کا نام لے کر دریا میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے بسم اللہ کہ کر دریا میں قدم رکھ دیے۔ وہ دریا کبھی پایاب نہیں ہوتا تھا، مگر قدرت الٰہی سے اُس دن پایاب ہو گیا۔ تمام لشکر زانو زانو پانی تک اُتر گیا۔ اور جا کر شہر مظفر آباد میں داخل ہُوا، سکھ گولیاں چلاتے رہے، لیکن مجاہدین نے کوئی پروا نہ کی۔ بازار اور سلطان مظفر خاں کے مکانات پر قبضہ کر لیا، سکھ گڑھی اور چھاؤنی پر قابض رہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے سید صاحبؒ کو اپنا عُذر لکھ کر بھیج دیا تھا اور اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا تھا کہ خوانین صرف اپنی مطلب براری چاہتے ہیں۔ ہم اس مُلک میں تازہ وارد ہیں، یہاں کے سلاطین اور خوانین کے خصائل سے واقف نہیں، ہم اُن کی رفاقت نہیں کر سکتے۔

سید صاحبؒ نے مولوی صاحب کو لکھا کہ آپ کا عُذر معقول اور بجا ہے۔ مولانا صاحب نے جلدی کی، مگر اب تو لشکر گیا۔ اب یہ خدشہ ہے کہ بغیر کسی تجربہ کار سردار کے وہاں کا معاملہ بگڑ نہ جائے۔

---

[1] منظورہ: ص ۱۱۳۱، ۱۱۳۲

[2] منظورہ میں تین سو تعداد بیان کی گئی ہے۔ منشی غوث محمد امان زئی کے بجائے منظورہ میں منشی محی الدین امان زئی کا نام ہے۔

[3] ناڑہ ایک رسہ ہے، جو دو شتیروں سے، جو دونوں کناروں پر لگے رہتے ہیں، باندھ دیا جاتا ہے۔ عبور کرنے والا ایک رسّے پر پاؤں رکھتا ہے، دُوسرا رسہ ہاتھ سے تھامے رہتا ہے۔ رسے برابر جنبش میں رہتے ہیں جس کو عادت نہ ہو وہ اس کو استعمال نہیں کر سکتا

اب آپ کا وہاں جانا ضروری ہے۔ اس جواب کے پہنچتے ہی آپ ادھر کو روانہ ہو جائیں۔

یہ جواب پا کر مولوی صاحب دس ہندوستانی غازی اپنے ہمراہ لے کر مظفر آباد کو روانہ ہو گئے۔

زبردست خاں کی سازش سلطان زبردست خاں نے بازار اور مکان پر قبضہ پانے کے بعد سکھوں کو خفیہ خفیہ پیغام بھیجا کہ میرا لُوٹا ہُوا سامان اگر تم پورا واپس دے دو، تو مَیں غازیوں کو کسی حیلے بہانے سے رُخصت کر دوں اور مُدّت العمر تمھارا فرماں بردار رہوں۔ لیکن اس کی اس سازش کا غازیوں کو علم ہو گیا۔ اُنھوں نے اس سے تقاضا کرنا شروع کیا کہ بازار وغیرہ پر قبضہ پا جانے کے بعد تم کیوں خاطر جمع کیے بیٹھے ہو، اس چھاؤنی اور گڑھی پر کیوں نہیں قبضہ کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری سکھوں سے سازش ہے زبردست خاں اس کو حیلے بہانے سے ٹالتا تھا۔ غازیوں نے کہنا شروع کیا کہ تم مُنافق ہو اور ہم کو فریب دے کر یہاں لے آئے ہو۔ مولوی صاحب نے بھی اس سے گولے بارُود اور سامانِ جنگ کا مطالبہ شروع کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ بالاکوٹ میں اس کا اقرار کر چکا تھا کہ وہ مظفر آباد پہنچ کر یہ سامان مُہیا کر دے گا، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اُس نے چُپ سادھ لی اور اس کو صاف ٹال گیا۔

مجاہدین کا چھاؤنی پر قبضہ آخر ایک روز مُلّا قطب الدّین ننگرہاری، عبد الصمد خاں خیبری اور جعفر خاں پنجابی کی جماعت کے علاوہ سب جماعتوں نے مولوی خیر الدین صاحب کی اجازت کے بغیر گڑھی پر حملہ کر دیا۔ زبردست خاں کا بھائی بھی اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا۔ دونوں طرف سے خوب گولے چلے۔ بالآخر غازیوں نے چھاؤنی کو سکھوں سے چھڑا لیا اور سکھوں کے بڑے جمعدار اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ ادھر مُلّا قطب الدین اور عبد الصمد خاں کچھ زخمی ہُوئے۔ سکھ چھاؤنی چھوڑ کر گڑھی میں گھس گئے۔ مولوی خیر الدین صاحب نے پہلے تو مجاہدوں کو اُن کی اس خود رائی پر زجر و توبیخ کی، پھر پائندہ خاں اور بہرام خاں برادرانِ عمزاد حبیب اللہ خاں کی سفارش سے معافی دے دی۔

مولوی صاحب نے زبردست خاں کو طلب کر کے فرمایا کہ تم نے کل کا حال دیکھا، اگر تم اب بھی گولے بارُود کا سامان کر دو، تو بہتر ہے، ورنہ پچھتاؤ گے۔ لیکن اُس کو نقد دینا منظور نہ تھا، وہ لیت و لعل کرتا رہا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو مجاہدین کی یہ خود رائی ناپسند ہُوئی، اس لیے کہ بڑے دشمن کا مُقابلہ

در پیش تھا۔ ادھر جو سردار موجود تھے، انھوں نے رعایا پر ظلم و زیادتی کرنی شروع کر دی۔ مولوی صاحب نے اُن کی زیادتیوں اور زبردست خاں کی بے پروائی کا حال سیّد صاحبؒ کو لکھ کر بھیجا۔ آپ نے جواب میں لکھوایا کہ اگر سُلطان آپ کے چلے آنے سے ناخوش ہو، تو آپ وہیں رہیے، لیکن قندھاریوں کو یہاں بھیج دیجیے۔ جب مولوی صاحب کو یہ حکم پہنچا اور اس کی شُہرت ہُوئی، تو زبردست خاں نے مولوی صاحب کے جانے کو پسند نہ کیا۔ قندھاری بھی آپ کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ ہُوئے۔ اس طرح مولوی صاحب کو بھی ایک مہینہ مظفر آباد میں قیام کا اتفاق ہُوا۔

اسی اثنا میں ایک دن اطلاع ملی کہ شیر سنگھ سُلطان نجف خاں کے ساتھ بالاکوٹ کے درے میں آگیا اور گڑھی حبیب اللہ خاں میں اُترا ہُوا ہے۔ دو گھڑی رات گئے یہ اطلاع سُلطان زبردست خاں کو ملی۔ اس نے مولوی خیر الدین صاحب کو بُلا کر کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا اور میرے ذہن میں پہلے ہی سے یہ پُورا نقشہ تھا۔ تم نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا۔ جو شخص اپنی سلطنت کی تسخیر کا ارادہ کرتا ہو اور روپیہ صرف کرنے میں اُس کو عُذر ہو، وہ کیسے مُلک کی تسخیر کر سکتا ہے؟ اسی خیال سے مجھے تمھاری رفاقت میں عُذر تھا۔ تم جانتے ہو کہ یہ دریا قُدرتی مورچال ہے۔ سکھوں کی طاقت نہیں کہ اس کو دفعۃً عبُور کر لیں۔ دریا کے اس طرف بھی پہاڑی گھاٹیاں ہیں، جو بہت دشوار گزار ہیں۔ جن جن مقامات کو تم دُشوار اور خطرناک سمجھتے ہو، اُن کو ہمارے حوالے کر دو اور جہاں کم خطرہ ہو، وہاں تم رہو۔ اگر صبر و استقامت سے کام لوگے، تو اللہ تعالیٰ یہ مُشکل آسان فرما دے گا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ لیکن مجھے تم سے جُرأت کی توقع بہت کم ہے۔

زبردست خاں کی بے ہمتی اور مجاہدین کی واپسی

تمام اہلِ مشورہ نے اس مشورے کو بہت پسند کیا اور رُخصت ہوگئے اور یہ طے ہُوا کہ کل صبح اس کا انتظام کیا جائے گا۔ صبح ہُوئی، تو لوگوں نے اچانک دیکھا کہ صبح سے پہلے ہی زبردست خاں کا سارا سامان بندھا ہُوا چھوٹی مسجد کے قریب، جو شہر کے کنارے پر تھی اور بھاگنے کا راستہ وہاں سے مُتّصل ہی تھا، رکھا ہُوا ہے۔ زبردست خاں نے مولوی صاحب کو بُلا کر کہا کہ بس چلیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کدھر؟ زبردست خاں نے کہا کہ اسی کوہستان

میں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ وُہ رات کا مشورہ کہاں گیا؟ زبردست خاں بجائے کچھ جواب دینے کے یہی کہے جاتا تھا کہ چلیے۔ مولوی صاحب نے غازیوں کو مطلع کر کے کوچ کر دیا۔ زبردست خاں کے ساتھی راستہ بے راستہ کچھ نہیں دیکھتے تھے، پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے تھے۔ یہ سب جمعیت ملا کر پانچ سَو سے زائد تھی۔ سکھوں نے بھی گڑھی سے نکل کر اُن کا تعاقب کیا اور ٹکی بھاگ کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے۔ مولوی صاحب نے یہ حال دیکھ کر لوگوں کو بھاگنے سے منع کیا اور خود سکھوں کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ سکھوں نے جب یہ دیکھا کہ مُجاہدین مقابلے میں کھڑے ہو گئے ہیں اور اُن کے گولے بھی آ رہے ہیں، تو بھاگ کر مظفر آباد میں داخل ہو گئے اور وہاں کے مکانوں میں آگ لگانا شروع کر دی۔ تمام مُجاہدین مولوی صاحب کے پاس جمع ہو گئے۔ اس وقت زبردست خاں کے بھتیجے اور داماد قطب الدین خاں نے اپنے خُسر کا ہاتھ پکڑ کر مولوی خیر الدین صاحب کے ہاتھ میں دیا اور کہا: "اس شخص کی شرم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت اس کا کوئی رفیق نہیں ہے۔" مولوی صاحب نے فرمایا کہ جاؤ، جب تک مَیں زندہ ہوں، کوئی اس پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔

مولوی صاحب وہاں سے روانہ ہوئے۔ کوہستان کے سرے پر ایک دیہات میں قیام کیا۔ وہاں سے دریا عبور کر کے ایک چھوٹے دیہات میں پہنچے، جہاں منصور خاں اور سُلطان زبردست خاں کے متعلقین پہلے سے موجود تھے۔ وہاں سے بالاکوٹ کو جو راستہ گڑھی حبیب اللہ خاں کے قریب سے جاتا ہے، وُہ شیر سنگھ کے لشکر کے پڑاؤ کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ دُوسرا راستہ کاغان کا تھا، جو نہایت دشوار گزار تھا۔ یہاں سے بالاکوٹ کا راستہ برف باری کی کثرت کی وجہ سے مسدود تھا۔

سیّد صاحبؒ کو جب مولوی خیر الدین صاحب کے اس طرف سے جانے کا حال معلوم ہُوا، تو آپ نے چالیس پچاس گوجروں کو برف ہٹانے اور راستہ کے صاف کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس عرصے میں مولوی خیر الدین صاحب تپ لرزہ میں مُبتلا ہو گئے اور اُن کو ایک گاؤں میں مجبوراً قیام کرنا پڑا۔ اس میں اتنی تاخیر ہُوئی کہ جب وُہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو چارپائی پر لیٹے ہُوئے بالاکوٹ کے قریب پہنچے، تو سیّد صاحبؒ کا رُقعہ ملا کہ ہم نے بالاکوٹ کے نیچے کا پُل توڑ دیا ہے، آپ اُوپر کے پُل سے آئیں دو میل

گئے تھے کہ ایک دوسرا رقعہ ملا کہ یہاں جنگ پیش آگئی ہے۔ مضبوط اور تندرست آدمی جلد آجائیں، آپ آرام کے ساتھ آئیں۔ چنانچہ اُن کے سب ہمراہی روانہ ہو گئے۔ مولوی صاحب کے صرف دو ساتھی اور دو گوجر اُن کے ساتھ تھے۔[1]

○

---

[1] مولوی صاحب جب چکر کاٹ کر بالاکوٹ کے شمالی پہاڑوں پر پہنچے، تو معلوم ہوا کہ معرکہ ختم ہو چکا ہے اور ان کے اکثر ساتھی شہادت سے سُرخرو ہوئے۔ تفصیل آگے ملاحظہ ہو

چالیسواں باب

سکھوں میں

سید صاحبؒ کا ایک وعظ ایک روز سید صاحبؒ نے سکھوں میں وعظ فرمایا جس میں آپ نے ایک مثال بیان کی۔ آپ نے فرمایا: "جب کسی کے مکان کی کوئی دیوار گر جاتی ہے، سارے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ مرد، عورت، بچے سب اُس کی درستی کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنے مقدور بھر اس کی تیاری میں سرگرم ہوتا ہے۔ کوئی اینٹ لاتا ہے، کوئی مٹی لاتا ہے اور چھت کی تیاری میں منہمک ہو جاتا ہے۔ جب سارے گھر والے دن رات لگ کر اور مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ایک زمانے کے بعد اپنے گھر کو دُرست اور آباد کر لیتے ہیں، تو پھر مُدتوں تک اس میں آرام پاتے ہیں۔

اسی طرح اس زمانے میں مسلمانوں کے دین کی عمارت مُنہدم ہو گئی ہے۔ کفار رہزنوں کی طرح مُسلمانوں کے گھر کے مال و اسباب کو لُوٹ رہے ہیں اور دستِ تعدّی دراز کر رہے ہیں، اس لیے کہ اس گھر کا کوئی نگہبان اور پاسبان نہیں رہا۔ اب سونے والوں کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہیے اور اپنے ویران مکان کی پاسبانی کر کے اور اس کا سامان مُہیّا کر کے اس کو آباد کرنا چاہیے اور ان رہزنوں اور چوروں کو گرفتار کر کے اُن کو اُن کے اعمال کی سزا دینی چاہیے اور اُن سے اپنی خدمت لینی چاہیے۔ مکان کے آباد ہو جانے کے بعد اطمینان کے ساتھ وہ مکان میں آرام کر سکتے ہیں۔"[1]

---

[1] منظورہ : صــــ

سید صاحبؒ کا یہ وعظ سُن کر حسن علی خاں ایسا رویا کہ تمام ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ بیان سے اُٹھنے کے بعد اُس نے کسی سے کہا کہ میں تو اس جہاد کا کارخانہ بچوں کا کھیل سمجھتا تھا، لیکن جب اس سید عالی مقام کے چہرے پر میری نظر پڑی، تو مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا صاحب عزم آدمی ہفت اقلیم کی تسخیر کرنے کا ارادہ کرے، تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ممالک کی تسخیر اُس کے لیے آسان کر دے۔[۱؎]

کشمیر پر حملے کا مشورہ اور خوانین کی عرضداشت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جس وقت بالاکوٹ میں تھے، کشمیر کے کچھ معتبر اشخاص جن کو اہلِ کشمیر نے بھیجا تھا، آپ کی خدمت میں آئے اور کشمیر کے مسلمانوں کا پیغام پہنچایا کہ ہم بالاکوٹ میں لشکرِ اسلام کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ یہاں سے کشمیر صرف تین منزل کی راہ ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد لشکرِ اسلام کو ہمارے مُلک میں لائے تاکہ ہم کُفار کے ظلم و جَور سے نجات پائیں اور امام المسلمین کے سایۂ حکومت میں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر چل سکیں اور سُنت کی پیروی کر سکیں۔

مولانا نے اس مضمون کا ایک خط سید صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ جناب والا اسی وقت سے، جب "امب" میں قیام تھا، کشمیر کی تسخیر کا ارادہ فرماتے تھے، وہاں سے تو وُہ مُلک بہت دُور تھا، لیکن اب جب کہ ہمارا لشکر مظفر آباد تک آگیا ہے، وہاں سے کشمیر صرف دو روز کا راستہ ہے۔ اگر مُلکی ساتھ دیں، تو پہلی لمبی منزل کر کے ایک رات کسی جگہ قیام کر کے دُوسرے روز اللہ تعالےٰ کی مدد سے ہم کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہاں کی رعایا کرپا رام کے ظلم سے بہت تنگ آچکی ہے۔ وہاں کی اکثریت مسلمان ہے۔ اُمید ہے کہ وہاں کے اکثر لوگ لشکرِ اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔

مولانا کا جب یہ خط پہنچا، تو آپ نے حسن علی خاں اور حبیب اللہ خاں وغیرہ سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر آپ کشمیر کا ارادہ فرمائیں گے، تو آپ اللہ کی مدد سے اس مُلک میں داخل ہو جائیں گے، لیکن آپ کے تشریف لے جانے اور لشکرِ اسلام کے کُوچ کر جانے کے بعد سکھ ہم کو تباہ کر دیں گے اور

[۱؎] منظورہ: ص ۱۱۲۷، ۱۱۲۸

کہیں گے کہ انھیں ملکیوں نے لشکرِ اسلام کی رہبری کی اور خلیفہ صاحب کو کشمیر تک پہنچایا۔ اس لیے آپ اُن کے ساتھ کسی مقام پر ایک جنگ کر کے اُن کو شکست دے کر آگے کا قصد فرمائیں۔ اس سے لشکرِ اسلام کی ہیبت بیٹھ جائے گی اور ہم بھی ہم رکاب ہو کر چلیں گے۔

مولوی سید جعفر علی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ آپ کو غربا، اور رعایا کے حال پر کمال شفقت تھی، آپ نے اُن کا مشورہ قبول کر لیا اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو اسی مضمون کا خط لکھ کر بھیج دیا۔ مولانا آپ کے حکم کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ خط پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ اتنا فرمایا کہ حضرت امیر المومنین کو سید الانبیاء، صلی اللہ علیہ وسلم، کی پیروی اور اقتدا میں غربا کے حال پر بڑی شفقت ہے، ورنہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کو گرفتار کر کے اُن کو سپر بنا لیں یا قلعے کی دیوار سے اُن کو لٹکا دیں، اس وقت بھی اس خیال سے کہ ان مسلمانوں کو گزند پہنچے گا، جنگ کا موقوف کرنا اور قلعے کی تسخیر سے دست بردار ہو جانا مناسب نہیں، بلکہ ان کفار سے جنگ کی جائے گی اور امکانی حد تک مسلمانوں کو اپنے ہتھیاروں کی گزند سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر بالفرض مسلمانوں کو کچھ گزند پہنچے یا وہ مسلمانوں کے ہتھیاروں سے شہید ہو جائیں، تو اس میں نہ دیت ہے، نہ قصاص، نہ گناہ۔[1]

شیر سنگھ کی نقل و حرکت کی اطلاع شیر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ گڑھی میں قیام کر کے پہلے مظفر آباد کی سمت گیا۔ وہاں اُس کو سلطان زبردست خاں اور اُس کے ہمراہیوں کے فرار کا حال معلوم ہوا۔ وہاں سے اُس نے گڑھی کی طرف پھر مراجعت کی اور بالاکوٹ جانے کے لیے راستہ تلاش کیا۔ جہاں جہاں گڑھی میں غلہ اور آدمی تھے، سب کو جمع کیا۔ جس گڑھی میں سو آدمی تھے، وہاں دس، جہاں دو سو تھے، وہاں بیس متعین کیے۔ اس طرح سے غلے کو جا بجا سے سمیٹ کر جمع کر لیا۔ مولانا کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ شیر سنگھ نے درۂ بھوگڑمنگ کا ارادہ کیا۔ اس وقت مولانا نے سید صاحبؒ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ شیر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ بھوگڑمنگ کے درے کا ارادہ رکھتا ہے اور فی الحقیقت صاحبِ عزم کے لیے یہی مناسب بات ہے کہ وہ سردارِ لشکر سے مقابل ہو۔ آپ ہوشیار رہیں اور اہلِ لشکر حالات سے باخبر رہنے میں غفلت سے کام نہ لیں۔ جس وقت جنگ کی صورت پیدا ہو، قاصدِ تیز گام ہم لوگوں

---

[1] منظورۃ السعداء، ص ۱۱۳۸ تا ۱۱۴۰

کو بھی اطلاع کر دے تاکہ ہم بھی اپنی جماعت کے ساتھ شریکِ جنگ ہو جائیں۔

شبخون کی تجویز شیر سنگھ نے اپنی قیام گاہ کی طرف مراجعت کی۔ مولانا نے اپنے رُفقاءِ خاص سے مشورہ فرمایا اور تجویز کی کہ شیر سنگھ کے لشکر پر شبخون مارا جائے۔ آپ نے شبخون کا پورا نقشہ تجویز کیا، اور تجویز فرمایا کہ عصر کے بعد لشکر متفرق طریقے پر پہاڑ پر چڑھے، چوٹی پر پہنچ کر پہاڑ کی اوٹ میں ہو جائے پھر شب کی تاریکی میں ان کو غافل یا مشغول پا کر حملہ کر دیں۔

مولانا کی پکھلی میں طلبی ابھی اس تجویز پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ سید صاحبؒ کی طرف سے طلبی کا رقعہ پہنچا، جس کا مضمون یہ تھا کہ عرصہ ہو گیا کہ وہ برگزیدۂ بارگاہ ہم سے جدا ہیں۔ ہم کو ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ آپ کی طلبی کا یہ خط جاتا ہے اور پیچھے سے حبیب اللہ خاں روانہ ہوتے ہیں اپنے لیے اس کو حکمِ قطعی جانیں اور جلد سے جلد روانہ ہو کر یہاں تشریف لے آئیں۔ سردار حبیب اللہ خاں بالاکوٹ میں اپنی جگہ کی حفاظت کریں گے۔ خاتمۂ خط پر آپ کی مُہر اور پیشانی پر "اَللّٰهُ کَافِیْ" کے لفظ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، جس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ اس کی تعمیل نہایت ضروری اور فوری ہے۔

مولانا نے یہ خط پڑھ کر اہلِ لشکر سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنی جگہ پر جائیں شبخون کی تجویز ملتوی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا سبب پیش آیا۔ فرمایا: ہماری طلبی آگئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اگر شبخون کے بعد آپ تشریف لے جائیں تو بہتر ہے۔ فرمایا: مَیں اپنے ارادے کا مختار نہیں ہوں، تابعِ فرمان ہوں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اپنا عذر اور حالات کی تفصیل لکھ بھیجیں۔ فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ تاکیدی مُہر اور دستخطِ خاص ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیل فوری طور پر ضروری ہے۔ کل کوچ ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ بہتر کرے۔ لیکن قرینۂ تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حبیب اللہ خاں نے بالاکوٹ پر قبضہ کرنے کی تجویز کی ہے۔ اگر ہمارا اندازہ صحیح ہے، تو ایک ہفتہ نہیں گزرے گا کہ حبیب اللہ خاں کا خط ہماری طلبی میں آئے گا اور ہم کو پھر یہیں آنا ہوگا۔

مولانا پکھلی میں دوسرے روز مولانا نے شیخ بلند بخت کو اپنا قائم مقام بنایا اور اپنی جماعت کے ساتھ ست بنی کے راستے سے پہاڑ پر چڑھ کر بھوگڑمنگ کے درے میں آئے اور جبوڑی کے دیہات میں رات بسر کی

اگلے روز ڈیڑھ پہر دن چڑھے یہاں پہنچ گئے۔ سید صاحبؒ نے بستی سے باہر نکل کر استقبال کیا۔

عُشر کا انتظام دوسرے روز مولانا صاحبؒ نے سید صاحبؒ کی اجازت سے اس علاقے کے ملکوں اور خانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کے اُوپر آج تک کفار سکھ حاکم تھے اور اپنی بستیوں کا حاصل اُن کو دیتے تھے، بلکہ وُہ آپ لوگوں پر ظلم و تعدی کر کے لیتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو آپ کی اعانت کے لیے لایا ہے۔ آپ صاحبوں کے لیے موزوں ہے کہ وُہی حاصل ہم کو دیا کریں، بلکہ ہم کو اُن سے کم دیا کریں۔ اس میں آپ کے واسطے دُنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم ملے گا، کیونکہ حضرت امیر المومنین اسی واسطے یہاں تشریف لائے ہیں کہ کفارِ نابکار کے ظلم و تعدی سے آپ کو چھڑائیں اور اُن کو مار کر مغلوب کریں۔ آپ بھی اس کارِ خیر میں ہمارے شریک ہوں۔ یہ مُلک آپ ہی مسلمانوں کا ہے۔ ہمارے حضرت امیر المومنین کو اسلام کے احکام کا آپ مسلمانوں پر جاری کرنا منظور ہے۔ آپ کے مُلک سے کچھ غرض نہیں۔ آپ کا مُلک آپ کو مُبارک رہے، بلکہ عنایتِ الٰہی سے اگر کفار کا مُلک ہاتھ آئے گا، تو وُہ بھی آپ مسلمانوں کو دیں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سُن کر سب نے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا، وُہ سب ہم کو منظور ہے۔ اس کارِ خیر میں ہم سب اپنے جان و مال سے شریک ہیں۔ خدا و رسُول کا جو حکم آپ فرمائیں گے، وہ ہم بسر و چشم بجا لائیں گے۔

مشکوٰۃ شریف کا درس ایک روز سید صاحبؒ نے مولانا صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب مُعطّل بیٹھے بیٹھے دل نہیں لگتا، کوئی کتاب شروع کیجیے کہ دل لگے۔ مولانا نے فرمایا کہ کچھ ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز ظہر کی نماز کے بعد سے عصر تک مشکوٰۃ شریف کا درس فرمایا کیجیے۔ اس روز سے مولانا صاحبؒ نے مشکوٰۃ شریف کا درس شروع کیا۔ ہر روز ظہر کی نماز کے بعد سے عصر تک درس ہوتا تھا۔ سید صاحبؒ اور تمام مُجاہدین سُنتے تھے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب درس دیتے تھے اور حدیث شریف کے اسرار و نکات سید صاحبؒ بیان فرماتے تھے۔ بعض دن ایک ہی حدیث کے اسرار و نکات بیان کرنے میں عصر کا وقت آجاتا تھا اور بعض دن دو یا تین حدیثوں کی نوبت آتی تھی۔

سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ اُن دنوں اکثر مشکوٰۃ شریف آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور آپ اُس کا مطالعہ فرماتے تھے۔ کبھی کسی لفظ کے معنے نہ معلوم ہوتے، تو جو صاحبِ علم سامنے سے گزرتا اُس سے بے تکلف دریافت فرماتے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب کے اس درس سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہُوا۔ ایک مہینہ تک یہ سلسلہ رہا۔

سید ضامن شاہ کی آمد و بیعت انھیں دنوں درۂ کاغان کے رئیس سید ضامن شاہ بیس بائیس آدمیوں کے ساتھ آئے۔ سید صاحبؒ نے سید ضامن شاہ اور اُن کے ساتھیوں کی بہت خاطر تواضع کی اور اُن کو اپنے پاس اُتارا۔ اُن میں آٹھ یا نو آدمی سید ضامن شاہ کے عزیزوں میں تھے۔ اگلے روز سید ضامن شاہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیعت کی اور عرض کیا کہ میں آپ کے اس کارِ خیر میں جان و مال سے شریک ہوں۔

سید صاحبؒ کی ایک گفتگو ایک روز آپ جنگل سے تیر اندازی کر کے واپس تشریف لائے اور گھوڑے سے اُترے۔ کسی نے ایک چارپائی لا کر بچھا دی۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ کتنا ہی لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے امام اور پیرو مُرشد ہیں، اس چارپائی پر بیٹھیں، ہم سب زمین پر بیٹھیں گے۔ آپ نے کسی طرح نہ مانا اور فرمایا کہ جیسے تم سب ہو، ویسا ہی ایک مَیں بھی ہُوں۔ مجھ کو کب مناسب ہے کہ تم سب زمین پر بیٹھو اور مَیں چارپائی پر بیٹھوں؟

اس وقت غریب، امیر سب تقریباً دو سو آدمی ہوں گے۔ آپ نے اُن سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، مَیں جو اپنے وطن سے اتنے بندگانِ خدا کو جابجا سے لے کر اور طرح طرح کی سختی و مصیبت اُٹھا کر تمھارے اِس مُلک کوہستان میں آیا ہوں، تو فقط اِسی واسطے کہ تم مسلمانوں کے مُلک پر کفّار غالب ہو گئے ہیں اور تم کو طرح طرح کی تکلیف اور ذلّت دیتے ہیں۔ اُن کو اللہ کی مدد سے مغلوب کروں تاکہ تم اپنی اپنی ریاستوں پر قابض اور مُتصرف ہو اور دینِ اسلام قوّت پکڑے۔ اگر میں عیش و آرام کا طالب ہوتا، تو میرے واسطے مُلکِ ہندوستان میں ہر طرح کا عیش و آرام تھا، اِس کوہستان میں کبھی نہ آتا۔ میری مُراد اِس گفتگو سے یہ ہے کہ تم سب بھائی بھی کفّار کی حکومت سے عزت کرو اور اپنی جان و مال سے میرے ساتھ

شرکت کرو اور کافروں کو مار کر یہاں سے نکالو۔ اس کے بعد ان کا ملک چھینو اور اپنے تصرّف میں لاؤ۔ اگر تم لوگ میرے ساتھ شرکت نہ کروگے، تو چند دن کے بعد ایسا غم و افسوس کروگے کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے۔ پھر وُہ افسوس و غم بھی کام نہ آئے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں اپنا کام لینا چاہے گا، تو اپنے اور بندوں کو میرے ساتھ کر دے گا اور اُن کے ہاتھوں سے اپنے دینِ اسلام کو غالب کرے گا۔

سب حاضرینِ مجلس نے اُس کے جواب میں عرض کیا کہ ہم اپنی جان و مال سے ہر طرح سے شریک ہیں۔ جو کچھ آپ فرمائیں، ہم بسر و چشم بجا لائیں گے[1]۔ آپ نے اُن کے حق میں دُعا فرمائی اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔

دُعا کا اہتمام جن دنوں مشکوٰۃ شریف کا درس ہوتا تھا، ایک روز سید صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، دل میں آتا ہے کہ اب چند روز جنابِ الٰہی میں خوب سے مل کر دُعا کریں، مگر اس طرح کہ ہم ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اکیلے دُعا کریں اور آپ سب بھائیوں کو ساتھ لے جا کر کہیں جنگل میں دُعا کریں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ بہت بہتر، مَیں حاضر ہوں۔ سید صاحبؒ نے عصر کا وقت دُعا کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ ہر روز نمازِ عصر سے فارغ ہو کر سید صاحبؒ ایک کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھ کر دُعا کرتے تھے اور مولانا صاحب سب غازیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بستی کے باہر ایک نالے پر جاتے تھے۔ پہلے آپ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کچھ دیر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اس کے بعد برہنہ سر ہو کر کمال گریہ و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ جنابِ باری میں بہت دیر تک دُعا کرتے تھے۔ اس دُعا میں طرح طرح اپنی محتاجی و انکسار اور جنابِ باری کی عظمت و جبّاری اور رحمت و غفّاری بیان کرتے تھے۔ دُعا کے بعد سب کو ہمراہ لے کر سید صاحبؒ کے پاس آتے تھے اور دُعا کرنے کا حال عرض کرتے تھے۔ یہ دُعا پانچ سات روز متواتر ہوئی۔

گوجروں کی توقیر ایک روز گوجروں کا ایک سردار (جس کو وہ لوگ مقدم کہتے ہیں) سات آٹھ

---

[1] یہ حضرات اوّل سے آخر تک اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو جنگِ بالاکوٹ میں شہید ہوئے، باقی جو زندہ بچے، وُہ مولانا ولایت علی کے عہدِ امارت میں اُن کے شریک ہوئے۔

آدمیوں کے ساتھ مُلاقات کو آیا۔ وُہ سب لوگ کمّل کا لباس پہنے ہُوئے تھے۔ آپ اُن سے بڑے تپاک سے ملے اور بڑی عزت و توقیر سے اپنے پاس بٹھایا اور ہر ایک سے عافیت مزاج پوچھی اور اُن کے واسطے مُکلّف کھانا پکوایا اور حاضرین سے فرمایا کہ یہ لوگ بڑے دیندار ہیں۔ پہاڑوں پر رہتے ہیں، بھیڑ، بکری، گائے بھینس پالتے ہیں اور انھیں کے دُودھ دہی وغیرہ سے اپنی گزران کرتے ہیں اور شر و فساد سے کام نہیں رکھتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ لوگ ہمارے بڑے مخلص انصار ہوں گے۔

اسی طرح اکثر اوقات اس مُلک کے صاحب اخلاص گوجر آپ کی خدمت میں آتے اور آپ اُن کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے اور اُن سے محبت رکھتے تھے۔

○

اِکتالیسواں باب

پچھوں سے بالاکوٹ

بالاکوٹ کی تجویز پچھوں میں مولوی خیر الدین صاحب کا مظفر آباد سے رقعہ آیا کہ سکھوں نے پشاور میں شیر سنگھ کو حالات کی اطلاع دی ہے اور وہ مع لشکر کمک کر آتا ہے۔ آپ نے خوانین اور اہل الرائے کو جمع کر کے فرمایا کہ شیر سنگھ مظفر آباد کے سکھوں کی کمک کے لیے آتا ہے، ہمارے مجاہدین جا بجا متفرق ہیں، کچھ تو راج دواری میں ہیں، کچھ بالاکوٹ میں، کچھ مظفر آباد میں اور کچھ ہمارے ساتھ یہاں ہیں۔ آپ سب صاحب اس ملک کے واقف کار ہیں اور ہم لوگ نووارد۔ آپ کا اس امر میں کیا مشورہ ہے؟

اسی اثناء میں حبیب اللہ خاں کا (جو بالاکوٹ میں تھا) خط پہنچا۔

مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ذی قعدہ (سنہ ۱۲۴۶ھ) کا مہینہ نصف[1] ہوا تھا کہ سردار حبیب اللہ خاں کی عرضداشت پہنچی جس میں آپ کی تشریف آوری (بالاکوٹ) کی استدعا اور شیر سنگھ کے بالاکوٹ سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر اس دریا[2] کے جنوبی کنارے پہنچنے کی اطلاع تھی، جو بالاکوٹ کے نیچے جنوب کو بہتا ہے۔

---

[1] وقائع میں پچھوں سے سیّد صاحبؒ کی بالاکوٹ کی روانگی کی تاریخ ۵ ذی قعدہ درج ہے۔ اگر اس کو صحیح مانا جائے تو بیان وسط ذی قعدہ صحیح نہیں، غالباً وسطِ شوال ہو۔

[2] دریائے کنہار

آپ نے لشکرِ مُجاہدین کے ساتھ بالاکوٹ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا۔

گھر والوں کو پیغام آپ نے میاں الٰہی بخش رامپوری اور نظام الدّین اُولیا کو راج دواری بیوی صاحبہ کی تسلّی تشفّی کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ اُن سے ہماری طرف سے بہت تسلّی تشفّی کر کے کہنا کہ اوّل تو ہمارا ارادہ تھا کہ تم کو اپنے پاس بُلا لیں، مگر اب سکھوں کے لشکر کی خبر گرم ہے۔ ہم اس طرف کو جائیں گے۔ عجب نہیں کہ ان سے مقابلہ ہو۔ پھر دیکھا چاہیے، انجام اس کا کیا ہو؟ اس سبب سے تمھارا بُلانا مُناسب نہ جانا۔ تم وہیں رہو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے۔ ہم سب کے واسطے دُعا کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ملائے گا، تو پھر آ کر ملیں گے۔

معیّت و رفاقت کا اشتیاق میاں الٰہی بخش اور نظام الدّین اُولیا راج دواری سے آتے ہوئے جب پنجتار سرکول پہنچے، تو وہاں ارباب بہرام خاں نے، جو وہاں کسی کام کے لیے مُتعیّن تھے، کہا کہ میں یہاں حضرت امیر المومنین کے حکم سے متعیّن ہوں، سکھوں کے پشاور سے آنے کی خبر لوگوں میں گرم ہے اور حضرت بھی سچّوں سے اسی طرف جانے والے ہیں۔ میری طبیعت گھبراتی ہے، مگر حضرت کی اجازت کے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ تم میری طبیعت کا حال حضرت سے عرض کرنا۔ حضرت فرمائیں، تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

دونوں صاحبوں نے ارباب بہرام خاں کا پیغام پہنچایا، تو آپ نے اُن کو سرکول سے بُلا لیا۔ بیس آدمی اُن کے ہمراہ تھے اور وُہ سب اُن کے عزیزوں اور نوکروں میں تھے۔

بالاکوٹ کو روانگی ۵ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ کو آپ نے مع لشکر سچّوں سے کُوچ کی تیاری کی۔ اوّل مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری کو تیس، پینتیس غازی ہمراہ کر کے درۂ بھوگڑمنگ کے بندوبست کے لیے روانہ کیا کہ شاید سکھوں کا لشکر اس طرف آئے، تو اُن کو روکیں، کیونکہ وہاں سے کوئی تین کوس پر ضلع شنکیاری ہے۔ وہاں سکھوں کا تھانہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے سچّوں سے کوچ کیا۔ راستے میں پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب چڑھتے چڑھتے تھک جاتے، تو بیٹھ جاتے اور وعظ فرمانے لگتے جب ماندگی قدرے دفع ہوتی اور پچھلے لوگ وہاں آ کر جمع ہو جاتے، تب وہاں سے آگے چڑھتے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تقریر میاں خدا بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ایک جگہ بیٹھ کر مولانا صاحب نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، اس بات کو خیال کرو کہ اگر ہم کسی امیر یا رئیس کے نوکر چاکر ہوتے اور وہ ایسے سخت راستے میں اپنے کسی کام کو بھیجتا، تو بلا عُذر جانا پڑتا اور راستے کی یہ ساری تکلیف اُٹھانی پڑتی۔ وُہ نوکری بھی صرف دُنیا کے گزران کے واسطے ہوتی۔ آج الحمد للہ کسی کے نہ نوکر ہیں نہ چاکر، صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی و رضامندی کے لیے یہاں آئے ہیں اور یہ محنتیں اور مشقتیں اُٹھاتے ہیں اگر ہماری نیتیں خالص ہیں، تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے بڑے بڑے درجے دے گا۔

گوجر عورتوں کی محبت و تواضع ایک جگہ اس پہاڑ کی چڑھائی پر حضرت کی آمد کی خبر سُن کر اس طرف کے کئی گوجروں کی عورتیں دہی کی ہانڈیاں لے کر آئیں اور لوگوں سے پُوچھنے لگیں کہ سید بادشاہ کہاں ہیں؟ وہاں کا راستہ نشیب و فراز کا زیادہ تھا۔ آپ اُس وقت ہاتھی سے اُتر کر پیادہ پا اور طرف سے تھوڑا پھیر کھا کر آ رہے تھے۔ لوگوں نے اشارہ کر کے بتلایا کہ سید بادشاہ وُہ آتے ہیں۔ وہ عورتیں وہیں بیٹھ گئیں آپ قریب آئے اور آپ کو معلوم ہُوا کہ وُہ آپ کے لیے کچھ دُودھ دہی لائی ہیں۔ تو اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھیر جاؤ، ہماری بہنیں ہمارے لیے کچھ نذر لائی ہیں، ہم اُن کے پاس جاتے ہیں سب لوگ ٹھیر گئے اور آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ وُہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور آپ کو دعائیں دینے لگیں کہ جس مطلب کو جاتے ہو، اُس مطلب کو اللہ تعالیٰ پُورا کرے اور دہی کی وہ ہانڈیاں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے ہر ہانڈی سے تھوڑا تھوڑا کھایا اور لوگوں سے فرمایا کہ یہ دہی آپس میں تقسیم کر لو سب نے تھوڑا تھوڑا دہی تقسیم کر لیا اور آپ نے سب لوگوں سے فرمایا کہ بھائیو، ان بہنوں کے واسطے تم سب دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کی گائیں بھینسیں اور مال و اولاد میں برکت دے! پھر آپ نے اور سب نے دُعا کی اور شاید کچھ نقد بھی ان کو دیا۔

توکل اور خدائی انتظام ایک جگہ کمر کوہ میں ایک وسیع مسطح میدان تھا۔ آپ وہاں سو غازیوں کے ساتھ ٹھیر گئے اور مولانا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے کہلا دیا کہ ہماری طبیعت چاہتی ہے کہ آج یہیں رہیں۔ ان شاء اللہ کل سویرے آپ کے پاس آئیں گے۔ بعض

غازیوں نے آپس میں کہا کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا مولانا صاحب کے ساتھ گیا۔ یہاں پہاڑ پر رات کی سردی زیادہ ہوتی ہے۔ تمام دن کے بھوکے بھی ہیں۔ یہاں کھانے کی ظاہرا کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی۔ سید صاحب نے سُنا، تو فرمایا کہ بھائی صاحب، میرے پروردگار نے بڑی بڑی مہمانیوں کا مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ ابھی تو بہت دنوں اُس کی مہمانیاں کھانی ہیں، اُن میں سے ایک مہمانی آج ہی سہی

مغرب کی نماز پڑھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رزّاقی کا بیان شروع کیا۔ عشاء تک اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور پروردگاری کا بیان فرماتے رہے۔ اس وقت آپ کے کلام میں ایسی رقت تھی کہ تمام حاضرینِ مجلس کے آنسو جاری تھے اور ایک بیخودی سی طاری تھی اور اس کے بعد سر برہنہ کر کے کمال عجز و زاری کے ساتھ دُعا کرنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ کے جمال و جلال کا بیان کرنے لگے۔ تمام حاضرین کا یہ حال تھا کہ گویا دریائے بیخودی و بیہوشی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بعضے صاحبوں کے اُوپر جذب کی سی حالت طاری تھی۔

عشاء کے بعد آپ جنگل کی طرف گئے۔ وہاں سے واپس آ کر فرمایا کہ بھائیو، ہم کو اس وقت نیند معلوم ہوتی ہے۔ کچھ بچھا دو، تو کچھ دیر ہم لیٹ رہیں۔ کسی نے اپنا دوہر بچھا دیا۔ اس پر آرام کرنے لگے۔ کوئی آپ کے ہاتھ دابنے لگا اور کوئی پاؤں۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ بھائیو، خیال کرو، پروردگار نے ہم لوگوں کے واسطے کہاں کہاں روزی مُقرر کی۔ جس طرح چڑیاں اپنی روزی کے دانے جہاں جہاں پروردگار نے مُقرر کیا ہے، وہاں چُنتی پھرتی ہیں، اسی طرح ہم لوگ بھی اپنے مُقدر کی روزی کھاتے پھرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا کام بھی طاقت کے موافق کرتے ہیں۔

یہی باتیں آپ کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں پہاڑ کی چڑھائی کی طرف دو تین مشعلیں نظر آئیں۔ جب کچھ قریب آئیں، تو پہرے والے نے آواز دی کہ کون ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم سید بادشاہ کی مُلاقات کو آتے ہیں۔ کچھ رات گئے ہم نے خبر پائی تھی۔ اس سبب سے دیر ہو گئی۔ یہ گفتگو سُن کر آپ نے فرمایا کہ اُن کو آنے دو، اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعوت بھیجی ہے۔ وہ حضرت کے پاس آئے۔ آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ وہ سب کمل پوش تھے۔ آگے ایک صاحب تھے، جو صرف عصا پکڑے تھے۔ اُن کے پیچھے ایک کے سر پر

چارپائی اور بچھونا تھا اور دو آدمیوں کے سر پر ایک ایک گھڑا دودھ کا تھا۔ پھر سب نے وہ اسباب و سامان رکھ کر آپ سے مصافحہ کیا اور عذر کیا کہ ہم کو دیر سے خبر ہوئی، اس سبب سے اس وقت آئے۔ آپ نے اُن کو بٹھایا اور کچھ دیر باتیں کیں۔ پھر وہ رخصت ہو کر جدھر سے آئے تھے، اُدھر چلے گئے۔

ایک خواہش اُسی رات کو عشاء کے بعد آپ قضاءِ حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئے۔ دو تین صاحب اور ساتھ تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا: بھائیو، دل چاہتا ہے کہ اگر تم چند روز مجھ کو فرصت دو، تو کسی پہاڑ پر تنہا بیٹھ کر عبادت کر کے اپنے پروردگار کو اچھی طرح راضی کروں اور تم بھی سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہو اور دُعائیں کر کے راضی کرو۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ آپ بجا فرماتے ہیں۔ اگر آپ فرصت پائیں، تو یوں ہی کریں، مگر ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے ہیں، تب ہی تک سب طرح کی تسکین اور دلجمعی ہوتی ہے اور اپنے حوصلے کے موافق عبادت کر سکتے ہیں اور دُعا بھی کر سکتے ہیں۔ جب ہم آپ کی صحبت سے جُدا ہوتے ہیں، اُس وقت ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا: نہ عبادت، نہ دُعا اور پریشانی اور پراگندگی طبیعت پر چھا جاتی ہے۔ جب آپ کی جُدائی میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو، پھر بھلا ہم لوگ کیونکر آپ کو چھوڑیں؛ اگر آپ قضاءِ حاجت کو بھی تشریف لے جاتے ہیں اور دو چار گھڑی غائب رہتے ہیں، تو اتنی دیر میں بھی ہم بیتاب ہو جاتے ہیں۔ جب آپ تشریف لاتے ہیں اور آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں روشن ہوتی ہیں، تو دل کو چین اور آرام ہوتا ہے۔

طبیعت پر اثر اُسی رات کو آپ جب قضاءِ حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے جانے کے بعد اس پہاڑ کے ایک درے سے اس طرح کی ایک سخت آواز آئی، جیسے کوئی بڑی سُرنگ اُڑتی ہے۔ تمام لوگ یکبارگی چونک پڑے اور متعجب ہُوئے کہ یہ آواز کہاں سے آئی اور کس کی آواز ہے، مگر اس آواز کا کچھ پتہ نہ چلا۔ آپ کو کوئی چار گھڑی کا عرصہ ہُوا۔ لوگ انتظار کرتے کرتے گھبرا گئے بلکہ بعض صاحب وہیں سو رہے اور باقی لوگ اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ اتنی دیر ہُوئی اور حضرت تشریف نہیں لائے۔ اس پہاڑ پر شیر کا بھی خوف تھا اور ریچھ کا بھی۔ یہ بھی بعضوں کو وہم ہُوا کہ

ابھی آپ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ مجھ کو فرصت دو، تو میں کسی پہاڑ کے گوشے میں بیٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت کروں، تو کہیں اسی وقت سے تو ہم سے جُدا نہیں ہو گئے؟ غرض، جو جس کے خیال میں آتا تھا، وہ کہتا تھا۔

بہت دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور لوگ بشّاش اور تازہ دل ہو گئے۔ لوگوں نے اس تاخیر کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں، مجھ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت دیر ہوئی کہ وہاں بیٹھے بیٹھے میرے پاؤں سُن ہو گئے۔ باقی اور حال آپ نے کچھ نہ بیان فرمایا، مگر اسی وقت سے آپ کی طبیعت اور طرح کی ہو گئی۔ جہاد کے معاملے میں جو صلاحیں اور مشورے آپ ہمیشہ کیا کرتے تھے، اس وقت سے یک لخت موقوف کر دیے اور اس کا سب معاملہ تقدیرِ الٰہی پر مُوقوف رکھا، بلکہ جو لوگ کُفّار کے مارنے اور مغلوب کرنے کی تدبیریں آپ کی خدمت میں عرض کرتے تھے، آپ اُنھیں مزید تقریر سے روک دیتے تھے اور ہرگز نہیں مانتے تھے۔

صبح کی نماز کے بعد چلنے کی تیاری ہُوئی۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ چارپائی اور کمّل کس کے حوالے کریں۔ آپ نے فرمایا: یہیں رہنے دو۔ جو مالک ہو گا، وُہ آپ لے جائے گا۔ چنانچہ وُہ چارپائی اور کمّل جہاں کے تہاں چھوڑ کر سب لوگ روانہ ہو گئے۔[1]

◆

---

[1] وقائع میں ہے کہ ایک غازی نے جو پیچھے رہ گئے تھے، بیان کیا کہ ایک نوجوان لڑکا آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ چارپائی اور کمل کہاں ہے۔ میں نے بتلا دیا۔ اُس نے کہا: اب تم چلے جاؤ، ہم پہنچا دیں گے۔

بیالیسواں باب

بالاکوٹ میں

بالاکوٹ میں داخلہ ادھر بالاکوٹ سے فجر کی نماز پڑھ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر آپ کے استقبال کو آئے۔ جب آپ پہاڑ سے اُتر کر موضع ستبنی کے نالے پر پہنچے، تو وہاں مولانا صاحب اور سب لوگوں سے مُلاقات ہُوئی۔ سب کے ساتھ آپ بالاکوٹ میں داخل ہُوئے۔ بستی کے خان اصل خاں نے آپ کے لیے اپنی حویلی خالی کر دی۔ اس میں آپ اُترے۔ باقی لوگ بستی کے دُوسرے گھروں میں۔

بالاکوٹ اور اس کا اجمالی خاکہ بالاکوٹ وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے۔ دریائے کنہار کے منفذ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پہاڑ کی دو دیواریں متوازی چلی گئی ہیں۔ بیچ میں خلا ہے، جس کا عرض آدھ میل سے زیادہ نہیں۔ اسی خلا میں دریائے کنہار گزرا ہے۔

بالاکوٹ کے مشرق میں کالوخاں کا بلند ٹیلہ واقع ہے جس کی چوٹی پر کالوخاں نام کا گاؤں ہے۔ مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے، جو بہت بلند ہے۔ ٹیلے کے شمالی حصے میں چوٹی پر مٹی کوٹ گاؤں ہے، جس کے بارے میں مثل مشہور تھی کہ "جس کا مٹی کوٹ، اُس کا بالاکوٹ"۔ ایک پُرانی پگڈنڈی جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی تھی۔ مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "ایک

راستہ جو ہندوستان کے سلاطینِ قدیم کا تراشا ہُوا تھا، اس چوٹی تک جاتا تھا۔ مُرورِ زمانہ سے وہاں بڑے بڑے درخت کھڑے ہو گئے تھے اور جنگل ہو گیا تھا۔ پہاڑوں سے لڑھک کر گرنے والے پتھروں نے بھی اس راستے کو خراب کر دیا تھا، لیکن مقامی لوگوں کو اس راستے کی شناخت تھی۔

بالاکوٹ کے شمالی جانب تین ٹیلے ہیں، جنھوں نے مِل کر ایک دیوار بنا دی ہے۔ وُہ دیوار بالاکوٹ کے شمالی اور مغربی گوشے سے شروع ہو کر شمالی اور مشرقی گوشے تک چلی گئی ہے۔ مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے، جس پر اسی نام کا گاؤں آباد ہے۔

جنوب کی سمت میں کنہار کی وادی ہے، جس نے کاغان سے باہر نکلتے ہی بالاکوٹ کے پاس جنوبی و مغربی رُخ اختیار کر لیا ہے۔

حلقے کے عین بیچ میں ایک ٹیلہ یا قُدرتی پشتہ ہے، جس پر بالاکوٹ کا قصبہ آباد ہے۔ پُشتے کے شمالی و مغربی سمت میں زمین کی سطح تک مکان چلے گئے ہیں اور عام پہاڑی آبادیوں کی طرح درجہ بدرجہ ہیں، یعنی، نیچے کے مکان کی چھت اوپر کے مکان کا صحن ہے۔[۵]

حفاظتی انتظامات شیر سنگھ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے بالاکوٹ سے دو، ڈھائی کوس پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھا۔ وقائع میں ہے کہ "لوگ بالاکوٹ سے اُس کے ڈیرے خیمے دیکھتے تھے"۔ اس کے لیے بالاکوٹ پر حملے کی دو ہی صُورتیں ہو سکتی تھیں۔ یا وُہ پہاڑ پر اس پُرانی پگڈنڈی سے چڑھتا، جو جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی ہے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اُترتا۔ یہ راستہ کسی مقامی واقفِ حال آدمی کی رہبری کے بغیر طے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس راستے سے بھاری سامان اور توپیں بھی لے جانا ممکن نہ تھا۔

دُوسری صُورت یہ تھی کہ وُہ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کے سامنے پہنچتا۔ یہ صُورت نسبتہً آسان تھی۔ ان دونوں راستوں کی حفاظت اور ناکہ بندی ضروری تھی اور سید صاحبؒ نے بالاکوٹ پہنچتے ہی اس کا بندوبست فرمایا۔ مُلّا لعل محمد قندھاری کو اس پہاڑی پگڈنڈی کی حفاظت کے

---

[۵] اختصار از "سید احمد شہید"۔ ص ۳۶۵، ۳۶۹ ج ۲

لیے مقرر فرمایا، جو مٹی کوٹ آتی تھی۔ اُن کی پشتیبانی اور کمک کے لیے قندھاریوں کی ایک جماعت کو مٹی کوٹ میں بٹھا دیا۔ جنوبی سمت کی ناکہ بندی اور دریا کے مشرقی کنارے سے لشکر کے آنے کو روکنے کے لیے امان اللہ خاں لکھنوی کو ۲۰، ۲۵ غازیوں کے ساتھ متعین فرمایا۔ اس حصے میں محافظین کی ایک مختصر سی تعداد ایک بڑے جیش کو روکنے کے لیے کافی تھی۔ وقائع احمدی میں ہے: "جانب مغرب جو پہاڑ بھوگرمنگ اور بالاکوٹ کے درمیان ہے، وہاں مع جماعت مُلّا لعل محمدؐ قندھاری کو بھیجا بھوگرمنگ کے درے کی حفاظت کے لیے مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری اوّل ہی سے وہاں مُتعیّن تھے اور دس بارہ قندھاری مُلّا لعل محمد کی جماعت کے موضع مٹی کوٹ کے پہاڑ پر مقرر کیے اور اُن کو سمجھا دیا کہ اگر لعل محمدؐ کی طرف کچھ سکھوں کا دباؤ ہو اور وہاں بندوقیں چلیں، تو ادھر تم بھی بندوقیں چلا دینا تاکہ یہاں ہم لوگوں کو خبر ہو جائے۔

ایک راستہ جنوب کی طرف بالاکوٹ کی ندی کے کنارے پہاڑ کی کھری پر ہے۔[1] وہاں کی حفاظت کے لیے پچیس، تیس غازیوں کے ساتھ دو ضرب شاہین دے کر امان اللہ خاں لکھنوی کو بھیجا اور اس دریا کے پُل پر، جو بالاکوٹ کے مشرق و جنوب کے کونے میں تھا، کوئی دس آدمی مُتعیّن کیے کہ رات کو پُل کے پاس رہا کریں اور دن کو اپنے ڈیرے پر رہیں اور سب ناکہ والوں سے کہہ دیا کہ جس کی طرف سے سکھ لوگ آئیں، اُن کو روکیں اور بندوقیں ماریں اور اگر وہ نہ رُکیں، تو یہاں چلے آئیں۔

سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "آپ نے بالاکوٹ پہنچ کر ایک لکڑی کا پُل دریائے کنھار پر بنوا دیا۔ سکھوں نے بھی (جو مشرقی کنارے پر اُترے ہوئے تھے) مغربی کنارے پر آنے جانے کے لیے جہاں کھلا میدان ہے، ایک پُل بنا لیا تھا۔ سیّد صاحبؒ نے بالاکوٹ کے پُل کے جنوب کی طرف مُلکیوں اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت کو متعیّن کر دیا تھا کہ وہ دریا سے مُتصل تھا اور ان دونوں پُلوں کے درمیان ایک محفوظ جگہ تھی، جو جماعت ان دونوں پُلوں کے درمیان متعیّن تھی، وہ سکھوں کے لشکر کو نقصان پہنچاتی رہتی تھی اور اُن کے جانوروں کو جو پُل کے راستے سے میدان میں چرنے کے لیے

---

[1] یہ جنوبی سمت کی کھڑیاں ہیں جو ژنہ اور بالاکوٹ کے درمیان واقع ہیں۔

آیا کرتے تھے، اکثر حملہ کرکے پکڑ لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی سکھ سپاہیوں کا تعاقب کرکے پُل تک پہنچا دیا کرتے تھے۔

پہرے کی تبدیلی لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے صلاحاً عرض کیا کہ مُلّا لعل محمد قندھاری پہاڑ پر کئی روز سے مُتعیّن ہیں، وہاں سردی بھی بہت ہے۔ اگر مُناسب ہو، تو آپ اُن کی بدلی بھیجیں اور اُن کو یہاں بُلوا لیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے، اُن کی بدلی بھیجی جائے۔

مُلّا لعل محمد یہ خبر سُن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو بدلی کرنا کسی طرح منظور نہیں۔ مجھ کو آپ وہیں رہنے دیجیے کیونکہ مجھے اپنے قندھاریوں پر خدا کی طرف سے اعتماد ہے۔ وہ کسی طرح اُن کے مکر و فریب میں نہیں آئیں گے۔ مبادا آپ کسی دُوسرے کو وہاں مُتعیّن فرمائیں اور اس سے وہاں کا بخُوبی انتظام نہ ہو سکے اور معاملہ بگڑ جائے۔

آپ نے فرمایا کہ ہم خُوب جانتے ہیں کہ تم اپنے لوگوں سمیت ماشاءاللہ ایسے ہی حقّانی ربّانی اور مُخلص صادق ہو۔ اسی سبب سے یہ تدبیر ہم نے کی ہے کہ ہمارے پاس رہو۔ پھر آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابیوں کے جمعدار کو اُن کے لوگوں سمیت مُلّا لعل محمد کی جگہ مُتعیّن کیا اور مُلّا لعل محمد کو اُن کے لوگوں سمیت اپنے پاس بُلا لیا۔

بالاکوٹ سے سیّد صاحبؒ کا آخری خط آپ نے بالاکوٹ سے نواب وزیر الدولہ مرحوم کو ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ، یعنی، شہادت سے صرف گیارہ روز پہلے ایک خط لکھا۔ اُس کے ایک حصّے کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

> "باقی حال یہ ہے کہ اہلِ سمہ چُونکہ بدبخت ازلی تھے، اُنھوں نے جہاد کے بارے میں مُجاہدین کی رفاقت اختیار نہیں کی، بلکہ کافروں کے اغوا سے بعض مجاہدینِ ابرار کو، جو بعض ضرورتوں سے اپنے لشکر سے نکل کر گاؤں میں مُتفرق ہو گئے تھے اور مُنتشر تھے، بے خبری میں شہید کر دیا۔ اگرچہ اصل لشکر اُن کے گزند سے محفوظ اور خدمت دین کے لیے مُستعد، خصوصاً اُن مُنافقین کو زیر و زبر کرنے اور ان سرکشوں سے انتقام لینے کا آرزومند تھا، لیکن چُونکہ وہاں ٹھہرنے سے اصل مقصود یہی تھا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت

مجاہدین کی رفاقت اختیار کر کے کفّار کا مقابلہ کرے اور اس چیز کی اب اُن سے بالکل توقع نہیں رہی، اس لیے وہاں سے ہجرت کر کے پکھلی کے پہاڑوں میں آگیا ہوں۔ ان پہاڑوں کے رہنے والے حُسنِ اخلاق سے پیش آئے اور جہاد کے بارے میں اُنھوں نے پُختہ وعدے کیے اور اپنے وطن میں اُنھوں نے رہنے کے لیے جگہ دی۔ چنانچہ فی الحال بالاکوٹ کے قصبے میں کہ اس کے دروں میں سے ایک درّے میں واقع ہے، جمعیتِ خاطر کے ساتھ ٹھیرا ہُوا ہُوں اور کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلے کے لیے تین چار کوس کے فاصلے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے، لیکن چُونکہ مقامِ مذکور نہایت محفوظ ہے، لشکرِ مخالف خُدا کے فضل سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، ہاں، اگر مُجاہدین خود پیش قدمی کریں اور اُن سے نکل کر لڑیں، تو جنگ ہو سکتی ہے۔ مجاہدین کا ارادہ ہے کہ دو تین روز میں جنگ کی جائے۔ بارگاہِ واہب العطیات سے اُمید یہی ہے کہ فتح و نُصرت کے دروازے کھول دے گا۔ اگر اللہ کے حُکم سے تائیدِ ربانی شاملِ حال رہی اور یہ جنگ کامیاب رہی، تو انشاء اللہ دریاے جہلم و مُلکِ کشمیر تک مُجاہدین کا قبضہ ہو جائے گا۔ دن رات دین کی ترقّی اور لشکرِ مُجاہدین کی کامرانی کے لیے دُعا کرتے رہیں۔ والسلام۔

ایک جاسوس ایک روز لشکرِ مُجاہدین میں اسی مُلک کا ایک مسلمان آیا۔ غازیوں کو معلوم ہُوا کہ یہ سِکھوں کے لشکر کا جاسُوس ہے۔ اُنھوں نے اُس کا مُنہ کالا کیا اور خوب زدوکوب کر کے سید صاحبؒ کے پاس لے گئے اور عرض کی کہ یہ سِکھوں کا جاسُوس ہے۔ آپ کو اُس کا مُنہ کالا کرنا بہت ناپسند ہُوا۔ فرمایا: کسی کا مُنہ کالا نہ کیا کرو۔ اگر ایسی ہی ذلت دینی منظور ہو، تو مُنہ میں آٹا لگا دیا کرو۔ اُس جاسُوس سے فرمایا کہ چھپ کر اور بھیس بدل کر کیوں لشکر میں جاسُوسی کرتے ہو؟ جب تم کو کوئی شخص کسی امر کے دریافت کے لیے بھیجے، تو تم علانیہ ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ تم سے کوئی مزاحم نہ ہوگا اور وُہ حال ہم سے معلوم کر کے چلے جایا کرو۔ ہمارا تمام کارخانہ پروردگار کی مرضی پر موقوف ہے، ہم کسی کے آنے جانے سے اندیشہ

نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ یہ ہمارا مہمان ہے۔ اس کو ہمارے باورچی خانہ میں لے جاؤ اور رکھو اور کھانا کھلاؤ۔ لوگوں نے اس کو اس دن کھانا کھلا کر رکھا اور دُوسرے دن کھانا کھلا کر اور حضرت کی اجازت سے دو آدمی ساتھ کر دیے۔ وُہ بحفاظت اُس کر اپنی حد سے باہر نکال کر چلے آئے۔

○

تینتالیسواں باب

آخری جنگ کی تیاریاں

سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ پر وقایع احمدی میں ہے: "ایک مُلکی نے آ کر خبر دی کہ آج سکھ لوگ اس پار اُترنے کو دریا پر لکڑیوں کا پُل بنا رہے ہیں۔"[1] یہ خبر سُن کر آپ نے حبیب اللہ خاں سے کہا کہ اس دریا کی گھڑی پر تو ہمارے امان اللہ خاں مُتعین ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور بھی آنے کا راستہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں ایک اور بھی پگڈنڈی ہے، جہاں مرزا احمد بیگ کا پہرہ ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ راستہ سکھوں کو معلوم ہے؟ خانِ موصوف نے عرض کیا کہ سکھوں کو تو معلوم نہیں، مگر اسی مُلک کا کوئی بھیدی اگر طمعِ دُنیا سے کچھ لے کر اُن کو لے آئے، تو آ سکتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ کچھ اندیشہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے اگلے روز اسی وقت مُخبر نے آ کر خبر دی کہ آج سکھوں کا لشکر دریا کے اس پار اُترتا ہے، مگر ادھر نہیں آتا، اور طرف جاتا ہے۔ آپ نے سُن کر فرمایا کہ خیر، لشکر اِدھر آئے اور کہیں جائے اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر ہے۔ پھر وہ لشکر شام تک نہ معلوم ہوا کہ دریا اُتر کر کہاں چلا گیا۔

اس کے اگلے روز ظہر کے اخیر وقت مرزا احمد بیگ کے پہاڑ پر یکبارگی بندوقیں چلنے لگیں ادھر

---

[1] مٹی کوٹ جانے کے لیے پہاڑی پگڈنڈی سے گزرنے کے لیے (جس کے لیے شیر سنگھ نے رہبر کا انتظام کر لیا تھا) لشکر کو مغربی کنارے پہنچانا ضروری تھا۔ شیر سنگھ نے بالاکوٹ پر حملہ کرنے کے لیے اسی راستے کو ترجیح دی۔

سب غازی ہوشیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ دیکھو تو یہ بندوقیں کیوں چلتی ہیں۔ اسی اثنا میں پہاڑوں پر جا بجا گوجر لوگ پکارنے لگے کہ سکھوں کا لشکر آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مرزا احمد بیگ کی کمک کو جلد جائیں اور اُن کو وہاں سے اِدھر لے آئیں اور وہاں اُن سے مقابلہ نہ کریں۔ مگر ابراہیم خیرآبادی کہ نشان بردار تھے اور اُن کے جوڑی دار فرج اللہ شیدی کو حکم ہوا کہ تم نشان لے کر جاؤ۔ اُن کے پیچھے سید اللہ نور تنلو ولایتی کو مع جماعت اور اُن کے پیچھے آپ نے ایک اور نشان بھیجا۔ اس کے ہمراہ بھی کچھ لوگ تھے۔ ان چاروں نشانوں کے ہمراہ کچھ اُوپر دو سَو آدمی ہوں گے۔[1] کوئی پہر دن رہے سب جا کر مٹی کوٹ پر پہنچے۔ اِدھر سے مرزا احمد بیگ اپنی جماعت کے ساتھ آ پہنچے اور کہنے لگے کہ اب آگے جا کر کیا کرو گے، وہاں تو سکھوں کا لشکر آ گیا۔ چنانچہ سب وہیں مٹی کوٹ پر ٹھیر گئے۔ عصر کو پہاڑ کی چوٹی پر جا بجا سکھ نظر آنے لگے۔ اُن کے سفید بھیگے ہُوئے کپڑے، جو انھوں نے سُوکھنے کے لیے پھیلا دیے تھے، دکھائی دیتے تھے۔

سُلطان نجف خاں کا خط وقائع احمدی میں ہے: "اسی روز گھڑی ڈیڑھ گھڑی دن رہے سلطان نجف خاں کا خط آپ کے پاس آیا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ مَیں سکھوں کو آپ کے مقابلے کے لیے نہیں، بلکہ مظفرآباد کے لیے لایا ہُوں۔ مَیں آپ کا خیرخواہ خادم ہُوں۔ اس واسطے عرض کرتا ہُوں کہ بالاکوٹ میں آپ کی موجودگی کی وجہ سے شیر سنگھ آپ سے لڑنے کا مصمّم ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار بندوقیں ہیں۔ اگر آپ اس کا مقابلہ کر سکیں، تو بالاکوٹ میں ٹھیریں، نہیں تو بالاکوٹ کو چھوڑ کر پچھلے پہاڑ پر جا بیٹھیں۔ یہ اپنا سر مار کر چلا جائے گا۔

دُوسری تدبیر یہ ہے کہ شیر سنگھ آپ کی طرف صرف اپنے پیادوں کو ساتھ لے کر گیا ہے۔ باقی سب اسباب، توپ خانہ، گھوڑے، تمبو، قنات وغیرہ تھوڑے لوگوں کے ساتھ یہاں مجھ کو سپرد کر گیا ہے۔

---

[1] مولوی جعفر علی لکھتے ہیں: "ارباب بہرام خاں کو ایک جماعت کے ساتھ دُوسری جانب بھیجا گیا کہ سکھوں کے لشکر کے روکنے میں مرزا احمد بیگ کی امکانی مدد کریں۔ مجھے بھی اپنی جماعت کے قوی اور مستعد لوگوں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ مَیں جب ارباب صاحب کی جماعت کے پاس پہنچا، تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین نے سکھوں کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن اب دو چار راستے نہیں ہیں کہ ہم اُن کی ناکہ بندی کریں۔ پہاڑ پر پہنچ جانے کے بعد تو بہت سے راستے ہو گئے ہیں۔" (منظورہ: ص ۱۱۵)

آپ وہاں سے اپنے سب لوگوں کو لے کر رات کو دریا کے اس پار چلے آئیں اور اپنے کچھ غازیوں کا چھاپہ ہم لوگوں پر بھیج دیں۔ یہاں ہمارے پاس کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں ہے۔ سب غازیوں کے آتے ہی جان کے خوف سے بھاگ جائیں گے۔ تمام مال و اسباب غازیوں کے قبضے میں آجائے گا اور میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا، ورنہ کل آپ کے خلاف دو طرف سے جنگ ہوگی: اُدھر سے شیر سنگھ آپ کا مقابلہ کرے گا، اِدھر سے یہ لوگ گولی ماریں گے۔ جو کچھ تدبیر کرنی ہو آج ہی رات کو کر لیں۔ خیر خواہی سمجھ کر میں نے آپ کو اطلاع کر دی۔[1]

اس وقت ناصر خاں، حبیب اللہ خاں اور کاغان کے سید ضامن شاہ، ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگ موجود تھے۔ سب کے سامنے وہ خط پڑھا گیا۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: بھائیو، تم سب نے یہ مضمون سُنا اب اس میں تمھاری کیا صلاح ہے؛ جو بات بہتر معلوم ہو، ہم سے کہو۔ ناصر خاں نے عرض کیا کہ حضرت: اَور بھائیوں کا حال تو مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کیا صلاح دیں، مگر میری عقل رسا میں آتا ہے کہ یہ خط، جو سُلطان نجف نے بھیجا ہے، فریب سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وُہ اگر آپ کا مخلص صادق ہوتا، تو جب لشکر مانگلی یا انسہرے میں آیا تھا، اُس وقت یہ خط بھیجتا، تو قابل اعتبار ہوتا۔ اب جبکہ سکھوں کا لشکر سامنے پہاڑ پر چڑھ آیا، اُس وقت وُہ اپنی دوستی اور خیر خواہی جتاتا ہے۔ یہ محض دغا و فریب معلوم ہوتا ہے۔

ناصر خاں کے بعد حبیب اللہ خاں نے عرض کیا کہ سُلطان نجف خاں نے یہ خط آپ کو خیر خواہی سے بھیجا ہو یا فریب سے، یہ تو ہم کو معلوم نہیں، مگر اُس نے جو کچھ لکھا ہے، وُہ سچ ہے۔ بیشک شیر سنگھ کے ساتھ دس بارہ ہزار بندوقیں ہیں۔ اگر آپ یہاں سے اُٹھ کر پچھلے پہاڑ پر جا بیٹھیں، تو اُس کا کچھ زور نہ چلے گا اور حیران ہو کر اور سر مار کر دو ایک روز میں مظفرآباد کو چلا جائے گا اور یہ بھی سچ لکھا ہے کہ مقابلے

---

[1] منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب بہرام خاں نے بھی یہ مشورہ دیا تھا کہ سکھوں کے توپخانہ پر قبضہ کر کے اس لشکر کو محصور کر لیا جائے، جو مٹی کوٹ پر پہنچ چکا ہے اور سلسلۂ رسد کو اس سے منقطع کر دیا جائے۔ آپ نے اُن سے عذر فرمایا کہ ہم نے پُل توڑ دیا ہے اب اس کا انتظام مشکل ہے، اب تو جو کچھ ہونا ہے، یہیں ہوگا۔ ارباب بہرام خاں نے اپنی گردن کی طرف کلمۂ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ سر راہِ خدا میں کٹنے کے لیے حاضر ہے۔" (منظورہ، ص ۱۱۷۴ تا ۱۱۷۷)

کے وقت آپ کے لوگوں پر دونوں طرف سے لڑائی پڑے گی۔ یہ سب تو ہم آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ اس طرف پہاڑ پر شیر سنگھ لشکر لیے پڑا ہے اور دریا کے پار اُس کا توپ خانہ ہے۔ اور جو یہ لکھا ہے کہ آپ غازیوں کے ساتھ دریا کے اس پار چلے آئیں اور کچھ لوگوں کا چھاپہ یہاں بھیج دیں، اس میں بھی بظاہر کچھ فریب نہیں معلوم ہوتا، بلکہ یوں ہی مناسب نظر آتا ہے کہ اگر آپ وہاں چھاپہ بھیجیں، تو کچھ عجب نہیں کہ اُن کا توپخانہ اور مال و اسباب وغیرہ اپنے غازیوں کے ہاتھ آجائے اور پھر یہ سکھ، جو پہاڑ پر ہیں، بے لڑائی کے بھاگ جائیں۔

اسی میدان میں لاہور ہے اسی میں جنت ہے

حبیب اللہ خاں کی یہ تقریر سُن کر آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم سچ کہتے ہو، مگر اب کفار کے ساتھ چوری سے لڑنا ہم کو منظور نہیں۔[1] اسی بالاکوٹ کے نیچے اُن سے لڑیں گے۔ اسی میدان میں لاہور ہے، اسی میں جنت ہے۔ اور جنت تو پروردگار نے ایسی عمدہ چیز بنائی ہے کہ ساری دنیا کی ریاست اُس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

بارگاہِ الٰہی میں نذرانہ

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہان سے جو عمدہ چیز ہو، اُس کو اپنے پروردگار کے نذر کرکے اس کی رضامندی حاصل کروں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں نثار کرنے کو تو میں ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی ایک تنکا توڑ کر پھینک دیتا ہے۔

اسی صلاح و مشورے میں دو ڈھائی گھڑی رات گزر گئی۔ اس وقت یہ بات ٹھیری کہ دریا کا پُل توڑ کر غازیوں کا پہرہ اُٹھا لیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔[2]

عشاء کی نماز کے بعد آپ نے مُلّا لعل محمد قندھاری سے فرمایا کہ بھلا، تم ستبنی کے اس نالے پر ہو کر اور پہاڑ کے اُوپر جا کر سکھوں پر چھاپہ مار سکتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہاں، کیوں نہیں مار سکتے،

---

[1] جنگ کے سلسلے میں ایک مقام ضرور ایسا آتا ہے، جہاں فیصلہ کن جنگ اور ثبات و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سید صاحب نے اس موقع پر پورے مقابلے کا فیصلہ فرمایا۔ بظاہر بالاکوٹ چھوڑ کر چلے جانے کے مشورے قرینِ عقل معلوم ہوتے ہیں، لیکن زیادہ گہری فکر اور ایک غیور بہادر کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو یہ مشورہ قابلِ قبول اور یہ تدبیر کارگر نہ تھی۔ اس کا انجام صرف یہ ہوتا کہ وقتی طور پر لشکر کی جان نکل جاتی، مگر سکھ بالاکوٹ کی پوری بستی کو پھونک دیتے اور ناکردہ گناہ آبادی کو تہِ تیغ کرکے رکھ دیتے۔

[2] پُل غالباً اس لیے توڑا گیا کہ سکھ لشکر اس سے عبور کرکے مشرق کی جانب سے بالاکوٹ پر حملہ نہ کرسکے۔

مگر اس شرط سے کہ آپ کو یہاں تنہا نہ چھوڑیں گے۔ اپنی جان کے ساتھ رکھیں گے، کیونکہ اتنے برس اس ملک میں رہ کر یہاں کے لوگوں کا حال خوب دیکھ لیا۔ ان سے نفاق دور ہونا بہت مشکل ہے۔ سکھوں کا جو یہ لشکر پہاڑ پر آیا ہے، ان کو بھی ملکی لوگ لائے ہیں، ورنہ کیا مجال تھی کہ آسکے۔

کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو حقیقتِ حال یہی ہے۔ اتنے برس ہم نے اس کارِ خیر کے واسطے طرح طرح کی کوشش و جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کیے۔ انھوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے، وہاں کے لوگوں کو ہر طریقے پر وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے، مگر سوائے تم غرباء کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر طرح طرح کا افترا کیا۔ اب ہمارے کاتب بھی خطوط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آگئے اور کچھ ظہور میں نہ آیا۔ اب یہی خوب ہے کہ اپنے سب غازی بھائیوں کو پہروں پہلے اپنے پاس بلالیں کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے۔ اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو ان پر فتحیاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور جو شہید ہو گئے، تو انشاءاللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں چل کر عیش کریں گے۔

اُس وقت تمام لوگ عالمِ سکوت میں تھے۔ کوئی کسی طرح کا چون و چرا نہ کرتا تھا۔ پھر آپ نے مٹی کوٹ کے سب غازیوں کو بلا کر اپنے پاس جمع کر لیا۔

شہادت کی تیاری آپ نے سب غازیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو آج رات کو اپنے پروردگار سے بکمالِ اخلاص توبہ و استغفار کرو اور گناہوں کی بخشش چاہو۔ یہی وقت فرصت کا ہے۔ کل صبح کو کفار سے مقابلہ ہے۔ خدا جانے کس کی شہادت ہے اور کون زندہ رہے۔

آخری انتظامات جب یہ بات واضح ہو گئی کہ سکھ مٹی کوٹ سے اتر کر بالاکوٹ پر حملہ آور ہوں گے تو ایک مؤثر اور فیصلہ کن جنگ کے انتظامات کیے گئے۔ قصبے کا جائے وقوع اور میدانِ جنگ کی طبعی کیفیت مجاہدین کے لیے سازگار تھی۔ اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ حملہ آور جب مٹی کوٹ سے اترتے، تو ان کو قصبے پر حملہ کرنے سے پہلے (جو بلندی پر واقع تھا) اسی نشیبی میدان سے سابقہ پڑتا،

جو ٹیلے اور قصبے کے درمیان واقع ہے۔ اس نشیبی میدان میں دھان کے کھیت تھے۔ آپ کے حکم سے وہاں چشمے کا پانی چھوڑ دیا گیا تاکہ سطح میدان دلدل میں تبدیل ہو جائے، جس کا عبور کرنا اور وہاں جنگی نظام کا قائم رکھنا حملہ آوروں کے لیے دشوار ہو۔ اس کے بالمقابل مجاہدین کو جو قصبے کی بلندی پر موجود اور مورچے لگائے ہوئے تھے، اُن پر حملہ کرنا آسان ہو اور حملہ آور آسانی کے ساتھ اُن کی گولیوں کی زد میں آجائیں۔

اس تدبیر کے علاوہ مختلف مورچوں پر جہاں سے سکھ لشکر کے دباؤ اور زور کا اندیشہ تھا، مجاہدین کی مختلف جماعتوں کو مقرر کر دیا گیا تھا۔ زیادہ تر مورچے ست بنے کے نالے پر تھے، جو بالاکوٹ سے شمال مغرب کے گوشے پر ہے اور مٹی کوٹ سے اُترنے والے لشکر کا اس طرف سے بالاکوٹ پر حملہ کرنا زیادہ متوقع تھا۔ یہاں سب سے پہلا مورچہ مُلّا لعل محمد قندھاری کا تھا، جو ست بنے کے نالے اور ٹیلے کے درمیان تھا۔ وہاں سے سلسلہ وار قصبے کی جانب مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب کی جماعت کے مورچے تھے، پھر ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں کے مورچے تھے۔

قصبے کی تینوں مسجدوں اور مناسب مقامات پر بھی مورچہ بندی کر دی گئی۔

وقائع احمدی میں ہے: ”بالاکوٹ کے جانب مغرب مٹی کوٹ ہے۔ اس کی جڑ بھی زینے کی مانند ڈھلوان تھی۔ وہاں دھان بوئے جاتے تھے۔ حضرت امیر المومنینؓ کی اجازت سے اس زمین میں چشمے کا پانی رات ہی کو چھوڑ دیا گیا۔

بالاکوٹ میں تین مسجدیں تھیں۔ بستی کے بیچ میں ایک مسجد بڑی تھی جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے ایک اور مسجد اس مسجد سے تھوڑی دور تھی، اور ایک مسجد بالاکوٹ کے نیچے اتار پر تھی۔ سو حضرت نے رات ہی کو اپنے سب غازیوں سے فرمایا کہ جس کو جو کچھ لکڑی یا پتھر دستیاب ہو، وہ اپنے اپنے ٹھکانے پر لڑائی کے واسطے مورچہ بنا لے۔ پھر اپنے پاس سے سب کو رخصت کیا۔ اسی وقت جا کر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بستی کے کواڑ، تختے، لکڑی، پتھر لا کر بنائے اور چوکی پہروں کا بندوبست کر کے سونے لگے۔“

رخصتی لباس آپ مسجد سے اپنے ڈیرے پر تشریف لے گئے، کھانا تناول فرمایا اور اپنے کپڑے اور ہتھیار منگوائے۔ آپ نے چار کپڑے منشی خواجہ محمد حسن پوری کو بھیجے کہ کل فجر کو یہی کپڑے پہن کر مقابلے

کو چلیں اور تین کپڑے حکیم قمر الدین پھلتی کو کہ وہ بھی کل فجر کو یہی پوشاک پہنیں، اور ایک ارخالق، ایک دستار کا کریزی، ایک شالی کشمیری پٹکا اور سپید پائجامہ، یہ چار کپڑے اپنے واسطے رکھے اور ہتھیاروں میں سے ایک تفنگچہ، ایک ولایتی چھری، ایک ہندوستانی تلوار اور کٹار، یہ چار ہتھیار اپنے واسطے رکھے۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اب اپنے اپنے بستر پر جا کر سو رہو، ہم بھی سوتے ہیں۔

شہادت کی رات میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ وہ رات اس طرح وحشتناک تھی کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے۔ آسمان پر ابر بھی تھا اور بوندیاں بھی پڑتی تھیں۔ شام سے صبح تک تمام پرند جانور شور و غل کرتے رہے۔ خود اس بستی کے لوگ ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم نے ایک سے ایک اندھیری اور ابر آلود رات دیکھی، مگر ایسی اداس اور خوفناک رات دیکھنے میں نہیں آئی۔

میاں لعل محمد جگدیس پوری کہتے ہیں کہ بالاکوٹ کی لڑائی سے کئی روز پہلے سے کہر کی مانند ایک سرخ غبار چھایا ہوا تھا اور لوگوں کو ایک ہیبت اور اداسی سی معلوم ہوتی تھی؛ ویسا دھواں کبھی دیکھا نہ تھا۔ غازیوں میں اس کا تذکرہ ہوا اور قاضی علاء الدین صاحب نے سید صاحبؒ سے ذکر کیا۔ آپ کچھ دیر صمت میں رہے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارے لشکر کے مجاہدین میں سے کچھ لوگ راہِ خدا میں اپنی جانیں دے کر اپنی دلی مراد کو پہنچ کر کامیاب ہوں گے اور تم لوگوں میں سے کوئی شخص جدا بھی ہو جائے گا۔ آگے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانے۔

چوالیسواں باب

مشہدِ بالاکوٹ

شہادت کی صبح ۲۴ ذی قعدہ (۱۲۴۶ھ) کی صبح صادق اور صبح کی اذان ہوئی، تو سب لوگ وضو کرکے مسلح ہو کر حاضر ہوئے۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر اجازت دی کہ اپنی اپنی جگہ پر جا کر ہوشیار رہو۔ آپ بھی اپنے ڈیرے پر آکر وظیفے میں مشغول ہو گئے۔ جب آفتاب نکلا۔ تو نمازِ اشراق پڑھ کر کچھ دیر کے بعد وضو کرکے سُرمہ لگایا اور ڈاڑھی میں کنگھی کی اور لباس اور ہتھیار پہن کر مسجد کو چلے۔ اس وقت سکھ پہاڑ سے مٹی کوٹ کی طرف اُترتے تھے۔ لوگوں نے اُن کی طرف اشارہ کرکے آپ سے عرض کیا کہ سکھوں کا لشکر پہاڑ سے اُترتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُترنے دو۔ پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور اُس کے سائبان کے تلے بیٹھے اور ایک ایک، دو دو کرکے بہت سے غازی بھی وہیں جمع ہو گئے۔

ایک عبرتناک واقعہ میاں خدابخش صاحب رامپوری کہتے ہیں کہ ضلع اجوری کا ایک شخص ہتھیار سے حضرت کے لشکر میں شریک ہوا تھا۔ اس کا نام معلوم نہیں کیا تھا۔ مگر راجہ کرکے مشہور تھا۔ جب اُس نے شیر سنگھ کا لشکر دیکھا کہ سامنے پڑا ہے، خدا معلوم اس کے دل میں کیا آیا کہ یکبارگی اپنے ہتھیار لے کر لشکر مجاہدین سے نکل کر شیر سنگھ کے لشکر میں چلا گیا اور اُن میں شریک ہو گیا۔ تقدیرِ الٰہی سے اُس کے جانے کے بعد شیر سنگھ کے لشکر کا ایک سکھ حضرت کے پاس آکر مسلمان ہوا اور غازیوں میں شریک ہوا۔ حضرت نے اُس کا نام عبد اللہ

سکھا جس دن بالاکوٹ میں لڑائی شروع ہُوئی اور سکھوں نے خانیوں پر یورش کی، تب وُہ جو ماچھ کر کے مشہور تھا، ہتھیار باندھے سب سکھوں کے آگے تھا۔ اِدھر کی گولی اُس کے لگی اور وُہ وہیں مُردار ہُوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طرف کی ایک گولی اس سکھ نومسلم کے لگی اور وُہ اُسی جگہ شہید ہو گیا۔

پہلا شہید | الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں ضلع پٹیالہ کے ایک سید چراغ علی تھے، وُہ کھیر پکا رہے تھے اور قرابین اُن کے کندھے پر پڑی ہُوئی تھی، جبکہ سکھ کوٹ سے نیچے اُتر رہے تھے۔ وُہ اپنی کھیر بھی چمچے سے چلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے۔ اس وقت اُن پر ایک اور ہی حالت واقع تھی۔ یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو، ایک حُور کپڑے پہنے ہُوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنے ہُوئے آتی ہے۔ یہ کہہ کر وُہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہُوئے کہ اب تمھارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف روانہ ہُوئے۔ کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میر صاحب، ٹھیر جاؤ، ہم بھی چلیں گے، اُنھوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گھس گئے اور دادِ جوانمردی دے کر شہید ہو گئے۔

دُنیا سے بے تعلقی | میاں الٰہی بخش صاحب رامپوری کہتے ہیں کہ شیخ ولی محمد صاحب پھلتی نے، جن کی تحویل میں توشک خانہ تھا، مال و اسباب کی گٹھڑیاں باندھتے ہُوئے مجھ سے اور نظام الدین اولیا سے کہا کہ حضرت کا معمول ہے کہ دشمن کے مقابلے کے وقت اپنے توشک خانے کا اسباب کہیں محفوظ مکان میں رکھوا دیتے ہیں، تم جا کر میری طرف سے کئی باتیں عرض کر کے جلد جواب لاؤ۔ ایک یہ کہ توشک خانہ کا یہ اسباب جہاں ارشاد ہو، وہاں پہنچا دیا جائے۔ اور ایک یہ کہ چار پانچ آدمی، جو بیمار ہیں، اُن کو کہاں لے جا کر رکھیں۔ اور ایک یہ کہ موضع کنسی ضلع تاکوٹ کے ساٹھ آدمی آپ کی مدد کو آئے ہیں، وہ گولی بارُود مانگتے ہیں۔ اپنے اکثر غازی بھائی بھی گولی بارُود اور بندوق کے پتھر مانگتے ہیں۔ جو ارشاد ہو، وُہ کیا جائے۔ ہم دونوں مسجد میں گئے اور یہ تمام حال حضرت سے جُدا جُدا عرض کیا۔ آپ نے سب کے جواب میں فرمایا کچھ حاجت نہیں یعنی، توشک خانے کا مال و اسباب جہاں ہے، وہیں رہنے دو، کہیں لے جانے اور پہنچانے کی حاجت نہیں اور یُوں ہی بیماروں کو بھی، جہاں ہیں، وہیں رہنے دو، اور جو لوگ گولی بارُود مانگتے

ہیں، سو وُہ بھی دینے کی کچھ حاجت نہیں۔

سیّد صاحبؒ پہلے مورچے پر محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ آپ مسجد کے سائبان کے تلے بیٹھے تھے۔ باری باری ایک ایک آدمی کا پہرہ آپ کے پاس رہتا تھا۔ اُس وقت میری باری تھی اُدھر پہاڑ کے سکھ لوگ اُترتے تھے۔ جو ضرب شاہین اُن کی طرف سے چلتی تھیں، اُن کا کوئی گولا مسجد کے اُوپر نکل جاتا تھا، کوئی مسجد کے دائیں بائیں ہو کر، مگر کسی آدمی کے نہیں لگتا تھا۔ ہماری طرف کے مورچوں سے بھی شاہین اور بندُوقیں چلتی تھیں، مگر ایک مورچے کی شاہینیں، جو مسجد کے جنوب کی طرف تھا، نہیں چلتی تھیں۔ لوگوں نے آپ سے سکھوں کی گولیوں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی مارو۔ تب اس مورچے سے بھی شاہینیں سر ہونے لگیں۔ اس اثنا میں نُور محمد جراح کسوت لیے ہُوئے حضرت کے پاس آئے اور آپ کی لبیں کتریں اور ڈاڑھی میں کنگھی کی۔

فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے اس عرصے میں حبیب اللہ خاں کسی آدمی سے کہنے لگے کہ سکھوں کی جمعیت بہت ہے اور ہم لوگوں کی تھوڑی۔ اُن کے مقابلے کا طَور کچھ میری طبیعت میں اچھی طرح جمتا نہیں۔ کہیں یہ آواز حضرت کے کان میں پہنچی۔ آپ نے فرمایا: حبیب اللہ خاں کیا باتیں کرتے ہیں؟ کسی نے کہا کہ وُہ یہ کہتے ہیں کہ سکھ بہت ہیں اور ہم لوگ تھوڑے ہیں، اُن کے مقابلے کا طَور میرے خیال میں اچھی طرح سے نہیں آتا۔ آپ نے خانِ موصوف کو اپنے پاس بُلا کر فرمایا کہ خان بھائی، فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جس کو چاہے، دے۔ بہت اور تھوڑے لوگوں پر موقوف نہیں ہے، کبھی اللہ تعالیٰ تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کر دیتا ہے اور کبھی بہتوں کو تھوڑوں پر۔ ہم کو صرف اپنے پروردگار کی رضامندی درکار ہے، فتح و شکست سے کچھ غرض نہیں۔ اس کی خوشنودی میں بہر صورت ہماری فتح مندی ہے۔

اُن کو نزدیک آنے دو اسی اثنا میں مُلا لعل محمد قندھاری گھبرائے ہُوئے آئے اور حضرت سے عرض کی کہ سکھ لوگ پہاڑ پر سے اُتر کر نزدیک آ گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تم لوگوں کے مورچوں سے کتنی دُور پر آئے ہیں؟ اُنھوں نے عرض کی کہ بندوق کی زد پر۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی جا کر اپنے اپنے مورچوں

سے بندوقیں مارو اور اُن کو نزدیک آنے دو اور جب تک ہم نہ آئیں، تب تک اُن پر کوئی حملہ نہ کرے۔

یہ جواب سُن کر مُلّا لعل محمد اپنے مورچے پر چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد آ کر وہی عرض کیا کہ سکھ لوگ بہت نزدیک آ گئے ہیں۔ آپ نے پھر وُہی فرمایا کہ ابھی اُن کو اور نزدیک آنے دو۔ یہ سُن کر وہ پھر اپنے مورچوں میں گئے۔ تیسری بار کچھ دیر کے بعد پھر وُہی عرض کیا اور کہا کہ اگر اجازت ہو، تو ہم لوگ اُن پر حملہ کریں۔ آپ نے پھر وُہی جواب دیا کہ بغیر ہمارے تم کوئی حملہ نہ کرنا اور ابھی اُن کو اور بھی نزدیک آنے دو۔ یہ سُن کر مُلّا لعل محمد اپنے مورچے کی طرف گئے۔

دُعا اِدھر آپ سائبان کے نیچے سے اُٹھے اور سب لوگوں سے فرمایا کہ تم سب یہیں رہو، ہم اکیلے جا کر دُعا کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے۔ پھر سب لوگ جہاں کے تہاں ہتھیار باندھے تیار کھڑے رہے۔ آپ مسجد کے اندر گئے اور دروازہ اور کھڑکی کے کواڑ بند کر لیے اور دُعا میں مشغول ہُوئے۔ کچھ دیر کے بعد یکایک کھڑکی کھول کر آپ نے پوچھا کہ مجھ کو کس نے پُکارا؟ محمد امیر خاں کہتے ہیں کہ مَیں نے عرض کی کہ اِدھر سے تو آپ کو کسی نے نہیں پُکارا، کیونکہ اِدھر میرے سوا کوئی اور آدمی نہیں ہے۔ یہ سُن کر پھر آپ نے کھڑکی بند کر لی۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے پھر کھڑکی کھول کر پوچھا کہ مجھ کو کسی نے آواز دی؟ مَیں نے پھر عرض کیا کہ اِدھر سے آپ کو کسی نے نہیں پکارا۔ الغرض تین بار کھڑکی کھول کر وُہی پوچھا اور تینوں پر مَیں نے وُہی جواب دیا کہ اِدھر سے آپ کو کسی نے نہیں پکارا۔ یہی حال بڑے دروازے کی طرف گزرا۔

میدانِ جنگ کی طرف شیر محمد خاں کہتے ہیں کہ تیسری بار آپ نے وُہی پکارنے کا سوال کیا اور لوگوں نے وُہی پہلا جواب دیا۔ آپ مسجد سے نکلے اور جلد باہر کو روانہ ہُوئے۔ صحنِ مسجد سے نکل کر بالاکوٹ کے نیچے اُترنے لگے۔ آپ آگے تھے اور سب لوگ آپ کے پیچھے تھے۔ ایک مسجد جو نیچے اُتار پر تھی غازیوں کا ایک مورچہ اُس میں بھی تھا۔ آپ اُس میں تشریف لے گئے۔

میدانِ جنگ کے اندر محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ جب آپ بالاکوٹ کے نیچے کی مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برستی تھیں۔ کئی آدمی زخمی ہُوئے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ یہاں تختے اور کواڑ کی آڑیں جلد بنالو۔ بعض غازی بستی کے کواڑ اُتار لائے۔ مگر آڑ بنانے کی نوبت نہیں آئی،

کیونکہ اسی اثنا میں آپ نے مسجد کے کونے کی آڑ میں کھڑے ہو کر سکھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو قرابین والے اور لمبی بندوق والے ہوں، وہ ہمارے آگے چلیں۔ پھر کوئی کوئی قرابین والے آگے ہونے پائے۔ اس میں جلد آپ نے مسجد سے باہر نکل کر اور تکبیر کہہ کر حملہ کیا[1] اور جس طرح شیر اپنے شکار پر جاتا ہے، اسی سُرعت سے آپ جاتے تھے۔

میاں عبدالقیوم صاحب کی روایت ہے کہ جب آپ نیچے کی مسجد میں تشریف لائے، وہاں سکھوں کی گولیاں اولے کی طرح برستی تھیں۔ کوئی آدھ گھڑی مسجد میں ٹھیر کر والا سید ابوالحسن سے فرمایا کہ نشان لے کر آگے چلو۔ پھر باوازِ بلند تکبیر کہتے ہوئے آپ حملہ آور ہوئے۔

اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے آگے آگے گویا سپر بن کر چلتے تھے۔ وہاں سے پچیس تیس قدم کھیت میں ایک بڑا سا پتھر زمین سے نکلا ہوا تھا۔ آپ اُس کی آڑ میں جا کر ٹھیرے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ جن غازیوں کے پاس قرابینیں ہیں، وہ اس وقت حضرت کے پاس سے جُدا نہ ہوں۔ سب قرابینچی آپ کے قریب مورچہ بنا کر بیٹھے۔ آپ اس پتھر کی آڑ میں اس نیّت سے ٹھیرے تھے کہ جب سکھوں کا حملہ بہت نزدیک آئے، تو ایک باڑھ قرابینوں کی مار کر تلوار کی لڑائی لڑیں۔ حکمتِ الٰہی سے یوں ہی ہوا کہ جب اُن کا حملہ اوپر سے اُترتے اُترتے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر آیا، تب یکبارگی تکبیر کہہ کر ایک باڑھ بندوق والوں نے ماری، اُس کے بعد دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری۔ ان دونوں باڑھوں میں بے شمار کفار مقتول ہوئے۔

حافظ وجیہ الدین صاحب پھلتی کہتے ہیں کہ میں بندوق چلاتے چلاتے ایک نالے پر پہنچا، تو دیکھتا ہوں

---

[1] میاں کلیمر کی روایت ہے کہ آپ کا غازیوں کو حکم تھا کہ سکھ جب تک تلوار کے مقابلے پر نہ آئیں، تب تک کوئی حملہ نہ کرے۔ ملا لعل محمد قندھاری اپنی جماعت کے ساتھ ست بنے کے نالے پر مورچہ لگائے سکھوں پر گولیاں چلا رہے تھے۔ جب سکھ آتے آتے پچاس قدم کے فاصلے پر آ پہنچے، تو ملا لعل محمد نے بغیر اجازت اپنا نشان اُٹھا کر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ جا کر سکھوں میں گتھ جائیں۔ اگرچہ اس وقت اتنے فاصلے سے حضرتؒ کا ارادہ نہ تھا کہ حملہ کریں، مگر قندھاریوں کو دیکھ کر دیر کرنا مناسب نہ جانا۔ باواز بلند تکبیر کہتے ہوئے مسجد سے نکل کر حملہ آور ہوئے۔ (وقائع احمدی)

خدا بخش خاں رامپوری، محمد ابراہیم خاں قصوری اور میاں عبدالقیوم اس کی تائید کرتے ہیں کہ ملا لعل محمد قندھاری نے بلا اجازت حملہ کیا اور حملہ کرنے میں سبقت کی۔

کہ چند آدمیوں کے ساتھ سید صاحب قبلہ رُو بیٹھے ہوئے بندوقیں چلا رہے ہیں اور آپ کے قریب شہیدوں کی کئی لاشیں پڑی ہیں۔ شیخ عبدالرؤف پھلتی کی لاش اور دوسری شاہ محمد کی لاش، جو جماعتِ خاص میں تھے، میں نے پہچانی، باقی اوروں کے نام یاد نہیں۔ اس وقت حضرت نے میرے رُوبرُو اپنی داہنی چھاتی پر بندوق جما کر فیر کیا، تو مجھ کو آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں یا اُس کے پاس والی میں تازہ خون نظر آیا۔ میں نے اپنے قیاس سے معلوم کیا کہ شاید آپ کے مونڈھے میں گولی لگی ہے۔ بندوق چھاتی پر رکھتے وقت اُس کا خون آپ کی اُنگلی میں لگ گیا ہے۔

میاں حفیظ اللہ دیوبندی کہتے ہیں کہ مجھ کو چند روز پہلے سے بُخار آتا تھا۔ اس سبب سے میں پیچھے رہ گیا اور میری جماعت کے سب لوگ آگے بڑھ گئے۔ آہستہ آہستہ میں بھی اُن کے پیچھے چلا جاتا تھا۔ دھانوں کے ایک کھیت میں میں نے دیکھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے بندوق لگا رہے ہیں۔ میں نے دُور ہی سے پکار کر پُوچھا کہ مولانا صاحب، حضرت امیرالمومنین کہاں ہیں؟ اُنھوں نے کہا شور نہ کرو، سکھ سُنتے ہیں۔ حضرت آگے نالے میں ہیں۔ وہیں چلے جاؤ۔ میں وہاں گیا، تو دیکھا کہ حضرت ایک ہاتھ میں تلوار اور دُوسری میں بندوق پکڑے قبلہ رُخ نالے میں بیٹھے ہیں اور ایک طرف آپ کے قریب پچیس تیس غازی صف باندھے آڑ میں بیٹھے ہوئے بندوقیں لگا رہے ہیں۔ میں بھی اُنھیں میں جا بیٹھا اور بندوق بھر بھر کر مارنے لگا۔ اس دَوران میں حضرت نے فرمایا کہ بھائیو، ان موذیوں کو تاک تاک کر گولیاں مارو۔

مجاہدین کا غلبہ اور سکھوں کی پسپائی

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں: اُس وقت آسمان صاف تھا: نہ ابر تھا نہ غُبار، دُھوپ پھیلی ہوئی تھی، مگر بارُود کے دُھویں کے سبب سے اِس طرح کی تاریکی تھی کہ نزدیک کا آدمی بھی بمشکل پہچانا جاتا تھا۔ سکھوں کی بندوقوں کے کارتُوس کے کاغذ یُوں معلوم ہوتے تھے، جیسے ٹیڑیاں[1] اُڑتی ہیں۔ وہ وقت نہایت اُداس اور خوفناک نظر آتا تھا۔ سب مجاہدین نے قرابین اور بندوقیں گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور یکبارگی باآوازِ بلند اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہہ کر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ تمام سکھ منہزم ہو کر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ

---

[1] ٹڈیاں

تک پہنچ گئے تھے اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار کر مُردار کرتے تھے اور جانبین سے پتھر چلتے تھے۔

مُجاہدین کی تشویش اور سیّد صاحبؒ کی تلاش

اسی اثناء میں سب لوگوں نے پیچھے پھر کر جو دیکھا، تو نہ سیّد صاحبؒ کا نشان نظر پڑا اور نہ خود آپ نظر آئے۔ تب تو سب مُتردّد ہو کر گھبرائے اور لڑنے بھڑنے سے سُست ہو گئے۔ پھر بھی کچھ غازی سکھوں کے مقابلے میں لڑتے رہے اور اکثر آپ ہی کی تلاش میں لڑائی کے کھیت میں جا بجا پھرنے لگے۔

لعل مُحمّد جگدیس پوری کہتے ہیں کہ مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب رفل کندھے میں ڈالے ننگی تلوار ہاتھ میں لیے پیشانی سے خُون بہتا ہوا میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ مَیں نے اپنے داہنے طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سُن کر وُہ اس طرف جھپٹتے ہُوئے چلے گئے۔ اُن کے پیچھے مولوی سیّد نُور احمد صاحب نگرامی (جو سیّد صاحبؒ کے حالات کی کتاب لکھا کرتے تھے) ننگے سر تلوار ہاتھ میں لیے ہُوئے آئے۔ وُہ بھی حضرت کو پوچھنے لگے۔ اُن سے بھی مَیں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ خبر پا کر وُہ دَوڑتے ہُوئے اس طرف کو چلے گئے۔

میاں امام الدین صاحب بڑھانوی کہتے ہیں کہ اطیاکے حافظ عبداللہ کی مَیں نے آواز سُنی کہ وُہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں اور روتے ہُوئے پیچھے کو چلے جاتے ہیں۔ مَیں بھی بارُود سنگری میں بھر کر اُنھیں کے پیچھے چلا۔ تھوڑی دُور جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب رفل کندھے میں ڈالے ہُوئے پیشانی سے خون جاری چہل قدمی کر رہے ہیں۔ مَیں نے کہا: مولانا صاحب، آپ بھی چلیے۔ اُنھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ حضرت کے مورچے کی طرف سے قصبہ نیوتنی کے حافظ عبداللطیف صاحب آبدیدہ "حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟" کہتے ہُوئے ہم لوگوں کے قریب آئے۔ مَیں نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ پھر وُہ یہی کہتے ہُوئے سَت بَنے کے نالے کی طرف چلے گئے۔ شیخ ولی مُحمّد صاحب پھلتی بھی مجھ کو ملے۔ وُہ بھی حضرت امیر المومنین کو مجھ سے پوچھنے لگے۔ اُن

سے بھی میں نے کہا کہ میں نے تو نہیں دیکھا، مگر احتمال ہے کہ اسی ہجوم میں جہاں تلوار چل رہی ہے ہونگے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی شہادت

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ جب سکھ پسپا ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے، میرے پیچھے کی طرف سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب انگریزی رفل کندھے سے لٹکائے ہوئے آئے اور پوچھنے لگے کہ سیّد صاحبؒ کہاں ہیں؟ مولانا صاحب کے سر میں گولی لگی تھی اور کنپٹی سے خون جاری تھا۔ لوگوں نے کہا کہ سیّد صاحبؒ آگے ہیں۔ وہ آگے گئے۔ کچھ دیر کے بعد ابراہیم خاں خیرآبادی کے باپ حیات خاں اس طرف سے زخمی روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ مولانا صاحب شہید ہو گئے۔

* * *

پینتالیسواں باب

مشہدِ بالاکوٹ

(۲)

دشمن کا دوبارہ حملہ اور مجاہدین کی شکست

میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ جب سکھ منہزم ہو کر اُوپر کی طرف بھاگے، تو اِدھر سے غازیوں نے اپنے اپنے ہتھیار لے کر اُن کا تعاقب کیا۔ کوئی تلوار سے، کوئی گنڈاسے سے، کوئی پتھروں سے اور کوئی بندوق وغیرہ سے اُن کو مارنے لگا۔ دشمن کے بےشمار آدمی مقتول ہوئے۔ باقی بھاگتے بھاگتے پہاڑ کی جڑ میں جا پہنچے۔ پہاڑ کے اُوپر لشکر کا سکھ افسر شیر سنگھ بیٹھا تھا۔ اُس نے یہ حال دیکھا، تو کہنے لگا: ارے سکھو، کہاں بھاگے آتے ہو؟ لاہور دُور ہے۔ اُس وقت بالاکوٹ کی رعایا اپنا اپنا اسباب لیے بھاگی جاتی تھی۔ اس حال میں سکھوں کے ترم نواز نے ترم بجایا اور اُس کی آواز میں کچھ کہا۔ اس کی آواز سنتے ہی جو سکھ بھاگ کر پہاڑ کی جڑ میں چلے گئے تھے، وہ پھر کر وہیں سے غازیوں کی طرف بندوقوں کی باڑھیں مارنے لگے۔ اُس وقت کچھ غازی تو اُن کے مقابلے میں رہے، باقی سب اس لڑائی کے کھیت میں سید صاحبؒ کو تلاش کرنے لگے اور جس پتھر کی آڑ میں آپ کو چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھا دیکھا تھا، وہاں آپ کو نہ پایا۔ یہ سب تو حضرت کی تلاش میں اِدھر اُدھر متردد پھرتے تھے، اُدھر سے سکھ بندوقوں کی باڑھیں مارتے تھے۔ اس حالت میں بہت مجاہدین شہید ہوئے اور جو سکھ غول کے غول پہاڑ پر چڑھے تھے، اُنھوں نے ہم لوگوں کے دائیں اور

بائیں طرف آکر محاصرہ کر لیا۔

اسی اثنا میں ایک آواز سب لوگوں نے سنی کہ غازیو، تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیر المومنین کو گجر لوگ ست بنے کے نالے میں ہو کر لیے جاتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی غازی، جو حضرت امیر المومنین کے ساتھ جلو میں تھے، اس کھیت سے باہر نکلنے لگے۔ اُن میں سے شاید کوئی بچے ہوں، باقی سب شہید ہو گئے اور جو غازی اِدھر اُدھر دور تھے، اُن میں سے اکثر بچ کر سلامت نکل گئے۔

مولوی سید جعفر علی کا چشم دید بیان

مولوی سید جعفر علی اپنا چشم دید حال لکھتے ہیں:

"فجر کے وقت نماز کے بعد حکم ہوا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر تختے وغیرہ سے مورچہ بنا لے اور کھانے سے جلدی فرصت کر لے۔ چنانچہ ہم چند آدمیوں نے اس بالائی مسجد کے پیچھے، جو حضرت امیر المومنین کا مسکن تھی، تختہ بندی کر لی۔ سکھوں کے لشکر نے (جو سب کے سب پیادے تھے) آہستہ آہستہ اس طرح اُترنا شروع کیا کہ ہم اُن کو پہاڑ کے اوپر دیکھ رہے تھے۔ اس مسجد کی مورچہ بندی کے بعد ہم نے اپنے دوسرے مقامات پر مورچے باندھے۔ ہر شخص نے کھانے سے فراغت کی۔ حضرت امیر المومنین نے بھی صاف کپڑے پہنے۔ آپ کی قبا سیاہ رنگ کی تھی۔ آپ ہتھیار باندھ کر مسجد کے سائبان میں بیٹھ گئے۔ جو اسلحہ آپ نے زیب کمر فرمائے، ان میں تفنگچہ اور ایک قدیم ولایتی چھری تھی۔ منشی محمدی انصاری نے آپ کی وہ انگوٹھی، جو مہر کرنے کے لیے اپنی انگلی میں پہنے ہوئے تھے، آپ کی انگشت مبارک میں پہنا دی تاکہ اگر وہ خود شہید ہو جائیں، تو امانت اپنے مالک کے پاس ہو۔ انھوں نے مجھ سے بھی یہ فرمایا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی انگوٹھی بھی انگلی سے نکال کر جناب ممدوح کو پہنا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جو گنڈاسے تیار کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کے لیے میں نے طلب کیا۔ آنجناب نے فرمایا کہ ان بھائی کو میرے پاس بھیج دو۔ میں نے تعمیل کی۔ جب وہ حاضر ہوئے، تو فرمایا کہ بھائی، تم بندوق لے لو۔ اُنھوں نے عرض کیا: میرا بایاں ہاتھ بندوق پکڑنے کے قابل

نہیں۔ اس پر اُن کو گنڈاسہ عطا ہُوا۔

اس وقت سکھوں کا لشکر اس قدر قریب آ گیا تھا کہ ان کی طرف کی شاہین کی گولیاں بالاکوٹ کے مکانات تک پہنچ رہی تھیں۔ اس طرف بھی مسجد کے دروازے پر شاہین رکھی گئی اور شاہینچیوں نے اُن کو سر کرنا شروع کیا۔ مُلّا لعل محمد قندھاری کو حکم ہُوا کہ اپنی جماعت کے ساتھ دھان کے کھیتوں کو عبور کر کے پہاڑ کے دائیں جانب اپنی کمین گاہ بنائیں تاکہ جب وقت سکھ بالاکوٹ کا قصد کریں، تو اُن کے بغل کی طرف سے وہ یورش کریں۔ جس مسجد میں آپ تشریف رکھتے تھے، اس کے نیچے ایک مکان تھا، غرب رویہ، طول میں جُنُوباً شمالاً۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے مولوی احمد اللہ ناگپوری کی جماعت کو، جو اُس وقت راقم الحروف کے زیرِ فرمان تھی، اس جگہ متعیّن فرمایا اور حکم دیا کہ جب سکھوں کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر آ جائے، تو اسی جگہ سے اُن پر بندوق چلائیں۔ جب وہ دلدل عبور کر کے بالاکوٹ پر چڑھنے کا ارادہ کریں، تو پھر وُہ وقت تلوار کا ہے۔ ہر مورچے والے اسی طرح عمل کریں۔ خود مولانا ممدوح بڑی مسجد کے نیچے شمالی سمت میں اپنی جماعت کے ساتھ بیٹھے۔

ہم جس جگہ ٹھیرے ہُوئے تھے، وہاں چارپائیاں بہت زیادہ پڑی ہُوئی تھیں۔ اُن کو بچھا کر بیٹھ گئے۔ ہر ایک نے اپنے ہتھیار اپنے سامنے رکھ کر اُن کو درست کرنا شروع کیا۔ ہر ایک نے دُوسرے سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ شیخ محمد اسحٰق نے مجھ سے فرمایا کہ ابھی تک وطن و اہل و عیال کی محبت میرے دل پر غالب تھی۔ آج سوائے شہادت اور اللہ سے ملنے کی تمنّا کے کوئی تمنّا دل میں نہیں۔ مَیں نے کہا: اللہ کا شکر ہے اس وقت یہی نیّت ہونی چاہیے۔ انشاء اللہ آپ زندہ رہیں گے۔

اتنے میں دونوں جانب شاہینیں چلنے لگیں۔ آنجناب مسجد کے اُوپر سے یکبارگی نیچے تشریف لائے اور نیچے کی مسجد کا رُخ فرمایا۔ تمام غازی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ ۸

مورچے پر یہ تذکرہ تھا کہ آپ کفّار کے مقابلے کے لیے میدان کا رُخ فرما رہے ہیں۔ اس پر تعجب بھی ہُوا کہ طے تو یہ ہُوا تھا کہ کفّار جب نیچے پہنچ کر بالاکوٹ کی طرف چڑھنے کا ارادہ کریں گے اور دلدل اور پیاز کے کھیتوں سے آگے بڑھ جائیں گے اس وقت اس طرف حملہ ہوگا، اس لیے کہ اُوپر کی طرف دوڑنا زیادہ پُرمشقّت اور دُشوار ہے بہ نسبت نشیب کی طرف دوڑنے کے۔ اُس وقت اُن کے لیے چڑھنا مُشکل ہوگا اور ہمارے لیے اُترنا آسان۔

جب آپ کی جماعت شاہراہ پر پہنچی، تو اُس کے ایک طرف اس خاکسار کی جماعت کا ایک مورچہ تھا اور دُوسری طرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت کا۔ ہم سب آپ کے شریکِ حال ہو گئے۔ آپ نیچے تشریف لائے اور مسجدِ زیریں میں توقف فرمایا۔ میں نے جنگ کے بعد یہ واقعہ سُنا کہ آپ نے تین بار دریافت فرمایا کہ کون شخص مجھے آواز دیتا ہے۔ اسی طرح میں نے سُنا کہ آپ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کے لیے ایک تخت لایا گیا جس کے پائے سُرخ ہیں۔ بہرحال سکھوں کے لشکرگاہ کا ہراول دستہ دو توپیں دریا کے قریب لایا اور بالاکوٹ کی طرف اُن کو سَر کرنا شروع کیا۔ لیکن اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچا۔ اس مسجد میں پہنچنے کے بعد جب کفّار کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر پہنچا، ان کی گولیاں بارش کی طرح برسنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسجد کی چھت اور اس کے احاطے پر دائیں بائیں اَولے پڑ رہے ہیں۔ بعض غازی مجروح بھی ہوئے۔ ایک گولی شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کے دائیں ہاتھ پر پڑی۔ اُن کا بایاں ہاتھ پہلے سے بیکار تھا۔ اب دایاں ہاتھ بھی بیکار ہو گیا۔ شیخ موصوف نے مجھ سے کہا کہ میں تو اب دُعا کے قابل ہی رہ گیا ہوں۔ یہ کہ کر وہ بالاکوٹ کی طرف واپس چلے گئے۔ شیخ حفیظ اللہ دیوبندی کی آنکھ کے نیچے ایک تیر ایسا لگا کہ اس کا پیکان دوسری طرف سے نکل گیا۔

تھوڑے وقفے کے بعد آپ اُس مسجد سے باہر تشریف لائے اور دشمنوں کی

گولیوں کی بارش میں آپ نے اُس دلدل کا رُخ کیا۔ لوگوں نے اُس وقت عرض کیا کہ لوگ زخمی ہو رہے ہیں، اس طرف سے بھی حملے کا حکم ہو۔ آپ نے فرمایا کہ لمبی بندوقوں کو سر کرو اور اگر ہو سکے، تو جا بجا مورچے بنالو، لیکن چونکہ ابھی تک دلدل کو عبور نہیں کیا گیا تھا، مورچے کا سامان کم تھا، کیونکہ زمین کسی قدر ہموار تھی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پکار کر فرمایا کہ قرابین والے حضرت امیرالمومنین کے گرد ہو جائیں۔ مَیں نے مولوی احمداللہ ناگپوری سے کہا کہ اپنی جماعت کی خبر رکھیے گا، مجھے حضرت امیرالمومنین کے قریب رہنے کا حکم ہُوا ہے اور اپنی جماعت والوں کو بندوقوں کو سر کرنے کے لیے آواز دی۔ اس وقت ہم میں سے ہر شخص آہستہ آہستہ تکبیر کہ رہا تھا۔ اس دلدل کے اوپر ایک پتھر نکلا ہُوا تھا۔ اس پتھر پر آپ اپنے دونوں بازوؤں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور شیخ ولی محمد پُھلتی کو بالاکوٹ کے اُوپر سے شاہین لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ ارباب بہرام خاں بائیں جانب آپ کی بغل میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ لشکرِ کفار کا زور قندھاریوں کی جماعت کی طرف زیادہ ہے، ان کی مدد کے لیے کوئی جماعت چلی جائے، تو اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اتنی ہی تعداد کافی ہو گی۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے شخص نے عرض کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سکھوں کا لشکر جنوب کی جانب سے قصبۂ بالاکوٹ میں داخل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جماعت کو اس طرف متعین کر دیا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ وہ جماعت تھوڑی ہے۔ فرمایا کہ اتنی ہی کافی ہے۔ اس اثنا میں سکھوں کی ایک جماعت پہاڑ سے نیچے اُتر کر دھان کے کھیتوں میں پہنچ گئی تھی۔ ان کی بندوقوں کی گولیاں بارش کی طرح آ رہی تھیں۔ غازیوں میں سے ایک شخص نے تلوار کھینچ کر جست لگائی اور اُن پر حملہ کرنے کے لیے دلدل میں گھس گیا۔ دلدل کی مٹی چونکہ بہت لیس دار تھی، اس کا حال دیکھ کر آپ نے منع فرمایا۔ دُوسرے آدمی نے اس کو آواز دی کہ لیے فلاں شخص،

آگے مت جاؤ، حضرت امیر المومنین منع فرماتے ہیں۔ وہ شخص اپنے مرکز کی طرف واپس آ گیا۔

اس اثنا میں آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ یوں دل چاہتا ہے کہ نیچے اُتر کر اس گروہ پر حملہ کر دوں۔ ارباب صاحب نے عرض کیا: "آپ کے حملے سے نیچے والا گروہ ضرور مقتول ہو جائے گا لیکن جو لوگ پہاڑ کے اُوپر ہیں، اُن پر حملہ مشکل ہے۔" آپ نے فرمایا: بہتر ہے، کوئی بڑا دَل نیچے آ جائے۔ کچھ دیر کے بعد آپ بغیر کسی کو اطلاع دیے ہوئے بنفس نفیس بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اس دلدل میں گھس گئے۔ اگرچہ آپ کے پاؤں زانو تک دلدل میں اُتر جاتے تھے اور پاؤں کا نکالنا مشکل ہوتا تھا، لیکن خداداد رُوحانی وجسمانی طاقت سے شیر کی طرح چُستی اور تیزی کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ارباب بہرام خاں اور وہ لوگ، جن کی نگاہ آپ کی طرف تھی، آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ دادا ابوالحسن نصیرآبادی، جو نشان بردار تھے، اس وقت وہ بے خبر تھے۔ کسی نے ان کو مطلع کیا۔ میں بھی پائینچے چڑھا کر دلدل میں گھس گیا۔ چونکہ کچھ بیمار چلا آ رہا تھا اور کمزور تھا، آپ کے پاس نہ پہنچ سکا۔

اکثر بندوق والوں نے جب دیکھا کہ دلدل سے پاؤں نکالنا مشکل ہے تو انھوں نے لاٹھی کی طرح بندوقوں کا سہارا لے کر اور اُن پر زور دے کر اپنے پاؤں نکالے اس طرح سے اکثر بندوقیں بیکار ہو گئیں۔ آپ اور آپ کے ہمراہی برق و باد کی طرح دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے۔ بعض سکھوں نے نیزے اور تلوار سے مقابلہ کیا، لیکن وہ سب کے سب بھاگ گئے۔ بھاگنے کا راستہ بھی نہیں تھا، اس لیے کہ وہ پہاڑ سے اُتر چکے تھے، دشوار گزار پہاڑ کے اوپر کس طرح وہ دوڑ سکتے تھے؛ اس طرح وہ سب لوگ، جو پہاڑ کے نیچے آ چکے تھے، مُردار ہوئے اور وہ سکھ، جو پہاڑ کے اوپر تھے، اُنھوں نے بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کیں، نہ اپنوں کو چھوڑا، نہ بیگانوں کو۔ اس وقت گولیاں اولے کی طرح

برس رہی تھیں اور کارتوس کے کاغذ ہوا میں اُڑ رہے تھے اور دونوں طرف سے سنگباری ہو رہی تھیں۔ مَیں اور منشی محمدی انصاری اس وقت پہنچے کہ تھوڑے سے سکھ پہاڑ کے نیچے زندہ تھے اور دیکھتے دیکھتے مجاہدین کا شکار ہو گئے۔ آپ کے ساتھ کے غازی پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے، دھانوں کے کھیت سے گزر چکے تھے اور پہاڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

نیچے کے سکھوں کے مقتول ہو جانے کے بعد بندوق کی گولیاں اور پتھر پہاڑ کے اُوپر سے بارش کی طرح آ رہے تھے۔ حضرت امیر المؤمنین اس گروہ میں میری نظر سے اوجھل ہو گئے۔ منشی صاحب سے مَیں نے پوچھا: حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے پیچھے بائیں جانب ہیں۔ مَیں نے کہا: الحمد للہ کہ ہم آپ کے سامنے اس مقام پر ہیں۔ اس وقت ہم دونوں بیٹھ گئے اور بندوق بھر بھر کر کھڑے ہو کر چلاتے تھے، اس لیے کہ دھان کے کھیتوں کی بلندی آڑ بن جاتی تھی اور جب ہم بیٹھ جاتے تھے تو دشمنوں کی گولی اور پتھروں سے محفوظ ہو جاتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تھے، تو کسی دشمن کو نشانہ کر کے تیزی کے ساتھ بندوق چلا کر بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کے اُس وقت عین معرکے میں گم ہو جانے سے مخلصین و محبین جنگ سے دست کش ہو کر آپ کی تلاش میں جا بجا دوڑ رہے تھے اور دشمنوں کی گولیوں سے شربتِ شہادت نوش کر رہے تھے۔ اس وقت شیخ ولی محمد، امان اللہ خاں اور تمام حاضرین نے مشورہ کیا کہ چونکہ میدان خالی ہو گیا ہے، یہ قلیل جماعت اس مقام پر کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتی۔ اکثر آدمی بالاکوٹ کی طرف جا رہے ہیں، پس اگر ہم بھی اس جگہ سے حرکت کر کے ان سب لوگوں کو بھی جمع کر کے قصبے میں پناہ لیں اور دشمنوں سے جنگ کریں، تو اگرچہ فتح بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتی، لیکن چونکہ ہم اُس جگہ پناہ لے کر جنگ کریں گے، کیا عجب ہے کہ دشمن اپنی جان کے خوف سے بالاکوٹ

پر حملہ نہ کرے اور ہم ہزیمت کے داغ سے بچ جائیں۔ چنانچہ ہم مطابق مضمون آیت اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ (۸: ۱۶) بالاکوٹ کی طرف آگئے۔ ہمارے اور بالاکوٹ کے درمیان ایک ٹیلہ حائل تھا۔ اس وقت بالاکوٹ کی طرف سے دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ معلوم ہُوا کہ سکھوں نے اس موضع میں آگ لگا دی ہے۔ پانی کے چشمے پر ہم جمع ہُوئے اور وہاں لشکر کا بڑا حصہ اکٹھا ہو گیا۔ وہاں ہم نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور حضرت امیر المومنین اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور دوسرے اہلِ جماعت اور رُفقاء کے حالات کی تحقیق کی۔ وہیں حضرت امیر المومنین کی ران پر بندوق کی گولی لگنے اور سرِ مبارک پر پتھر سے زخم آنے، رُو بقبلہ بیٹھنے اور نور بخش جرّاح کے حاضر ہونے کا حال معلوم ہُوا۔ نیز یہ معلوم ہُوا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی پیشانی پر گولی لگی۔ سیّد عبدالرحمٰن، امان اللہ خاں لکھنوی اور شیخ ولی محمد پھلتی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ پہلی گولی مولانا کے سر پہ لگی۔ اگرچہ زخم ہلکا تھا، لیکن آپ کی پیشانی اور چہرہ خُون سے رنگین ہو گیا۔ آپ نے امان اللہ خاں سے پوچھا: حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے خبر دی کہ اس رود کی طرف ہیں۔ مولانا موصوف باوجود اس کے کہ بندوق کی گولیاں کثرت سے آ رہی تھیں، یہ کلمہ فرماتے ہُوئے: "بھائی، ہم تو جاتے ہیں"، اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہُوئے بڑی تیزی کے ساتھ اس جماعت میں داخل ہو گئے، جو اس خشک ندی میں تھی۔ اس کے بعد معلوم نہیں ہُوا کہ کس حربے سے آپ شہید ہُوئے۔[1]

مجاہدین نے کس طرح جان دی محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ میں ایک پتھر کی آڑ میں ہو کر گولی چلا رہا تھا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر مولوی نور احمد صاحب نگرامی کھڑے تھے۔ ایک گولی اُن کے بازو میں آ کر لگی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میرے تو گولی لگ گئی، تمھیں جو چیز درکار ہو، مجھ سے لے لو میرے پاس

---

[1] منظورہ: ص ۱۱۷۸ تا ۱۱۹۵

گولیاں کم تھیں۔ جو چالیس پچاس گولیاں اُن کے ساز میں تھیں، وہ میں نے نکال لیں۔ پھر وہ میرے پاس سے پیچھے کو چلے۔ اس دوران میں انھیں ایک اور گولی لگی۔ وہ اسی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر اُن کا حال مجھ کو معلوم نہ ہُوا کہ اسی جگہ شہید ہوئے یا کسی اور جگہ۔

سید صاحبؒ پہلی مسجد میں لیٹے ہُوئے تھے۔ معمور خاں لکھنوی آپ کے پاس آکر بیٹھے کہ حضرت، میرا دل چاہتا ہے کہ اس وقت آپ اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر پھیریں۔ یہ بات سُن کر آپ اُٹھ بیٹھے اور اپنا داہنا ہاتھ خانِ ممدوح کے چہرے پر پھیرا۔ وہ خوش ہو کر واں سے اپنے مورچے میں گئے۔ اُن کی شہادت کا واقعہ لعل محمد جگدیس پوری یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ معمور خاں لکھنوی دانتوں سے ننگی تلوار پکڑے ہُوئے ایک سکھ کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ایک سکھ اس سکھ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آخر الامر خانِ موصوف نے ایسا زور کیا کہ وُہ سکھ اس کھینچنے والے سے چھوٹ کر اُن کے اوپر آرہا اور دونوں وہاں سے غلطاں نیچے نالے میں آگرے اور دونوں وہیں رہے۔ خانِ ممدوح تو شہید ہو گئے اور وہ مُردار ہُوا۔

نجم الدین شکارپوری کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی پت کا ایک نوجوان غازی جس کا نام مجھے یاد نہیں، ننگی تلوار لیے ہُوئے کھڑا ہے۔ اس کے سامنے سکھوں کا ایک افسر بڑا طویل القامت ننگی تلوار لیے ہُوئے آیا۔ غازی نے لپک کر اپنا ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیا، اُس سکھ نے بھی یوں ہی اپنا ایک ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیا۔ وُہ غازی دُوسرے ہاتھ سے اُس کو تلوار سے مارنے لگا اور وُہ سکھ اس غازی کو مارنے لگا۔ مگر وہ دونوں ایک دُوسرے سے اتنے متصل تھے کہ پوری تلوار کسی پر نہیں پڑتی تھی۔ اِدھر تو مَیں کھڑا تھا، اُدھر سکھوں کا اژدحام اور بیچ میں وہ دونوں لڑ رہے تھے مگر اس وقت نہ تو مجھ کو یہ جُرأت پڑتی تھی کہ اس غازی کی مدد کو جاؤں اور نہ اُن سکھوں کو ہمت ہوتی تھی کہ اس افسر کی کمک کو آئیں۔ جب وہ دونوں بہت زخمی ہو گئے اور بدن کا خون نکل گیا، تو وہ سُست ہو کر گر پڑے۔ ایک اور سکھ نے اس اژدحام میں سے آکر اس غازی کو تلوار مار کر شہید کیا اور وُہ سکھ زخمی دم لے کر زمین سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ میری بندوق میں دو گولیاں بھری تھیں۔ مَیں نے وہ بندوق اس

پر سرکی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ گولیاں اُس کے لگیں یا کسی اور کے۔ مَیں آگے چلا، تو ایک جگہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غازی مہربان خاں نامی بہت زخمی پڑے ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر انھوں نے کہا کہ مجھ کو پانی پلا دو۔ مَیں نے کہا: یہ وقت پانی لانے کا نہیں ہے، مگر ہاں، اگر تم یہاں سے چلو، تم کو پکڑ کر آہستہ آہستہ لے چلوں۔ صدہا سکھ قریب کھڑے تھے، مگر بے حواس اور متردد تھے۔ انھوں نے کہا: کہ مجھ کو تو یہی جگہ اچھی لگتی ہے۔ یہاں سے مَیں نہ جاؤں گا۔ اگر کہیں سے پانی لا سکتے ہو، تو لا کر مجھ کو پلا دو۔ مَیں نے کہا: تمام سکھ نزدیک کھڑے ہیں اور میرے پاس کوئی برتن بھی نہیں ہے۔ پانی کیونکر لاؤں؟ انھوں نے کہا: اگر پانی نہیں لا سکتے، تو خیر، نہ لاؤ، مگر میری گردن میں روپوں کی حمائل پڑی ہے، اُس کو تم کھول کر لے جاؤ۔ مَیں نے اپنے دل میں اندیشہ کیا کہ مبادا روپے کھولنے میں دیر ہو اور گولی لگ جائے، تو خدا جانے، میری موت کیسی ہو یا روپے دیکھ کر کوئی سکھ مار ڈالے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ مَیں روپے تو نہ لے جاؤں گا۔ انھوں نے کہا: تو خیر، یہاں سے چلے جاؤ۔ مَیں وہاں سے چلا گیا۔

شہدا کی تدفین میاں عبد القیوم صاحب کہتے ہیں کہ مجاہدین کی شکست کے بعد سکھوں نے بالاکوٹ کو آ کر گھیر لیا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگا دی۔ جو بیمار غازی اپنے اپنے ڈیروں میں رہ گئے تھے، اُن کو جا کر شہید کیا۔ ان میں سے بعض غازی سکھوں سے مقابلہ کر کے اور ایک دو کو مار کر شہید ہوئے اور بعضے غازی، جو بہت بیمار تھے، اپنے اپنے بستروں پر شہید کیے گئے۔

بالاکوٹ کے معتبر لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ سکھوں کے چلے جانے کے بعد جب بالاکوٹ کے بھاگے ہوئے لوگ آئے، تو انھوں نے دھانوں کے کھیتوں میں تمام لاشوں کو پڑا دیکھا۔ ان میں سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں صاحب کی لاش کو انھوں نے دو جگہ جدا جدا دفن کر دیا[1] اور باقی لاشوں کو وہاں سے اُٹھا کر مٹی کوٹ کے نالے میں ایک جگہ جمع کیا اور اُوپر سے مٹی ڈال کر گنج شہیداں بنا دیا۔

شیخ ولی محمد صاحب، میاں عبد القیوم صاحب، محمد امیر خاں صاحب قصوری وغیرہم کہتے ہیں کہ

---

[1] مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی قبر قصبے کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار تھی۔ قبر اب بھی معروف ہے۔

بالاکوٹ کی لڑائی کے بعد جب ہم لوگ تخت بند ہو گئے، تو ان دنوں اکثر لوگوں کی زبانی، جو پشاور سے آئے تھے، متواتر یہ خبر سُننے میں آئی کہ ارباب بہرام خاں کے بھتیجے محمد خاں نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ مَیں اپنے چچا بہرام خاں کی لاش بالاکوٹ سے لا کر اپنی بستی تہکال میں دفن کروں۔ انھوں نے کہا کہ وہاں دفن ہوئے چھ مہینے کا عرصہ ہو گیا ہے، اب وہاں سے اُن کی ہڈیاں کھود کر لانا کیا ضرور ہے؟ جہاں مدفون ہیں، وہیں رہنے دو۔ محمد خاں نے کہا کہ میرا چچا خالص نیت سے سیّد بادشاہ کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے گیا تھا اور اُس نے اپنا تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں صرف کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اُس کی لاش قبر میں سلامت ہو گی اور مَیں وہاں سے لاؤں گا۔ لوگوں نے سمجھایا، مگر اُس نے نہ مانا۔ آخر ایک صندوق اور اپنی قوم کے چالیس آدمی تہکال سے لے کر بالاکوٹ کو گیا۔ وہاں بھی لوگوں نے قبر کھودنے سے منع کیا، پھر بھی نہ مانا۔ آخر قبر کو کھود کر لاش کو نکالا، تو قدرتِ الٰہی سے وہ لاش تر و تازہ نکلی۔

○

پینتالیسواں باب (۲)

مشہدِ بالاکوٹ

(۳)

سیّد صاحبؒ کی شہادت آج سے چالیس پچاس سال پہلے سیّد صاحبؒ کے معتقدین و منتسبین میں اس کا بڑا چرچا تھا اور یہ نہایت اہم اور عام سوال تھا کہ سیّد صاحبؒ کی شہادت ہوئی یا آپ بمصلحت رُوپوش ہوگئے ہیں اور ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ ایک بڑا گروہ، جن میں سرحد کے مقیم اور اہلِ صادق پور اور اُن کے متوسلین تھے، سیّد صاحبؒ کی غَیبت کا قائل، آپ کے ظہور کا منتظر اور آپ کے لیے چشم براہ تھا۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی رسالۂ "دعوت" میں لکھتے ہیں:

> "اس کے بعد اللہ ربّ العٰلمین نے لشکرِ اسلام کو شکست دی کہ ایمان والوں کے دل میں غرور کا مَیل جمنے نہ پائے، کفّار کو دھوکا رہے، مسلمانوں کے مرتبوں کی ترقی ہو جائے۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آج تک جتنے اولوالعزم انبیاءؑ گزرے ہیں، کوئی شکست کا صدمہ اٹھائے بغیر باقی نہ رہا۔ ہمارے حضرت کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی نیابت نصیب کی ہے، اُن کے لشکر پر شکست کیونکر نہ آتی؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کو چلّہ گزاری و دُعا و زاری کے لیے پہاڑوں میں بُلایا اور دشمنوں کی آنکھ سے بچایا۔ سچ ہے کہ خلوت بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔

> چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کو اثنائے ہدایت میں مچھلی کے پیٹ میں چھپایا اور کتنے دنوں تک جنگل و بیابان میں رکھا۔ آخر انھیں کی ذاتِ متبرک سے ایک عالم کو ہدایت ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عین اجرائے ہدایت کے وقت کوہِ طور پر جانے کے واسطے فرمایا۔ جب یہاں لوگوں میں گوسالہ پرستی پھیل گئی، تو آپ بعد از فراغت جلد تشریف لائے اور لوگوں سے توبہ کروائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک مدتِ مدید سے غائب کیا اور آسمان پر اُٹھایا اور جب چاہے گا، ظاہر کرے گا اور اُن سے دین کا کام لے گا۔ ہمارے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی روز غار میں چھپایا اور جنگ میں شکست دی اور شیطان نے شہادت کی جھوٹی خبر مشہور کی کیوں نہ ہو؟ یہ بھی تو اُن لوگوں کے پورے پیرو ہیں۔ ان سنتوں سے کیونکر محروم رہیں؟ خلوت کے کچھ دن اللہ کی طرف سے سب کے واسطے برابر مقرر نہیں جس کو اللہ جب تک چاہتا ہے، چھپاتا ہے؛ جب چاہتا ہے، ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے حضرت کی خلوت کو کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی نہ سمجھے کہ کسی سے ملاقات نہیں ہوتی یا اُن کے ظہور میں عرصۂ بعید گزرے گا، یہاں تو اکثر لوگ جب چاہتے ہیں، تھوڑی سی کوشش میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ عرصۂ قریب میں خورشیدِ درخشاں کی مثل ظاہر ہو کر عالم کو اپنے انوارِ ہدایت سے منور فرمائیں گے۔[1]

تذکروں میں متعدد واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے سید صاحب کو کسی مقام پر دیکھا اور پہچانا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خود سید صاحبؒ نے بعض کلمات ایسے فرمائے تھے جن سے اس خیال کو تقویت ہوتی تھی۔ مثلاً خاندان میں یہ روایت مشہور ہے اور وقائع احمدی میں بھی مذکور ہے کہ آپ نے اپنی ہمشیرہ سے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ سید احمد کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض، سرحد و افغانستان کا غدر نہیں جائے گا، میرا کام

---

[1] رسالہ "دعوت" شامل مجموعہ رسائل تسعہ، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی، ص ۴۴

ختم نہیں ہوگا۔ (او کما قال)

مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی پھانسی گھر میں اکثر نہایت درد سے دردؔ کی یہ رباعی سید صاحب کے اشتیاق میں پڑھا کرتے تھے۔

جب صبا کوئے یار سے گزرے اتنا پیغام دردؔ کا کہنا
دن بہت انتظار میں گزرے کون سی رات آپ آئیں گے

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری (مصنف سوانح احمدی و تواریخ عجیبہ) جو سید صاحب کے بہت بڑے تذکرہ نگار اور واقف حال تھے، والد مرحوم مولانا عبدالحی صاحبؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "میں خاندانِ پٹنہ کے توسل جناب سیدنا کے حضور میں انتساب بیعت رکھتا ہوں، مگر براہِ راست بھی مجھ کو ایک مرتبہ پھانسی گھر میں جس کا ذکر صفحہ ۲۶ کے آخری پارے (تواریخ عجیبہ) میں درج ہے اور ایک مرتبہ بر وقت رہائی سنہ ۱۳۰۰ھ میں پیام و سلام پہنچنے کا فخر حاصل ہوا ہے اور مجھ کو حضرت مرشدنا کی حیات و ظہور کا ایسا یقین ہے، جیسے اپنی موت کا۔ مولوی حیدر علی صاحب اور ان کے فرزند کو سنہ ۱۳۰۰ھ میں زیارت کا فخر حاصل ہوا۔ مولوی حیدر علی صاحب تو بعدِ حصول قدمبوسی چند ماہ بعد انتقال کر گئے اور ان کے فرزند زندہ موجود ہیں۔"

یہ ۶ر فروری سنہ ۱۸۹۲ء کا خط ہے۔ "ارمغانِ احباب" میں والد مرحوم نے بسندِ صحیح[1] حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سید صاحبؒ سے دسؔ باتیں سنی تھیں، جن میں سے نوؔ پوری ہو چکیں، ایک باقی ہے، یعنی آپ کی غیبوبت و ظہور۔

والد مرحوم نے حضراتِ دیوبند کے استفسار پر اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی جس سے ان حضرات

---

[1] والدؒ مولانا محمود حسنؒ صاحب سے اور حافظ احمد صاحبؒ و مولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب سے اور وہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

نے بھی اتفاق کیا کہ "اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سیّد صاحبؒ نے اس قسم کی پیشین گوئیاں بیان فرمائی ہیں، لیکن وقوع میں اب تک اشتباہ ہے۔"[1]

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے سوانحِ احمدی میں، جو اس خطے کے بھی کی تصنیف ہے، اس کے متعلق جو اظہارِ خیال کیا ہے، وہ انھیں کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے:

> "ایسی بھی بہت روایتیں ہیں کہ اس واقعۂ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سیّد صاحبؒ اور اُن کے رفیقوں کو دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی شہادت اور غیبوبت میں روزِ اوّل سے اختلاف ہے، مگر اب بُعدِ زمانہ کے سبب جو ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو گئے، خیالِ غیبوبت خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے۔ سیّد صاحبؒ کی چھوٹی بیوی صاحبہ، جن سے قبل از معرکۂ بالاکوٹ سیّد صاحبؒ نے اپنی غیبوبت کی پیشین گوئی کی تھی اور سیّد صاحبؒ کے اکثر اقربا اور اہلِ قافلہ آپ کی غیبوبت کے قائل تھے، مگر پنجاب اور ہندوستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات کی بنا پر یا گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے کے لیے یا بعض حلقوں میں جوشِ محبت میں کچھ دنوں تک یہ خیال قائم رہا، مگر بُعدِ زمانہ سے کمزور پڑتا گیا۔ مولوی محمد جعفر صاحب جیسے عاشقِ صادق، جن کو اپنی موت کی طرح سیّد صاحبؒ کی حیات کا یقین تھا، اپنی آخری تصنیف میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ "بُعدِ زمانہ کے سبب یہ خیال خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے اور پنجاب و ہندوستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں۔"

نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ اکثر محبتِ الٰہی کے جوش میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

---

[1] "ارمغانِ احباب"۔ یہ کتاب "دہلی اور اُس کے اطراف اُنیسویں صدی کے آخر میں" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ (ص ۱۱۶)

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند   لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشقِ صادقی، ز کشتن مگریز   مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

کبھی کبھی یہ قطعہ وردِ زبان ہوتا :

اے آنکہ زنی دم از محبت   از ہستیٔ خویشتن بپرہیز
برخیز و بہ تیغ تیز بنشیں   یا از رہِ راہِ دوست برخیز

آپ کے مکاتیب اور آپ کی تقریریں اور آپ کی مجلس کی گفتگوئیں، شوقِ شہادت اور راہِ خدا میں اسمٰعیل ذبیح اللہ کی طرح قربان ہونے کے جذبے سے لبریز ہیں۔ آپ کی صحبت نے ہزاروں انسانوں کے دل میں عشقِ الٰہی کا شعلۂ بیتاب اور شہادت فی سبیل اللہ کا ایسا جذبۂ صادق پیدا کر دیا تھا کہ اُن کو اپنی جان وبالِ جان اور اپنا سر وبالِ دوش معلوم ہونے لگا تھا اور اُن کے بُنِ مُو سے یہ صدا آتی تھی :

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نویدِ جانفزا سے سر وبالِ دوش ہے

اس پوری جماعت کا جس کے آپ امام تھے، عقیدہ اور نظریہ یہ تھا :

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

واقعات و بیانات، میدانِ جنگ کی شہادتیں، قرائن اور وجدان سب یہ کہتا ہے کہ جس کی دعوت و تربیت اور جس کی ترغیب و تحریض سے سیکڑوں بندگانِ خدا کو، جو اپنے وطن میں عافیت و سلامتی کی زندگی گزار رہے تھے، شہادت کی لازوال دولت نصیب ہوئی، وہ اِس نعمتِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ سے ہرگز محروم نہیں رہا، بلکہ جس طرح اس کو ہندوستان میں اس کی دعوت میں اوّلیت و تقدّم حاصل ہوا، اس کے حصول میں بھی اس کو سبقت اور امتیاز حاصل ہوا اور وہ شہداء اہلِ بیتؓ میں اپنے اُن آباءِ کرام سے جا ملا، جنھوں نے مختلف طریقوں پر شہادت پائی

اور اُن کا جسدِ طاہر شہادت کے بعد بھی دشمنوں کی گستاخیوں اور جذبۂ انتقام سے محفوظ نہیں رہا اور آپ فنا فی سبیل اللہ کے اس مقام کو پہنچ گئے، جو کم کسی کو نصیب ہوتا ہے اور اس طرح آپ کی وُہ آرزُو پوری ہُوئی جس کا اظہار جوشِ محبّت میں کبھی کبھی اس شعر کے ذریعے فرمایا کرتے تھے:

دِلم براہِ تو صد پارہ باد و ہر پارہ
ہزار ذرّہ و ہر ذرّہ در ہوائے تو باد[1]

مولوی سیّد جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں:

"دُوسرے روز گولہ انداز شیخ وزیر کا لڑکا، جو آٹھ یا نُو سال کا ہوگا، پہنچا۔ تمام غازی اُس کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے پُوچھنے لگے کہ تم کہاں تھے اور کس طرح صحیح سلامت پہنچ گئے۔ اس نے کہا کہ لڑائی ختم ہو جانے کے بعد سکھوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے شہادت گاہ میں لے گئے اور کہنے لگے کہ شہیدوں کی لاشیں پہچان کر بتلاؤ کہ خلیفہ صاحب کون ہیں۔ مَیں نے پہچان کر اُن کو بتلا دیا۔ پھر مجھے سکھوں کے سردار کے پاس لے گئے۔ اس نے مجھے اپنے ایک مسلمان ملازم کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو غلام بنالو۔ وہ مجھے اپنی قیام گاہ پر لایا اور مجھ سے پوچھنے لگا: تمھارے ماں باپ ہیں؟ مَیں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اپنے ماں باپ کے پاس چلے جاؤ۔ مَیں ست بنے کے راستے سے یہاں چلا آیا۔ جب اس بچے نے یہ کہا کہ مَیں نے خلیفہ صاحب کی نعشِ مبارک کو پہچانا، تو بعض آدمیوں نے کہا کہ زخمی جسم کو پہچاننا تو ہوشیار آدمی کے لیے بھی مُشکل ہے، یہ بیچارہ بچّہ کیا پہچان سکا ہوگا؟ لیکن بچّے آپ سے بہت مانُوس تھے۔ سیّد باقر علی موہانی، جو فقیر کا بھیس بنا کر سکھوں کے لشکر میں پناہ گزیں تھے، پھر اپنے مکان واپس آئے۔ وہ اس معاملے سے زیادہ واقف ہوں گے۔"

اِس کے بعد خضر خاں وغیرہ آئے اور اُنھوں نے بتلایا کہ ہم بالاکوٹ گئے اور بعض ملکیوں کے

---

[1] وصایا الوزیر

پیں جو سکھوں کے لشکر کے ہمراہ تھے، رات بھر رہے۔ ہم نے اُن سے حضرت امیر المومنین کے متعلق دریافت کیا۔ اُنھوں نے بتلایا کہ جنگ کے اختتام پر جب غازی بالاکوٹ سے باہر چلے گئے، سکھوں اور مسلمانوں کی لاشیں اکھٹی پڑی ہوئی تھیں۔ شیر سنگھ نے بعض غازیوں کو، جو زندہ گرفتار ہو گئے تھے، اپنے پاس بُلایا اور اُن سے کہا: سچ سچ بتلاؤ کہ ان لاشوں میں سے خلیفہ صاحب کا جسمِ مُبارک کون سا ہے۔ وہ میدان میں گئے۔ اُنھوں نے لاشوں میں ایک جسم دیکھا، جس کا سر نہیں تھا۔ اس جسم کو اُنھوں نے آپ کا جسم قرار دیا۔ شیر سنگھ نے اس پر دوشالہ ڈال دیا اور خاصے کے دو تھان اور پچیس روپے خیرات کے لیے دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں۔ چنانچہ ملکیوں نے اسی طرح عمل کیا۔"

آپ کا مدفن سید صاحبؒ کے مدفن کے متعلق تمام روایتوں اور بیانات کو جمع کرنے کے بعد جو بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کا جسم و سرِ مُبارک جمع کر کے اُس قبر میں دفن کیا گیا، جو دریا کے کنارے کے قریب ہے اور آپ کی طرف منسوب ہے۔ پھر وہ نعش نکال لی گئی اور دریا میں ڈال دی گئی۔ سر اور جسم الگ الگ بہتے بہتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور دو علیحدہ مقامات پر دفن کیے گئے۔ ممکن ہے کہ سر اس جگہ دفن کیا گیا ہو، جو گڑھی حبیب اللہ میں آپ کے سر کے مدفن کی حیثیت سے مشہور ہے اور جسم تلہٹہ میں مدفون ہو، جہاں آپ کی قبر بتلائی جاتی ہے۔

بہر حال آپ کی یہ دُعا مقبول اور یہ تمنا پوری ہوئی کہ میری قبر کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

> "ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگانِ دین کے مزارات پر مُشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد و مد کے ساتھ روکتے ہیں، لیکن خود آپ کے ہزاروں مُرید اور ہزاروں معتقد مُلک میں ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی ہوگا، جو دوسرے بزرگانِ دین کے مزارات پر ہو رہا ہے

اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی، جس طرح ان قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں درگاہِ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے۔ نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی۔ خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دُعا قبول ہُوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا۔

مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اسی مشہدِ بالاکوٹ میں اسی تاریخ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی شہادت پائی۔ اکثر ساتھیوں نے آپ کو جس وقت دیکھا، پیشانی سے خُون جاری تھا، داڑھی خون سے تر تھی، بھری ہُوئی بندوق کاندھے پر اور ننگی تلوار ہاتھوں میں تھی، سر برہنہ تھا، سیّد صاحبؒ کو دریافت فرماتے تھے اور شوقِ شہادت میں سرشار اور پروانہ وار پھر رہے تھے۔ بالآخر اس دلی مُراد کو پہنچے، جس کی بُود و شعُور سے خُونِ جگر سے پرورش کی تھی اور اس طرح جہد و جہاد کی اس طویل و مسلسل حیاتِ طیّبہ کا خاتمہ ہُوا جس میں شاید ایک دن بھی فراغت و راحت اور ایک رات بھی غفلت و استراحت کی نہ تھی۔

سرحد کا قیام اور ہجرت کے بعد کا زمانہ ایک مسلسل جہاد کا زمانہ تھا جس میں یا تو عملاً جنگ تھی یا اُس کی تیاری یا اُس کے مُقدّمات یا اُس کے نتائج۔ سالہا سال کی اس مدّت میں اطمینان کی گھڑی شاید ہی کبھی نصیب ہُوئی ہو۔ جنگ کی تدابیر و انتظامات اور جنگی مُہمّوں کی قیادت میں سب سے بڑا حصّہ آپ ہی کا تھا۔ اس مُدّت میں مَیدانِ جنگ کے سب نشیب و فراز اور حالات کے سب تغیّرات پیش آئے، فتوحات بھی ہوئیں، عملداری بھی قائم ہُوئی، ایک دینی ریاست کا انتظام بھی کرنا پڑا، شکستیں بھی ہُوئیں، فتح کیا ہُوا علاقہ بارہا ہاتھ سے نکل نکل گیا، سالہا سال کے رُفقاء اور مُعتمدین سے ساتھ دغا بھی کی گئی، ایک ایک وقت میں بیسیوں کی تعداد میں برسوں کے ساتھیوں کی اچانک شہادت کی خبر بھی سننے میں آئی، دن رات کے ساتھیوں اور عُمر بھر کے رفیقوں کو بارہا اپنے ہاتھ سے قبر میں اُتارا، وفادار رفیقوں اور جانبازوں کا جو قیمتی سرمایہ ہندوستان سے لے کر چلے تھے، اس میں برابر کمی واقع ہوتی رہی، جن توقعات

کے ساتھ ہندوستان سے رخصت ہوئے تھے، اُن میں سے بہت کم پوری ہوئیں، جن سے مدد کی اُمید تھی، اُنھوں نے مدد کے بجائے دھوکا دیا اور زک پہنچانے سے باز نہ آئے، برسوں کی کھیتی دنوں اور گھنٹوں میں لُٹ پُھنک گئی، تنگی تُرشی، مسلسل فاقے، مسلسل آزمائشیں رہیں، لیکن اس مجاہد کی پیشانی پر کبھی بل نہیں پڑا۔ بارہا سید صاحبؒ کی رائے سمجھ میں نہیں آئی، لیکن اطاعت امیر اور محبت و تعلق میں کبھی فرق نہیں آیا۔ زمانے کے امتداد، سلسلۂ جنگ کی طوالت اور اُس کی پیچیدگیوں اور بار بار کی قسمت آزمائی نے کبھی طبیعت پر اثر نہیں کیا۔ جو جذبات، جو یقین اور جو شوق لے کر آئے تھے، اُس میں کوئی افسردگی پیدا نہیں ہوئی اور بالآخر عین میدانِ کارزار میں اپنے محبوب مقصد کے لیے اپنے محبوب امام و رفیق کے ساتھ راہِ خدا میں سر دے کر ثابت کر دیا کہ

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اُس عہد کو ہم وفا کر چلے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ (۲۳:۳۳)

مولانا نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں لکھا تھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کی طرف نسبت کرنے والے مسلمان کو لازم ہے کہ جان و مال اور عزت و آبرو کی اس راہ میں بازی لگا دے اور اس کو اپنی عین سعادت سمجھے اور موافق و مخالف کی ترقی و تنزل کو قدرتِ الٰہی کے حوالے کر دے بقولِ شخصے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشم زہے طرب! ور بکشد زہے شرف!

بالاکوٹ کے معرکے نے ثابت کر دیا کہ اللہ نے فتح و غلبہ کی مسرت و طرب کے بجائے اُن کو فدائیت و شہادت کا شرف عطا فرمایا اور رضا و قبول کے دستِ شفقت نے اُن کو اپنی آغوشِ رحمت کی طرف کھینچ لیا۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ (۱۹۸ : ۳)

مولانا کی دوسری فضیلتیں تو رہیں برطرف، اُن کی شہادت مسلّم ہے اور شہداء کی مغفرت مسلّم؛

لیکن ۲۴ ذوالقعدہ، ۱۲۴۶ھ سے لے کر آج تک کم و بیش ۱۳۶ برس کے طویل عرصے میں شاید ہی کوئی ایسا دن طلوع ہوا ہو، جس کی صبح کو اس شہیدِ اسلام کی تکفیر و تضلیل کا کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت اور سبّ و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں، جو اس کے کفر کے ثبوت میں پیش نہ کی گئی ہو۔ وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمنِ اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین، خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحقِ نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا معتقد و شاگرد بتایا گیا! یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسمِ نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو (خون چھوڑ کر کہ اس کا ان کے سیاں کیا ذکر؟) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی! یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزّت و عصمت بچانے کے لیے اس نے سر کٹایا! کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزّت و آبرو محفوظ نہ تھی بلکہ اپنے گھروں میں مسلمان عورتیں ڈال لیتے تھے، مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اس وقت یہ غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی کے مدعی کہاں تھے؟

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

دربارِ لاہور میں بالاکوٹ کے واقعے کی اطلاع اور مہاراجہ کی مسرت و جشنِ شادمانی

کیپٹن سی ایم ویڈ (C.M. WADE) پولیٹیکل ایجنٹ نے گورنر جنرل کے سیکرٹری مسٹر ایچ ٹی پرنسپ (H.T. PRINCEP) کو ۱۷ مئی ۱۸۳۱ء کو (معرکۂ بالاکوٹ سے گیارہ روز بعد) کیمپ دسویہ سے جو خط شملے بھیجا، اس میں لکھتا ہے:

"رنجیت سنگھ اس فتح (بالاکوٹ) کی اطلاع کی خوشی سے باغ باغ ہو گیا، جس نے اس کو اس دردِسری اور پریشانی سے نجات دی جس میں اس کی حکومت مسلسل کئی سال سے مبتلا تھی۔ اس نے حکم جاری کیا کہ سرکاری طور پر سلامی کی توپیں سر ہوں اور

امرتسر میں اس واقعے کی مسرت و شادمانی میں چراغاں کیا جائے۔"

مسٹر سی ایم ویڈ کے دُوسرے خط میں، جو دُوسرے روز ۱۸ مئی ۱۸۳۱ء کو لکھا گیا، حسبِ ذیل اضافہ ہے۔ یہ خط مہاراجہ کے اخبار نویس کی اُس تحریر کا ترجمہ ہے، جو ۱۴ مئی ۱۸۳۱ء کو لکھی گئی:

> "مہاراجہ نے (بالاکوٹ کی) فتح کی اطلاع سے مسرور ہو کر قاصد کو، جو یہ خبر لایا تھا، سونے کے کنگن کی ایک جوڑی انعام میں دی، جن کی قیمت تین سو روپے تھی۔ اس کے علاوہ ایک شالی پگڑی بھی عنایت کی۔ مہاراجہ نے کنور شیر سنگھ کو خط لکھا، جس میں اُن کے مُراسلے کی رسید دی اور اُن کی اس گراں قدر خدمت پر اظہارِ خوشنودی فرمایا، اور لکھا کہ جب وُہ واپس آئیں گے، تو اُن کو اس خدمت کے صلے میں ایک نئی جاگیر عطا کی جائے گی۔ ایک فرمان فقیر امام الدین حاکم گووندگھر کے نام صادر ہُوا کہ وُہ اس واقعے کی مسرت میں اس قلعے کی ہر بندوق سے گیارہ فیر سلامی کے سر کریں۔"

مسٹر ویڈ اسی خط میں لکھتا ہے:

> "اب جبکہ سکھوں نے سیّد (صاحب) کے قضیے سے فراغت پالی ہے، جنھوں نے سکھوں کی جنگی قوت کو پانچ سال تک مشغول رکھا، اب غالباً وُہ اپنی سرگرمیوں کے لیے نیا میدان تلاش کریں گے۔"

اِن خطوط کے جواب اور بالاکوٹ کے واقعے کی اِطلاع پر ۲۳ مئی ۱۸۳۱ء کو گورنر جنرل کے سیکرٹری نے شملے سے کیپٹن سی ایم ویڈ، پولٹیکل ایجنٹ، لُدھیانہ کو ایک خط میں ہدایت کی کہ اگر سیّد صاحبؒ کے مقابلے میں شیر سنگھ کی کامیابی اور مجاہدین کے قضیے کے اِختتام کی اِطلاع کی تصدیق ہو جائے، تو آپ کو گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ کو اِس فتح پر مُبارکباد پیش کرنی چاہیے۔[1]

◆

---

[1] نقل از گورنمنٹ ریکارڈ آفس، مغربی پاکستان، مصدقہ حکومتِ پاکستان

فہرستِ شہداءِ بالاکوٹ

بہ ترتیب حُرُوفِ تہجّی

جنگِ بالاکوٹ میں غازی تین سَو سے زیادہ شہید ہُوئے، مگر جن صاحبوں کے نام راویوں کو یاد رہے، وُہ یہ ہیں:[1]

ا

(۱) حضرت امیر المومنین سیّد احمد رحمۃ اللہ علیہ
(۲) مولانا شاہ مُحمّد اسمٰعیلؒ
(۳) (دادا) سیّد ابو الحسن نصیر آبادی
(۴) مرزا احمد بیگ بانکے (پنجابی)
(۵) مولوی احمد اللہ ناگپوری برادرِ عم زادِ مولانا عبد الحی صاحب
(۶) قاضی احمد اللہ میرٹھی
(۷) مُحمّد اسحٰق پنج تنی
(۸) شیخ مُحمّد اسحٰق گورکھپوری
(۹) اصغر علی درگاہی غازی پوری
(۱۰) اللہ بخش انبالوی
(۱۱) اللہ بخش عظیم آبادی
(۱۲) اللہ بخش باغپتی
(۱۳) اللہ داد عظیم آبادی
(۱۴) اللہ داد (وطن نامعلوم)
(۱۵) حافظ الٰہی بخش کیرانوی
(۱۶) امام الدین ساکن بمبئی
(۱۷) شیخ امام علی محی الدین پوری، علاقۂ الٰہ آباد
(۱۸) شیخ امام علی الٰہ آبادی (جو غازیوں سے قواعد لیتے تھے)
(۱۹) میر امانت علی ساڈھورہ
(۲۰) شیخ امجد علی غازی پوری فرزند شیخ فرزند علی رئیس غازی پور
(۲۱) حافظ امیر خاں
(۲۲) سیّد امیر علی جائسی
(۲۳) حافظ امیر الدین گڈھ مکتیسری

---

[1] یہ فہرست زیادہ تر میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، شیخ محب اللہ، محمد امیر خاں قصوری، نجم الدین شکارپوری اور مولوی سید جعفر علی بستوی کی یادداشت اور بیانات پر مبنی ہے۔

(۲۴) سید امیر الدین ساکن گھرا
(۲۵) شیخ امیر الدین
(۲۶) شیخ امیر اللہ تھانوی

ب

(۲۷) بادل خاں بانس بریلوی
(۲۸) مولوی باقر علی عظیم آبادی
(۲۹) بخش اللہ خاں برادر مہر علی انبالوی
(۳۰) بخش اللہ خاں بہادر گڈھی
(۳۱) بخش اللہ خاں، (بارہ بستی)
(۳۲) بخش اللہ خاں پوری
(۳۳) حاجی برکات عظیم آبادی
(۳۴) شیخ بلند بخت دیوبندی
(۳۵) شیخ بہادر علی پھلتی
(۳۶) بھیکن شاہ پوری
(۳۷) ارباب بہرام خاں تہکالی

ت

(۳۸) ترکل پھلتی

ج

(۳۹) مرزا جان ساکن چنبنی
(۴۰) مرزا جان کا لڑکا (جس کا نام معلوم نہیں)

چ

(۴۱) چاند خاں ناگری
(۴۲) سید چراغ علی ساکن پٹیالہ

ح

(۴۳) حسن خاں بنارسی
(۴۴) حسن خاں ساکن زمانیہ
(۴۵) مرزا حسین بیگ
(۴۶) شیخ حماد
(۴۷) حیات خاں خیر آبادی

خ

(۴۸) خدا بخش لکھنوی شاگرد حافظ مولوی عبد الوہاب لکھنوی

(۴۹) خدابخش الٰہ آبادی
(۵۰) خدابخش غازی پوری (ابن اصغر علی درگاہی)
(۵۱) منشی خواجہ محمد حسن پوری
(۵۲) خیر اللہ ساکن امروہہ
(۵۳) خیر اللہ کے والد (نام نامعلوم)

د

(۵۴) داؤد خاں خورجوی
(۵۵) داؤد خاں ساکن پٹیالہ
(۵۶) شیخ درگاہی غازی پوری
(۵۷) دلاور خاں گورکھپوری

ر

(۵۸) راجا (غالباً سید صاحبؒ کے ہم وطن تھے)
(۵۹) راحت حسین عظیم آبادی
(۶۰) رحیم بخش الٰہ آبادی
(۶۱) رحیم اللہ سہارنپوری
(۶۲) روشن سقا ساکن کوٹلی
(۶۳) سید زین العابدین (پشاور)

س

(۶۴) سخاوت رامپوری
(۶۵) سرانداز خاں ساکن پکھلی
(۶۶) سلو خاں دیوبندی

ش

(۶۷) شیخ شجاعت علی فیض آبادی
(۶۸) شرف الدین پنجتنی دہلوی
(۶۹) شرف الدین بنگالی
(۷۰) شمس الدین ساکن ہریانہ
(۷۱) شیر جنگ خاں خالص پوری

ص

(۷۲) حافظ محمد صابر تھانوی
(۷۳) صندل خاں پنجابی

ض

(۷۴) سید ضامن شاہ ساکن درۂ کاغان
(۷۵) شیخ ضیاء الدین پھلتی

ع

(۷۶) عبدالجبار خاں شاہجہانپوری

(۷۷) عبدالرحمٰن ناگپوری

(۷۸) عبدالرؤف پھلتی

(۷۹) عبدالسبحان خاں گورکھپوری

(۸۰) عبدالعزیز دیوبندی

(۸۱) عبدالقادر جھنجھانوی

(۸۲) عبدالقادر غازی پوری

(۸۳) حافظ عبدالقادر ساکن میان دوآب

(۸۴) عبدالقادر (وطن نامعلوم)

(۸۵) میاں جی عبدالکریم ساکن انبیٹھہ

(۸۶) عبداللہ دہلوی (خادم خاص امیر المومنین)

(۸۷) عبداللہ خاں گورکھپوری

(۸۸) عبداللہ (غالباً پانی پتی)

(۸۹) عبدالمنّان بنارسی

(۹۰) مولوی حافظ عبدالوہاب لکھنوی (قاسم غلّہ)

(۹۱) عبداللہ (نومسلم)

(۹۲) عظیم اللہ خاں ساکن اکوڑہ

(۹۳) قاضی علاء الدین بگھرا

(۹۴) علی خاں سہارنپوری

(۹۵) علیم الدین بنگالی

غ

(۹۶) غازی الدین (وطن نامعلوم)

(۹۷) غلام محمد پانی پتی (والد محمد حسن پانی پتی)

ف

(۹۸) فرجام علی خاں ساکن ضلع سہارنپور (خادم خاص امیر المومنین)

(۹۹) فیض الدین بنگالی

(۱۰۰) فیض اللہ (تخت ہزارے کا)

(۱۰۱) فیض اللہ شیدی

ق

(۱۰۲) قادر بخش ساکن لہاوی

(۱۰۳) قادر بخش ساکن کنج پورہ

(۱۰۴) قادر بخش (وطن نامعلوم)

(۱۰۵) قلندر خاں قندھاری

(۱۰۶) حکیم قمر الدین پھلتی

(۱۰۷) مولوی قمر الدین عظیم آبادی

ک

(۱۰۸) کریم بخش خیاط لکھنوی
(۱۰۹) کریم بخش ساکن ساڈھورہ
(۱۱۰) کریم بخش
(۱۱۱) شیخ کریم بخش سہارنپوری

ل

(۱۱۲) لطف اللہ بنگالی
(۱۱۳) لعل محمد مہاجر پرانغاری

م

(۱۱۴) محمد حسن پانی پتی (ابن غلام محمد)
(۱۱۵) شیخ محمد رضا ساکن ضلع میرٹھ
(۱۱۶) محمد عرب
(۱۱۷) محمد معصوم علی عظیم آبادی
(۱۱۸) شیخ محمد علی غازی پوری
(۱۱۹) منشی محمدی انصاری
(۱۲۰) محمود خاں لکھنوی
(۱۲۱) مراد خاں خورجوی
(۱۲۲) مرزا مرتضیٰ بیگ لکھنوی
(۱۲۳) سید مردان علی میراں پوری
(۱۲۴) مشرف خاں گورکھپوری
(۱۲۵) حافظ مصطفیٰ جھنجھانوی
(۱۲۶) حافظ مصطفیٰ کاندھلوی
(۱۲۷) سید مظفر حسین بنگالی
(۱۲۸) معمور خاں لکھنوی
(۱۲۹) منصور خاں گورکھپوری
(۱۳۰) منور خیاط لکھنوی
(۱۳۱) مولا بخش میراثی ساکن فرح ضلع گوڑگانواں
(۱۳۲) مہربان خاں (بانگرمئو)
(۱۳۳) میاں جی چشتی بڈھانوی

ن

(۱۳۴) نبی حسین عظیم آبادی
(۱۳۵) نتھے خاں ساکن ہزارہ
(۱۳۶) شیخ نصرت بانس بریلوی
(۱۳۷) شیخ نصر اللہ خورجوی
(۱۳۸) نواب خاں ساکن گرتنی
(۱۳۹) مولوی سید نور احمد ساکن نگرام مؤرخ اسلام
(۱۴۰) نور بخش جراح ساکن شاملی
(۱۴۱) نور علی لکھنوی

(۱۴۲) نور محمد ناگوری

و

(۱۴۳) وزیر خاں سیواتی (۱۴۴) ولی داد خاں خورجی

شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام

اس معرکے میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے، جو عالمِ انسانیت کے لیے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لیے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے۔ مردانگی و جوانمردی، پاکیزگی و پاکبازی، تقدّس و تقویٰ، اتباعِ سُنّت و شریعت اور دینی حمیّت و شجاعت کا وہ عطر، جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا عطر مجموعہ صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا اور جو ساری دُنیا کو معطر کرنے کے لیے کافی تھا، ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں رل کر رہ گیا۔ مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی۔ حکومتِ شرعی ایک عرصہ تک کے لیے خوابِ بے تعبیر ہو گئی۔ بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنجِ شہیداں سے گلزار بنی، جس کے اخلاص و للّٰہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جُراَت و ہمت اور جس کے جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔ بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عُشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاعِ گرانمایہ کا مخزن ہے۔

بُلبلوں کا، صبا! مشہدِ مُقدّس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو، یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اُس کی رضا، اُس کے نام کی بلندی اور اُس کے دین کی فتحمندی کے لیے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ مٹا دینے کا عہد کیا تھا۔ جب تک اُن کے دم میں دم رہا، اسی راہ میں سرگرم رہے۔

بالآخر اپنے خونِ شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مُہر لگا دی۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی، وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سُبک دوش و سُبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعتِ شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے، وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے، نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و ناکامی پر عتاب ہے، نہ کسی سلطنت کے عدمِ قیام پر محاسبہ۔ وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں: صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال۔ اس لحاظ سے شہدائے بالاکوٹ اس دُنیا میں بھی سرخرو ہیں اور ان شاء اللہ دربارِ الٰہی میں بھی باآبرو کہ اُنھوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لیے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی۔ اُن کا وُہ خونِ شہادت، جو ہماری مادّی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے، ۲۶ ذوالقعدہ کی بارش نے اُن کو بھی دھو دیا، وُہ خون جس کے نتیجے میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی، کسی قوم کا مادّی و سیاسی عُروج نہیں ہُوا اور کوئی نخلِ آرزو اس سے سرسبز ہو کر بارآور نہیں ہُوا، اُس خون کے چند قطرے اللہ کی میزانِ عدل میں پُوری پُوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ یہ فقیرانِ بے نوا جنھوں نے عالمِ مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دُنیا میں کوئی مادّی یادگار نہیں، یہ اللہ کے ہاں اُن بانیانِ سلطنت اور مؤسسینِ حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے، وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ۔ (المنٰفقون: ۴)

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دُنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا۔ خونِ شہادت کی ایک مختصر سی سُرخ لکیر اُبھری تھی۔ اُس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشے میں تھی، نہ مؤرخ کے سیاسی مُرقّع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خونِ شہادت دفترِ قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا۔ اُس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے (يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ)
(الرعد: ۳۹)

کون سے نئے فیصلے کروائے، اُس نے کسی مستحکم سلطنت کے لیے خاتمہ و زوال اور کسی پس ماندہ قوم کے لیے عرُوج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہُوا اور کس سرزمین کی قسمت جاگی اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یُوں تو شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (یٰس: ۲۶)، مگر گوشِ شنوا اور دیدۂ بینا کے لیے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصُول کے لیے جد و جہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دُنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اُس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس و شیطان، حاکم و سلطان اور رسم و رواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو، وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (الانفال: ۳۹)، جہاں طاعت و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے لیے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو اور فسق و فجور و معصیت کے لیے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ[لہ] (الحج: ۴۱) کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے۔ تقدیرِ الٰہی نے ہمارے لیے اس سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدانِ جنگ کی شہادت اور اپنے قُرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی۔ ہم اپنے رب کے اس فیصلے پر رضامند و خورسند ہیں۔ اب اگر اللہ نے تم کو دُنیا کے کسی حصے میں کوئی ایسا خطۂ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مُخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو اور ان شرائط و اوصاف کا ثبوت نہ دو،

[لہ] ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں مُلک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔ (الحج : ۴۱)

جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغۂ امتیاز ہیں[1] تو تم ایسے کفرانِ نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہوگے، جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لیے جد و جہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور تورو اور مایار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں۔ تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبے اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا، ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ[2] ، اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے، جن سے تم نے مسلمانوں کے لیے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟ خدا نے تم کو ایک ایسا نادر و زریں موقع عطا فرمایا ہے، جس کے انتظار میں چرخِ کہن نے سیکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے الٹے، جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمت بندے دنیا سے چلے گئے۔ اس موقع کو اگر تم نے ضائع کر دیا، تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہوگا۔ بالاکوٹ کے

---

[1] اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علی نصرہم لقدیر، الذین اُخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولو لا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا و لینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز۝ (۲۲: ۳۹، ۴۰)

[2] یونس، ع ۲ — ترجمہ: پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

ان شہیدوں کا، جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشے میں آسودۂ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لیے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں پیغام ہے کہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ[۱]

○

جماعت کی امارت اور نظم و نسق

میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، محمد امیر خاں قصوری، لعل محمد جگدیس پوری اور داروغہ عبدالقیوم وغیرہ کہتے ہیں کہ لڑائی کے کھیت سے نکل کر ہم اکثر لوگ پہاڑ کی آڑ میں چشمے پر جمع ہوئے۔ کچھ لوگ آگے بھی چلے گئے۔ وہیں چشمے پر دو یا تین غازی مولوی خیر الدین صاحب کے ہمراہی آ پہنچے اور کہنے لگے: بھائیو، ہراساں نہ ہونا۔ مولوی صاحب کے سب ہمراہی مجاہدین پیچھے آتے ہیں پھر جب ہم لوگوں نے لڑائی میں شکست ہونے کا حال بیان کیا، تب وہ بھی ایک سکوت کے عالم میں رہ گئے۔ ہم لوگوں میں سے ہر ایک حضرت علیہ الرحمۃ کے غم فراق میں اس قدر پراگندہ خاطر اور حواس باختہ تھا، جیسے مجنون اور سودائی ہوتا ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ وہاں سے سب لوگ چل کر ناصر خاں کے گاؤں اگرائی میں ٹھیرے، وہاں سے میاں کلی ٹھیرتے ہوئے درہ دھیار میں موضع شلئی پہنچے۔ جب ہم لوگ موضع بنیر پہنچے، تو وہاں کے خان بہرام خاں خیل نے، جو حبیب اللہ خاں کا بڑا بھائی تھا، ہم سب کو تسلی دے کر بنیر میں ٹھیرایا۔ بیبی صاحبہ معظمہ مکرمہ ہم لوگوں سے ایک یا دو روز پہلے راج دواری سے آکر بنیر کے پہاڑ پر ایک گوجر کے مکان میں ٹھیری تھیں۔ جو غازی لڑائی کے روز جابجا ادھر ادھر پراگندہ ہو گئے تھے، وہ بھی آکر ہم لوگوں میں شریک ہو گئے۔ مولوی سید نصیر الدین صاحب منگلوری جو موضع بھوگڑمنگ میں تیس بتیس آدمیوں کے ساتھ متعین تھے، وہ بھی اپنے لوگوں سمیت آکر شریک ہوئے اور جو لوگ سچون میں بیمار تھے، وہ بھی آ گئے۔ اس روز شام کو تقریباً سات سو آدمیوں کی جنس تقسیم ہوئی۔

---

[۱] سورۂ محمدؐ ع ۳۔ ترجمہ: کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمہاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی سے کام لو۔

اس سے اگلے روز لوگوں میں پراگندگی کی ایک صورت ظاہر ہوئی کیونکہ تمام لوگ بے سردار تھے۔ اُن پر ایسا کوئی امیر نہ تھا کہ اُس کے رعب سے دبے رہیں۔ جس کے دل میں جو بات آتی تھی، وہ کہتا تھا۔ کسی نے ہند کا ارادہ کیا، کسی نے سندھ کا، کسی نے کابل اور قندھار کا۔ بعضوں نے کہا کہ ہم تو امیر المومنین کی بیوی صاحبہ کے ساتھ ہیں۔ اُن کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں گے۔ غرض، ہر کوئی اپنی علیحدہ تقریر کرتا تھا اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کا یہ حال تھا، جیسے کوئی دیوانہ یا مست ہوش باختہ ہوتا ہے۔ سب کی باتیں سنتے تھے اور جواب کسی کو نہ دیتے تھے۔ حضرت کے غم فراق سے ہوش و حواس برجا نہ تھے۔ یہی حال اکثر لوگوں کا تھا۔ جو شخص حضرت سے جس قدر محبت اور دلی اخلاص رکھتا تھا، اسی قدر اس کو غم تھا۔ جو کوئی شیخ صاحب موصوف سے کہتا کہ حضرت امیر المومنین کے روبرو بھی آپ ہم سب کے سردار تھے اور اب بھی آپ ہی سردار ہیں۔ تمام مجاہدین متفرق ہوئے جاتے ہیں، بلکہ بہت لوگ دو دو، چار چار کرکے چلے بھی گئے۔ اگر دو چار روز یوں ہی بے انتظامی اور پراگندگی رہی، تو لشکر ختم ہو جائے گا۔ آپ اس کا جلد تدارک کریں تاکہ غازیوں کا بیڑا قائم رہے۔ شیخ صاحب اس کے جواب میں کہتے تھے کہ مجھ سے کچھ کام نہیں۔ جو چاہے، سو رہے؛ جو چاہے، سو چلا جائے۔ میں تو حضرت کی بیوی صاحبہ کے ساتھ ہوں اور انھیں کا فرماں بردار اور خدمت گزار ہوں۔ لیکن آخر شیخ حسن علی صاحب، سید نصیر الدین صاحب منگلوری اور مولوی حاجی قاسم صاحب پانی پتی کے اصرار اور سمجھانے سے شیخ صاحب راضی ہو گئے اور ان تینوں صاحبوں نے لشکر کے تمام افسروں کو بلایا اور اُن سے یہ حال بیان کیا۔ سب خوش ہو کر اس پر راضی ہو گئے اور سب نے اتفاق کرکے شیخ صاحب کو اپنا امیر بنایا اور اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا۔[1]

* * *

---

[1] جماعت مجاہدین نے اس کے بعد سید صاحبؒ کے جانشینوں اور اپنے اُمرا جماعت کے ماتحت جہاد و جہد کا جو سلسلہ جاری رکھا، وہ سرفروشی و جانبازی، اخلاص و وفاداری، عالی ہمتی اور اولوالعزمی اور ثبات و استقامت کی ایک مسلسل تاریخ ہے جس کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

چھیالیسواں باب

فطری اخلاق و اوصاف

اخلاق و اوصاف کا مرکزی نقطہ سید صاحبؒ کے اخلاق و اوصاف کا مرکزی نقطہ اور نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت تامّہ اور مزاج نبوی سے طبعی و ذوقی اتّحاد نظر آتا ہے۔ آپ کے حالات و اخلاق کا جو شخص دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کرے گا، وہ آپ کے فیصلوں، طبعی رجحانات اور حدیث و سیرت کے واقعات میں بکثرت توارُد پائے گا، اور یہی طبعی مناسبت کے معنی ہیں کہ جہاں علم نہ ہو، وہاں بھی بے تکلف طبیعت اسی طرف مائل ہو جائے۔ جدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا میلان ہوتا۔ سلامت طبع، توازن دماغی، اعتدال و توسط، جامعیت، معاملہ فہمی، سادگی کے ساتھ گہرا فہم، حیا کے ساتھ جرأت و اظہار حق، تحمّل و عفو کے ساتھ حمیّت شرعی اور غیرت دینی، شفقت کے ساتھ جذبۂ جہاد و اجرائے حدود، ذوق عبادت کے ساتھ ذوق جہاد و شوق شہادت، مسلمانوں کے معاملے میں لینت و رفق کے ساتھ اہل کفر پر شدت، قناعت و استغنا کے ساتھ عالی ہمتی و بلند حوصلگی، فقر اور فاقے کی حالت میں سخاوت و دریا دلی، رفقا کے ساتھ مساوات و اشتراک عمل، شجاعت و قوت قلب کے ساتھ رقّت قلب و لطافت نفس، صبر و تحمل کے ساتھ نزاکت فہم و ذکاوت حس، تواضع کے ساتھ وقار و ہیبت، مروّجہ علوم کے بغیر اعلیٰ درجے کی حکمت و فقاہت،

بسط و تفصیل کے بجائے اجمال و اختصار، فروع و جزئیات کے بجائے اُصول و کُلّیات کی طرف رُجحان، اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لینا، نہ کسی کا دل توڑنا، احکام و حُدود کے سلسلے میں کسی کی پروا نہ کرنا، ہر شخص کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ وہ یہ سمجھے کہ اس سے زیادہ مُقرّب و محبُوب کوئی نہیں، لیکن حدیث أمرنا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ[1] (لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھو) پر پُورا عمل۔ یہ وُہ اوصاف و خصُوصیات ہیں، جن میں شمائلِ نبوی کا پرتو صاف نظر آئے گا۔ یہ اتّباعِ سُنّت اور اقتدائے کامل کا وہ اعلیٰ درجہ ہے، جو فطری مناسبت، تربیتِ ربّانی اور سنّت میں فنا ہُوئے بغیر عمُوماً حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ نے اس حقیقت کو بڑی سادگی سے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

"حضرت کے پہچاننے کو تھوڑی سی سیدھی عقل، اور حدیث سے تھوڑی سی واقفیت چاہیے کہ اکثر اولیاء اللہ کو بعض انبیا کا پرتو عنایت ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو عنایت کیا اور گروہ حضرت کے صحابہ کا پرتو ڈالا کہ لوگوں کے دل میں اتّباعِ سُنّت کی محبّت اور ایمان کی غیرت حد سے زیادہ ہُوئی۔ اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بے قرار ہونے لگا۔"[2]

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت آپ کے اخلاق و اوصاف کو بیان کرتے ہیں۔

اعتدال و توسّط مولوی سیّد جعفر علی صاحبؒ منظورۃ السعداء میں لکھتے ہیں:

مولانا اسمٰعیل می فرمودند کہ ہر چند مردم بسیار	مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ اگرچہ بہت کثرت سے لوگ
براہِ راست آمدہ اند، لیکن آنچہ می خواہم ہیچکس از	راہِ راست پر آگئے ہیں، لیکن اُن میں سے کسی نے وہ
ایشان اختیارِ آں وضع نہ نمودہ اند و آں راہِ توسّط	وضع اختیار نہیں کی، جو مَیں چاہتا ہُوں اور وُہ افراط و
است در افراط و تفریط کہ در ملازمین صحبت حضرت	تفریط کے درمیان توسّط و اعتدال کی راہ ہے، جو حضرت
امیر المومنین یافتہ می شود۔ و من ہر چند سعی بسیار	سیّد صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پائی جاتی ہے میں

---

[1] حدیث نبویؐ، روایت ابوداؤد بروایت ام المومنین عائشہؓ۔

[2] رسالۂ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ صفحہ ۹۲

می نمایم کہ آں طریقۂ توسّط تعلیم یافتگان از من حاصل شود، لیکن حسبِ مُرادِ من ہیچ یکے از ایشاں تعلیم قبول نمی کنند، یا راہِ افراط می روند یا تفریط می کنند۔

ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو، جنھوں نے مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے، وہ راستہ حاصل ہو لیکن میرے منشاء کے مطابق اُن میں سے کوئی وہ تعلیم قبول نہیں کرتا یا افراط کے راستے پر چلتے ہیں یا تفریط کرنے لگتے ہیں۔

عالی ہمتی مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

"ہیچکس از صدہا سال باین ہمتِ عالیہ مخلوق نشد"

صدیوں سے ایسا عالی ہمت پیدا نہیں ہوا

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"نقل است کہ حکیم مہدی نائب سُلطانِ لکھنؤ کہ باوجودِ مذہبِ تشیع در فہم و فراست در اُموُرِ دنیا و قدر شناسیِ اہلِ فضل و کمال یکتائے روزگار بُود، چوں بعضے غزواتِ آنجناب شُنیدہ از راہِ عقل و انصاف گفت کہ آنچہ وسعتِ حوصلہ و ہمّتِ عالیِ ایں سیّد ست از ما و از سُلطانِ ما صورتِ امکان ندارد باآنکہ ما مالکِ مُلکِ عظیم ایم و اُو رئیسِ یک دیہم نیست۔[1]

منقول ہے کہ اودھ کے نائب السلطنت حکیم مہدی جو تشیع کے باوجود دنیاوی فہم و فراست اور اہلِ فضل و کمال کی قدرشناسی میں یکتائے روزگار تھے، سیّد صاحب کی بعض جنگوں کے واقعات سُن کر از راہِ عقل و انصاف ایک دن کہنے لگے کہ اس سیّد کی سی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی تو ہم سے اور ہمارے بادشاہ (شاہِ اودھ) سے بھی ممکن نہیں، حالانکہ ہم ایک بڑی سلطنت کے مالک ہیں اور وہ ایک دیہات کے بھی رئیس نہیں۔

مولوی صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں:

حسن علی خاں، خانِ مقامِ سیچوں در پکھوگرنگ کہ از درہائے مُلکِ پکھلی است، چوں ابتدا نامِ حضرت امام، و مجتمع شدنِ ناس برائے جہاد می شنید، می گفت کہ ایں سلطان و ایں لشکر چنانست کہ

حسن علی خاں نے جو سیچو، درۂ بھوگڑمنگ (علاقۂ پکھلی) کے خان و رئیس تھے، جب شروع شروع میں سید صاحب کا نام سُنا اور معلوم ہوا کہ لوگ جہاد کے لیے اُن کے پاس جمع ہوئے ہیں تو وہ یوں کہتے تھے کہ اس بادشاہ اور لشکر کی

---

[1] منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (قلمی) از مولوی سیّد جعفر علی بستوی۔

طفلاں از رُوے بازی ولہو در خود سُلطانے مقرر می کنند ولشکرے از طفلاں برلے او مُہیّا می سازند۔ تا وقتیکہ شرفِ ملازمتِ آنحضرت نہ دریافتہ، جُز ایں سُخنے دیگر نمی گفت۔

وقتیکہ مولانا محمد اسمٰعیل بالشکرِ خود از سیجون بہ بالاکوٹ رفتند و دائرہ حشمتِ حضرتِ امیر المومنین در سیجون رسید، ہماں حسن علی خاں بملاحظۂ جمالِ جہان آرائے حضرت امیر المومنین با یارانِ خود گفت کہ از ناصیۂ ایں امامِ ہمام چنیں مفہوم می شود کہ اگر ارادہ تسخیرِ ہفت اقلیم خواہد نمود عالمے زیرنگین او استقرار خواہد گرفت۔ ومن بعد چوں در مجلسِ وعظِ آنجناب نشست، از غایت گریہ کہ در نصائحِ آنجناب در دلش اثرے پیدا کرد، تمام لحیہ اش از اشک تر گردید[1]

مثال ایسی ہے کہ بچے کسی کو اپنے میں سے بادشاہ بنالیں اور اُس کے لیے بچوں کا ایک لشکر تیار کریں، جب تک سیّد صاحب کی خدمت میں اُن کو باریابی حاصل نہیں ہُوئی، وہ اسی طرح باتیں کرتے تھے۔

جب مولانا محمد اسمٰعیل اپنے لشکر کے ساتھ سچوں سے بالاکوٹ تشریف لے گئے اور سیّد صاحب نے سچون میں نُزولِ اجلال فرمایا، وُہی حسن علی خاں آپ کو دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ اِس سردار کی پیشانی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کو مسخّر کرنے کا ارادہ کرے، تو ایک عالم کو زیر کرلے۔ اس کے بعد جب مجلسِ وعظ میں انھوں نے شرکت کی، تو سیّد صاحب کی نصیحتیں سُن کر شدّتِ گریہ سے یہ حال ہُوا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

سخاوت و دریا دلی اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو شرحِ صدر کی دولت سے نوازتا ہے اور "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ" کی حقیقت اس پر منکشف فرما دیتا ہے، تو اس متاعِ قلیل کے کسی جُز کو، جو اقلِ قلیل ہے، وہ کبھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اس دُنیا کی بڑی سی بڑی دولت اور نایاب سے نایاب تحفہ اُس کی نگاہ میں نہیں جچتا۔ بڑی سی بڑی چیز کے دے دینے میں اُس کو کبھی تامّل نہیں ہوتا۔ دیکھنے والوں کو اس سے استعجاب ہوتا ہے، مگر اُس کو اُن کے استعجاب پر استعجاب ہوتا ہے۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم، جو خود والیِ ریاست تھے، اپنا تاثّر ان لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں:

---

[1] منظورۃ السعداء

> "آپ نہایت درجہ سیر چشم، دریا دل اور شاہانہ مزاج کے انسان تھے طبیعت بعید مستغنی اور بے نیاز تھی۔ دُنیا کی دولت کو نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھتے اور خزائنِ شاہی کو خاطر میں نہ لاتے۔"

آپ اپنا ہاتھ ہمیشہ اُونچا رکھتے۔ اُمراء اور والیانِ ریاست کا عُلماء و مشائخ اور شرفاء و سادات کو تحفہ دینے کا دستور رہا ہے، مگر آپ نے خود اُمراء اور والیانِ ریاست کو تحفہ دیا۔ لکھنؤ سے رُخصت کے وقت آپ نے ایک عُمدہ گھوڑی، جو بہت بلند اور قد آور تھی، جس پر آپ اُس وقت سوار تھے نواب معتمد الدّولہ آغا میر نائب السّلطنت اودھ کو (جس کی داد و دہش کی دُنیا میں دُھوم تھی) بچّے سمیت تحفے کے طور پر دی۔ نواب صاحب نے بہت عُذر کیا اور کہا کہ تین چار گھوڑے خود ہمارے اصطبل میں سے پسند فرما کر ہماری طرف سے قبول کیجیے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ گھوڑی تو آپ کو قبول کرنی ہوگی۔[1]

پائندہ خاں والیِ ریاستِ امب سے ملاقات ہُوئی، تو آپ نے اُس کو ایک دستار، ایک بہت بھاری ضرب توپ اور ایک ہاتھی عنایت فرمایا۔ سفرِ حج سے واپسی پر دیوان غلام مرتضیٰ نے ایک رُومی بندوق پیش کش کی تھی جس میں سات دیدبان تھے۔ دیدبانوں کا حساب یہ تھا کہ ہر دیدبان سے دو سَو قدم فاصلہ بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ ساتویں دیدبان سے ایک ہزار چار سَو قدم کا فاصلہ ہوتا تھا۔ آپ نے یہ بندوق یار محمد خاں دُرّانی والیِ پشاور کو عطا فرما دی۔[2]

سُنّتِ نبوی کے مطابق کبھی سوال کا رد کرنا تو آپ کے اصول کے بالکل خلاف تھا۔ کوئی شخص بیش قیمت سے بیش قیمت چیز کا سوال کر لیتا اور آپ کو کیسی ہی ضرورت ہوتی، کبھی اُس کی درخواست نامنظور نہ فرماتے اور وہ چیز اس کو ضرور عطا فرما دیتے۔

مولوی سید جعفر علی شیخ فرزند علی غازی پوری کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ غلام علی رئیس الہ آباد نے ایک تلوار پیش کی اور عرض کیا کہ ایسی بیش قیمت تلوار نواب لکھنؤ کے

---

[1] سیرتِ سید احمد شہیدؒ، جلد اوّل ص ۱۹۲　　[2] ایضاً ص ۲۳۵

سلاح خانے میں بھی نہیں ہے۔ آپ نے اُس کو ملاحظہ فرمایا اور حاضرینِ مجلس نے بھی باری باری اُس کو دیکھا اور ہر ایک نے اُس کی بیحد تعریف کی۔ رامپور کے ایک پٹھان کھڑے تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ حضرت، یہ تلوار مجھے عنایت ہو۔ آپ نے بلا تامّل اُن کو عنایت فرما دی۔ لوگوں کو بڑا تعجّب ہوا۔[۱]

سخاوت و دریا دلی کا یہ معاملہ صرف دوستوں کے ساتھ نہ تھا، بلکہ جو ہمیشہ مخالفت و عداوت میں سرگرم رہے اور ایذا رسانی اور بیخ کنی کے درپے رہے، اُن کے ساتھ بھی یہی عنایت و الطاف تھے۔

پشاور میں جب سردار سلطان محمد خاں سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ۴۰۰۰۰ ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اُس کی فکر نہ کیجیے گا، ہم نے آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ سے کسی طرح کا جُرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے۔

شجاعت اور اعتماد علی اللہ آپ کی شجاعت اور اللہ تعالیٰ کی نُصرت پر اعتماد و توکُّل اور بے خوفی کے واقعات بہت ہیں۔ ان میں سے صرف ایک واقعہ مولوی سیّد جعفر علی نقوی صاحب منظورۃ السعداء کی زبانی نقل کیا جاتا ہے:

"میار کی جنگ میں دُرّانی بارہ ہزار سے زائد کی تعداد میں میدان میں آئے۔ اُنھوں نے دو توپوں اور پیادوں کے لشکر کا رُخ قلعۂ میار کی طرف، جو مجاہدین کے قبضے میں تھا، کر دیا اور دو بڑی توپوں کو لشکرِ مجاہدین کی طرف سر کرنا شروع کیا۔ مجاہدین کے ہاتھ میں سوائے چند زمبورکوں کے ایک توپ بھی نہ تھی۔ اکثر توپیں اسب میں اور بعض پنجتار میں تھیں۔ اکثر آدمیوں نے حضرت سے توپوں کے منگوانے کے متعلق عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ ہم کو اللہ کی فتح و نصرت پر اعتماد ہے، توپوں اور زمبورکوں پر نہیں؛ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ اس وقت

---

[۱] منظورۃ السعداء

کم و بیش پانسو سوار آپ کے ہمرکاب تھے اور تین ہزار کے قریب پیادے۔ مخالفین کے لشکر میں لوگوں کے تخمینے کے مطابق آٹھ ہزار سوار تھے۔ اُس وقت مشورہ یُوں ہُوا کہ اپنے سواروں کو، جو بہت قلیل ہیں، اُن کے سواروں کے مقابل کرنا مناسب نہیں، اگرچہ اپنے پیادے بھی اُن کے پیادوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، لیکن ہندوستانی پیادے بڑی ثابت قدمی دکھاتے ہیں۔ پھر یہ غازیوں کا لشکر ہے اور غازی جان دینے میں دریغ نہیں کرتے۔ اس لیے حضرت نے سواروں کو تاکیدِ شدید کی کہ پیادوں کے پیچھے رہیں۔ آپ خود اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیادوں کے گروہ میں تشریف لے گئے، جن کی صف مہیار کے باغیچے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ کالے خاں رامپوری، جن کے ذمّے صف آرائی کی خدمت تھی، توپ کے گولے سے شہید ہو گئے۔ چند اَور غازی بھی شہادت سے سرخرو ہوئے۔ آپ نے پہلے پیادوں کی صف میں کھڑے ہو کر کچھ وصیّت کے طور پر فرمایا کہ بھائیو، تم دشمن کے پیچھے ہرگز نہ دَوڑنا، دَوڑنے کو اپنے اُوپر حرام سمجھو۔ چونکہ قریب ہی فاصلے میں دَوڑنے والے کے ہاتھ پاؤں پھُول جاتے ہیں اور ہانپنے لگتا ہے، اس لیے کسی کام کے قابل نہیں رہتا۔ ہاں، پھُرتی کے ساتھ پیدل ہی ان توپوں کی طرف بڑھو اور پھر مددِ الٰہی کا تماشا دیکھو۔ یاد رکھو، اگر صف سیدھی رہے گی اور انتشار پیدا نہیں ہوگا، توپ کے ایک گولے سے ایک ہی آدمی مرے گا۔ ایک سے زائد کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اُس وقت آپ گھوڑے پر سوار صف کے آگے آگے توپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے گھوڑے کی لگام تھام کر عرض کیا کہ چونکہ پیادوں کی صف میں ایک اکیلا سوار دُور سے امیر معلوم ہوتا ہے، اس لیے گولہ انداز اسی کو تاک کر گولے کا نشانہ بناتا ہے۔ مناسب ہے کہ آنجناب اس وقت پیادہ ہو جائیں۔ آپ نے اس مشورے کو قبول کیا اور گھوڑے سے اُتر آئے اور پیادہ پا شیرِ ژیاں کی طرح توپ کی طرف بڑھے اور قرابینوں اور بندوقوں کے چھوڑنے کا اُس وقت تک حکم نہیں دیا جب تک کہ مخالفین کی ایک توپ تختے کے اُوپر سے گر نہیں گئی۔ اس وقت لشکرِ اسلام آہستہ آہستہ تکبیر کہہ رہا تھا۔ امان اللہ خاں لکھنوی بلند آواز سے جنگ پر اُبھار رہے تھے اور غیرتِ ایمانی میں ڈوبے ہوئے جوش آفریں کلمات زبان سے کہہ رہے تھے۔ ریاست علی مرانی، جو فشی خانے میں

تھے، مولوی خرّم علی صاحب کے رسالۂ جہادیہ کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ اُن میں سے دو شعر یہ ہیں:

آج گر اپنی خوشی جان خدا کو دوگے   کل تو پھر شوق سے جنّت کے مزے لُوٹو گے

سر شکیب پیر گرٖ گھر میں کا مرنا بہتر؟   یا رہِ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر؟

جب آپ اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ توپ کے اتنے قریب پہنچے کہ بندوق کام کر سکتی تھی، گولہ انداز نے توپ چلانا موقوف کی اور ایک دو شمانچے، جن کو انگریزی میں گراپ کہتے ہیں، سرکیے۔ الحمد للہ جس طرح گولے اُوپر اُوپر سے نکل جاتے تھے، اسی طرح گراپ پاؤں کے سامنے گرے اور ایک دو کے سوائے کوئی زخمی نہیں ہُوا جس وقت فاصلہ اس سے بھی قریب رہ گیا، گولہ انداز توپ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہُوے اور ہزاروں سواروں نے اس طرف حملہ کر دیا۔ اُس وقت آپ بھی دو بندوقیں، جو ایک ایک خادم کے ہاتھ میں تھیں، سر کرتے جاتے تھے اور قرابین بازوں اور تفنگچیوں کو بھی حکم دے رہے تھے۔ بندوقوں اور قرابین کی گولیوں سے دشمن کے سوار متفرق ہوگئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان گھوڑوں اور سواروں کی لاشیں اس طرح پڑی ہُوئی تھیں کہ میدان میں چلنا مشکل تھا۔ آناً فاناً میدان صاف ہوگیا اور دونوں توپیں مجاہدین کے قبضے میں آگئیں۔"

عفو و حلم اسی شجاعت و قوت کے ساتھ عفو و حلم، تحمل و برداشت اور عالی ظرفی کی بھی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری شجاعت و قوت اور شدت اہل کفر و نفاق اور اسلام کو نقصان پہنچانے والوں کے ساتھ تھی۔ ذاتی طور پر تکلیف دینے والوں اور قصور وار مسلمانوں کے ساتھ سراسر عفو و حلم اور معافی و درگزر کا معاملہ تھا۔ کثیر التعداد واقعات میں سے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

"پیر داد خاں باشندہ لوہانی پور کی گائے حضرت کے خربوزے کے کھیت میں چلی گئی اور بہت نقصان کیا۔ چوکیداروں نے اُس گائے کو ڈنڈا کر پیر داد خاں کے گھر پہنچا دیا۔ گائے ڈنڈے کی وجہ سے بہت سُست ہو گئی۔ پیر داد خاں نے بہت غصّہ کیا اور آپ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ چند اور شرفاء بھی وہاں موجود تھے۔ اس وقت ایک بہت خوشرنگ اور عمدہ خربوزہ، جو فصل کا پہلا پھل تھا، اور

تین آم، جو موسم کے ابتدائی پھل تھے، رکھے ہُوئے تھے۔ آپ نے بڑی مہربانی اور شفقت کے ساتھ اُن میں سے ایک آم میاں شیخ امان اللہ رائے بریلوی کو، جو ایک بزرگ آدمی تھے، عطا فرمایا اور دُوسرا آم دُوسرے صاحب کو دیا اور خربوزہ پیرداد خاں کو عنایت فرمایا۔ اُن دونوں بزرگوں نے تو تبرُّکاً وُہ پھل لے لیے۔ لیکن پیرداد خاں نے وُہ خربوزہ وہیں آپ کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ مَیں نہیں لیتا۔ میاں شیخ امان اللہ کہنے لگے کہ یہ حضرت کا عطیہ ہَے اور تمھارے لیے مُوجبِ برکت ہَے، اس کو واپس نہیں کرنا چاہیے۔ وہ زیادہ غصّے میں آ کر کہنے لگے کہ ہمارے لیے مُوجبِ برکت نہیں، موجبِ حرکت ہَے اور بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور بے ادبی اور گستاخی میں حد سے بڑھ گئے۔ آپ نے بڑی عاجزی اور انکسار سے معذرت کی اور فرمایا کہ مَیں فصل رکھانے والوں کو تنبیہ کروں گا۔ انھوں نے بہت بُرا کیا کہ تمھارے جانور کو تکلیف دی۔ اگر وہ جانور مر جاتا، تو ہم تم کو اُس کے عوض میں اُس سے اچھا جانور دیتے۔ اِتنا رنج نہ کرو۔ سیّد عبدالرحمٰن، جو اس قصّے کے راوی ہَیں، فرماتے ہیں کہ مَیں ایک کام سے بازار گیا ہُوا تھا۔ واپس آیا، تو کیا دیکھتا ہُوں کہ غلام رسُول خاں، جو آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال پر مقرر تھے اور ذی عزّت آدمی تھے، غصّے کے مارے رو رہے ہیں۔ مَیں نے پوچھا: خاں صاحب، خیریت ہَے؟ انھوں نے کہا کہ عجب قصّہ ہَے۔ اس بدتمیز آدمی نے حضرت کی شان میں گُستاخی کی اور غیر مُہذّب الفاظ زبان سے نکالے اور حد سے بڑھ گیا۔ مَیں نے چاہا کہ اُس کو ڈانٹ دُوں اور اُس کو اس بدتمیزی سے باز رکھوں۔ حضرت تو انتہا درجے کے بُردبار ہَیں، انھوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ مَیں آپ کے حکم کی تعمیل میں باہر آ گیا۔ میاں امان اللہ نے پیرداد خاں کو بہت سمجھایا کہ اس قدر بے تمیزی اور بدلگامی شرفا کی شان کے خلاف ہَے۔ پیرداد خاں اپنے گھر چلے گئے۔ سیّد علَم الھدیٰ اور سیّد فخرالدین، جو آپ کے بھائی بند تھے، غصّے سے بھرے ہُوئے آئے اور کہا کہ ہم اس بدتمیزی کی مرمّت کریں گے۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو، ایسا نہیں چاہیے، نہیں تو اُس کی تجبیرِ جماعت ترک ہو جائے گی، صبر کرو۔ سیّد عبدالرحمٰن کہتے ہَیں کہ مَیں بھی غصّے سے بے قابُو ہو گیا۔ میں نے بھی آ کر عرض کیا کہ یہ نالائق ایسی بدتمیزی کر کے یہاں سے سلامت چلا گیا۔ افسوس کہ مَیں

موجود نہ تھا! آپ نے اُن کو بھی ملامت کی اور کہا: تم بچے ہو، تم کیا جانو؟ اگر اُس سے جبہ وجاہت فوت ہو جائے گی، تو اُس کے حق میں بڑی قباحت ہوگی۔ اس کے بعد آپ تیار ہوئے کہ میں خود معذرت کے لیے خاں صاحب کے پاس جاؤں گا۔ آپ کا معمول تھا کہ بڑی بہن سے ملنے کے لیے قلعے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ چلے۔ بہن سے مل کر آپ انی پور خاں صاحب کے دروازے پر آئے۔ وہ آپ کی سواری دیکھ کر گھر میں گھس گئے۔ آپ گھوڑے سے اُتر کر دروازے پر بیٹھ گئے اور فرمایا: آج خاں صاحب سے خطا معاف کرائے بغیر نہیں جاؤں گا۔ خاں صاحب گھر سے باہر نہیں آتے تھے یہاں تک کہ گاؤں کے رؤسا، و اشراف جمع ہو گئے۔ اُن کو بڑی ملامت کی اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر سید صاحبؒ کے پاس کھینچ کر لے آئے۔ آپ اُن سے بغلگیر ہوئے اور اُن سے معافی چاہی اور فرمایا کہ اگر تمھاری گائے مر جاتی، تو ہم تمھیں اُس سے اچھی دیتے پھر آپ نے اُن کی ایسی دلجوئی اور خاطرداری کی کہ اُن کو راضی کر کے گھر واپس ہوئے۔ پیر داد خاں کے چھوٹے بھائی نور داد خاں آپ کی یہ عاجزی اور انکسار اور بھائی کا یہ غرور و تکبّر دیکھ کر بھائی سے جُدا ہو گیا اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ بالاکوٹ میں آپ کے ساتھ شربت شہادت نوش کیا۔[1]

مولوی سید جعفر علی ایک دُوسرا واقعہ سید عبدالرحمٰن اور سید زین العابدین کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ سفرِ حج میں آپ کے ساتھ مولوی نصیر الدین اور شیخ نجم الدین پھلیت ساکنان لکھنؤ کے بھائی امام الدین بھی ہمراہ تھے۔ آپ اُن کی بڑی مراعات فرماتے تھے اور اُن کو بھی ابتدا میں آپ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی ارادتمندی اور عقیدت تھی لیکن مکہ معظمہ پہنچ کر بعض کج طبیعت لوگوں کے اغوا سے آپ کی طرف سے طبیعت میں بے اعتقادی اور مخالفت پیدا ہو گئی۔ ایک روز آپ اپنی قیامگاہ پر تشریف رکھتے تھے کہ حاجی عبدالرحیم (ولایتی) کے رفیق حاجی عمر جو بڑے صالح و سعید، عابد و زاہد، متقی بزرگ تھے، آپ کی مُلاقات کو آئے۔ آپ نے اُن کی بڑی عزّت و توقیر فرمائی اور فرمایا کہ اِن

---

[1] منظورۃ السعداء

جیسے آدمیوں سے ملائکہ کو بھی لحاظ آتا ہے اور ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں جو فرشتوں پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر امام الدین کو غصہ آگیا اور انھوں نے برملا کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ملائمت سے فرمایا کہ بھائی، غلط نہیں ہے۔ اللہ کے بندوں میں بعض خاص الخاص بندے خواص ملائکہ پر شرف رکھتے ہیں۔ آپ جس قدر نرمی اور آہستگی کے ساتھ یہ فرماتے، امام الدین اسی قدر غصے اور درشتی کے ساتھ آپ کو جواب دیتے اور بدتمیزی سے پیش آتے۔ رامپور کے ایک شخص حافظ نابینا، جو سید صاحب سے بد اعتقاد تھے اور کبھی کبھی کہتے تھے کہ آپ سخت دُنیادار ہیں، پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اپنے دل میں پشیمان ہوئے اور آپ کے حِلم و بُردباری اور بزرگی کے قائل ہو گئے اور دُوسرے روز انھوں نے حطیم میں آپ سے بڑی معذرت کی اور اپنی غلطی سے تائب ہو کر بیعت کی اور مُخلصین صادقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔"

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ سفرِ حج سے واپسی پر آپ موضع ڈگماہیں، جو عظیم آباد کے قریب ہے، اپنے ایک مُرید با اخلاص شیخ جان کے مکان پر مقیم تھے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مکان کے باہر ایک شخص مسلح چکر لگا رہا ہے، اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب وُہ شخص آپ کے سامنے لایا گیا، آپ نے مکان خالی کروا دیا۔ سب لوگ باہر چلے گئے، لیکن ایک شخص، جو حقیقۃً جاگ رہا تھا، بظاہر سوتا دکھائی دیتا تھا۔ وُہ سب حال دیکھتا رہا[1]۔ اس وقت آپ کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ جب سب لوگ باہر چلے گئے، تو آپ نے اُس سے کہا کہ تم جس کام کے لیے آئے ہو، اُس میں کیوں دیر کرتے ہو؟ آپ کے یہ فرماتے ہی اُس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا اور وُہ بدحواس ہو گیا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ میں نے اسی لیے تنہائی کرائی ہے کہ تم اپنا کام پُورا کر لو، ڈرو نہیں اور یہ شک نہ کرو کہ شاید یہ کوئی دُوسرا آدمی ہو۔ میں وُہی شخص ہوں جس کے لیے تم آئے ہو۔ اُس شخص نے اپنے تمام ہتھیار اُتار کر آپ کے سامنے رکھ دیے اور عرض کیا کہ یہ سب حضور کی نذر ہیں۔ میں اپنے فعل سے توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے بیان کیا کہ

---

[1] سید جعفر علی صاحب کہتے ہیں کہ وہ سونے والے یا تو میاں صلاح الدین پھلتی تھے یا آپ کے خادم میاں دین محمد تھے۔ میاں دین محمد نے بھی اس حکایت کی تصدیق کی ہے۔

فلاں شخص نے مجھے پانچ سَو روپے آپ کو شہید کرنے کے لیے دیے ہیں اور مَیں مال کے لالچ اور شیطان کے فریب میں آکر اس حرکت پر آمادہ ہو گیا اور یہاں تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور آپ بھی درگزر کریں۔ اس کے بعد اُس نے بیعت کی۔ آپ نے اُس کے سارے ہتھیار واپس کر دیے اور پانچ روپے اُوپر سے دیے اور اُن پانچ روپوں میں سے ایک روپے کو الگ کر کے فرمایا کہ یہ چار تو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اس ایک کو محفوظ رکھنا اور کسی کی نوکری کبھی نہ کرنا۔ انشاءاللہ تعالیٰ تم زندگی بھر کسی کے محتاج نہ رہو گے اور ہمیشہ خوشحال رہو گے۔"

ایک دُوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ تکیے پر بھی ایک شخص اسی ارادے سے آیا۔ نمازِ عصر کے بعد آپ کا معمول تھا کہ سئی ندی کے کنارے تشریف لے جاتے اور دونوں پاؤں پانی میں لٹکا کر بیٹھ جاتے۔ وہ شخص تلوار کھینچ کر آپ کی طرف دَوڑا۔ اُس وقت اور لوگ بھی تھے۔ کسی نے اُس کی تلوار پکڑی اور کسی نے اُس کو پکڑا، بلکہ کسی کا ہاتھ بھی تلوار پکڑنے سے زخمی ہو گیا۔ بعض آدمیوں نے اُس کو مارنے پیٹنے کا بھی ارادہ کیا۔ حاجی نور محمد دُرانی نے اُس کی گردن پکڑ لی۔ قریب تھا کہ اُس کا گلا گھٹ جائے۔ آپ بڑی شفقت کے ساتھ تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھے، لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ ہم اس شخص کو بند رکھیں گے، تم چھوڑ دو۔ لوگوں نے تعمیلِ ارشاد میں چھوڑ دیا اس خیال سے کہ میں اگر اُس کو معاف بھی کر دُوں گا، تو شاید حاکم نہ چھوڑے۔ آپ نے اُس کو درشن سنگھ کے پاس، جو رائے بریلی میں نواب کی طرف سے مقرر تھا، بھیجا اور پیغام دیا کہ ہم نے اس کی خطا معاف کر دی ہے، آپ بھی اُس کی خطا معاف کریں اور چھوڑ دیں۔

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ درشن سنگھ نے اُس کو دو روز قید میں رکھا اور پھر اُس کو آپ کے پاس بھیج دیا اور کہا یہ شخص آپ کا قصوروار ہے۔ آپ جو چاہیں، کریں۔ آپ نے اُس کو تکیے پر ٹھیرا لیا اور سیر بھر گوشت اور پاؤ بھر گھی اور دُوسری اجناس اُس کے لیے مقرر کر دیں۔ چنانچہ وُہ کچھ مدّت تک تکیے پر مقیم رہا۔ کبھی کبھی اپنے ہاتھ کا پکایا کھانا بھی آپ کی خدمت میں بھیجتا تھا۔ جب اُس نے آپ سے رخصت چاہی، تو آپ نے اُس کو کچھ عطا بھی کیا۔

مولوی سید جعفر علی اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔ سدو خاں دُرّانی سید محمد خاں شہید کے ساتھ سَمَہ کی بعض جنگوں میں شریک تھا۔ فتح کے بعد جب لشکر نے مالِ غنیمت جمع کیا، تو سونے چاندی کے کچھ زیورات، مروارید، دو ٹوٹی پھوٹی بندوقیں اور ایک زنگ آلود تلوار اُس کے ہاتھ بھی لگی تھی۔ اُس نے مجاہدین کی فہمائش کے باوجود یہ مال مالِ غنیمت میں شامل نہ کیا۔ لوگوں نے کہا بھی کہ تقسیم شرعی سے پہلے مالِ غنیمت پر قبضہ کر لینے کی سزا دُنیا میں عار اور آخرت میں نار ہے لیکن اُس نے کچھ پروا نہ کی، بلکہ سید صاحب کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے اور وہاں سے بھاگ کر سید صاحبؒ کے پاس چلا گیا۔ بعض مخلصین نے عریضے کے ذریعے سید صاحبؒ کو اطلاع بھی کر دی۔ قلعۂ امب کے بُرج پر آپ ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ دوپہر کو جب مجلس برخاست ہوئی تو آپ نے سدو خاں کو طلب فرمایا اور ارشاد ہُوا کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ لے کر آئے ہو یہاں لے آؤ۔ اُس نے سب زیورات تھیلی سے نکال کر سامنے رکھ دیے۔ آپ نے ان زیورات کو ملاحظہ بھی نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں عورتوں کے قابل ہیں، ہمارے لائق نہیں۔ جاؤ ان کو اپنے سے علیحدہ کرو اور فروخت کر ڈالو۔ ہتھیار کو دیکھ کر فرمایا کہ ہاں! یہ مردوں کے ہتھیار ہیں یہ مجاہدین کے کام کے ہیں۔ اس کے بعد سدو خاں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سدو خاں سچ کہنا، تم نے یہ کہا تھا کہ میں اپنی دُرّانی قوم کے پاس سے بھاگ کر آیا ہوں۔ اگر اس سید کے سینے پر ایک نیزہ مار کر اُس کو شہید کر کے واپس چلا جاؤں، تو وہ مجھے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور میری بڑی قدر ہوگی۔ اگر یونہی خالی ہاتھ گیا، تو کون میری بات پوچھے گا؟ سدو خاں نے شرم سے سر جھکا دیا اور کہنے لگا کہ لوگوں نے مجھے تنگ کیا، تو میری زبان سے ایسے لفظ نکل گئے، مَیں خطاوار ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں تمھیں اپنے سے زیادہ بہادر اور جوانمرد نہیں سمجھتا کہ تم میرے مقابلے میں آسکو، لیکن ایسے لشکر میں جس کے سردار قاضی حبان تھے، تمھیں ایسے لفظ کہنا بہت ناروا تھا۔ اگر یہ بات قاضی صاحب کے کان میں پڑ جاتی، تو تمھیں زندہ نہ چھوڑتے۔ یہ تم نے اچھا کیا کہ میرے پاس آ گئے۔ یہاں جو جی میں آئے کہو۔ انتقام تو انتقام، مجھے اس کی پروا بھی نہیں، لیکن سرداروں کے لشکر میں کبھی نہ جانا، ورنہ ایسی باتوں

سے تمھاری جان چلی جائے گی۔

یہ معاملہ صرف قصور وار اور بداندیش مسلمانوں کے ساتھ نہ تھا، بلکہ غیر مسلم اسیروں اور آنے جانے والوں کے ساتھ بھی مراعات و خاطر داری کا معاملہ تھا۔ وقائع احمدی میں ہے:

رنجیت سنگھ کے لشکر کے دو سکھ حضرت کے پاس آئے۔ آپ نے اُن سے آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی ملاقات کو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: خیر، تم ہمارے مہمان ہو، جب تک چاہو، رہو۔ اُن کے واسطے آپ نے اپنے یہاں سے غلہ مقرر کر دیا۔ ہر روز نمازِ فجر و عصر کے بعد وہ دو چار گھڑی بیٹھتے۔ انھوں نے ایک روز عرض کیا کہ ہم نے آپ کی باتیں خوب سُنیں اور جو کچھ آپ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق سُنا تھا، اُس سے بڑھ کر پایا۔ آپ کا طریقہ اور دین ہم کو پسند آیا۔ ہم کو بھی دین اور طریق کی تعلیم کریں۔ حضرت یہ بات سُن کر بہت خوش ہوئے۔ اُن کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور اُن کے نام عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم رکھے۔ غازیوں نے اُن کو کپڑے دیے۔ بعد میں اُنھوں نے سُنایا کہ لہنا سنگھ نے اُن کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا تھا۔ پھر وہ چلے گئے۔

جاسوسوں اور غیر مسلم قیدیوں اور زخمیوں کے ساتھ آپ کی شفقت و مراعات کے واقعات باب چہارم میں گزر چکے ہیں۔ مخالف اور دشمن کے ساتھ عفو و درگزر اور احسان و عنایت اور نہ صرف جان بخشی، بلکہ مُلک بخشی کی جو مثال آپ نے سُلطان محمد خان سردارِ پشاور کے معاملے میں پیش کی ہے وہ للّٰہیت و اخلاصِ کامل، بےنفسی اور دریا دلی کی ایسی مثال ہے، جس کی نظیر تاریخ میں آسانی سے نہیں مل سکتی۔ آپ کی تقریر، جو ارباب بہرام خاں کی گفتگو کے جواب میں کی تھی، ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے۔ آپ نے آخر میں فرمایا تھا کہ "سردار سلطان محمد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہو گیا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اُس نے قبول کیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا و رسول کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا للّٰہ معاف کرو۔ اگر یہ کلام نفاق و دغابازی سے کرتا ہے، تو وہ جانے اور اُس کا خدا جانے۔ شریعت کا حکم تو اقرارِ ظاہری پر ہے، کسی کے دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہم تو اُس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے۔

پھر بدخواہ کے ساتھ خیر خواہی کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ملے گی کہ جب سلطان محمد خاں نے ملاقات کے وقت غلط فہمی اور مخالفت کی وجہ بیان کرنے کے لیے وہ محضر سامنے رکھا، جو ہندوستان سے سید صاحب کو بدنام کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، تو آپ نے وہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھیے گا، نہ کسی کو دکھایئے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ لشکر میں ہمارے اکثر غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بہتان و افترا سُن کر اگر ان بدخواہوں کے حق میں بددُعا کریں، تو عجب نہیں کہ فوراً اُن لوگوں کو نقصان پہنچ جائے، ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو اُن سے ملائے تو ہم اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

عالی ہمتی اور دریا دلی کا یہ واقعہ بھی نظر سے گزر چکا ہے کہ جب آپ نے فتح کیے ہوئے دارالسلطنت کو اپنے حریف کو واپس کر دینے کا عزم فرما لیا، تو سردارِ پشاور نے تاوانِ جنگ کے طور پر فوجی مصارف کے لیے، جو اس مہم میں پیش آئے تھے، چالیس ہزار روپے کی پیش کش کی، تو آپ نے اس کو بھی قبول نہیں فرمایا اور کسی منت اور بدل کے بغیر فتح کیا ہوا ملک واپس کر دیا۔ وقائعِ احمدی میں ہے:

> "آپ نے سردارِ موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اس کی فکر نہ کیجیے گا۔ ہم نے آپ کو معاف کیے۔ کیونکہ ہمارے پروردگار کے ہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ سے کسی طرح کا جرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے"

حیا باوجود شجاعت اور بے نظیر جرأت کے مزاج میں حیا کا مادہ بہت تھا اور یہ بھی اس ذاتِ گرامی کا ایک پرتو تھا، جس کے متعلق دیکھنے والوں کی شہادت ہے، "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ"[1]

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں: آپ کی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص جھوٹ کہتا تھا، تو آپ اس کو

---

[1] ترمذی، روایت حضرت ابوسعید خدریؓ۔ ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، جتنی کنواری لڑکی پردے میں ہوتی ہے جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی، تو چہرے پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا (زبان سے نہیں بتلاتے تھے)

جھوٹا اور دروغ گو نہیں کہتے تھے، بلکہ اس بات کو اس طرح ظاہر فرماتے تھے کہ یہ شخص کچی پیاز کھاتا ہے یعنی جھوٹ بولتا ہے۔ حاجی زین العابدین خاں رامپوریؒ فرماتے ہیں کہ ہزاروں عورتوں نے آپ سے بیعت کی۔ بعض پردہ نشین تھیں اور بعض آپ کے سامنے آجاتی تھیں، لیکن کبھی آپ کی نظر اُن پر نہیں پڑی۔ بیعت کا بھی طریقہ یہ تھا کہ آپ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لیتے تھے اور دُوسرا کنارہ وُہ تھام لیتیں اور آپ اُن کو توبہ کراتے اور احکامِ شریعت کی پابندی کا عہد لے لیتے۔

بعض مرتبہ غایتِ حیا سے خود اپنے قصُور وار اور مُجرم پر نظر نہیں کرتے تھے اور خود آپ کی نگاہیں جھک جاتی تھیں۔ سدّو خاں دُرّانی کو آپ نے خیمہ، گھوڑا اور بہت سا سامان عطا فرمایا تھا جس وقت پائندہ خاں تنولی سے لڑائی ہوئی، وہ لشکرِ اسلام سے ساز و سامان سمیت بھاگ کر تنولی کے پاس چلا گیا۔ اس کے بھاگنے کے وقت مجاہدین نے آپ سے عرض کیا کہ سدّو خاں بھاگا جارہا ہے۔ اگر حکم ہو، تو اس کو گرفتار کرلیں۔ فرمایا: دُور کرو۔ اُنھوں نے پھر عرض کیا کہ وُہ خیمہ وغیرہ بھی، جو سرکاری سامان اور آپ کا عطیّہ ہے کہ وہ جہاد میں کام آئے، نہ یہ کہ ایسے نالائق اور مُفسد لوگوں کے تصرّف میں آئے، لیے جارہا ہے۔ اگر اجازت ہو، تو چھین لیں۔ فرمایا: جانے دو۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ہم کو فتح دے گا، تو یہ سب ہمارے ہاتھ لگے گا۔ چند دنوں کے بعد تنولی سے صُلح کی درخواست ہُوئی اور مصالحت کے بعد دونوں طرف سے آمد و رفت شروع ہوگئی۔

سدّو خاں نے پھر لشکرِ اسلام میں آنے کا ارادہ کیا۔ پائندہ خاں نے اس کا سامان وغیرہ ضبط کرلیا۔ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہُوا اور اپنے ساتھیوں کے لیے بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ کھانے پینے کی جنس کی درخواست کی اور پائندہ خاں کی شکایت کرنے لگا کہ اس نے مجھے کھانا تک نہ دیا اور میرا ڈیرہ گھوڑا اسب مجھ سے زبردستی لے لیا۔ اب میرے پاس آپ کا دیا ہُوا کوئی سامان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر اُس نُچّے کے پاس کیوں گئے تھے؟ جو اُس کے ظرف میں تھا، اُس نے دیا۔ اُس نے کہا کہ میری قسمت مجھے لے گئی۔ آپ نے بڑے اخلاق سے فرمایا: جاؤ، ڈیرہ لگاؤ، خوراک اور ضروری سامان ہمارے یہاں سے ملتا رہے گا۔ جب وُہ بے حیا وہاں سے اُٹھ کر

چلا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں شرم کے مارے اس کے چہرے پر نظر بھی نہیں ڈالتا۔ یہ شخص ایسی حرکات ناشائستہ کرتا ہے، پھر انتہائی بے باکی کے ساتھ مجھ سے سامان کا مطالبہ کرتا ہے اور میرے سامنے آنے سے اس کو شرم بھی نہیں آتی۔

سینتالیسواں باب

دینی اخلاق و اُوصاف

ایذارسانی سے احتراز اور عمومی شفقت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کی کسی مخلوق کو (خواہ وُہ جانور ہی کیوں نہ ہو) ایذا دینا اور اپنے نفس کا انتقام لینا یا کسی پر غُصّہ اُتارنا اور نفس کے تقاضے سے اُس کو اذیّت پہنچانا آپ کے مسلک میں ناجائز اور آپ کی اُفتادِ طبع سے بعید تھا۔ علمائے پشاور کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے، اس میں آپ کا اپنی ذات کے متعلق یہ فرمانا بالکل حقیقتِ حال کی تصویر ہے:

> ایں فقیر کسے را بلا وجہِ شرعی یک تازیۂ ہم نہ زدہ باشد، بلکہ زدنِ سگ ہم بلا وجہ از عادات ایں فقیر نیست، ہر کہ چند روز با فقیر ملازمت کردہ باشد لابد بر ایں معنی آگاہ شدہ باشد۔

> اس فقیر نے کبھی کسی کو بلا وجہِ شرعی ایک کوڑا بھی نہ مارا ہوگا، بلکہ بلا وجہ کُتّے کو بھی مارنا اس کی عادت نہیں جس شخص کو چند دن بھی اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہُوا ہے، اُس کو ضرور اس بات کا علم ہوگا۔

(مجموعۂ خطوطِ قلمی)

متعدد واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کو ناحق تکلیف دینے اور اُن کو بھوکا پایا

رکھنے یا اُن کے ساتھ زیادتی کرنے سے آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور آپ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مولوی سید جعفر علیؒ لکھتے ہیں کہ جمال الدین نے (جو شاہ زماں کا وکیل تھا) ایک روز ایک کُتّے کے سر پہ تبر مارا۔ تبر اُس کے سر میں پیوست ہو گیا اور کُتا بھاگا۔ آپ نے جمال الدین کو بہت سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ یہ کُتا دیوانہ بھی نہ تھا کہ مار ڈالا جائے۔ تم نے یہ دیوانوں کی سی حرکت کی کہ بلاوجہ ظلم کیا۔ تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ اُس کی مخلوق کو ستاتے ہو؟ چنانچہ آپ کے فرمانے سے قاضی مدنی نے بہت دُور تک کُتّے کا پیچھا کیا اور تبر کو اُس کے سر سے نکالا۔

دوسری روایت یہ بیان کرتے ہیں کہ میاں نجم الدین راوی ہیں کہ ایک روز آپ حاضرینِ مجلس کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ یکایک ایک طرف سے ایک کُتّے کی دردناک آواز آئی۔ سُنتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فرمایا: معلوم کرو، کون ظالم ہے؟ لوگوں نے تحقیق کر کے عرض کیا کہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے اس کو بہت ملامت کی، سخت سُست کہا اور فرمایا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اب روزانہ ہمارے باورچی سے روٹی لے کر گاؤں کے سب کُتّوں کو تلاش کر کے کھلایا کرو۔

لشکر میں ایک شخص کالے خاں نامی تھے۔ سرکاری اونٹ اُن کی تحویل میں رہتے تھے کہ ضرورت کے وقت لشکر کا سامان اُن پر بار کریں۔ وہ اس شعبے کے داروغہ تھے۔ اُن کی چرائی اور دانہ پانی کے ذمّے دار تھے۔ ایک روز آپ کو اطلاع ملی کہ کالے خاں اُونٹوں کے دانے پانی کی خبر گیری میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیتے ہیں اور باربرداری میں مضبوط اور کمزور کی رعایت نہیں کرتے۔ آپ نے اُن کو طلب فرمایا، جب وہ حاضر ہوئے، تو آپ نے اُن سے غصّے سے فرمایا: "کالے خاں، خدا سے ڈرو اور ان بے زبان مخلوقات کے حق میں کوتاہی نہ کرو، ورنہ یہ اُونٹ تم کو دوزخ میں پہنچا دینگے۔ ہم نے تم کو صرف بوجھ لادنے کا ذمّہ دار نہیں بنایا ہے، بلکہ اُن کے دانے پانی کی خبر لینا بھی تمھارے ذمّے کیا ہے۔ منتقمِ حقیقی کے انتقام کا خوف کرو اور ہر وقت ان بے زبانوں کی رعایت رکھو۔ یہ تقریر سُن کر حاضرین کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور خوفِ الٰہی سب کے دلوں پر چھا گیا۔ کالے خاں

نے اُسی دن سے احتیاط کرنی شروع کر دی۔

مولوی سید جعفر علی اس عمومی شفقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شفقتِ آں جناب بر تمامی مخلوقات	آپ کو خدا کی تمام مخلوقات پر شفقت تھی
الٰہی بود حتیٰ کہ در ایامِ سرما مگس شہد پیش	یہاں تک کہ جاڑوں کے دنوں میں ایک
آں حضرت بتلاشِ روزیِ خود می پرید۔	مرتبہ شہد کی مکھی اپنی روزی کی تلاش میں
بعضے خدام را ارشاد شد کہ اندکے شہد	اُڑ رہی تھی۔ آپ نے بعض خادموں سے
برائے ایں مگس درینجا بیندازید زیرا کہ	ارشاد فرمایا کہ تھوڑا سا شہد اس مکھی کے
ایں مگسان دریں ایام چوں شہد را ذخیرہ	سامنے ڈال دو، اس لیے کہ یہ مکھیاں ان
می کنند، لاجرم گرسنہ می مانند چنانچہ	دنوں میں شہد کا ذخیرہ کرتی ہیں، اس لیے بھوکی
اندکے شہد بحکم آں جناب ریختہ شد۔	رہتی ہیں۔ چنانچہ تھوڑا سا شہد ڈال دیا گیا۔

کلمہ گو کا احترام جب آپ کا عام انسانوں، بلکہ جانوروں تک کے ساتھ شفقت و رعایت کا یہ معاملہ تھا، تو مسلمانوں کے ساتھ مراعات و لحاظ اور حفاظت و احترام کا جو رویّہ ہوگا، وہ ظاہر ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے:

"پشاور کی فتح کے بعد جب لشکرِ اسلام گڑھی امان زئی میں تھا، میر عالم خاں باجوڑی نے سید صاحبؒ کی خدمت میں اپنا ایک معتبر آدمی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لوگ احکامِ شرعی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ تشریف لائیں۔ آپ نے مشورے کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب کو سو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ حضرات موضع خہر میں پہنچے تو ان اطراف کے رہنے والوں نے ایکا کر کے اس موضع کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شور و غوغا بلند کرنے لگے۔ مولانا نے فرمایا کہ تم قوم رانئے زئی کے لوگ تو ہمارے دوستوں میں سے ہو، ہم سے تمھارے حق میں کون سا قصور ہوا کہ ہم سے جنگ کرنے کے لیے تم سب اکٹھے ہو گئے؟

بڑی پرسش و جُو اور تحقیق و استفسار کے بعد بعض لوگوں نے جواب دیا کہ آپ چُونکہ عالم خاں کے پاس جا رہے ہیں، جب آپ وہاں پہنچیں گے، تو وہ بھی آپ کی حمایت و رفاقت اختیار کرے گا اور آپ مُلکِ سمہ کی طرح ہمارے مُلک میں بھی قانونِ شرعی جاری کر دیں گے اور یہ ہم پر بہت شاق ہے۔ ہم حُکمِ شرعی کے قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مولانا کو جب اُن کا یہ جواب ملا، تو آپ نے کہلایا کہ تم مسلمان اور مسلمانوں کی اولاد ہو۔ کسی مسلمان کو حُکمِ شرعی کا انکار جائز نہیں۔ اگر ہم سے کچھ کمی زیادتی ہو، تو مناسب یہ ہے کہ تمھارے مُلّا کتاب سامنے رکھ کر ہم سے گفتگو کر لیں اور افراط و تفریط کو دُور کر کے ہم کو راہِ راست پر لے آئیں۔ اُنھوں نے یہ جواب سُن کر کہا کہ مُلّا سب تمھاری طرف ہیں، اور تم خُود بھی کتاب سے زائد کوئی بات نہیں کرتے، لیکن صاف بات یہ ہے کہ ہم کو کسی طرح شرع کی فرمانبرداری منظور نہیں ہے۔ اگر اس مُلک میں تمھارا عمل دخل ہو جائیگا تو ہم مُلک چھوڑ کر کہیں کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ اپنے افغانی طور و طریق اور قانون کے مطابق زندگی گزاریں اور شرعِ محمّدی کی پابندیوں سے ہماری زندگی تنگ نہ ہو۔

یہ جواب سُن کر مولانا کو سخت غصّہ آیا اور فرمایا کہ ابتدا ءِ سنِ شعور سے اس وقت تک ایسے کلمہ گو نہیں دیکھے کہ اسلام کے دعوے کے باوجود خود اپنے اُوپر کُفر کی شہادت دیتے ہیں اور شریعت کے انکار میں ان کو ذرا حیا نہیں آتی۔ حضرت امیر المومنین کا حُکم تم سے جنگ کرنے کا نہیں ہے، ورنہ تمھارے اس انبوہ کو بکریوں کے گلّے کی طرح متفرق کر دیتے۔ ہمارا قصد چونکہ باجوڑ کی جانب ہے اور تم سدِّ راہ ہوئے ہو، اس لیے ہم لشکرِ اسلام کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے امیر اور امام (سید صاحب) کا حُکم تمھارے بارے میں آجائے۔

فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۔ (الاعراف: ۷۱)

لوندخور سے آپ نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں تمام حالات لکھ کر کمک اور شاہین طلب فرمائی۔ سیّد صاحبؒ نے مولانا کو جو جواب دیا، وہ مولوی سیّد جعفر علی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

مولانا، ایں قوم آخر مسلمانانند و ما مدتے
درمیانِ ایشان اقامت داشتہ ایم۔
ایں وقت بسببِ جہل و عادتِ قوم
ایں چنیں کلماتِ کفر بر زبانہاے
ناپاک شاں برآمد۔ من خطوط بنامِ ہر یکے
بشکایت ایں حرکاتِ نا ملائم می نویسم۔
چہ عجب کہ براہ آیند و اگر ایں وقت
نخواہند آمد، آئندہ را امید است و
الّا ذاتِ قوی و عزیز مالکِ خود رجا
می داریم کہ بعد ایں قدر امہال بسزاے
شدید آنہا را خواہد رسانید وَ اُمْلِيْ
لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف: ۱۸۳)
شانِ اوست۔

مولانا، یہ لوگ آخر مسلمان ہیں اور ہم
عرصے تک اُن کے درمیان رہ چکے ہیں۔
اس وقت جہالت اور قومی عادات کے
سبب سے ایسے کلماتِ کفر ان کی ناپاک زبانوں
سے نکلے ہیں۔ میں (اُن کے سرداروں
میں سے) ہر ایک کے نام اس حرکت
ناشائستہ کی شکایت کے خطوط لکھوں گا،
کیا عجب کہ یہ راہِ راست پر آجائیں اگر
اس وقت نہیں آئیں گے، تو آئندہ امید
ہے، ورنہ اپنے مالک ذوالجلال سے جو
قوی اور غالب ہے، امید رکھتا ہوں کہ اتنی
مہلت کے بعد ان کو سخت سزا دے گا۔
وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (اور اُن کو
ڈھیل دیے جاتا ہوں۔ بیشک میرا داؤ پکا ہے) اُس کی شان ہے“

مسلمانوں کے درمیان مصالحت کلمہ اور کلمہ گو کے احترام ہی کا یہ تتمہ اور تکملہ ہے کہ آپ کے نزدیک ابتدا ہی سے مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی بیحد اہمیت تھی۔ مندرجۂ ذیل واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے:

”محسن خاں بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دن تھے۔ آپ نے ایک روز فرمایا کہ آج

روزہ ٹھنڈے کنوئیں پر کھولیں گے، جو تکیے سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔ سب تیار رہیں جب روانگی کا سامان اور افطاری کی تیاری ہو گئی، تو رائے بریلی سے اطلاع آئی کہ فلاں فلاں مسلمانوں کے درمیان جنگ درپیش ہے اور عجب نہیں کہ تلوار بندوق کی نوبت آ جائے۔ آپ نے یہ سُن کر مُحسن خاں، شیخ لطافت بھمور خاں، ابراہیم خاں، امام خاں وغیرہ دس آدمیوں سے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم کو اس وقت پیاس کی شدت ہوگی اور اب یہ شدت بڑھتی ہی جائے گی، لیکن کیا کیا جائے کہ بغیر ان مشقتوں کے برداشت کیے ہُوئے مراتب کمال تک پہنچنا میسر نہیں آتا چونکہ دو مسلمانوں کے درمیان کُشت و خون کی نوبت آگئی ہے، تم دَوڑ کر جاؤ اور فریقین کے درمیان اپنے کو ڈال دو اور کہو کہ جو دوسرے کے قتل کے درپے ہے، وہ پہلے ہم کو قتل کر دے۔ چُونکہ یہ رمضان کے دن ہیں اور آپ روزے سے ہیں، اس لیے آپ اس اکبر الکبائر کے مرتکب انشاء اللہ نہیں ہونگے۔ کل سید صاحب کے پاس چل کر اپنے جھگڑے کا تصفیہ کرا لیجیے گا۔ آپ نے محسن خاں سے فرمایا کہ چونکہ تمھارے ماموں کا مکان قریب ہے، وہیں افطار کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آجانا۔

وُہ سب دَوڑتے ہُوئے گئے۔ مُحسن خاں ایک فریق کی طرف دَوڑے اور شیخ لطافت نے دُوسرے فریق کا رُخ کیا اور آٹھوں آدمی فریقین کے درمیان کھڑے ہو گئے اور دونوں کو مصالحت پر راضی کر لیا۔ افطار کے وقت مُحسن خاں کے ماموں کے گھر سے افطاری آئی۔ افطار اور نمازِ مغرب کے بعد سب تکیے واپس ہُوئے۔ اس کے بعد یہ قضیہ بھی طے ہو گیا۔"[1]

ناظرین کو یاد ہوگا کہ آپ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی خاطر ڈیڑھ مہینے تک کابل میں مقیم رہے اور سرداران کابل کے درمیان، جو ایک باپ کی اولاد تھے، لیکن آپس میں سخت اختلاف اور رسہ کشی تھی، صُلح کی کوشش کرتے رہے۔ ڈیڑھ مہینے کی لگاتار کوشش کے بعد جب آپ نے کامیابی نہ دیکھی، تو پشاور کا قصد فرمایا۔

---

[1] منظورۃ السعداء

رُفقاء پر شفقت رفقاء اور دین کے راستے میں ساتھ دینے والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ اس حکمِ الٰہی کی تعمیل اور اس آیت کی تفسیر تھی:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ	ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶ : ۲۱۵)	جو اہلِ ایمان میں سے آپ کی راہ پر چلیں،

آپ کو اُن کے حال پر جو شفقت و عنایت تھی، اُس نے ماں باپ کی شفقت کو بھلا دیا تھا۔ مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں:

وفورِ شفقت بر غازیانِ دیندار آنچناں	دیندار مجاہدین کے حال پر آپ کی شفقت
بود کہ ہر کس از ایشاں جنابِ ممدوح را	کا یہ حال تھا کہ اُن میں سے ہر ایک آپ کو
زائد از پدر و مادرِ خود می دانست۔	اپنے ماں باپ سے زیادہ سمجھتا تھا۔

اس شفقت و تعلق کا یہ اثر تھا کہ رُفقاء و خُدام آپ کے ہوتے ہوئے ہشّاش بشّاش رہتے تھے، بڑے سے بڑا صدمہ بنسی خوشی برداشت کر لیتے تھے اور اپنے میں قوّت محسوس کرتے تھے لیکن آپ کی جُدائی میں اُن کو ایسا خلا محسوس ہوتا تھا، جو کسی چیز سے پُر نہیں ہو سکتا تھا۔ بالاکوٹ کے راستے میں ایک مخلص نے اس کیفیت کو ان لفظوں میں بیان کیا، جو پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں:

> "ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے ہیں، تب ہی تک سب طرح کی تسکین اور دلجمعی ہوتی ہے اور اپنے حوصلے کے موافق عبادت بھی کر سکتے ہیں اور دُعا بھی کر سکتے ہیں جب ہم آپ کی صحبت سے جدا ہو جاتے ہیں، اس وقت ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا، نہ عبادت نہ دُعا، اور پریشانی اور پراگندگی طبیعت پر چھا جاتی ہے۔ جب آپ کی جُدائی میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو، پھر بھلا ہم کیونکر آپ کو چھوڑ دیں، اگر آپ قضاءِ حاجت کو تشریف لے جاتے ہیں اور دو چار گھڑی آپ ہم سے غائب رہتے ہیں، اس عرصۂ قلیل میں ہم لوگ آپ کے فراق میں بے صبر اور بیتاب ہو جاتے ہیں۔ جب آپ تشریف لاتے ہیں اور آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں، اُس وقت دل کو چین اور آرام ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] وقائع احمدی، ج ۳

آپ اپنے ساتھیوں کو اس محبت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ایسے محبت و قدر دانی کے الفاظ فرماتے کہ ان کا غم و فکر اور تکان دُور ہو جاتی، وُہ تازہ دم ہو جاتے اور آپ کے اخلاق پر فریفتہ اور راہِ خدا میں جان دینے کے لیے سَو جان سے تیار ہو جاتے۔ پنجتار میں ایک مرتبہ آپ نے اپنے نئے پُرانے ساتھیوں کے سامنے فرمایا:

"یہ ہمارے سب مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش و تبار، ناموس و نام، عیش و آرام ترک کر کے محض اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے آئے۔ ہمارے لیے گوہرِ نایاب اور لعلِ بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں، بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔"[1]

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ جب میں اپنے رُفقا کے ساتھ امب میں حاضرِ خدمت ہُوا، تو حضرتؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ

ہمراہیانِ شما مردمِ سیاہ سیاہ رنگ اند،	تمھارے ساتھی کالے کالے لوگ ہیں لیکن
ہمہ جواہر اند۔[2]	ہیں جواہرات۔

مساوات باوجود اس کے کہ سب رُفقا، و خدّام آپ کی ہر خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ سید صاحبؒ امتیاز و مشیخت پسند نہیں کرتے تھے۔ ہر کام میں مجاہدین اور رُفقا کے شریکِ حال رہتے، مشقّت اور مجاہدے کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ تنگی اور کشائش، فقر و فاقہ، ہر حال میں اُن کے شریک رہتے اور اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے۔ پچھلے صفحات میں پنجتار کے حالات میں گزر چکا ہے کہ آپ کے باورچی خانے کا ایندھن ختم ہو جاتا، تو آپ کلہاڑیاں لے کر جنگل چلے جاتے۔ لشکر میں خبر ہوتی کہ آپ لکڑیاں لینے گئے ہیں، تو اکثر آدمی لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے۔ آپ لکڑیاں کاٹنا شروع کرتے، تو آٹھ آٹھ آدمی آپ کے ساتھ کاٹتے کاٹتے تھک جاتے اور آپ اکیلے نہ تھکتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے مسجد میں سنگریزوں کی شکایت کی۔ آپ اگلے دن گھاس چھیلنے تشریف لے گئے۔ گھاس چھیل کر

---

[1] وقائع احمدی ج ۲ [2] منظورۃ السعداء

ہوئے اور مسجد میں بچھا دی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمے میں دھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درانتیاں جمع کر دینا۔ صبح کو اٹھ کر آپ تشریف لے گئے اور بڑے انتظام سے خوبصورت لکڑی دار جھونپڑے بنا دیے جس کی وجہ سے بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے۔

آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ رُفقاء و اہلِ لشکر، جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، کسی موقع پر فاقے سے رہیں اور آپ کھانا تناول فرمائیں۔

مقام سیچنی میں ایک روز شام تک غلّے کا انتظام نہ ہو سکا۔ باورچیوں نے آپ کے لیے آدھ سیر کے بقدر کھانا تیار کر لیا۔ جب آپ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ آپ کے لیے کھانا تیار ہے، فرمایا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ میں تنہا کھاؤں اور تمام لشکر فاقے سے رہے؟ مخلصین نے عرض کیا کہ یہ آدھ سیر کھانا، جو تیار ہے، سارے لشکر کے لیے تو کافی نہیں ہے، اِسے ہم کس کو کھلائیں؟ فرمایا: جس کا جی چاہے، کھا لے، لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں تنہا کھا لوں اور تمام مسلمان فاقے سے رہیں۔ غرض، وہ کھانا اسی طرح سے رکھا رہا۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد غلّے کا انتظام کرنے والے خبر لائے کہ لشکر کے لیے غلّہ آ رہا ہے۔ مولوی عبدالوہاب صاحب قاسمِ غلّہ نے عرض کیا کہ وہ کھانا تیار ہے۔ آپ نوش فرما لیں۔ فرمایا: یہ غلّہ تمام لشکر کے لیے کافی ہو جائے گا؟ مولوی صاحب نے عرض کیا: ضرورت بھر کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

ایک مرتبہ مُلکِ سمہ سے ہجرت کے زمانے میں آپ پہاڑ سے گزر کر تاکوٹ ابھی نہیں پہنچے تھے کہ عصر کے وقت ایک شخص دریا عبور کر کے گھی لگی ہوئی دو روٹیاں لے کر آیا اور آپ کو پیش کیں۔ آپ گھوڑے کی پیٹھ پر تھے۔ آپ نے وہ روٹیاں لے لیں۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ خالص آپ کے لیے لایا ہوں۔ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اس وقت مجھے بھوک بھی تھی۔ گھوڑے کے اُوپر بیٹھے بیٹھے تقریباً آدھی روٹی تناول فرمائی اور اپنی عادت کے مطابق آدھی دوسرے کو عنایت فرما دی:

نیم نانے گر خُورد مردِ خُدا   بذلِ درویشاں کند نیمے دگر

آپ کو گفتگو اور خطاب میں بھی کوئی ایسا لفظ اور عبارت پسند نہ تھی، جس سے تفوّق اور

بالاتری کا اظہار ہوتا ہو۔ اکثر ساتھیوں اور خدام کو خان بھائی، سید بھائی کے الفاظ سے مخاطب فرماتے۔

پیر خاں مورانوی آپ کی طرف سے کھبل کے ناظم تھے۔ اُن کے نام آپ کی طرف سے جو خطوط جاتے تھے، آپ کے منشی اُن کو اس طرح خطاب کرتے تھے: "از امیر المومنین مطالعۂ اخلاص نشان پیر خاں سلمہ اللہ تعالیٰ، بعد از سلام مسنون و دعاء اجابت مقرون واضح آں کہ" الخ۔ ایک روز آپ نے اخلاص نشان کے جملے پر منشی صاحب سے فرمایا کہ بھائی انصاری، اُمراء و رؤساء زمانہ کے منشی اکثر اُن کے نوکروں کو اخلاص نشان کے لقب سے خطاب کرتے ہیں مجھے اس سے کراہت آتی ہے کہ سرداروں کو نوکروں کے الفاظ سے خطاب کیا جائے۔ حقیقت میں یہ سب بھائی ہیں، جن کو ایسا لکھا جاتا ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ اخلاص نشان ہونا ہمارے لیے سعادت دارین ہے، لیکن آج سے برادر اخلاص نشان لکھا کروں گا۔ چنانچہ اس روز سے یہی معمول ہو گیا۔

اپنے علاوہ اپنے متعلقین کے لیے بھی آپ اہل لشکر کے متعلقین کے مقابلے میں کوئی خصوصیت اور امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ بالاکوٹ کی روانگی کے دوران میں ایک روز ارباب بہرام خاں کی خواتین نے یابو کی سواری پر بیٹھنے سے انکار کیا اور کہنے لگیں: حضرت امیر المومنین نے اپنی اہلیہ کو تو پالکی پر سوار کرایا ہے، ہمارے لیے پالکی کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ آپ ایک فرلانگ آگے جا چکے ہوں گے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ ارباب صاحب نے ابھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ کوچ نہیں کیا۔ اُن کے متعلقین یابو کی سواری سے عذر کرتے ہیں۔ آپ نے یہ سنتے ہی پانچ روپے ارباب صاحب کو بھیجے اور فرمایا کہ میری جانب سے ارباب صاحب سے کہہ دینا کہ میں آپ کو مومن سمجھتا ہوں اور اہل ایمان کی خوشامد و خاطرداری ضروری نہیں سمجھتا، اس لیے کہ یقین رکھتا ہوں کہ اہل ایمان اس عبادت عظمیٰ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے تعلق سے میری رفاقت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے۔ البتہ منافقوں کی خاطرداری اور دلجوئی اُن کے ایمان کی طمع میں بہت کرتا ہوں اور اس کا حکم بھی ہے۔ میں اپنی بیوی کو اُن کی بیویوں پر کسی امر میں بھی فوقیت نہیں دیتا، لیکن اہلیہ کے لیے یہ سواری "پالکی" اس مجبوری سے اختیار کی ہے کہ اُن کو اُمید ہے اور شرعی قاعدے کے مطابق اُن کی رعایت اس وقت ضروری ہے۔ اگر یہ عذر نہ ہوتا، تو دوسری عورتوں کو اگر سواری

کے لیے یابُو دیا ہے، تو اُن کو کسی گدھے پر سوار کرنے میں مجھے تامّل نہ ہوتا۔ اگر یہی عُذر ارباب بہرام صاحب کی بیویوں میں سے بھی کسی کو ہو، تو اس روپے سے اس کا انتظام کر لیا جائے۔

حمیتِ شرعی اور غیرتِ دینی حیا اور انتہائی مروّت و لحاظ کے باوجود شریعت کے معاملے میں آپ انتہائی غیور اور حسّاس تھے اور دینی حمیت و غیرت کا یہی جوہر ہے، جس نے آپ کو اسلام کی حمایت و نُصرتِ بےکس مسلمانوں کی امداد اور جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کیا اور آپ وعظ و تبلیغ اور سلوک و ارشاد پر قانع نہ رہ سکے اور بالآخر اسی راہ میں آپ نے جان دے دی۔

عُلماءِ پشاور کے نام آپ نے جو طویل مکتوب تحریر فرمایا ہے، اس میں اپنے دلی جذبے اور فطری حمیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اس بات کی تردید کرنے کے بعد کہ مسلمانوں کے جان و مال پر بلا وجہ شرعی دست درازی کی جاتی ہے اور یہ محض افترا و بہتان ہے، لکھتے ہیں:

فاما آنچہ سرزنش و گوشمالیٔ مُلکِ جبّار از دستِ ایں ذرّۂ بے مقدار بہ بعضے از مرتدینِ اشرار و مُنافقینِ بدشعار رسید پس آں را از اعاظمِ سعاداتِ خود می شمارم و اقویٰ علاماتِ مقبولیتِ خود می انگارم، بلکہ غیرت در اہانتِ دین و رغبت باہانتِ معاندین از لوازمِ ایمان است۔ ہر کہ غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی نمی دارد، فی الحقیقت ایمان ندارد۔	باقی اللہ نے اس ناچیز کے ذریعے بعض منافقین مُرتدین کو جو سرزنش اور گوشمالی فرمائی ہے، اس کو مَیں اپنی انتہائی سعادت اور اللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اہانتِ دین میں غیرت اور معاندین کی اہانت و تذلیل کا شوق ایمان کے لوازم میں سے ہے جس میں غیرتِ ایمانی نہیں، حقیقت میں ایمان سے عاری ہے۔
آیۂ کریمۂ تبارک و تعالیٰ: يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو، تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا (تو اللہ کو کچھ پروا نہیں)، وہ عنقریب ایسے لوگوں

وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ
لَآئِمٍ۔ (المائدہ: ۵۴)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يٰۤاَيُّهَا
النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ
وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ

کو لے آئے گا، جو مومنین کے حق میں نرم
ہوں گے، کافروں کے حق میں سخت، اللہ
کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت
کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔
اور فرمایا: اے نبیؐ، کفار و منافقین
سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا
ٹھکانا جہنم ہے۔ (التوبہ: ۷۳)

سید صاحبؒ کی ساری جد و جہد کا محرّک اور سبب اصلی یہی اسلامی حمیّت و غیرت ہے، جو ہندوستان پر کفر کے تسلّط اور اسلام کے زوال کو دیکھ کر حرکت میں آئی اور اس نے کبھی آپ کو سکون سے بیٹھنے اور دنیا کا کوئی اور کام کرنے کی اجازت نہیں دی۔ شاہ سلیمان کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے، اس میں اس حقیقت کو بہت کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قضا را از مدّت چند سال حکومت و
سلطنت این ملک بریں عنوان گردیدہ
کہ نصارائے نکوہیدہ خصال و مشرکین بدمآل
بر اکثر بلادِ ہند استیلا یافتند و آں دیار
را بظلمات ظلم و بیداد مشحون ساختند و
دراں بلاد و امصار رسومِ کفر و شرک
اشتہار یافتہ شعائرِ اسلام را رو بانتفا
آوردہ۔ ناگزیر سینۂ بے کینہ بمعاینۂ
این حال پُر از رنج و ملال بُود، بشوقِ
ہجرت مالامال، غیرتِ ایمانی بدل در جوش

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی
حکومت و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ
عیسائی اور ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر
حصّے پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم و بیداد
شروع کر دی ہے، کفر و شرک کا غلبہ ہو
گیا ہے اور شعائرِ اسلام اٹھ گئے۔ یہ حال
دیکھ کر ان لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ ہجرت کا
شوق دامن گیر ہوا، دل میں غیرتِ ایمانی
اور سر میں جہاد کا جوش و خروش
ہے۔

بُرد و اقامتِ جہاد بسرِ خروش۔ (مکتوباتِ قلمی)

نواب وزیر الدولہ مرحوم آپ کی اِس دینی فکر مندی کا تذکرہ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

> "آپ فنا فی الدین تھے۔ اس کے سوا آپ کو کوئی اور فکر اور کوئی ذوق نہ تھا۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اسی کا خیال رہتا۔ آپ کی گفتگو میں اسی کی سربلندی اور اسی کی ترقی کا ذکر رہتا۔ آپ کے ہر کام، آپ کی تمام کوششوں، جنگ اور فوج کشی کا مقصد یہی تھا۔"

یہ حمیتِ دینی محض مخالفین اور دشمنانِ اسلام ہی کے مقابلے میں نہیں تھی، بلکہ اگر کسی قریب ترین رفیق اور عزیز ترین دوست کی زبان سے بھی کوئی کلمہ ایسا نکل جاتا جس سے شریعت کی تحقیر یا جنابِ الٰہی میں بے ادبی کا پہلو نکلتا، تو آپ کی یہ حمیت جوش میں آجاتی اور آپ غایتِ حیا اور انتہاءِ مروّت کے باوجود ضبط نہ فرما سکتے۔

سفرِ حج سے واپسی پر راستے میں مولوی سیّد کرامت علی بہاری کا الٰہ آباد سے خط آیا۔ سیّد عبدالرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ آپ نے وُہ خط پڑھنے کے لیے مجھے دیا۔ اس میں القاب و آداب کے بعد یہ لکھا ہُوا تھا کہ جنابِ والا کا سرفراز نامہ اس طرح شرفِ صُدور لایا، جیسے آسمان سے وحی۔ ابھی میں یہیں تک پہنچا تھا کہ ان لفظوں کو سُنتے ہی آپ نے خط میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کو پھاڑ کر بتی بتی کر دیا۔ آپ کو خط کے ایسے بُرے عنوان سے بڑا رنج پہنچا، پیشانی پر سخت غصّہ اور غضب کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ شیخ محمد خیر آبادی راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ کم از کم خط کا مضمون تو معلوم ہو جاتا۔ فرمایا کہ جس خط کا عنوان بارگاہِ الٰہی میں ایسی گستاخی اور بے ادبی ہو، اُس کا مضمون کیا دیکھا جائے؟ خود کو تو پیغمبر ٹھیرایا اور مجھے نعوذُ باللہ خدا ہی بنا دیا! مولوی کرامت علی صاحب کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہُوئی، تو بڑے پشیمان اور خوف زدہ ہُوئے، لیکن جب وہ حاضر ہُوئے، تو آپ نے پہلے سے بھی زیادہ شفقت کا برتاؤ کیا۔[1]

---

[1] منظورۃ السعداء

اِتّباع سید صاحبؒ کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر اور امتیاز اتباع ہے، یعنی، فوائد و مصالح، نفع و نقصان، نیکنامی و بدنامی سے بالکل قطع نظر کر کے حُکمِ شرعی کی پیروی اور رضائے الٰہی کے درپے ہونا اور صرف اسی سے غرض رکھنا۔ یہ وُہ چیز ہے، جو اس اُمّت کے کاملین و مُخلصین کو خالص اہلِ سیاست اور موقع پرستوں ہی سے ممتاز نہیں کرتی، بلکہ ان متوسط درجے کے اہلِ اطاعت و اتباع سے بھی ممتاز کرتی ہے، جو اتّباع کے ایسے نازک امتحان میں مصالح و منافع کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں عقل کے بھی پَر جلتے ہیں، بڑے بڑے وفادار رفیق پیچھے رہ جاتے ہیں، دُور اندیشی اور عاقبت شناسی دانتوں میں اُنگلیاں دیتی ہے اور ہر شخص تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتا ہے، لیکن صاحبِ یقین اور مُتّبعِ کامل، جس کے سامنے صرف احکامِ الٰہی اور فرائضِ عبودیت ہوتے ہیں، اپنا کام کیے جاتا ہے۔ وُہ اس موقع پر بڑے سے بڑے نقصان کو گوارا کرتا ہے، حکمِ الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کی اُمید میں مُلک کے ہاتھ سے نکل جانے کو مُلک کے فتح ہو جانے سے زیادہ نفع بخش سودا سمجھتا ہے۔ یہ اِتّباع کی وُہ شان ہے کہ حُدیبیہ کی صُلح میں، جب صحابۂ کرامؓ میں بھی جلیل القدر ہستیوں کو اپنی ذلّت اور کمزوری اور شرائطِ صُلح کے سخت ہونے کا احساس ہو رہا تھا، تو ابوبکر صدیقؓ حضرتِ عُمرؓ سے یہ فرما رہے تھے: "آپ کی رکاب تھام لو۔ یہ یقینی بات ہے کہ وُہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔" یہی مقامِ صِدّیقیت تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سارے عرب میں ارتداد کی آگ پھیل جاتی ہے اور قبائل یکے بعد دیگرے خزاں کے پتّوں اور تسبیح کے دانوں کی طرح اسلام سے نکلتے جاتے ہیں اور بعض صحابہؓ کے اپنے الفاظ میں "مسلمانوں کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے، جیسے بارش کی رات میں بھیڑوں کی کہ وُہ اپنے باڑے میں دبک جاتی ہیں اور سردی سے ٹھٹھرنے لگتی ہیں۔" مدینہ حملہ آوروں کی طرف سے ہر وقت خطرے میں ہے، اُس وقت حضرت ابوبکرؓ حضرت اُسامہؓ کا لشکر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لیے تیار کیا تھا، روانہ کر دینے پر مُصر ہیں۔ اس لشکر میں مُہاجرین و انصار کے بڑے بڑے سردار اور میدانِ جنگ کے آزمودہ کار سپاہی ہیں، خود حضرت عُمرؓ بھی اس لشکر میں ہیں، یہ اُس وقت کے مسلمانوں کی فوجی طاقت کا کُل سرمایہ تھا۔ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ اس وقت اس لشکر کا مدینہ سے باہر جانا

کسی طرح مناسب نہیں، حملہ آوروں اور دشمنوں کی نگاہیں مدینے پر ہیں۔ اس لشکر کے کُوچ کرتے ہی مدینے پر حملہ ہو جائے گا۔ اس مشورے میں مدینے کے تمام عُقلاء شریک تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا منشاء پُورا کرنا اور آپ کے ارادے کو عمل میں لانا ہی سب سے بڑی عقلمندی اور سیاست تھی۔ آپ صاف جواب دیتے ہیں کہ قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی، جس کے قبضے میں ابوبکرؓ کی جان ہے، اگر مجھے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ جنگل کے درندے مجھے اُٹھا لے جائیں گے تب بھی میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا منشاءِ مُبارک پورا کروں گا اور اُسامہؓ کا لشکر بھیج کر رہوں گا۔

یہی اتّباع، خلافتِ راشدہ کی رُوح ہے اور یہی وُہ پہلو ہے، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافتوں میں پُورے طور پر مُشترک ہے۔ ایک نے فتوحات کی حالت اور اسلام کے اقبال و ترقّی کے دَوران میں اتّباع کا حق ادا کیا اور خلافتِ نبوّت کا شاندار نمونہ پیش کیا، دُوسرے نے انتہائی فتنوں اور آزمائشوں اور اپنی خلافت کے پُرآشوب دَور میں نبوّت کی جانشینی کا حق ادا کر کے دکھلا دیا اور خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے معیار سے بال برابر ہٹنا اور اپنے اُصول میں ذرّہ برابر ترمیم اور ادنیٰ لچک پیدا کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ بیت المال کی آمد و خرچ کے معاملے میں، عُمّال و حُکّام کے عزل و نصب میں وہ اسی پُل صراط پر قائم رہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ یہ کام مؤرّخ کا ہے کہ وُہ صدّیقی اور علَوی دَورِ خلافت کی تفصیلات مُرتّب کرے اور اُن کے اسباب و نتائج سے بحث کرے۔ گہری نظر رکھنے والے کی نگاہ میں اصل چیز "اتّباع" ہے اور اس لحاظ سے اس کو حضرت علیؓ کی خلافت درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا طبعی اِستداد و تسلسُل نظر آئے گا اور دونوں میں بُنیاد، رُوح اور مزاج کا کوئی فرق نہیں محسُوس ہوگا۔

سیّد صاحبؒ کی تاریخ میں جو مقام سب سے زیادہ نازک پیش آتا ہے، جس کی توجیہ میں بڑی سی بڑی عقیدتمندی کو بھی دُشواری محسُوس ہوتی ہے، وُہ پشاور فتح کرنے کے بعد سلطان محمّد خاں کے حوالے کر دینے کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر خود آپ کے لشکر کے اہلِ اخلاص بھی سخت کشمکش میں تھے ایک طرف آپ پر اعتماد اور آپ کی اطاعت کا معاملہ تھا، دُوسری طرف ایک ایسے ناقابلِ اعتماد اور بار بار کے

آزمودہ دشمن اور بداندیش کو دارالسلطنت حوالے کر دینے کا مسئلہ تھا، جس نے زک پہنچانے اور مجاہدین کا استیصال کرنے میں کوئی دقیقہ کبھی اُٹھا نہیں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ موقع بڑے بڑے راسخ عقیدت لوگوں کے لیے بھی بڑا نازک اور صبر آزما تھا، اور اب بھی ایک پُرجوش مؤرخ اور عقیدت مند سوانح نگار یہاں پہنچ کر ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے کا سمجھنا بہت دُشوار بھی ہے اور نہایت آسان بھی۔ دُنیا میں ہر قُفل کی ایک کُنجی ہے۔ اس کُنجی سے اس قفل کا کُھلنا نہایت آسان ہے اور اس کُنجی کے بغیر اس کا کُھلنا نہایت دُشوار۔ اس مسئلے کی بھی ایک کُنجی ہے، جس سے وہ بآسانی حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کُنجی ہاتھ نہ آئے تو یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے۔

اس واقعہ کی کُنجی آپ کی اس تقریر میں موجود ہے، جو آپ نے ارباب بہرام خاں کی گفتگو کے جواب میں فرمائی ہے۔ آپ پچھلے صفحات میں اس کو پھر ایک بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ اس میں کونسی رُوح اور کونسا جذبہ کام کر رہا ہے اور اس فعل کا اصلی مُحرّک کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس ٹکڑے پر غور کیجیے:

> ”تم سب خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں اور آشناؤں سے مُنہ موڑ کر صرف اس لیے آئے ہیں کہ وہ کام کریں، جس میں پروردگار کی رضامندی و خوشنودی ہو، مخلوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں۔ خوش ہوں گے تو کیا بنائیں گے اور ناخوش ہوں گے، تو کیا بگاڑیں گے؟ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ مُلک گیری اور دُنیا طلبی کے لیے آئے ہیں۔ یہ اُن کا خیالِ خام ہے۔ وہ دینِ اسلام سے واقف نہیں ہیں..... اور جو سمہ کے خوانین بھائی اُن کے ظلم و تعدی کا شکوہ اور اپنی بے عزتی خانہ ویرانی اور زیر باری کا قصّہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے۔ اس بات کو [illegible] کہ ہمیشہ سے کافر و باغی اور مُنافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدی اور مکاری کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام مقابلے میں آ جاتا ہے، اس وقت سب بغض و عداوت کو اپنے دل سے دُور کر دیتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے اور اُن کے

ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں، جس میں پروردگار کی رضامندی اور اُس کے فرمان کی تعمیل ہے، اگرچہ نفس و ابناء زمانہ کے مخالف ہو مسلمانی اور دینداری و خداپرستی اس کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دُنیاداری ہے۔ اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے، تو یہ بات شُکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے، اس لیے کہ وُہ سب بھائی اپنی دلی مُراد کو پہنچے۔ وہ اسی مطلب کے حصُول کے لیے یہ تمام تکالیف و مصائب اُٹھا کر اتنی دُور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں سو وُہی انھوں نے کیا۔ اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دُنیادار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

پھر آگے چل کر اسی بات کو مزید وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ

"ہم کو صرف اللہ کی رضا اور اُس کے حُکم کی تعمیل منظور ہے، نفع و نقصان سے کوئی بحث نہیں۔ اس معاملے میں سلطنت آنے جانے کی بھی پروا نہیں،

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو، تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لیے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت دُرّانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لیے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہیے۔ جس میں وُہ راضی ہوگا، ہم کریں گے۔ اس میں چاہے تمام جہان ناخوش ہو، کچھ پروا نہیں۔ اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو، تو اس کی رضامندی سب کچھ ہے"

آپ کے پیشِ نظر صرف یہ بات ہے کہ ایک شخص جب تائب ہوتا ہے، خدا کا نام بیچ میں لاتا ہے احکامِ شرعی کے نفاذ اور اُنھیں مقاصد کے اجرا کا عہد کرتا ہے، جو اس ساری جدّ و جُہد اور جہاد و قتال کا

متحرک ہیں، تو کس بنیاد پر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا جائے اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح دی جائے؟ پھر ایک نفسانی جنگ اور خود غرضانہ جدّ و جُہد اور جہاد فی سبیل اللہ میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں:

> "اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ سردار سلطان محمّد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہو گیا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اُس نے قبول کر لیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا و رسُولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا۔ میری خطا للّٰہ معاف کرو۔ اگر یہ کام نفاق اور دغا بازی سے کرتا ہے، تو وہ جانے، اس کا خدا جانے۔ شریعت کا حکم تو اقرار ظاہری پر ہے، کسی کے دل کے حال پر نہیں، دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ ہم تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے۔ اس میں چاہے کوئی راضی ہو، چاہے ناراض ہو۔ اب ہم جو اُس کا عُذر نہ مانیں، تو اس پر ہمارے پاس کون سی دلیل اور حُجّت ہے؟ اگر کوئی دیندار، خدا پرست عالم کسی دلیل شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو، تو ہم منظور کر لیں گے۔ اس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خدا اور رسُول کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں۔

اس تقریر کا جو اتباع و بے نفسی اور للّٰہیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی اور دل کی گہرائی سے نکلی تھی، سامعین پر ایسا اثر ہوا کہ حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ

> جس وقت سید صاحب یہ تقریر فرما رہے تھے، اس وقت رحمتِ الٰہی کا عجب نزول ہو رہا تھا۔ ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں کے روتے روتے ہچکیاں لگ گئی تھیں اور وہ عالمِ سکوت میں بیہوش و خود فراموش تھے۔"

جب آپ خاموش ہو گئے، تب ارباب بہرام خاں نے عرض کیا کہ حضرت، جو کچھ آپ نے فرمایا، حق اور بجا ہے۔ خدا و رسُولؐ کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دُنیاداروں اور

نفس پرستوں کو کیا خبر ہے؟ ہم نے اس وقت جانا کہ دینِ اسلام اس کو کہتے ہیں اور خدا و رسولؐ کی اطاعت اس کا نام ہے اور جو خیال اس کے خلاف میرے دل میں تھا، اس سے میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور از سرِنو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور آپ میرے لیے دعا کریں۔

ایک مُلک گیر اور فاتح اور ایک فرماں بردار مجاہد بندے کے درمیان یہی فرق ہے کہ اول الذکر کو مُلکی مصالح اور سلطنت کے حصُول سے تعلق ہے اور ثانی الذکر کو تعمیلِ حُکم اور طاعتُ بندگی سے۔ پشاور کے سیٹھوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید سیّد صاحبؒ پشاور اس لیے حوالہ فرما رہے ہیں کہ آپ کے پاس خزانہ و لشکر کی کمی ہے، اپنا ایک نمائندہ آپ کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ اگر شہر سپرد کر دینے کی یہی وجہ ہے، تو اس کا آپ اندیشہ نہ کریں۔ آپ کے فرمانے کی دیر ہے۔ میں آپ ہی کے پاس حاضر ہوں جس قدر روپیہ آپ فرمائیں، دو گھڑی کے عرصے میں اس جگہ روپوں کا ڈھیر لگا دوں اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں جس قدر ضرورت ہو نوکر رکھ لیں اور اس کے سوا اور کوئی سبب ہو، تو اس کی بات آپ جانیں"۔

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

> "سیٹھ جی، تم یہ بات بہت اچھی کہتے ہو۔ جو حاکم مُلک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں اُن کے کام کی ہے، لیکن ہم اُن حاکموں میں نہیں۔ ہم اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں جو کچھ ہم لوگ کرتے ہیں، اُسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں۔ لوگوں کے رُوبرُو اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ، اس سے کچھ غرض نہیں۔ ہمارے مالک کا حکم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی قصُوروار ہو، جب وُہ اپنے قصور سے توبہ کرے اور اپنی خطا کا عُذر کرے، تو اس کی خطا معاف کرنی چاہیے اور اُس کا عُذر قبول کرنا لازم ہے۔ اگر اس نے توبہ دغا بازی سے کی ہو، اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں۔ وُہ جانے اور اُس کا خدا جانے۔ اُس کا مال و مُلک زبردستی لینا درست نہیں۔ ہمارے اور سردار سلطان محمّد خاں سے اسی طور کا مُعاملہ ہے۔ اور جو تم لشکر اور خزانے

کا ذکر کرتے ہو، تو ہمیں اس بات کا اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر وہ اپنا کام ہم سے لے گا تو بہتر سے بہتر فوج و لشکر اور مال و خزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔"

اڑتالیسواں باب

رُوحانی اَوصاف اور باطنی کیفیات

اِنابت و استغفار خطا کا ظہور اور بھول چوک بشریت کا اقتضا اور فطرتِ انسانی کا لازمہ ہے غیر معصوم کا اس سے بچنا تو امرِ محال ہے، لیکن اہلِ اصطفا اور مقبولینِ بارگاہ اور عوام النّاس میں یہی فرق ہے کہ ان مقبولین کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوتی ہے اور غلطی کے صدُور کے بعد ان کی بندگی کا نمایاں طریقے پر ظہور ہوتا ہے، اس اِنابت (اِلَی اللہ) اور توجہ اِلَی اللہ کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وُہ اس کثرت اور شدّت سے استغفار کرتے ہیں کہ نہ صرف اس غلطی کا کفّارہ ہو جاتا ہے، بلکہ ان کے درجات میں پہلے سے زیادہ ترقی اور اُن کے قُرب میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کے تذکرے میں بھی اُن کی اس صفتِ اِنابت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ حضرتِ داؤد علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ	داوٗدؑ کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے
رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ أَنَابَ	سو اُنھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور
(صٓ : ۲۴)	سجدے میں گر پڑے اور رجُوع ہوئے۔

اس استغفار و انابت کا نتیجہ صرف مغفرت و عفو ہی نہیں، بلکہ ترقیِ درجات اور قُربِ مزید ہُوا، ارشاد ہے:

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ وَ إِنَّ لَهُ	سو ہم نے اُن کو وُہ معاف کر دیا اور ہمارے
عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (ص ۲۵)	یہاں اُن کے لیے قُرب اور نیک انجامی ہے

حضرت سلیمانؑ کے تذکرے میں بڑی محبت و اعزاز کے ساتھ ارشاد ہے:

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ	اور ہم نے داوٗدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا۔ وُہ
الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ	بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع
(ص ۳۰)	ہونے والے تھے۔

درحقیقت کسی انسان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے کہ اس سے غلطی کا صُدور ہی نہیں ہوتا اور وُہ نبی کی طرح معصوم ہے بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ غلطی کے صُدور پر اُس کی بندگی کا پُورا ظہور ہوتا ہے۔ وُہ ایک خطا کار بندے کی طرح اپنی تقصیر کا اقرار و اعتراف کرتا ہے اور پوری ندامت و انابت کے ساتھ خدا کے حضور اپنے گناہ پر توبہ و استغفار کرتا ہے۔

سیّد صاحب کی سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں، جن سے اس صفتِ عبُودیت اور کیفیتِ انابت کا پُورا اظہار ہوتا ہے۔

مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ سفرِ حج میں آپ کے ساتھ عبداللہ نومسلم دہلوی اور اُن کی بیوی، جو آپ کے گھر کی ملازمہ اور خدا کی ایک نیک بندی تھیں، ساتھ تھے۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا اور آپ کی ایک صاحبزادی بھی شیرخوار تھیں۔ وہ عورت دونوں بچوں کو دُودھ پلاتی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کا دُودھ کم ہو گیا۔ اُس نے صاحبزادی کو دُودھ پلانا چھوڑ دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کو اُس پر غصّہ آیا اور اُنھوں نے ایک دن آپ سے شکایت کی۔ آپ نے اس خادمہ سے کہا کہ تم اس بچی کو ضرور دُودھ پلاؤ، ہم تمھاری خوراک ایسی مقرر کر دیں گے کہ دُودھ بڑھ جائے گا۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے بہت سی چیزیں کھائیں، لیکن دُودھ نہیں بڑھا۔ میں اس بچی کو دُودھ پلانے کے

لیے تیار ہوں، لیکن پُوچھتی ہوں کہ اگر میرا بچہ بھُوکوں مرگیا، تو اُس کا گناہ مجھ پر ہے یا نہیں؟ آپ نے اپنی بچی کا دُودھ اُس سے چھُڑا دیا۔ اُس کا میاں عبداللہ کو بھی بہت رنج ہُوا۔ چار پانچ دن کے اندر آپ کو بہت تردُّد و پریشانی لاحق ہُوئی اور دُعا و مناجات وغیرہ میں کمی محسوس ہُوئی۔ اس پر آپ نے مغموم ہو کر بارگاہِ بے نیاز میں بہت دُعا و التجا کی۔ آپ کو تنبّہ ہُوا کہ بچی کو دُودھ پلانے کے واقعے میں آپ سے ایک غریب عورت کی دل شکنی اور اس کے بچے کی حق تلفی ہُوئی۔ آپ صُبح ہی صُبح مکان پر تشریف لائے اور لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے اِس مُعاملے میں قصُور ہُوا اور سب واقعہ بیان کیا۔ پھر سب مستورات کو ساتھ لے کر آپ میاں عبداللہ کی بیوی کے پاس تشریف لے گئے۔ وُہ یہ دیکھ کر ڈر گئیں اور رونے لگیں۔ آپ نے اُن کو تسلّی دی اور فرمایا کہ ہم سے خطا ہُوئی کہ ہم نے تم کو بچی کے دُودھ پلانے کا حُکم دیا۔ خدا کے لیے معاف کر دو۔ یہ سُن کر وُہ اور زیادہ رونے لگی۔ عورتوں نے اُن کو سمجھایا کہ زبان سے کہہ دو کہ ہم نے معاف کیا۔ اسی طرح تین بار اُن کی زبان سے کہلوایا، پھر آپ نے اُن کے لیے دُعاءِ خیر کی اور اہلیہ محترمہ کو بڑی تاکید فرمائی کہ اس عورت کی پہلے سے بھی زیادہ خاطرداری اور دلجوئی کرنا۔ پھر آپ شیخ عبداللطیف تاجر کے مکان پر تیز قدمی کے ساتھ تشریف لائے۔ شیخ صاحب موصوف مولانا عبدالحی مولانا محمد اسمٰعیل اور حکیم مغیث الدین وغیرہ دالان میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں اِس وقت تمھارے پاس ایک ضروری کام کے لیے آیا ہُوں۔ آپ نے میاں عبداللہ کو پہلو میں بٹھایا اور ایک بڑی پُراثر تقریر کی، جس میں پروردگارِ عالم کی بے نیازی کا مضمون بیان کیا اور یہ کہ سب بندوں سے قصُور و نافرمانی ہوتی ہے اور سب یکساں خدا کے محتاج ہیں۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ سب اہلِ مجلس کھڑے ہو گئے۔ آپ نے بچی کے دُودھ پلانے کے واقعہ کو بیان کیا اور فرمایا کہ مَیں نے میاں عبدُاللہ کی بیوی سے تمام عورتوں کے رُوبرُو معافی مانگ لی ہے، لیکن چاہتا ہُوں کہ میاں عبدُاللہ سے آپ کے اور سب مسلمانوں کے سامنے معافی مانگوں تاکہ آپ سب بھی دُعا میں داخل ہو جائیں۔ آپ کے اس فرمانے سے تمام اہلِ مجلس پر رقّت طاری

ہوگئی۔ میاں عبداللہ اتنا روئے کہ جواب کی طاقت نہ رہی۔ انھوں نے انتہائی عجز سے عرض کیا کہ میں آپ کا خادم و فرمانبردار ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم سے قصور ہوا۔ اب ہمارے معافی مانگنے اور تمھارے معاف کر دینے میں بڑی خیر و برکت ہے۔ تم کو معاف کر دینا چاہیے۔ میاں عبداللہ پر ایسا گریہ طاری تھا کہ بات زبان سے نہیں نکلتی تھی۔ ایک دُوسرے شخص نے اُن کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ کہو: میں نے معاف کیا۔ میاں عبداللہ نے عرض کیا کہ اگر میرے کہنے ہی پر موقوف ہے، تو میں نے دل و جان سے معاف کیا۔ اِس کے بعد آپ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور بڑی گریہ وزاری سے مسلمانوں کے لیے عموماً اور میاں عبداللہ کے لیے خصوصیت کے ساتھ دُعا فرمائی۔ پھر آثارِ قبولیت پر، جو ظاہر ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کیا۔

اِسی طرح کا ایک واقعہ وقائع احمدی سے نقل کیا جاتا ہے۔

"حضرت علیہ الرحمۃ کے باورچی خانے کے داروغہ میاں عبدالقیوم صاحب تھے اور عبداللہ بہیر مولانا صاحب کی جماعت والے بھی باورچی خانے کے کاروبار میں شریک تھے، اور قادر بخش خاں گنج پورے والے حضرت کا کھانا پکایا کرتے تھے اور کھانا پکانے کے فن میں وُہ بڑے اُستاد تھے۔ ایک روز وُہ گوشت پکا رہے تھے اور گوشت میں پانی کم تھا۔ اس عرصے میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ انھوں نے حاجی عبداللہ سے کہا کہ تم گوشت کی خبر لیتے رہو، میں نماز کو جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نماز کو گئے۔ حاجی عبداللہ نے گوشت کے نیچے سے آگ کھینچ کر الگ کر دی اور آپ بھی جا کر جماعت میں شامل ہوگئے۔ بعد فراغ نماز قادر بخش خاں آئے اور گوشت دیکھا، تو اُس میں داغ لگ گیا تھا۔ اُنھوں نے جو داغی بوٹیاں معلوم کیں، وُہ نکال ڈالیں اور جو بوٹیاں باقی رہیں، ان میں شوربے کے واسطے پانی ڈال دیا گیا۔ پھر بھی اُس میں جلنے کی بُو باقی رہی۔ پھر جب کھانا تیار ہوا، تب حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اس کو چکھ کر قادر بخش خاں سے پوچھا کہ تم نے آج یہ کھانا کیسا پکایا ہے کہ داغ لگ گیا؟ اُنھوں نے اپنا عُذر بیان کیا کہ میں حاجی عبداللہ کو گوشت سپرد کر کے نماز کو

آیا اور میرے پیچھے وُہ نماز کو چلے آئے۔ اس سبب سے گوشت میں داغ لگ گیا۔ یہ بات سُن کر بے ساختہ عادتِ شریف کے خلاف آپ کی زبان سے نکل گیا کہ تم اس کو گوشت سپرد کر کے نماز کو گئے، اُس مردُود نے خبر نہ لی، گوشت جل گیا اور کھانے کے قابل نہ رہا۔ خلافِ عادت آپ کی زبان سے یہ سخت کلام سُن کر جو لوگ اس وقت وہاں حاضر تھے، سب خاموش ہو رہے، کسی نے کچھ دم نہ مارا۔ پھر آپ نے گوشت کی رکابی اُٹھا کر قادر بخش خاں کے حوالے کی اور روٹی دال کے ساتھ کھائی۔ پھر جب آپ کھانا کھا کر اور نمازِ عشا پڑھ کر فارغ ہُوئے اور معمُول کے موافق بیٹھے، اُس وقت قاضی علاء الدین اور میاں جی چشتی اور مولوی وارث علی اور مولوی امام الدین اور حافظ صابر صاحب وغیرہم نے آپس میں کہا: آج اِس وقت مردُود کا لفظ خلافِ عادت زبانِ شریف سے نکلا ہے۔ ایسا سخت کلام کہنا آپ کی لیاقت سے بعید ہے۔ اس کی اطلاع آپ کو ضرور کرنی چاہیے اور آپ نے بارہا ہم لوگوں سے فرمایا بھی ہے کہ مَیں بھی بشر ہوں۔ اگر کسی وقت کچھ بیجا کلام شریعت کے خلاف میری زبان سے صادر ہو، تو مجھ کو ضرور اطلاع کرو اور جو نہ کرو گے، تو قیامت کے روز تمھارا دامنگیر ہونگا۔ سو اس بات کی اطلاع کرنی ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی طرف سے بری الذمہ ہو جائیں۔ اس بات پر متّفق ہو کر سب آپ کے پاس دستور کے موافق آئے اور بیٹھے۔

پھر مولوی امام الدین صاحب بنگالی اور میاں جی چشتی صاحب برہانوی نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ سب بھائی لوگ جو حاضر ہیں کہتے ہیں کہ آج آپ نے گوشت کے جل جانے پر حاجی عبداللہ کو مردُود کہا۔ یہ کلام کسی مُسلمان کو کہنا کیسا ہے؟ آپ نے اُن کا یہ سوال سُن کر دیر تک سکوت فرمایا۔ اور کہا کہ یہ بات کسی مسلمان کو کہنی نہیں چاہیے۔ یہ کلمہ میری زبان سے بے اختیاری میں بے ساختہ نکل گیا اور بڑا قصُور ہُوا۔ اور تم سب بھائیوں نے خُوب کیا، جو اس قصُور سے مجھ کو آگاہ کیا۔ پھر آپ نے حاجی عبداللہ کو اور باورچی خانے کے سب لوگوں کو بلوایا اور ہر ایک جماعت کے بہت لوگ اُس وقت حاضر تھے اور حاجی عبداللہ بہت سادہ مزاج، سلیم الطبع، صالح آدمی تھے۔ حضرت نے اُن کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ حاجی صاحب، ہم تمھارے قصور مند ہیں۔ اس وقت غصے میں بے خطا

ہماری زبان سے مردود کا جو لفظ نکل گیا۔ ہماری یہ خطا للہ معاف کرو اور ہم سے مصافحہ کرو۔ وہ سُنتے کم تھے۔ اپنے جی میں ڈر گئے اور عُذر کرنے لگے کہ حضرت، آپ کا سالن مجھ سے جل گیا، میں بہت نادم ہوں۔ یہ میری خطا اب خدا کے واسطے معاف کر دیں۔ آپ نے اُن کے کان میں زور سے پکار کر کہا کہ تمھاری کچھ خطا نہیں ہے، خطا ہم سے ہوئی کہ مردود کا لفظ ہماری زبان سے نکل گیا۔ تم ہم کو معاف کر دو۔ یہ بات سُن کر اُنھوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت، مَیں نے مُعاف کیا۔ آپ میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے اور آپ نے مصافحہ کیا۔ پھر آپ نے اِسی مجلس میں سب کے سامنے باآواز کہا کہ مَیں اپنی خطا سے توبہ کرتا ہوں، اب کبھی ایسا بیجا کلام انشاء اللہ تعالیٰ، میری زبان سے نہ نکلے گا۔ پھر بہت دیر تک وعظ کے طور پر فرماتے رہے کہ ہر مسلمان بھائی کو چاہیے کہ اِس قسم کے الفاظ، مثلاً، کافر، مُشرک، مُنافق، مردود وغیرہ کسی مُسلمان کے حق میں اپنے منّہ سے نہ نکالے اور ان لفظوں سے زبان کو روکے رہے اور جو کبھی بے اختیاری سے نکل جائے، تو اسی وقت توبہ کرلے۔ ان لفظوں سے ایمان میں نقصان آجاتا ہے او۔ اسی طرح بہت دیر تک آپ نے منہیات شرعیہ کے الفاظ بیان کیے۔ اِس طرح آپ کی زبانِ ہدایت بیان میں تاثیر تھی کہ یہ کلام رُشد التیام سُن کر تمام حاضرینِ مجلس پر ایک عجیب حال واقع ہُوا کہ وُہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا۔ بعد اس کے آپ نے دُعا کی۔ پھر سب لوگ اپنے اپنے ڈیرے میں گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ آج جو یہ لفظ حضرت کی زبان سے واقع ہُوا، یہ بھی حکمتِ الٰہی سے خالی نہ تھا کہ اس کے ذیل میں آپ نے منہیات شرعیہ کے اور بہت سے الفاظ بیان کرکے ہم سب کو خبردار کر دیا۔ پھر اس کے کئی دن کے بعد جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موضع امب سے تشریف لائے، تب بعض لوگوں نے حضرت کے مردود کہنے اور توبہ کرنے کا وُہ حال آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی زبان سے جو کبھی وقت بشریت کے بسبب کوئی کلام مکروہ شریعت کے خلاف نکل جاتا ہے اور وہ اس سے توبہ کرتے ہیں، تو حقیقت میں وُہ کلام حکمت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور نہ اس سے ان کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے، بلکہ اُن کا درجہ اس کے بسبب بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھانا اور جنت سے

نکالا جانا بظاہر تو بے شک ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی اور اُنھوں نے اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے وُہ خطا عفو فرمائی۔ مگر اس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ اس خطا کے بسبب وُہ جنّت سے نکالے جائیں اور دُنیا میں آئیں، اُن سے انبیأ، اولیار، مومن مسلمان، سب پیدا ہوں، دُنیا اور آخرت کا کارخانہ جاری ہو۔ اگر وُہ جنّت سے نہ نکالے جاتے، تو یہ کچھ بات نہ ہوتی۔ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کا خون ہو گیا اور وُہ فرعون کے خوف سے مدین چلے گئے اور اپنی خطا سے تائب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خطا معاف کی اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی سے اُن کا نکاح کر دیا اور ایک عصا عنایت کیا، پھر جب چند سال کے بعد اپنی بی بی کو ساتھ لے کر وہاں سے مصر کو چلے اور کوہِ طُور کے قریب پہنچے، تب وہاں اللہ تعالیٰ نے اُن کو درجۂ رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اب خیال کیا چاہیے کہ اس خطا میں اور وہاں سے بھاگنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں تھیں۔ اگر اُن سے وُہ خطا نہ ہوتی، تو یہ فوائد کیونکر ظہور میں آتے؛ یا ان بزرگ لوگوں کا حال دریا کی مثال سمجھنا چاہیے کہ کبھی جب مینہ برستا ہے، تو ہر طرف سے گندہ و ناپاک سیلاب مع خس و خاشاک نالوں میں سے ہو کر دریا میں جاتا ہے اور دریا کو مکدّر کر دیتا ہے کہ نافہم لوگ جانتے ہیں کہ دریا کا پانی ناپاک اور نکمّا ہو گیا، طہارت کے قابل نہ رہا، حالانکہ وُہ دریا بدستور پاکی میں رہتا ہے، بلکہ اس کا پانی بڑھ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ کچھ عرصے میں وُہ کدورت بھی زائل ہو جاتی ہے اور خلق اللہ کو اس سے نفعِ عام اور فائدۂ تام ہوتا ہے۔ اور اسی طور سے کئی مثالیں دے کر لوگوں کو سمجھایا۔ (اِنتہیٰ)

اسی طرح اگر دَورانِ جنگ اور سلسلۂ جہاد میں مجاہدین سے کوئی بے عنوانی، کسی کی حق تلفی یا دِل آزاری کا کوئی واقعہ پیش آتا، تو اس پر آپ تمام رُفقا و مُجاہدین کے ساتھ بڑے اہتمام سے استغفار کرتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا کرتے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے تاکہ ایک مسلمان کی تقصیر سے پوری جماعت اور مقصد کو نقصان نہ پہنچے۔ مولوی سیّد جعفر علیؒ لکھتے ہیں:

"مان خاں گنج پوری نے ایک مظلوم عورت کا حال بیان کیا۔ آپ جُمعے کے دن عصر

کے وقت پنجتار سے جانب مغرب شیشم کے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور برہنہ سر ایک جماعت کے ساتھ دُعا و استغفار میں مشغول ہوئے اور اتنی گریہ وزاری فرمائی کہ حاضرین میں کہرام مچ گیا۔[1]

دُعا دین کے جن شعبوں کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ سے تجدید کرائی اور اُن کو نئی زندگی، قوت اور رواج بخشا، اُن میں سے ایک دُعا ہے، جو عبودیت کا لُبِّ لُباب اور حضرات انبیاءؑ کی وراثت ہے۔ گزشتہ حالات سے معلوم ہوا ہوگا کہ دُعا آپ کا خاص سلاح، سپر اور سرمایۂ زندگی تھا۔ ہر جنگ اور ہر اہم واقعے سے پہلے اور اس کے بعد اہتمام کے ساتھ دُعا کرنا آپ کا خاص معمول تھا۔ پھر دُعا بھی ایسی کہ دل نکال کر رکھ دیتے۔ اکثر برہنہ سر ہو کر اپنے عجز و انکسار، درماندگی، بیچارگی اور کمزوری، فقر و احتیاج کو اس الحاح و زاری کے ساتھ پیش کرتے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آتا، سُننے والوں کے دل اُمنڈ آتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، سب پر عالمِ بیخودی طاری ہو جاتا اور قلوب دُعا کی قبولیت کی شہادت دینے لگتے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم نے "وصایا الوزیر" میں آپ کے ذوقِ دُعا اور کیفیتِ دُعا کا اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے:

> "دُعا اور خدا کے سامنے گریہ و زاری کا آپ کو بڑا ذوق تھا۔ لوگوں کو دُعا کی تعلیم دیتے اور خدا سے عرض و نیاز کا شوق دلاتے۔ آپ کی مجلس میں عجیب و غریب کیفیت پیدا ہوتی اور ہر شخص اپنے ذوقِ ایمانی کے مرتبے کے مطابق لذتِ ایمانی حاصل کرتا۔ اُس وقت خطراتِ شیطانی اور وساوسِ نفسانی یکسر معدوم ہو جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، بعض شخص وارفتہ و مدہوش ہو جاتے، حاضرینِ مجلس کو اس قدر صفائیِ باطن اور ترقیِ رُوحانی حاصل ہوتی جو دُوسرے اشغال و اذکار اور چلّوں سے کم حاصل ہوتی۔"[2]

دُعا کا آپ کو اس قدر اہتمام اور اس پر اتنا اعتماد تھا کہ واقعہ بالاکوٹ سے پہلے سچون کے

---

[1] منظورۃ السعداء

[2] وصایا الوزیر علی طریقۃ البشیر النذیر

زمانۂ قیام میں متواتر کئی روز دُعا کا معمول رہا۔ وقائع احمدی کی یہ روایت آپ کی نظر سے گزر چکی ہے کہ

> "جن دنوں مشکوٰۃ شریف کا درس ہوتا تھا، ایک روز سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، دل میں آتا ہے کہ اب چند روز جنابِ الٰہی میں خوب سے سب مل کر دُعا کریں، مگر اس طرح سے کہ ہم ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اکیلے دُعا کریں اور آپ سب بھائیوں کو ساتھ لے جا کر کہیں جنگل میں دُعا کریں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ بہت بہتر، مَیں حاضر ہوں۔ سیّد صاحبؒ نے عصر کا وقت دُعا کرنے کے لیے مُقرر فرمایا۔ ہر روز نمازِ عصر سے فارغ ہو کر سیّد صاحبؒ ایک کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھ کر دُعا کرتے تھے، اور مولانا صاحب سب غازیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بستی کے باہر ایک نالے پر جاتے تھے۔ پہلے آپ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کچھ دیر وعظ و نصیحت فرماتے تھے، اس کے بعد برہنہ سر ہو کر کمالِ گریہ وزاری اور عجز و انکسار کے ساتھ جنابِ باری میں بہت دیر تک دُعا کرتے تھے۔ اس دُعا میں طرح طرح سے اپنی محتاجی و انکسار اور جنابِ باری کی عظمت و جبّاری اور رحمت و غفاری بیان کرتے تھے، دُعا کے بعد سب کو ہمراہ لے کر سیّد صاحبؒ کے پاس آتے تھے اور دُعا کرنے کا حال عرض کرتے تھے۔ یہ دُعا پانچ سات روز متواتر ہوئی۔"

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ آپ کی تین خصوصیتیں تھیں:

ایک خشوع و خضوع اور گریہ و نیاز کے ساتھ نماز
دُوسرے قرآن کا علم و عمل
تیسرے دُعاء مقبول۔[1]

---

[1] وصایا الوزیر

ایمان و احتساب دین کا دُوسرا اہم بالشّان شعبہ، جس کے آپ اپنے دَور میں مُجدّد تھے اور جو دراصل پُورے نظامِ دینی کی رُوحِ رواں ہے، وہ ایمان و احتساب ہے، یعنی، زندگی کے تمام اعمال و اشغال میں صرف رضائے الٰہی کی طلب، نیّت کے استحضار اور موعود اجر و ثواب کی طمع میں انجام دیا جائے۔ اس سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ یہ ایمان و احتساب شروع سے آپ کا مزاج اور آپ کی فطرت بن گیا تھا۔ اپنے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ

> "مَیں نے مُدّۃُ العُمر آنے جانے، لینے دینے، اُٹھنے بیٹھنے، حرکت و سکُون، غصّہ و بُردباری، قہر و مہر، کھانے پینے، پہننے اور سوار ہونے کا کوئی کام نہیں کیا، جس میں رضائے الٰہی کی نیّت نہ ہو اور کوئی کام مَیں نے نفس کے تقاضے اور خواہش سے نہیں کیا۔"[1]

آپ نے اس ایمان و احتساب کو مکمّل سلوک بنا دیا تھا اور چاروں طُرق کے ساتھ آپ اس میں بھی بیعت لیا کرتے تھے۔ یہ طریقِ نبوّت کا تزکیہ و تربیت تھی، جس سے پُوری زندگی اپنی تمام عبادات و عادات کے ساتھ خالص عبادت اور تقرّب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتی۔ آپ اس کو طریقۂ محمّدیہ کے نام سے موسوم فرماتے، جمعدار مرتضیٰ خاں صاحب رامپوری لکھتے ہیں:

> "رامپور میں حکیم غلام حسین نائب والیِ ریاست کے بڑے بھائی حکیم عطاء اللہ اور میاں محمد مقیم نے ایک روز بڑے ادب سے عرض کیا کہ جناب والا، پہلے طریقۂ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور مجدّدیہ میں بیعت لیتے ہیں، اس کے بعد طریقۂ محمّدیہ میں داخل فرماتے ہیں، اس کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر یہ سب طُرق طریقۂ محمّدیہ ہی ہیں، تو ان طُرق کے بعد طریقۂ محمّدیہ میں بیعت لینے کی کیا ضرورت ہے"؟
>
> آپ نے فرمایا کہ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اصحابِ طُرق نے اپنے

---

[1] وصایا الوزیر، نواب وزیر الدولہ مرحوم

> اپنے طریق کے مطابق اشغال کی تعلیم کی ہے۔ مثلاً طریقۂ چشتیہ اور قادریہ کے شیوخ بتاتے ہیں کہ ذکرِ جہر اس طرح کیا جائے اور ضرب اس طرح لگائی جائے۔ نقشبندی اور مجددی طُرُق کے شیوخ بتاتے ہیں کہ ذکرِ خفی کریں اور یہ لطیفۂ قلب ہے اور وُہ لطیفۂ رُوح، اور یہ لطیفۂ نفس ہے اور وہ لطیفۂ سر۔ لطیفۂ خفی یہ ہے اور لطیفۂ اخفیٰ فلاں، اور اسی طرح وُہ تمام لوازم۔ جو ہم اور تمام پیرانِ طریقت اپنے مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں، اِن طُرُق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی ہے، لیکن ہم طریقۂ محمدیہ کے اشغال کی تعلیم اس طرح کرتے ہیں کہ کھانا اس نیت سے کھایا جائے، کپڑا اس نیت سے پہنا جائے، نکاح اس نیت سے کیا جائے، سونے کی نیت یہ ہے، کپڑا پہننے کی نیت یہ ہو، زراعت، تجارت، ملازمت کی نیت یہ ہونی چاہیے۔ اِس طریقے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری ہے۔"[1]

اس ایمان و احتساب کا آپ پر ایسا غلبہ تھا کہ جو لوگ چند روز آپ کے ساتھ رہتے، وُہ اس کے رنگ میں رنگ جاتے، نفس کا تقاضا نکل جاتا اور ہر کام میں رضائے الٰہی کی طلب غالب آجاتی۔ پچھلے صفحات میں آپ نے سیّد ابو محمد صاحب کا یہ پُر اثر واقعہ پڑھا ہے کہ آپ مہیار کی جنگ کے موقع پر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ

> "میاں صاحب، جس روز سے مَیں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا ہوں، آج تک میرا یہی خیال رہا کہ میرے عزیز اور رشتہ دار ہیں، مَیں ان کے ساتھ رہوں جو ان کو اللہ تعالیٰ کہیں عروج دے گا، تو ان کی وجہ سے میری بھی ترقی ہو گی۔ نہ مَیں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر۔ مگر اب مَیں نے اس خیالِ فاسد سے توبہ کی اور از سرِ نَو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے بیعت

---

[1] کتاب دافع الفساد و نافع العباد

> جہاد کرنے کو آیا ہوں۔ آپ مجھ سے بیعت لیں اور میرے واسطے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اِس نیت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے۔ آپ نے اُن سے بیعت لی اور اُن کے واسطے دُعا کی۔ اس وقت تمام حاضرین پر رِقّت سے ایک عجیب حال واقع تھا کہ ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ دُعا کے بعد سیّد ابو محمدؐ صاحب آپ سے مصافحہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف چلے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اُنھوں نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا پاؤں رکاب میں رکھا اور بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ سب بھائیو، اِس بات کے گواہ رہنا کہ آج تک گھوڑے پر اپنی شان و شوکت اور خواہش نفس کے لیے سوار ہوتے تھے، خُدا کا واسطہ اس میں کچھ نہ تھا، مگر اس وقت ہم محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے واسطے بہ نیّتِ جہاد اِس گھوڑے پر سوار ہُوئے ہیں۔"

درحقیقت اس ایمان و احتساب کے کمال اور غلبۂ حال کے بغیر یہ طویل المدۃ جہاد اور اس کے متنوع اعمال و اشغال، طویل طویل وقفے اور اُن کے اندر کے مشاغل و اوقات، تزکیۂ رُوحانی اور ترقیِ درجات اور قُربِ خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے، مگر ایمان و احتساب کی چٹکی ایسی تھی، جس نے اس پوری زندگی کو اکسیر بنا دیا تھا۔

اِتّباعِ سُنّت نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ

> "آپ مجسّم شریعت و سراپا اتّباعِ سُنّت تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائلِ ظاہری، مراتبِ باطنی، روشن دِلی اور صفائیِ قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وُہ سب اِتّباعِ شریعت کی برکت اور پیرویِ سُنّت کی سعادت ہے۔"[لہ]

اتّباعِ سُنّت آپ کی زندگی اور آپ کی دعوت کا جُز بن گیا تھا۔ آپ کے نزدیک عبادات کے ساتھ معاملات اور اُمورِ معاد کے ساتھ اُمورِ معاش میں بھی اتّباعِ سُنّت اور ترکِ بدعات ضروری

[لہ] وصایا الوزیر

ہے۔ بیعت کے وقت آپ توحید و ترکِ اشراک کے ساتھ اتّباعِ سُنّت اور ترکِ بدعات کی تاکید فرماتے تھے اور ترکِ بدعت کا مفہوم اور دائرہ عبادات سے تجاوز کرکے عادات، معاشرت و معاملات پر حاوی ہے۔ ایک خلافت نامے میں ترکِ بدعت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

امّا ترکِ بدعت، پس بیانش آنکہ در	ترکِ بدعت کی تشریح یہ ہے کہ تمام
جمیعِ عبادات و معاملات و امورِ معاشیّہ	عبادات و معاملات اور امورِ معاشیّہ
و معادیّہ طریقِ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ	و معادیّہ میں حضرت خاتم الانبیا محمد رسول اللہ
صلّی اللہ علیہ وسلّم بکمالِ قوّت و علوِّ ہمّت	صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے کو پوری قوت
باید گرفت و آنچہ مردمانِ دیگر بعدِ پیغمبر	اور بلند ہمّتی کے ساتھ پکڑا جائے اور یہ جو
صلّی اللہ علیہ وسلّم از قسمِ رسومِ اختراع	آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے
نمودہ اند، مثلِ رسومِ شادی و ماتم و تجمّلِ	اس میں ایجاد کی ہیں، مثلاً رسومِ شادی و غمی
قبور و بناءِ عمارات برآں و اسراف	قبروں کی زیب و زینت، اُن پر عمارتوں کی
در مجالس اعراس و تعزیہ سازی و	تعمیر، عرسوں کا اسراف و فضول خرچی،
امثالِ ذٰلک، ہرگز پیرامون آں نباید	تعزیہ سازی وغیرہ، ان کو ہرگز اختیار نہ کیا
گردید و حتّی الوسع سعی در محوِ آں باید کرد۔	جائے اور حتی الامکان اُن کے مٹانے کی
اوّل خود ترک باید نمود، بعد ازاں ہر	کوشش کی جائے۔ پہلے خود اُن کو ترک کیا جائے
مسلمانے را دعوت بسوے آں باید	پھر ہر مسلمان کو اس کی طرف دعوت دینی چاہیے،
کرد۔ چنانچہ اتّباعِ شریعت فرض است	اس لیے کہ جیسے اتّباعِ شریعت فرض ہے،
ہمچنیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر	اُسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر
نیز فرض۔	بھی فرض ہے۔

"صراطِ مستقیم" کے دوسرے باب میں آپ نے سالک کو اِن تمام بدعات و رسوم سے

بچنے کی ہدایت فرمائی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی میں مختلف راستوں سے داخل ہوگئی تھیں۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی خداداد ذکاوتِ حِس، دقیقہ رسی اور دُور بینی سے مسلمانوں کی پُوری زندگی کا جائزہ لے کر ان تمام بدعات کی نشان دہی فرمائی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں راہ پا گئی تھیں۔ آپ نے اُن کو تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے:

(۱) وُہ بدعات، جو تصوّف کو بدنام کرنے والے مُلحدین و مُشرکین کے اختلاط سے پیدا ہُوئیں۔

(۲) جو روافض کے اثر سے مُسلمانوں میں آئیں۔

(۳) جو رُسُومِ فاسدہ کی پابندی سے پیدا ہُوئیں۔

اس طرح پُوری زندگی میں کہیں بدعت کی گنجائش نہیں رہتی۔

بدعات سے آپ کو ایسی طبعی کراہت و نفرت تھی کہ آپ کو اُن کا سایہ اور پرچھائیں بھی گوارا نہ تھی، قبر پرستی سے ایسی نفرت اور وحشت تھی کہ یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی قبر پر اس کا امکان بھی باقی رہے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

> "ایک مرتبہ حضرتؒ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگانِ دین کے مزارات پر مُشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شدّ و مد کے ساتھ روکتے ہیں؛ لیکن خود آپ کے ہزاروں مُرید اور ہزاروں مُعتقد مُلک مُلک میں ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وُہی سب ہوگا، جو دوسرے بُزرگانِ دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی جس طرح ان کی قبروں کی پرستش اُن کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مَیں درگاہِ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے۔ نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگا۔ خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرتؒ کی یہ دُعا قبول ہُوئی اور آپ کی قبر کا

آج تک پتہ نہ چلا۔[1]

محبت و خشیت محبت و محبوبیت ان حضرات کے خواص میں سے ہے، جن کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کا معاملہ اجتباء و انتخاب کا ہوتا ہے اور وہ مطلوب و مراد ہوتے ہیں۔ اس کے آثار اُن کی زندگی میں ظاہر و نمایاں ہوتے ہیں۔ سید صاحبؒ میں محبت کی نسبت اتنی غالب تھی کہ اُس کے اثرات پاس بیٹھنے والوں اور نماز کے اندر مقتدیوں کے اُوپر پڑتے تھے۔ مولوی سید جعفر علی تحریر فرماتے ہیں کہ

"اہلِ باطن می دریافتند کہ وقتیکہ حضرت امیر المومنینؒ امامِ فرائض نماز می شدند، بر دلِ ماُمومین اثرِ محبت و رغبت طاری می گردید۔"

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ

"حضرت کبھی کبھی محبتِ الٰہی کے جذباتِ سے مغلوب ہو کر مندرجۂ ذیل اشعار پڑھتے:

دلم براہ تو صد پارہ باد! و ہر پارہ
ہزار ذرّہ! و ہر ذرّہ در ہوائے تو باد!

رُباعی

در مسلخِ عشق جز نکو را نکشند لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشقِ صادقی ز کشتن مگریز مردار بُود ہر آنکہ او را نکشند

قطعہ

اے آنکہ زنی دم از محبت از ہستیِ خویشتن بہ پرہیزند
برخیز و بہ تیغِ تیز بنشیں یا از رہِ راہ دوست برخیزند

---

[1] وصایا الوزیر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب مرحوم کے زمانے میں سید صاحبؒ کی قبر تحقیقی طور پر معلوم نہ تھی۔ اب بالاکوٹ میں جو قبر بتائی جاتی ہے، وہ بالکل مشتبہ ہے۔

لیکن محبت کے ساتھ ساتھ کاملین پر خشیتِ الٰہی کا بھی غلبہ رہتا ہے۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی ذات بے نیاز ہے، اس کو کسی کی عبادت و اطاعت کی پروا نہیں، وہ اُس کے فضل کے اُمیدوار بھی رہتے ہیں، اس کی نعمتوں اور رحمتوں کا مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اور اُس کی بے نیازی سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں خود فرمایا ہے: وَهَلْ يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ (خدا کی پکڑ سے بجز اُن کے جن کی شامت ہی آگئی ہو، اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا)۔ (الاعراف ع ۱۲)

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

> "حضرتؒ پر محبتِ الٰہی کے ساتھ خشیتِ الٰہی ہر وقت طاری رہتی تھی۔ سوءِ خاتمہ کا ڈر ایسا غالب رہتا تھا کہ جو آپ کی صحبت میں رہا، اُس کا یہی حال بن گیا، اس کی مجلس و گفتگو میں یہی ذکر رہنے لگا، اُس کو دن رات یہی کھٹکا لگا رہا، دُنیا کی دولت و عزت، وجاہت و اعزاز، عیش و عشرت اُس کو خاک معلوم ہونے لگے، رقت و خشیت کی تصویر بن گیا، اس کے ساتھ خدا کی محبت و سرور نے اس کو ایسا وارفتہ و خود فراموش بنا دیا کہ دُنیا اُس کو بے حقیقت معلوم ہونے لگی اور وہ ایک ہی وقت میں باغِ خنداں اور دیدۂ گریاں بن گیا، اخلاص و خشیت کا مجسمہ، سوز و دردمندی کی تصویر، جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے، جس کے پاس بیٹھنے سے دل گرمائے، رقت سے دل بھر آئے، دُنیا سے دل سرد ہو دین کا جوش اُٹھے، عاقبت کی فکر ہو، عبادت و ذکر کا ولولہ ہو، رضائے الٰہی کی طلب اور اعضاء و جوارح پر اس کا قبضہ ہو۔"[1]

---

[1] وصایا الوزیر

اُنچاسواں باب

صفاتِ اِمارت

قیادت کی ذِمّہ داریاں جماعتی کام کی ذِمّے داری، ایک بڑی دینی تحریک کی قیادت، مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کی اِمامت و اِمارت، جس میں مختلف المذاق افراد، مختلف صلاحیتوں اور استعدادوں کے اشخاص ہوں، بڑی وسیع اور متنوّع صلاحیتوں کی طالب ہے۔ اس کے لیے ایسا ہی شخص موزوں ہوسکتا ہے، جو بیدار مغز، عالی دماغ، فراخ حوصلہ، کشادہ قلب، عالی ظرف، متحمّل، سلیم الفہم، متوازن دماغ اور جوہر شناس ہو جس میں مختلف شعبوں اور کارخانوں کے چلانے اور مختلف عناصر اور متضاد طبائع کو ساتھ لے چلنے کی صلاحیت ہو، جو اپنے دینی مقاصد اور دین کی ترقی و عروج کے لیے ہر صلاحیت اور ہر جوہر اور ہر کمال کی قدر کرنے والا، ہر استعداد اور ہر سطح کے آدمی کی تربیت و ترقی کی قابلیت رکھتا ہو اور اُس کے جوہر کو چمکا سکتا ہو، کسی سطح اور کسی استعداد کا آدمی اُس کے پاس آکر اپنے کو بیکار اور اپنی زندگی کو ضائع سمجھنے پر مجبور نہ ہو، اور کوئی صاحب ہُنر اور صاحب کمال اُس کے پاس پہنچ کر اپنے ہُنر اور اپنے کمال پر مُتاسّف اور نادم نہ ہو، بلکہ اُس کو یہ محسوس ہو کہ وہ اپنے اس ہُنر اور خصُوصی کمال سے دین کی ایک خصُوصی خدمت انجام دے سکتا ہے، دینی خدمت کا ایک خانہ ایسا ہے، جو تنہا وہی بھر سکتا ہے۔ جن لوگوں کا نشأۃ و نما علیٰحدہ علیٰحدہ ہُوا، وہ یہاں پہنچ کر یہ محسوس

کریں کہ وہ اس دینی جدّ و جُہد اور اس دینی جماعت کے چوکھٹے میں کہیں موزوں نہیں ہوسکتے، بلکہ یہ محسوس کریں کہ مربیِّ مطلق نے اُن کی اسی کام کے لیے تربیت کی تھی اور اُن کی حقیقی جگہ یہیں ہے۔ وہ مختلف باغوں اور مختلف خوشبو کے پھولوں سے ایک ایسا انسانی گلدستہ تیار کرسکتا ہو جس کے سب پھول ایک مقصد کے رشتے سے جُڑے اور محبت کے دھاگے سے بندھے ہوئے ہوں اور اُن کی مجموعی خوشبو سے مجلس معطّر ہو، شعبوں کی کثرت، رُفقاء کا اختلافِ ذوق اور اُن کی صلاحیتوں اور استعدادوں کا نشیب و فراز اس کی طبیعت میں انتشار نہ پیدا کرسکے۔ وہ ایک کی قدردانی کے لیے دوسرے کی دل شکنی اور ناقدری ضروری نہ سمجھے، بلکہ ہر ایک سمجھے إِنَّهُ أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْ مَنَاجِهِ (وہ سب سے زیادہ مقرّب اور عزیز ہے) وہ انسانی فطرت سے کش مکش اور زور آزمائی نہ کرے، بلکہ اُس کی رعایت اور احترام کرتے ہوئے مشترک مقصد کے لیے اس کے ملکات اور صلاحیتوں کی پرورش کرے اور اُن کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طالبِ راہِ نبوت کی تربیت کے سلسلے میں بعض صفات و خصوصیات کا تذکرہ فرمایا ہے، جو بعض صفاتِ الٰہی کے مراقبے اور سلوکِ راہِ نبوت کی خصوصیات ہیں۔ اُن میں سے ایک "شانِ وسعت" ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ ایک "امام" کی اس صفتِ جامعیت کو پورے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

و من جملۂ آں شانِ وسعت است	اور من جملہ اُن کے شانِ وسعت ہے کہ
کہ در نفسِ کاملۂ انسانیہ وسعتِ حوصلہ	انسان کے نفسِ کاملہ میں وسعتِ حوصلہ
نمونہ ایست۔ ازاں بیانش آنکہ چنانکہ	اس کا نمونہ ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ
بعضے نفوسِ کاملۂ بشریہ در مرتبۂ	جس طرح بعض مکمل بشری نفوس فراخیِ
قصویٰ از مراتبِ وسعتِ صدر واقع	سینہ میں اعلیٰ مرتبے میں ہوتے ہیں کہ مختلف
می شوند کہ از ہجومِ امورِ متشتتہ و معاملاتِ	اُمور کے ہجوم، مختلف معاملات، متعدد
مختلفہ و کارخانجاتِ متعددہ دل تنگ	کارخانوں سے دل تنگ اور

پراگندہ خاطر نمی شوند، بلکہ بہ ہر امر توجّہے مبذول می سازند و ہر یک مُعاملہ را بخوبی سرانجام می دہند و ہر یک کارخانہ را بحدّے کہ شایانِ اوست، می دارند نہ بحدّے افراط می کنند کہ در یک کارخانہ ہمگی ہمّتِ خود غریق شدہ کارخانۂ دیگر را برباد دہند یا اہلِ آں کارخانہ را چنداں قوّتِ تسلّط دہند کہ اہلِ کارخانجاتِ دیگر مثلِ رعایا در دستِ ایشاں مقہور شدہ خود ایشاں را فراموش کنند و نہ چنداں تفریط می ورزند کہ آں کارخانہ بے رونق شود و اہلِ آں چادرِ مذلّت پوشیدہ در زاویۂ خمُول و تعطّل بنشینند و ہمچنیں در امرِ مُلاقات مع النّاس وُسعتِ عُظمٰے می دارند کہ با ہر یکے از اشخاصِ مُختلف الاستعدادات والاَمزجہ و مُتغایرِ الحاجات والاغراض بوضعِ پیش می آیند کہ شایانِ اوست و مُعاملے بر رُوے کار می آرند کہ پیمانۂ استعدادِ آں شخص پُر شود و در ذہن چناں نشیند

پراگندہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر معاملے پر توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر کام کو بحُسنِ خوبی انجام دیتے ہیں اور ہر کارخانے کو جیسا کہ اس کے لائق ہے، چلاتے ہیں، نہ اتنی زیادتی کرتے ہیں کہ ایک ہی کارخانے میں محو ہو جائیں اور دُوسرے کارخانے کو تباہ کر دیں یا اس کارخانے کے لوگوں کو اتنا تسلّط دے دیں کہ دوسرے کارخانے والے رعایا کی طرح اُن کے ہاتھوں میں مجبور ہو جائیں اور اُن کو بھول جائیں، اور نہ اتنی کمی کرتے ہیں کہ وُہ کارخانہ بے رونق ہو جائے اور اس کے مُتعلّقین چادرِ ذلّت اوڑھ کر زاویۂ خمُول و تعطّل میں بیٹھ رہیں۔ اور اسی طرح لوگوں سے ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں، مختلف الاستعداد، مختلف الطبائع، مُتغائر الحاجات والاغراض اشخاص میں سے۔ ہر ایک کے ساتھ اس طرح سے پیش آتے ہیں، جیسے کہ اس کے لائق ہوتا ہے اور اُس سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جو اُس کے پیمانۂ استعداد کے

کہ اختصاصے کہ مرا بایشاں بہم رسیدہ	مطابق ہوتا ہے اور اُس کے ذہن میں بیٹھ
کسے را از دیگراں، اگرچہ اعلیٰ وارفع باشد	جاتا ہے کہ جو تعلق اور خصوصیت مجھ سے ہے،
خدمت و مرتبت از من باشند، حاصل	وُہ ایسے شخص سے بھی نہیں ہے، جو باعتبار
نشدہ باشد۔[1]	خدمت و مرتبت مجھ سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

پچھلے صفحات سے آپ کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جامعیت اور یہ شانِ امامت سید صاحبؒ کو عطا فرمائی تھی۔ اُوپر کے اقتباس میں اُنھوں نے سالکِ راہِ نبوت کی جس شان وُسعت کو بیان کیا ہے، وُہ بدرجۂ اتم اُن میں موجود تھی۔ دین کے مختلف شُعبے اُن کی ذات اور جماعت سے وابستہ تھے۔ دین کی تجدید و احیا کے عظیم و وسیع کام میں ہر طرح کی صلاحیتیں اور استعدادیں اور ہر ذوق و رجحان کے لوگ مصروف تھے۔ جسمانی قوت، فنِ سپہ گری، قوتِ تدریس، علمی استعداد، سلیقۂ تصنیف و تالیف، تحریر و انشاء، ادب و شاعری، تدبر و سیاست، دولت و امارت، قوتِ قلبی اور کمالِ باطنی، سب دین کی خدمت میں مصروف تھے اور اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ معمولی حیثیت کے سپاہی، ناز و نعم کے پلے ہوئے شریف زادے، صاحبِ سلسلہ مشائخ، محقق علماء، زبان آور ادیب و شاعر سب ایک دُوسرے کے دوش بدوش خدمتِ دین کے میدان میں کام کر رہے تھے اور اپنی مخصوص صلاحیتوں سے کام لے رہے تھے۔ اُن میں سے کسی کی صلاحیت اور جوہر کی تحقیر نہیں ہوتی تھی۔

آپ جماعت کے افراد میں سے جس فرد میں جو نمایاں خصوصیت و استعداد دیکھتے تھے، وُہی خدمت اُس کے سپرد فرماتے تھے اور اُس کی اسی استعداد کی ہمت افزائی اور سرپرستی فرماتے تھے۔ بعض بعض ممتاز افرادِ جماعت کو جہاد بالسیف کے بجائے آپ نے تبلیغ و دعوت اور اصلاح و تربیت پر مامور فرمایا اور باصرار اُن کو اس مُہم پر روانہ کیا اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وُہ ان کے پورے اہل تھے اور اُن کی ذات سے ہزاروں بندگانِ خدا کو ہدایت ہوئی۔ چنانچہ مولانا

---

[1] صراطِ مستقیم صفحہ ۱۵۵

سید محمد علی رامپوریؒ اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو سرحد سے ہدایت و اصلاح کے لیے جنوبی ہند بھیجا اور اُن کے حق میں دُعاءِ خیر فرمائی اور اُن کی کامیابی کی اُمید ظاہر کی۔ مولانا ولایت علی صاحب پر سید صاحبؒ کی جُدائی بہت شاق تھی۔ آپ نے فرمایا: "مولانا، ہم آپ کو تخم کرکے اُٹھاتے ہیں"۔ چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ ہدایت و اصلاح کا یہ تخم کیسا بارآور ہُوا اور ان دونوں بزرگوں بالخصوص مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے بالاکوٹ کے حادثے کے بعد سید صاحبؒ کی نیابت اور جماعت کی تنظیم و امارت کا کام کس کامیابی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

مولانا کرامت علی جونپوریؒ سے آپ نے بیعت لینے کے بعد ہی اوّل ہی ہفتے میں فرمادیا کہ اب ہدایت کے کام میں لگ جائیے اور شجرہ و خلافت نامہ بتوسط حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عطا فرمایا۔

مولانا کرامت علیؒ کو جہاد بالسّیف کا ازحد شوق تھا۔ چنانچہ اسی شوق میں آپ نے فنِ سپہ گری و شمشیر زنی کو محنت سے حاصل کیا تھا۔ جب سید صاحبؒ نے جہاد کے لیے روانگی کا قصد کیا، تو مولانا مرحوم نے بھی آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے اس کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ جہاد باللّسان کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ تم سے خدا کو وراثتِ نبویؐ اور تبلیغِ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمہارے اندر اس کی استعداد ودیعت فرما دی ہے۔ تمہارے لیے یہ تبلیغی کام جہادِ اکبر ہے اور تمہاری زبان و قلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے۔" یہ پیشین گوئی حرف بحرف پُوری ہُوئی۔ مولانا کرامت علیؒ کی تبلیغ و دعوت سے بنگال کے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہُوئے اور اُنھوں نے اسلام کی راہ پائی۔

جماعت کے نمایاں اشخاص پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہر صلاحیت اور ہر کمال اور ہر ذوق کے لوگ اس میں شامل تھے اور سب اپنی مخصوص صلاحیت اور ذوق سے جماعت اور اُس کے مقاصد کو کسی نہ کسی طرح کا فائدہ پہنچا رہے تھے اور سب سے کم درجے کی بات یہ ہے کہ اس جماعتی تعلق اور محبت کی وجہ سے وُہ صحیح عقائد پر قائم اور شرک و بدعات اور معصیت و بغاوت کی زندگی سے محفوظ تھے۔ آپ کو اس جماعت کے مخلصین میں جہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اور مولانا عبدالحیؒ جیسے سرآمدِ روزگار فضلاء، حاجی عبدالرحیمؒ ولایتی اور مولانا محمد یوسفؒ پھلتی جیسے صُلحاء نظر آئیں گے، اُردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر اور اُستادِ عصر حکیم مومن خاں دہلوی بھی شریکِ بزم نظر آئیں گے۔ سرحد سے ہندوستان کے اہلِ تعلق کو جو خطوط لکھے گئے ہیں۔ اُن میں جہاں علماءِ عصر اور مشائخِ وقت کو سلام و پیام لکھا ہے، وہاں مومن خاں کو بھی خصوصیت سے سلام پہنچایا گیا ہے اور محبت و خصوصیت کے اِن الفاظ کے ساتھ،

"از طرفِ امامِ ہمام بخدمتِ معدنِ غیرتِ ایمانی، منبعِ حمیتِ اسلامی مومن خاں سلام شوق برسد"

مولانا اسمٰعیلؒ اپنے خطوط میں اُن کو سلام لکھتے ہیں، تو "ہدایت نشان مودّت عنوان" کے خطاب سے یاد فرماتے ہیں۔ اس تعلق و اعتقاد کا یہ اثر ہے کہ خاں صاحب آخر آخر تک عقائدِ صحیحہ پر قائم رہے اُن کا مشہور مصرع زبان زد ہے۔ ؎

مومن نہیں، جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

اُن کے مجموعۂ کلام میں مثنوئ جہادیہ اور قصیدۂ منقبت اب بھی یادگار ہے، جس کا یہ شعر اُن کے اس قلبی تعلق و ارادت کو ظاہر کرتا ہے:

گلابِ ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ
کہ فکرِ مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثر ہے

ایسی گوناگوں خصوصیات رکھنے والی جماعت کے نظم، نیز ایک دینی ریاست کے انتظام کے لیے، جس کی آپ داغ بیل ڈال رہے تھے، اعلیٰ درجے کی فراست اور مردم شناسی کی ضرورت تھی، مختلف ذمہ داریوں کے لیے موزون و صحیح آدمیوں کا انتخاب اور ہر شخص سے اُس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام لینے کے لیے ہر شخص کو سمجھنے اور اُس کی استعداد و استطاعت کا صحیح اندازہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جوہر بدرجۂ کمال عطا فرمایا تھا۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

"آپ بڑے صاحبِ فراست اور مردم شناس تھے۔ کوئی شخص کیسا ہی دانا،

معاملہ فہم اور تجربہ کار ہوتا، لیکن اگر اُس کو ذرا بھی کسی عہدے کا شوق یا امارت کی طلب ہوتی، تو لوگوں اور مُقربین کی سفارش کے باوجُود اُس کو وُہ عُہدہ سپُرد نہ کرتے۔ اگرچہ آغاز سے حضرت کا یہی مذاقِ طبیعت تھا، مگر سرحدی فتوحات کے زمانے میں سختی سے اس اصُول پر کاربند رہے۔ سرحدی فتوحات کے بعد مختلف ممالک سے لوگوں کا ہجوم ہُوا، جن میں سے اکثر جہاد کی نیت سے اور کمتر حکومت و منصب کی طمع میں دُور دُور سے آئے اور ان میں بہت سے لوگوں نے اپنی شان میں قصیدہ خوانی کی اور اپنے مناقب و فضائل اور کارنامے بیان کیے، لیکن حضرت نے ہمیشہ معتبر، آزمودہ کار اور متقی و مُتدین لوگوں کو عُہدے دیے۔

مولانا محمد یوسف صاحب (برادر زادہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ)

جو سیّد صاحبؒ کے نزدیک لشکرِ اسلام کے قطب تھے، اس جماعت میں امین الاُمّة حضرت ابُو عبیدہ بن الجراحؓ کے قائم مقام تھے۔ آپ جماعت کے خازن اور بیت المال کے محافظ تھے۔ عطایا اور اموال کی تقسیم آپ ہی کے سپرد تھی۔ تقسیم میں بے انتہا احتیاط اور تدقیق سے کام لیتے اور خود امیر المومنین کے حصّے میں ذرا زیادتی روا نہ رکھتے، اگر کبھی سیّد صاحبؒ مزاحًا فرماتے کہ مولانا، مجھے کچھ زیادہ نہیں دیتے” تو مولانا نہایت ادب سے عرض کرتے کہ اگر حکم ہو، تو سارا مال قدموں پر ڈال دُوں، لیکن تقسیم میں مجھ سے کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ اس میں مساوات ہی ہو گی

امانت اور دیانت داری کے امتحان کے لیے آپ کبھی عجیب طریقہ اختیار فرماتے، آپ جب کبھی کسی کی دیانت داری کا امتحان کرنا چاہتے، تو اُس کو کسی وقت کچھ پیسے یا روپے رکھنے کو دے دیتے اور بہت دنوں تک اُس کا تقاضا نہ کرتے۔ پھر کسی وقت دفعتًہ اس کا مُطالبہ کرتے۔ اگر وُہ شخص امین ہوتا، تو فوراً حاضر کر دیتا، ورنہ تاخیر ہوتی اور امتحان میں ناکامیاب ہوتا۔”[۱]

---

[۱] وصایا الوزیر

پچاسواں باب

تجدید و اِمامت و تزکیۂ باطن

مقامِ تجدید کُتبِ سُنن کی حدیث ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ	اللہ تعالیٰ ہر سو برس کے اُوپر ایسے شخص
سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ	کو پیدا کرے گا جو اس اُمت کے لیے اس
أَمْرَ دِيْنِهَا:	کا دین نیا اور تازہ کر دے۔

"تجدید" اسلام میں بہت بلند مقام اور مخصوص رُتبہ ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لیے تجدیدِ دین کا کام اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آپ کی اُمت کے چند اُولوالعزم افراد سے لے گا، جن کی کوششوں اور مسیحا نفسی سے دین میں جان پڑے گی اور اہلِ دین میں نئی زندگی پیدا ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے، جو اس مقام سے واقف نہیں، محض کثرتِ تصنیف یا تبحرِ علمی کو کافی سمجھا اور مُجددینِ اُمت کی فہرست ترتیب دی، جس پر بحث کرنا اس وقت ہمارے دائرے سے خارج ہے۔ عُلماء و مبصرین کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت سید احمد صاحبؒ تیرھویں صدی کے مُجدِّد تھے اور اگر تجدیدِ دین کوئی چیز ہے، تو آپ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔

سید صاحبؒ کی تجدید کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اصول و مبادی میں،

اپنی جامعیت میں اور اپنے نظام و ترتیب میں اور اپنے نتائج و آثار میں اسلام کی اصل دعوت سے بہت مشابہ اور قریب ہے اور حقیقت میں کسی ایسی ہی ہمہ گیر اور بنیادی کوشش پر تجدید کا لفظ (جس کے معنی اصل دین کو نیا اور تازہ کر دینا ہے) منطبق ہوتا ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصل کام، جس کی تاریخ و تفصیل کئی سو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، اسی نقطے سے شروع ہوتا ہے، جو اصل اسلامی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے اور ہمیشہ اس کی ہر تجدیدی کوشش کا نقطۂ آغاز رہے گا، یعنی صحیح اور کامل مسلمان پیدا کرنا، اسلام کی دعوت کو نئے سرے سے اسی قوت اور روح کے ساتھ پیش کرنا جس طرح اس زمانے میں اس کی ضرورت ہے۔

یہ تحریک جس طرح شروع ہوئی اور جہاں تک پہنچی، اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں نظر سے گزر چکی ہے اور اس کے نتائج اور عملی مثالیں آئندہ اوراق میں نظر سے گزریں گی۔ اس تجدید سے مسلمانوں کی عام زندگی میں جو مجموعی انقلاب برپا ہوا، اس موقع پر اس کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

اسلام کی طرف رجوع عام پہلا انقلاب حقیقی اسلام کی طرف بازگشت اور دینی زندگی کا احیاء ہے، جو پہلی حالت کی نسبت سے انقلاب عظیم ہے۔ اس بارے میں آپ کا شمار امت کے عظیم ترین مصلحین اور مجددین میں ہے۔ آپ کے وجود نے اسلام کے حق میں باران رحمت اور باد بہاری کا کام کیا۔ آپ کے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی، خدا کا نام سیکھا اور دین کا راستہ اختیار کیا۔ فساق و فجار ابرار و اخیار ہو گئے، ہزارہا غافل و کم ہمت شیخ وقت اور سالک طریق بن گئے۔ آپ جدھر سے گزرے، عمل کا شوق، عبادت الٰہی کا ذوق، اتباع سنت کا ولولہ پیدا ہو گیا، طاعات آسان ہو گئیں، معاصی سے نفرت ہو گئی، خشیت الٰہی پیدا ہو گئی۔ جہاں آپ نے کچھ دن قیام کیا، شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں، میخانوں میں خاک اڑنے لگی، مسجدیں آباد ہو گئیں۔ جب آپ سفر حج کے لیے مکان سے چلے تھے، تو آپ نے فرمایا تھا:

> "مجھ کو عنایتِ الٰہی سے اُمیدِ قوی ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک و بدعت اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائرِ اسلام سے مُطلق ناواقف ہیں، وہ پکّے مؤحّد اور متقی ہو جائیں گے۔"

کتاب کا باب سوم (سفرِ حج) پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

ہندوستان میں آپ کی دعوت و اصلاح نے قلوب میں جو ایک عام حرکت اور زندگی میں جو ایک عام انقلاب پیدا کر دیا تھا اور مسلمانوں نے جس طرح اس دعوت کا استقبال کیا اور اُن کے ہر طبقے نے اس سے فائدہ اُٹھایا، اس کا کچھ اندازہ مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ کی اس تحریر سے ہوگا :

> "جس وقت دعوت کی آواز مُلکِ ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام مُلک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمعِ ہدایت پر ہجوم کرنے لگے یہاں تک کہ ایک ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی۔ ان کا گروہ روز بروز بڑھتا گیا اور ہزارہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مُشرّف ہوئے اور ہزارہا لوگوں نے مذاہبِ باطلہ سے توبہ کی۔ پانچ چھ برس کے عرصے میں ہندوستان میں تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفرِ حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرّف ہوئے۔ ان سب لوگوں میں ہزارہا عالم ہیں اور ہزارہا عاقل اور سیکڑوں حافظ ہیں اور سیکڑوں مفتی اور بہتیرے جہاندیدہ ہیں اور بہتیرے کار آزمودہ۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اللہ کے حضور میں اُن کی بڑی مقبولیت اور تائید ہے کہ تمامی خلائق کا دل اُن کی طرف بے اختیار کھنچا جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر مُرید ہوتے ہیں۔"[1]

---

[1] رسالۂ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ - صفحہ ۶۵

پھر اس دعوت کے اثرات اور اُس کے اثر سے زندگی کے تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس متبرک گروہ کا اثر دریافت کیا چاہیے کہ جو شخص اعتقاد کے ساتھ اس گروہ میں داخل ہوا اور اُس نے بیعت کی، اسی وقت سے اُس کو دنیا سے نفرت اور عاقبت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے اور شرک و بدعت سے محض پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی محبت اور عظمت، شرع کی تعظیم و توقیر، نماز کا شوق، سب اس کے دل میں جگہ پکڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو بُرے لگتے ہیں، اگرچہ باپ دادا ہوں، بیٹا بیٹی یا پیر اُستاد۔ دل میں اللہ کا خوف کچھ ایسا آجاتا ہے کہ ان کی مروّت ہرگز باقی نہیں رہتی۔ اکثر لوگوں نے عمدہ نوکریاں چھوڑ دی ہیں، حرام پیشے ترک کر دیے اور کتنے خانماں سے ہاتھ اٹھا کر محض اللہ کے واسطے نکل پڑے اور اس گروہ کے سبب ایک عالم نمازی ہوا، بلکہ اس گروہ کو دیکھ کر گمراہ کرنے والے بھی اپنے معتقدوں کو نماز کی تقیید کرنے لگے کہ ہمارے لوگ کہیں ہم سے نہ پھر جائیں۔"[1]

مولانا کرامت علی جونپوری لکھتے ہیں:

> "اس اُمّت مرحومہ کے واسطے حضرت قطب الاقطاب امیر المومنین سیّد احمدؒ کو اس تیرھویں صدی کا مجدّد پیدا کیا اور اس جناب نے دین کو تازہ اور نیا کر دیا اور غافلوں کو ہوشیار کر دیا اور دین کے علم کو خوب پھیلایا اور اس طرح فہمائش کر کے ذکر و مراقبہ تعلیم کیا اور مشاہدے کی حقیقت کو ایسا سمجھا دیا کہ جو نعمت برسوں میں حاصل نہ ہوتی تھی، سو اس جناب کے طریقے میں بآسانی ایک ہفتے عشرے میں حاصل ہونے لگی۔ اُن کے اوصاف و کرامات لکھنے کی حاجت

---

[1] رسالۂ دعوت، صفحہ ۶۸

نہیں، تمام ملک میں مشہور ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا کرامات ہوگی کہ اس ملک کے مردوں، عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہوگیا، اور آگے ہندوستان کے پیرزادوں اور مولویوں سے لے کر عوام تک کی عورتوں میں نماز کا چرچا بھی نہ تھا اور اب ہر قوم کی عورت مرد نماز میں بالکل مستعد ہوگئے ہیں۔ قرآن شریف کا صحیح اور باتجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہوگیا ہے اور حافظوں کی کثرت ہوگئی ہے یہاں تک کہ عوام کی عورتیں حافظ ہوگئیں اور دیہات اور شہروں میں لوگ حفظ کر رہے ہیں اور پرانی مسجدیں آباد ہوگئیں اور نئی مسجدیں بننے لگیں، ہزاروں آدمی مکے مدینے کے حج اور زیارت سے مشرف ہوئے اور شرک و بدعت اور کفر کی رسم اور خلافِ شرع کام سے لوگ باز آگئے اور سب کو دین کی تلاش ہوئی، اور دینی کتابیں، جو نادر و کمیاب تھیں، سو شہر گاؤں میں ہر کہیں گھر گھر پھیل گئیں، اور حقیقت میں حضرت سید احمد صاحبؒ اس زمانے کے سارے مسلمانوں کے مرشد ہیں، کوئی سمجھے، یا نہ سمجھے؛ جانے یا نہ جانے؛ مانے یا نہ مانے۔"[1]

مولانا حیدر علی رامپوری رسالہ "صیانۃ الناس" میں تحریر فرماتے ہیں:

> "اُن کی ہدایت کا نور آفتاب کی مثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلاد اور قلوبِ عباد میں منور ہوا۔ ہر ایک طرف سے سعیدانِ ازلی رختِ سفر باندھ کر منزلوں سے آ آ کے اشراک و بدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسبِ عادتِ زمانہ خوگر ہو رہے تھے توبہ کرکے توحید و سنت کی راہِ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفاءِ راست کردارِ جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دینِ محمدیؐ کی راہِ راست بتا دی، جن کو سمجھ تھی اور توفیقِ الٰہی نے اُن کی دستگیری کی، وہ اس راہ پر چلے۔"[2]

---

[1] مکاشفاتِ رحمت از مولانا کرامت علی جونپوری، صفحہ ۱۵

[2] صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس از مولانا حیدر علی رامپوری، مطبوعہ سنہ [illegible]ھ، صفحہ ۴

"اور ہزاروں خلیفہ جابجا مقرر ہوئے کہ اُن سے ایک سلسلۂ بیعت و ارشاد و تلقین جاری ہے اور وہ لوگ، جو نماز روزے سے بیزار اور بھنگ بوزیے کاربار رکھتے تھے، شراب اور تاڑی اُن کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا، برملا کہتے تھے کہ نماز کمپنی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کونسل کا آئین، زکوٰۃ و حج کا پھر کیا ذکر ہے؛ شبُ روز رشوت و زنا اور مردم آزاری و سُود خوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سیکڑوں ولد الزّنا اُن سے پیدا ہوئے اور صدہا پیر و جوان نامختون نصاریٰ اور مشرکوں کی مثل تھے۔ محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے کروائے، نیک اور پاک متقی ہو گئے حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت بہت ہندو اور رافضی اور جوگی اور انت حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آ کر خفیہ ایمان لائے۔ پھر ہزارہا علماء نے بعد حصولِ بیعت و خلافت رہنمائیِ خلق اللہ اختیار کی بعضوں نے وعظ و نصیحت ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھیرائی اور بعضوں نے آیاتِ قرآنی و احادیث صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں ترغیب عبادت اور ترہیب گناہی سے اپنے مُلک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے ہزاروں جُہلاء کو کہ سیدھا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے تھے، عالم بنا دیا اور بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے"[1]

مولوی عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت سیّد احمد صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلۂ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعے تمام روئے زمین پر جاری

---

[1] حیاۃ الناس صفحہ ۶۰

ہے، اِس سلسلے میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔[1]

نواب صدیق حسن خاں مرحوم "تقصار جیود الاحرار" میں سید صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

در ہدایتِ خلق و انابت بسوے خدا	خلقِ خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع
آیتے از آیاتِ الٰہی ظاہر شدہ۔ جہانے	کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے۔ ایک
بزرگ و عالمے بے شمار بتوجہِ قلبی و	بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی و جسمانی
قالبی او بمرتبہ ولایت فائز شدہ و	توجہ سے درجۂ ولایت کو پہنچی۔ آپ کے
وعظِ خلفاے وے سرزمینِ ہند را	خلفاء کے مواعظ نے سرزمینِ ہند کو
از خس و خاشاکِ شرک و بدع پاک	شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے
ساختہ و بر شاہراہِ اتباعِ کتاب و	پاک کر دیا اور کتاب و سنت کی شاہراہ
سنت آوردہ کہ ہنوز برکاتِ آں نصائح	پر ڈال دیا۔ ابھی تک اُن کے وعظ و پند
جاری و ساری است۔[2]	کے برکات جاری و ساری ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

حاصلِ کلام آنکہ دریں قرب زماں ایں	خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں دنیا کے کسی
چنیں صاحبِ کمالے در قطرے از	ملک میں بھی ایسا صاحبِ کمال سنا نہیں گیا
اقطارِ جہاں نشاں ندادہ اند، و چنداں	اور جو فیض اس گروہِ حق سے خلقِ خدا
فیوض کہ ازیں جماعتِ منصورہ بخلق	کو پہنچے، اُن کا عشرِ عشیر بھی اس
رسید، عُشرِ عشیرِ آں از دیگر مشائخِ علماء	زمانے کے علماء و مشائخ سے نہیں
ایں ارض معلوم نیست۔[3]	پہنچا۔

شرک و بدعت کا استیصال دوسرا انقلاب شرک و بدعت کا استیصال اور توحید و سنت کی اشاعت ہے۔ اس میں کم سے کم ہندوستان کی تاریخ میں آپ کا کوئی مثیل نہیں۔ آپ سے شرک

---

[1] سوانح احمدی

[2] تقصار جیود الاحرار، صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰

[3] تقصار، صفحہ ۱۱۰

بدعت کی اس قدر بیخ کنی ہوئی کہ اگر کوئی حکومت بزورِ شمشیر کرتی، تو اس سے زیادہ استیصال ممکن نہ تھا۔ آپ توحید و سنّت پر لوگوں سے بیعت لیتے اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیتے۔ آپ کے متبعین و منتسبین میں یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا اور اس میں وُہ صحابہ کا نمونہ تھے۔ شرک و بدعت کے نام سے بھاگتے تھے اور توحید و سنّت پر جان دیتے تھے۔

بیعت کے وقت آپ کی سب سے بڑی تاکید اور آپ کے طریق کی سب سے مقدم اور سب سے اہم دفعہ یہی تھی کہ شرک و بدعت سے پُوری طرح احتراز کیا جائے گا اور توحید و سُنّت پر استقامت کی جائے گی۔ آپ کے نزدیک یہی طریقت کا مقصود اور یہی شریعت کی بُنیاد تھی، ایک اجازت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

پوشیدہ نماند کہ بیعت بر دو قسم است بیعتِ طریقت و بیعتِ امامت، امّا بیعتِ طریقت پس مقصود ازاں ہمیں است کہ راہِ رضامندیِ حق بدست آید و راہِ رضامندیٔ حضرتِ حق منحصر در اتّباعِ شریعتِ غرّا است، ہر کہ سوائے شریعتِ مصطفویہ راہ و طریقِ تحصیلِ رضامندیِ حق انگارد، پس بیشک آں شخص کاذب و گمراہ است و دعوئ او باطل و نامسموع، و اساسِ شریعت دو امر است، اوّل ترکِ اشراک و ثانی ترکِ بدعات

معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک بیعتِ طریقت، دوسری بیعتِ امامت۔ بیعتِ طریقت کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ ہاتھ آجائے اور حق تعالیٰ کی رضامندی منحصر ہے شریعت کی پیروی میں۔ جو شخص شریعتِ محمدیؐ کے سوا کسی اور راستے کو حصولِ رضائے خداوندی کا ذریعہ سمجھتا ہے، وُہ شخص جھوٹا اور گمراہ ہے، اور اس کا دعویٰ باطل اور نامسموع۔ اور شریعت کی بنیاد دو باتوں پر ہے: ایک ترکِ اشراک، دُوسرے ترکِ بدعات۔

امّا ترکِ اشراک پس بیانش آنکہ ہیچ کس را از مَلک و جن و پیر و مُرید و اُستاد و شاگرد و نبی و ولی حلّالِ مشکلات و دافعِ بلیّات و قادر بر تحصیلِ منافع نداند ہمہ را مثلِ خود عاجز و نادان در جنبِ قدرت و علمِ حضرتِ حق شمارد، و ہرگز بنا بر طلبِ حوائجِ خود نذر و نیاز کسے از انبیاء و اولیاء و صُلحاء و ملائکہ بجا نیارد، آرے ایں قدر داند کہ ایشاں مقبولانِ بارگاہِ صمدیت اند و ثمرۂ مقبولیتِ ایشاں ہمیں است کہ در بابِ تحصیلِ رضامندیِ پروردگار اتباعِ ایشاں باید کرد و ایشاں را پیشوایانِ ایں طریق باید شمرد نہ آنکہ ایشاں را قادر بر حوادثِ زمان و عالم السّر والاعلان داند کہ ایں امر محض کفر و شرک است ہرگز مومنِ پاک را ملوّث بآں شدن جائز نیست۔

امّا ترکِ بدعت پس بیانش آنکہ در جمیع عبادات و معاملات و امورِ معاشیہ و معادیہ طریقِ خاتم الانبیاء

ترکِ اشراک کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں جنّات، پیر و مُرید، اُستاد و شاگرد نبی و ولی میں سے کسی کو مشکل کُشا، دافعِ بلا اور منافع کے حاصل کرانے پر قادر نہ سمجھے سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کے سامنے اپنی طرح عاجز و نادان سمجھے اور اپنی ضرورتوں کی طلب میں انبیاءؑ اولیاء، صُلحاء، اور ملائکہ میں سے ہرگز ہرگز کسی کی نذر و نیاز نہ کرے، ہاں، یہ ضرور عقیدہ رکھے کہ وہ مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں اُن کی مقبولیت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُن کی پیروی کی جائے اور ان کو اپنا پیشوا سمجھا جائے، نہ یہ کہ اُن کو اس عالَم میں متصرّف اور ظاہر و باطن کا عالِم سمجھا جائے۔ یہ محض کفر و شرک ہے، مومن کا اس سے آلودہ ہونا کسی طرح درُست نہیں۔

ترکِ بدعت کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اور امورِ معاش و معاد میں خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بکمال قوت و علوِ ہمت باید گرفت و آنچہ مردمان دیگر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از قسم رسوم اختراع نمودہ اند، مثل رسوم شادی و ماتم و تجمل قبور و بنا عمارات بر آں و اسراف در مجالس اعراس و تعزیہ سازی و امثال ذلک ہرگز پیرامون آں نباید گردید و حتی الوسع سعی در محو آں باید کرد، اول خود ترک باید نمود۔ بعد ازاں ہر مسلمان را دعوت بسوے آں باید کرد، چنانچہ اتباع شریعت فرض است، ہمچنیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیز فرض۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو پوری قوت اور بلند ہمتی سے پکڑنا چاہیے اور جو آپ کے بعد لوگوں نے بہت سی رسمیں ایجاد کر لی ہیں، مثلاً رسوم شادی و ماتم، قبروں کی زینت و آرائش، اُن پر عمارتیں بنوانا، شادی کی تقریبات میں فضول خرچی و اسراف، تعزیہ سازی وغیرہ ہرگز ان کو اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان اُن کے ازالے کی کوشش کی جائے۔ اوّلاً خود ان کو ترک کیا جائے پھر ہر مسلمان کو ان سے اجتناب کی دعوت دی جائے جس طرح اتباعِ شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔

ہندوستان میں اُس وقت جاہل و مُبتدع صُوفیوں کے اثر، ہندوؤں کے اختلاط اور عُلماء و مشائخ کی چشم پوشی اور مصلحت کوشی کے نتیجے میں شرک و بدعات کی گرم بازاری تھی۔ ناموں میں، قسموں میں، نذر و نیاز میں، دُعاء و التجا میں، قبور و مزارات پر، شادی و غمی اور تقریبات میں، حتیٰ کہ مساجد کے اندر شرک داخل ہو گیا تھا، توحیدِ خالص پر تُو بر تُو پردے پڑے ہوئے تھے، شرک کی شناعت کا احساس جاتا رہا تھا اور بڑے بڑے مُشرکانہ فعل کی آسانی سے تاویل کر لی جاتی تھی۔ سیّد صاحبؒ کی اس صاف گوئی اور اعلانِ حق نے لوگوں کو چونکا دیا اور لوگوں کو عام طور پر اس مسئلے کی طرف توجہ ہوئی اور صدیوں کی عادات و رُسوم کا پردہ چاک ہُوا۔ مولانا

ولایت علی صاحبؒ رسالہ "دعوت" میں لکھتے ہیں :

> "گلی گلی شرک و بدعت کی تحقیق ہونے لگی اور پانچ پانچ سو برس کی رسُومات بد جہان سے اُٹھنے لگیں۔ اگر اس گروہ کا کوئی ادنٰی مُرید بھی ہے، تو اُس کو بھی تین چیزیں لازم ہوتی ہیں : شرک سے بھاگنا، نماز کی قید، شرع کی تعظیم۔"[1]

شرک و بدعت سے دین کی تطہیر اور تحریفات کا اِزالہ آپ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ ہے۔ مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مکی جونپوریؒ رسالۂ "نصائح" میں لکھتے ہیں :

> "جیسا کہ ملّتِ ابراہیم علیہ السلام کو مکّے والوں نے بدل ڈالا تھا۔ اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سیدھا کیا تھا اور تحریفات کو دُور فرمایا تھا، ویسا ہی سمجھو کہ شریعتِ محمدیہ کو جاہلوں اور بدعتیوں نے بدل ڈالا اور حضرتِ مجدّدِ وقت سیّد احمد امام دَورہ دامت برکاتہٗ نے تحریفات اور بدعتوں کو دفع کیا۔ اب سلامتِ دین وایمان اِسی خاندان اور طریقۂ محمدیہ میں ہے۔"[2]

توحید و سُنّت کا یہ رنگ اتنا گہرا اور آپ کی بیعت و صُحبت اس بارے میں اتنی مُؤثّر اور انقلاب انگیز تھی کہ جس نے ایک مرتبہ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، یا گھڑی دو گھڑی صحبت میں ٹھیر گیا، اس پر ایسا رنگ چڑھ گیا کہ کبھی طرح نہیں اُترتا تھا۔ بچّے اور عورتیں بھی اس رنگ میں ایسی کامل تھیں کہ کوئی اُن کو اس سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

آپ سے بیعت و تعلّق کا پہلا اثر عقیدے کی صحت و صفائی اور توحید و سُنّت میں پختگی کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا۔ اور وُہ اثر اکثر مُتعدّی اور بہت طاقتور ہُوا کرتا تھا۔

حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ چند روز آپ کے ساتھ سہارنپور میں رہے، لیکن اِن چند دنوں میں وُہ اس اثر سے اتنے متاثّر ہوئے کہ وُہ اس کے مستقل داعی بن چکے تھے۔

---

[1] رسالۂ دعوت، صفحہ ۹۵۔

[2] رسالۂ نصائح، نصیحت اوّل

آپ نے اس زمانے میں اپنے خلیفہ میانجی نُور مُحمّد صاحب جھنجھانوی رحؒ کو جو اجازت نامہ لکھا ہے، اس کے لفظ لفظ سے یہ اثر ظاہر ہوتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"از حاجی عبد الرحیم بخدمت میانجیو صاحب،	حاجی عبدالرحیم کی طرف سے میانجیو صاحب کی خدمت میں
مہربانِ مخلصاں میانجیو نُور مُحمّد صاحب،	مہربانِ مُخلصاں میانجیو نور مُحمّد صاحب،
بعدِ سلامِ مسنونُ الاسلام مکشوفِ	بعد سلام مسنُون الاسلام کے معلوم ہو کہ
ضمیر آنکہ مُدّعاے ضرُوری آنکہ آں	ضروری مُدّعا یہ ہے کہ آپ کو (بیعت
صاحب را اجازت است ہر کسے	لینے کی) اجازت ہے۔ جو آپ سے
کہ ارادۂ بیعت ازاں مہربان دارد،	بیعت کا ارادہ کرے، آپ پُورے
آں مخلص بہ دِلِ جمعی تمام بیعت و تلقین	اطمینانِ قلب کے ساتھ طالبین کو
بطالبین کردہ مانند۔ دریں امر ہرگز	بیعت و تلقین فرمائیں۔ اِس معاملے میں
درگزر روا ندارند، و وسوسہ و خطرہ	ہرگز تکلّف سے کام نہ لیں اور کسی مخالف
مخالفِ ایں معنیٰ را اصلا بدل راہ ندہند	وسوسے اور خطرے کو دل میں جگہ نہ دیں۔
و از اہمِ مقاصد و اعظمِ مُرادات	اہم مقصد و مطلوب یہ ہے کہ انسان
آنست کہ انسان خود بذاتہٖ مستحکم علی الشریعۃ	خود بذاتہٖ شریعت پر ثابت قدم ظاہراً و
بظاہر و باطن ہر وقت ماند و از بدعتُ	باطناً ہر وقت رہے اور ہر طرح کے شرکُ
شرک بہر کیف پاک باشد و ہمچنیں برائے	بدعت سے پاک رہے۔ اسی طرح سے
دیگر مومنین مُخلصین اہتدار ملحوظِ خاطر	دُوسرے مومنینِ مُخلصین کی ہدایت اس کے
ماند اللہ بس! زیادہ خیریتُ السلام۔	پیشِ نظر رہے، زیادہ خیریت، والسلام
و شرک فقط ہمیں نیست کہ غیرِ	یاد رہے کہ شرک فقط یہی نہیں ہے
خُدا را خدا گوید۔ بلکہ شرک را اقسام است	کہ غیر اللہ کو خدا کہے۔ شرک کی کئی قسمیں
شرك فی العبادۃ و آں آنست کہ افعال	ہیں: شرک فی العبادۃ، وُہ یہ ہے کہ جو افعال

برائے تعظیمِ خدا مشروع اند برائے غیرِ خدا بعمل آرد، چنانچہ سجدہ۔ و شرک فی العلم و آں آنست کہ عالم غیب سوائے خدائے تعالیٰ دیگرے را داند، چنانچہ جُہالِ ایں زماں می دانند؛ آنچہ می گوئیم پیرہا می شنوند۔ و شرک فی القدرۃ و آں آنست کہ دیگرے را مثلِ قدرتِ خدائے تعالیٰ ثابت کند مثلاً بگوید کہ ایں فرزند مرا فلاں پیر زادہ دادہ است یا رزقم فلاں پیر می دہد۔ و بدعت آنست کہ در شریعت کہ از پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت گردیدہ بر آں زیادتی کمی نماید چنانچہ سجدہ و رکوع در رکعت دو مشروع اند، کسے سہ کند و فہمد کہ زیادۃ عبادت است و یا کمی کند چنانچہ یک رکوع یا سجدہ و گوید کہ من عبادت کردم۔ ایں ہر دو عند الشرع مردود اند، فقط۔ از حکیم مغیث الدین سلامِ شوق مطالعہ باد و از کاتب الحروف امان اللہ سلامِ شوق مطالعہ باد![1]

خدا کی تعظیم کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ان کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے بجا لائے جیسے سجدہ۔ شرک فی العلم اور وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھے جیسے کہ اس زمانے کے جُہلاء سمجھتے ہیں؛ مثلاً ہم جو کچھ کہتے ہیں ہمارا پیر سنتا ہے شرک فی القدرۃ، اور وہ یہ ہے کہ دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ کی سی قدرت ثابت کرے مثلاً یوں کہے کہ میرا یہ لڑکا فلاں پیر زادے کا عطا کیا ہوا ہے، یا میری روزی فلاں پیر دیتا ہے۔ اور بدعت یہ ہے کہ اس شریعت میں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، کچھ زیادتی کمی کرے۔ چنانچہ رکعت میں ایک رکوع اور سجدے دو مشروع ہیں۔ کوئی تین کرے اور سمجھے کہ زیادتی عبادت ہے، یا کمی کرے، چنانچہ ایک رکوع اور ایک سجدہ کرے اور کہے کہ میں نے عبادت کی ہے۔ یہ دونوں شرع کے نزدیک مردود ہیں۔ فقط حکیم مغیث الدین کی طرف سے اور کاتب الحروف امان اللہ کی طرف سے سلام شوق پہنچے۔

---

[1] رسالۂ انوارِ محمدی از مولانا شیخ محمد تھانویؒ، مطبوعہ مطبع ضیائی ۱۲۹۱ھ

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے الفاظ ہیں :

"مجھ کو حضرت سیّد احمد صاحبؒ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی محبّت و عقیدت ہے۔ مَیں یہ جانتا ہُوں کہ وُہ اپنے پیر شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے بڑھ کر ہیں۔ باقی خدا جانے، کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے۔ مَیں اپنے قلب کا مُختار نہیں ہُوں۔ یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ پھر مَیں یہ کہتا ہُوں : اللہ (تعالیٰ) تو ہی جانے، مَیں مجبُور ہُوں۔ شاہ صاحبؒ کے پہلے بھی اس خاندان میں اِتّباعِ سُنّت تھا، مگر حضرت نے نہایت درجے کو اتّباع کیا۔ ہندوستان میں نُور پھیلا دیا۔ عُلماء کہتے ہیں کہ وُہی کتابیں پہلے تھیں، وُہی اب بھی ہیں، لیکن اب، خدا جانے، کیا بات ہو گئی، جو اُن کی صُحبت میں ایک گھڑی بیٹھا، اُس میں وُہی رنگ آ گیا۔"[1]

"سیّد صاحبؒ توحید و رسالت و اتّباعِ سنّت پر بیعت لیتے تھے اور بس۔ سیّد صاحبؒ اتّباعِ سُنّت کے لیے ازحد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے۔ مولانا عبد الحی صاحب سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر خلافِ سُنّت مجھ سے ہوتا دیکھو، تو مجھے اِطلاع کر دینا۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت، جب کوئی مُخالفِ سُنّت فعل آپ سے عبد الحی دیکھے گا، تو وُہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں ؟ یعنی، ہمراہی چھوڑ دونگا۔"[2]

ایک دُوسرے بزرگ کہتے ہیں :

"سب فضیلتیں ایک طرف اور یہ فضیلت ایک طرف ہے کہ سیّد صاحبؒ کے مُریدوں میں اُن کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ پھر کسی طرح اس میں تغیّر نہیں آتا تھا۔ بلا کی تاثیر تھی۔ ایک مرتبہ جس نے اُن کی صحبت اختیار کر لی، وُہ پھر نہیں

---

[1] ارمغانِ احباب (سفرنامہ) مولانا سیّد عبد الحی صاحب مرحوم ص ۲۵

[2] تذکرۃ الرشید ص ۲۴۲

> کا دم بھرنے لگتا تھا۔ مرد تو مرد، عورتیں، جنھوں نے سوائے ایک بار کے کبھی اُن کی زیارت نہیں کی، وُہ ایسی پختہ ہو جاتی تھیں کہ پھر کسی طرح اپنے خیالات سے نہیں ٹلتی تھیں۔ میری والدہ سیّد صاحب کی مُرید تھیں، لیکن اس طور پر کہ جب سیّد صاحب نانوتہ تشریف لے گئے اور عورتوں نے مُرید ہونا چاہا تو ایک مکان میں وُہ سب جمع کر دی گئیں۔ سیّد صاحب تشریف لائے اور دروازے سے پگڑی پھینک دی گئی۔ سبھوں نے اس کو تھام لیا اور توبہ کر لی۔ اُن عورتوں پر اچھی طرح وعظ و پند کا بھی اثر نہیں پڑ سکا، لیکن باوجود اس کے میری والدہ عقائدِ صحیحہ پر ایسی پختہ تھیں کہ اُن پر کسی کا جادُو نہیں چل سکا۔ پیرزادوں میں اُن کی شادی ہُوئی اور گنگوہ کے نہایت سخت پیرزادے سب ایک طرف، بلکہ والد ایک طرف اور وُہ ایک طرف، لیکن اگر اثر پڑا ہے، تو انھیں کا دُوسروں پر پڑا ہے، اُن پر کسی کا نہیں پڑا۔[1]

> سیّد صاحبؒ نے اپنے حلقۂ اثر میں رُسومِ شرک و بدعت کا بخوبی قلع قمع فرما دیا اور اچھی طرح سے اصلاحِ رسُوم کی۔ بعض برادریوں میں ان رسُوم غیر شرعیہ پر سزائیں اور تعزیرات مقرر ہو گئیں، سیکڑوں خاندانوں میں ان جاہلانہ رُسُوم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا، سیکڑوں امام باڑے ٹوٹ گئے، بیسیوں مقامات شیعیت و بدعتِ تفضیل سے پاک ہو گئے۔

آپ نے اسلام کے عقائدِ صحیحہ کی تبلیغ اور توحید و سُنّت کی عالمگیر اشاعت فرمائی۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھُوٹا، جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو۔ دہلی اور کلکتے کے درمیان سیکڑوں مقامات پر آپ نے خود دَورہ فرمایا۔ مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب کے مواعظ ہُوئے اور اللہ کی حُجّت تمام ہو گئی۔ سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا۔ حیدرآباد دکن، بمبئی، مدراس میں مولانا

---

[1] ارمغان احباب ص ۱۲۹

سیّد محمد علی صاحب رامپوریؒ و مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کو بھیجا، جنھوں نے وہاں قیام فرما کر اصلاحِ عقائد و اعمال و رُسوم کا عظیم الشان کام انجام دیا، ہزاروں بندگانِ خدا اور سیکڑوں امراء و رُؤساء و اہلِ علم و فضل مستفید ہُوئے اور توحید و سُنّت کا عام چرچا ہو گیا۔ پُورب میں آپ کے خُلفاء مولانا ولایت علی صاحبؒ و مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیے، بنگال میں مولانا کرامت علی صاحب کی کوششوں سے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے۔ نیپال کی ترائی میں مولانا جعفر علی صاحبؒ نے روشنی پھیلائی۔

افغانستان میں بھی آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ صاحب قندھاریؒ سے اِصلاح ہُوئی، جن کے خلیفہ مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ سے پنجاب میں بڑی ہدایت اور روشنی پھیلی۔

مُلکِ تبت میں بھی آپ نے تبتیوں کا ایک وفد تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا اور مسلمانوں کی اِصلاح اُن کے سپُرد کی۔ اوّل اوّل اُن کی سخت مخالفت ہُوئی، پھر اُن کو بہت کامیابی اور ترقی ہُوئی۔ ہزاروں آدمی اُن کے حلقہ بگوش ہو گئے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین بھیجے۔[1]

جاوا، بلغار، مراکش وغیرہ کے بھی بہت سے اہلِ علم و فضل نے آپ سے بیعت کی اور آپ نے اُن کو اجازت دی۔ اس طرح آپ کا پیغام اور آپ کے دینی اثرات ان دُور دراز مقامات پر بھی پہنچے

بعض مُردہ سُنّتوں اور غیر مُروّج فرائض کا اِحیاء

تیسرا انقلاب یہ ہے کہ بعض ایسے اسلامی احکام، جو اس وقت معاشرت و رواج کے زور سے قطعاً منسوخ ہو گئے تھے اور جن کے دوبارہ رائج ہونے کی بظاہر کوئی اُمّید نہیں تھی، آپ کی ہمّت اور کوشش سے دوبارہ رائج و مقبول ہُوئے، بیوہ کا نکاحِ ثانی شرفاء وقت کی شریعت میں کُفر و اِرتداد سے بڑھ کر تھا جس کی سزا اکثر قتل اور ادنیٰ

---

[1] وفد کو روانہ کرنے کا حال باب سوم میں گزر چکا ہے۔ میاں دین محمد صاحب، سیّد صاحبؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ سرحد سے سیّد صاحبؒ کے پاس ایک مرتبہ میں ہندوستان آیا۔ تو دو مرتبہ انھیں لوگوں میں کے چند آدمیوں سے ملاقات ہُوئی انھوں نے اپنی کامیابی کی رُوداد سنائی اور کہا کہ اب ہم نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین بھیجے ہیں۔ ۱۲

سزا مقاطعہ و اخراج تھی۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تلواریں کھنچ گئی ہیں، کشت و خون کی نوبت آگئی ہے، بارہا گھر بار چھوڑ کر جان بچانی پڑی ہے اور اس "جرم" کا مرتکب کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا ہے۔ سید صاحب نے اس پر مسلسل وعظ فرمائے اور پھر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اس کا دروازہ کھول دیا، پھر آپ کے متبعین نے آپ کی پیروی کی اور نکاح بیوگاں کی رسم جاری ہوگئی۔

اسی طرح حج علماء کی تاویلوں سے اس فقہی عذر کی بنا پر کہ راستے میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی اور "مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" ۳:۹۷ کے منافی ہے، اس لیے فرض نہیں ہے اور اس حالت میں حج کرنا فرمانِ خداوندی "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" ۲:۱۹۵ (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) کی مخالفت ہے، کچھ وقت کے لیے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہوگیا تھا اور ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا تھا۔ مجددِ وقت کے لیے اس کا انتظام کرنا اور احیاءِ سنت نہیں، بلکہ احیاءِ فرض کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کی دعوت دی۔ مولانا عبدالحی صاحب و مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس کی فرضیت کا فتویٰ دیا اور منکرین کے دلائل رد کیے، جس کی وجہ سے علماء میں کافی ہنگامہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے دریافت کیا۔ شاہ صاحبؒ نے شیخین سے اتفاق کیا اور ان کی بے حد مدح فرمائی۔ ۱۲۳۶ھ میں آپ نے سیکڑوں آدمیوں کے قافلے کے ساتھ بڑے اعلان اور شان و شوکت کے ساتھ حج کیا۔ آپ کا یہ سفرِ حج کی بہت بڑی تبلیغ اور اس کی فرضیت کا اعلان تھا۔ آپ جدھر سے جاتے تھے سیکڑوں آدمی آپ کے ہمراہ ہو جاتے تھے۔ اس سے لوگوں میں حج کا عام شوق پیدا ہو گیا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھل گیا۔

اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا، بیسیوں آداب و اسلامی عادات معاشرت میں داخل ہو گئے اور ایک نئی نسل پیدا ہو گئی، جو اپنے اخلاق، معاملات اور روزانہ زندگی میں تیرھویں یا چودھویں صدی کی نہیں، بلکہ قرنِ اوّل کی معلوم ہوتی ہے

سب سے بڑا اُہم بالشّان اور انقلاب انگیز انقلاب جہاد کا اِحیا ہے، جو اِس دَور میں باوجُود انتہائی ضرورت اور حالات کے تقاضے کے بالکل فراموش ہو چکا تھا۔ وعظ، درس اور عمل، کسی جگہ بھی اس کا وجُود نہ تھا۔ مدارس میں بقول حضرت شاہ اسمٰعیل شہید مسائلِ حیض و نفاس کے برابر بھی اس کی طرف توجّہ اور اس کی اہمیّت نہیں رہی تھی۔ مسلمان و غیر مُسلم بھُول چکے تھے کہ اسلام میں جہاد کا بھی حکم ہے۔ مُسلمانوں کے قُویٰ مضمحل ہو رہے تھے، حوصلے پست ہو چکے تھے، فاتح اور زندہ اقوام کی خصوصیات رُخصت ہو رہی تھیں حتّٰی کہ ہتھیار لگانا تقدّس و مشیخت کے خلاف سمجھا جانے لگا تھا اور انگُشت نمائی ہوتی تھی۔ مُسلمان کُفر کا غلبہ اور اپنی مظلومی برداشت کرنے کے عادی ہوتے جا رہے تھے، جو نہایت مُضر تھا۔ ہندوستان کے اِس نازک ترین اور پُرآشوب دَور کا مقابلہ کرنے سے مسلمان غافل تھے۔ سیّد صاحبؒ نے اس زمانے میں جہاد کا نام لیا، علانیہ اس کی تعلیم و تبلیغ کی، منبروں پر بیان کیا، سارے مُلک اور بیرُونِ مُلک میں اپنے داعی اور مبلّغ بھیجے، سیکڑوں آتشیں خطوط لکھے، جن کا ایک ایک فقرہ شمشیر و سِناں کا کام کرتا ہے، اہلِ ایمان کو غیرت دلائی، عُلماء کو اُن کا فریضہ یاد دلایا، عوام و خواص کے دِلوں پر اُس کی دینی عظمت و تقدُّس کا نقش بٹھایا، عُلماء و شُرفاء کو اس میں شریک کر کے لوگوں کی جھجک دُور کی اور خود اس میں فنا ہو کر مشائخ و بزرگانِ اُمّت کے لیے اُسوہ چھوڑا، پھر جہاد کر کے سارے ہندوستان میں سرفروشی اور جانبازی کی رُوح پھُونک دی اور ایک ایسی قوم پیدا کر دی، جس کے سر میں قرنِ اوّل کا نقشہ اور دِلوں میں صحابہؓ کا سا ولولہ تھا۔ قلُوب و ارواح کا یہ انقلابِ عظیم، ہزاروں انسانوں میں موت کا یہ عشق اور سرفروشی کی یہ رُوح پیدا کرنا آسان کام نہیں۔ یہ امامت کا وُہ منصب بلند ہے، جس کی حقیقت شاعرِ حکیم اقبال نے بیان کی ہے:

تُو نے پُوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے   حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وُہی تیرے زمانے کا امامِ برحق   جو تجھے حاضر و موجُود سے بیزار کرے
مُوت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست   زندگی اور بھی تیرے لیے دُشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے   فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

جماعت کی سیرت واخلاق سید صاحبؒ کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ آپ کی سب سے بڑی کرامت اور آپ کی زندہ یادگار آپ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی وہ بے نظیر جماعت تھی، جس کی مثال اتنی بڑی تعداد میں اور اس جامعیت وکاملیت کے ساتھ خیرُ القُرون کے بعد بہت کم ملتی ہے۔ اُن کی صحیح اور مُحتاط تعریف یہ ہے کہ وُہ تیرھویں صدی میں صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے اور یہ کسی مسلمان فرد یا جماعت کے لیے آخری تعریف ہے۔ یہ لوگ بلا مبالغہ عقائد، اعمال واخلاق، توحید، اتباعِ سُنّت، شریعت کی پابندی، عبادت وتقویٰ، سادگی وتواضع، ایثار وخدمتِ خلق، غیرتِ دینی، شوقِ جہاد وشہادت، صبر واستقامت میں مُہاجرین کا نمونہ تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے مُسدّس میں صحابۂ کرامؓ کی نہایت سچی اور بولتی ہوئی تصویر کھینچی ہے۔ ان بزرگوں کا سراپا بھی اس سے زیادہ مکمل نہیں کھینچا جا سکتا اور یہ لباس صحابہؓ کے بعد اُن کے بدن پر راست آتا ہے:

سب اسلام کے حکم بردار بندے   سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خُدا اور نبیؐ کے وفادار بندے   یتیموں کے، رانڈوں کے غمخوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مےِ حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے   کہانت کی بُنیاد ڈھا دینے والے
سرِ احکامِ دیں پر جھکا دینے والے   خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف اُن میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اُس کا اِخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلّف کی کُلفت نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صُورت فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اِک باغ اَیسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پَودا

خلیفے تھے اُمّت کے ایسے نگہباں ہو گلّے کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذِمّی و مُسلم کو یکساں نہ تھا عبد و حُر میں تفاوُت نُمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں اَیسی
زمانے میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دَوڑ اور بھاگ اُن کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خُود بخُود آگ اُن کی شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُن کی
جہاں کر دیا نرم، نرما گئے وُہ
جہاں کر دیا گرم، گرما گئے وُہ

کِفایت جہاں چاہیے، واں کِفایت سخاوت جہاں چاہیے، واں سخاوت
جچی اور تُلی دشمنی اور محبت نہ بے وجہ اُلفت، نہ بے وجہ نفرت
جُھکا حق سے جو، جُھک گئے اُس سے وُہ بھی
رُکا حق سے جو، رُک گئے اُس سے وُہ بھی

تزکیہ و اِصلاحِ باطن

اسلام میں تزکیے کا مقام قرآن مجید نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کیے ہیں:

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیمِ کتاب و حکمت

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	وُہ جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں ایک پیغیبر
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ	اُنھیں میں کا، جو پڑھ کر سُناتا ہے اُن کو اُس کی
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ	آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے
وَالْحِكْمَةَ (الجمعۃ ۲)	اُن کو کتاب و حکمت۔

اِن اوصاف میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصُوص صفت آپ کی صفتِ تزکیہ ہے۔

تزکیے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف پڑھ کر سُنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اِس تلاوت و تعلیم کا رنگ اُن پر چڑھا دیتے ہیں۔ اس کتاب و تعلیم کو اُن کے کانوں اور دماغوں سے گزار کر اُن کے قلوب و ارواح کو رنگین کرتے ہُوئے اُن کے اعضاء و جوارح سے جاری کر دیتے ہیں: یہی صفت آپ کو دُنیا کے تمام واعظین و معلمین سے ممتاز کرتی ہے کہ آپ واعظ و معلم کے علاوہ مزکّی بھی تھے اور اسی لیے آپ دُنیا کے سب سے کامیاب مُرشد و ہادی تھے۔ صحابہ کی حیرت انگیز رُوحانی اخلاقی، ذہنی، عملی تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا راز یہی تھا اور آج اِسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسُوس ہوتی ہے۔

دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی صحبت میں پارس کی تاثیر تھی جس کو میسّر آئی، وُہ کُندن نہیں، بلکہ خود پارس بن گیا۔ بہائم انسان بن گئے اور انسان فرشتے۔ اُن کی اعتقادی، اخلاقی، رُوحانی تربیت اِتنی اعلیٰ اور مکمل ہُوئی جس سے زیادہ تصوّر میں نہیں آسکتی۔ جو آپ کے پاس بیٹھ آپ کے رنگ میں رنگ گیا، شریعت کے سانچے میں ڈھل گیا۔ اِتباعِ شریعت بلا ارادہ ہونے لگا، طاعات آسان اور طبعاً مرغوب ہو گئیں، معاصی مکروہ اور طبعاً مبغُوض ہو گئے، یہاں تک کہ اُمت کا

صحابہؓ کے متعلق عقیدہ ہے کہ وُہ سب کے سب عادل ہیں اور ادنیٰ صحابی بھی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔

فوری تبدیلی اور باطنی تصرّف کے واقعات سے بھی سیرت کی کتابیں بھری ہیں:

فُضالہؓ بن عُمیر کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فتحِ مکّہ میں طواف فرما رہے تھے۔ مَیں بُرے ارادے سے آیا۔ جب قریب ہُوا، تو آپ نے فرمایا: "فُضالہ؟" مَیں نے کہا: "یا رسُول اللہؐ، فُضالہ ہی ہے۔" فرمایا: "کیا ارادہ کر رہے تھے؟" مَیں نے کہا: کُچھ نہیں، اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔" آپ ہنسے اور کہا: "فُضالہ، اللہ سے مغفرت چاہو۔" پھر آپ نے دستِ مُبارک میرے سینے پر رکھ دیا۔ میرا دل ٹھیر گیا۔ خدا کی قسم ابھی آپ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ اللہ کی مخلوقات میں آپ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں محبُوب نہیں رہی۔ مَیں واپس گیا، تو وُہ عورت ملی، جس سے مَیں باتیں کیا کرتا تھا۔ اُس نے کہا: آؤ، فُضالہ، باتیں کریں۔" مَیں نے کہا: اسلام کے بعد یہ نہیں ہو سکتا۔"[1]

حضرت عمروؓ بن العاص کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض ہستی دُنیا میں کوئی نہ تھی۔ اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا، تو اپنی عاقبت ضرور خراب کر لیتا۔ لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ سے زیادہ محبُوب و محترم ذات دُنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی، یہاں تک کہ مَیں نظر بھر کر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی آپ کا حُلیہ پُوچھتا، تو واللہ مَیں آپ کا حُلیۂ مُبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اس لیے کہ مَیں نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں تھا۔[2]

تزکیہ میں نیابتِ نبوّت آپ کے بعد آپ کی اُمّت میں آپ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علٰحدہ علٰحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین و نائب ہُوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

---

[1] زاد المعاد

[2] مسلم و کتاب الایمان نیز ابی محذورہ و ثمامہ بن اثال و ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

بعض کے حصے میں تلاوتِ کتاب آئی، بعض کو تعلیمِ کتاب۔ بعض کو تعلیمِ حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ ہے اور بعض جامع اوصاف ہیں۔

صرف تلاوتِ کتاب کرنے والے حفاظ و قرّاء ہیں، تعلیمِ کتاب کی خدمت انجام دینے والے علماءِ ظاہر ہیں اور حکمت کی تعلیم دینے والے علماءِ باطن اور محققین صوفیہ ہیں اور تزکیہ کرنے والے آپ کی اُمت کے وُہ اہلِ دل اور صاحبِ حال بزرگ ہیں، جو آپ کے انفاس و انوار کے وارث و حامل ہیں۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لیے اور اُن کی برکات پہنچانے کے لیے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے، جتنی کتاب و حکمت کی تعلیم۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ تعلیم ہے اور وُہ تربیت، اور تکمیلِ انسانیت کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے باوجود تزکیے کی کمی اسی طرح محسوس ہوتی ہے، جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وُہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے۔ ؎

زباں گو صاف ہو جاتی ہے، دل طاہر نہیں ہوتا

اہلِ دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پُوری کی اور اُمت کی اصلاح اور دین کی خدمت میں عُلماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا۔ دونوں نے مل کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا۔ عُلماءِ ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی مرضی، اُس کی خوشی و ناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہوا، تو ان بزرگوں سے حقائقِ شرعیہ اور حِکَمِ الٰہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق و ولولہ، متابعت کا جذبہ، قلب میں تازگی و رقت، رُوح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت و اخلاص، تہذیبِ نفس اور طہارتِ اخلاق حاصل ہوئی، جن کو نصُوصِ قرآن و حدیث میں لفظِ "احسان" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعد میں اسی تزکیہ و احسان کو لوگوں نے تصوّف، طریقت، علمِ باطن، سلوک، مختلف ناموں سے یاد کرنا شروع کیا۔ اُسی وقت سے یہ بحثیں پیدا ہوئیں کہ یہ چیز بدعت ہے یا سُنت، فرض ہے یا واجب

مستحب ہے یا مباح، اور شریعت و طریقت میں موافقت ہے یا مغایرت۔ پھر اس میں مختلف مذاہب اور گروہ ہو گئے اور یہ ایک بہت بڑا اختلافی مسئلہ بن گیا۔ رفتہ رفتہ ظاہر و باطن کی تقسیم ہوئی اور بہت سے لوگوں نے اس پر مصالحت کر لی کہ شریعت و طریقت کی راہ الگ الگ ہے، رہنما الگ الگ ہیں اور رہ نورد الگ الگ۔ حالانکہ یہ تقسیم سراسر بدعت ہے۔ لیکن اگر خیال رکھا جائے کہ تزکیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وصفِ خاص ہے، جس کو زبانِ وحی نے آپ کے اوصاف کے تذکرے میں کبھی نظر انداز نہیں کیا، تو یہ مباحث، جنھوں نے بہت کچھ تلخی پیدا کر لی ہے اور دو محترم گروہوں میں، جن میں سے ہر ایک کو دوسرے کی امداد کی ضرورت ہے، بہت ہی غیریت اور دوری پیدا کر دی ہے، از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح کتاب و حکمت کی تعلیم بعد میں ایک فن اور "صناعت" بن گئی اور اس کے لیے بہت سے علوم و مقدمات، کتابوں اور اساتذہ کا ایک پورا ضروری سلسلہ پیدا ہو گیا اور دین کے خادموں نے اپنے اپنے وقت میں اس میں پوری کوشش کی اور اہلِ حق نے اس کو بدعات میں شمار نہیں کیا، بلکہ خدمتِ دین اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھا، اسی طرح تزکیہ بھی رفتہ رفتہ ایک فن اور صناعت ہو گیا، جس کے لیے تعلیم اور اساتذۂ فن کی ضرورت ہوئی۔ نیز ہر زمانے کی صحت و مرض اور اہلِ زمانہ کے مزاج کے موافق ان اطباءِ اُمت نے قلوب و ارواح کا علاج کیا اور وقتاً فوقتاً اس "طبِ نبوی" کی تجدید کرتے رہے۔

سید صاحبؒ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، جو نہ صرف ایک شیخِ طریقت ہی تھے، بلکہ مجددِ طریقہ اور مجتہدِ فن بھی تھے۔

جہاد و قربانی اور اصلاح و انقلاب کے لیے تزکیے کی ضرورت

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور اصلاح و انقلاب و تسخیر کے لیے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے، وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائیِ باطن، تہذیبِ نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی

اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جن حضرات نے اسلام میں مُجدّدانہ یا مُجاہدانہ کارنامے انجام دیے ہیں اُن میں سے اکثر افراد رُوحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ اِن آخری صدیوں ہی پر نظر ڈالیے۔ امیر عبدالقادر الجزائری مُجاہدِ الجزائر، مُحمّد احمد السوڈانی (مہدیِ سُوڈانی)، سیّدی احمد الشریف السنوسی (امامِ سنوسی) کو بھی آپ اِس مَیدان کا مرد پائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مُجاہدات و ریاضات، تزکیۂ نفس اور قُربِ الٰہی سے عشقِ الٰہی اور جذبِ شوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے، اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے ؎

ہمارے پاس ہے کیا، جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگیِ مُستعار رکھتے ہیں!

اِس لیے رُوحانی ترقی اور کمالِ باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوقِ شہادت ہے اور مُجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔

اب ہم سیّد صاحبؒ کے طریقے کی چند خصوصیات لکھتے ہیں اور اہلِ ذوق کو "صراطِ مُستقیم" کے مُطالعے کا مشورہ دیتے ہیں، جو علمِ سُلوک میں ایک انقلابی اور مُجتہدانہ تصنیف ہے۔

سیّد صاحب کے طریقے کی خُصُوصیّات (۱) پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے یہاں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ مقبُول تھا اور جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خُوشی اِن دیارِ مشرقیہ میں اس میں مُنحصر تھی۔ چُنانچہ حضرت حاجی عبدالرّحیم صاحب ولایتیؒ، جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالِک اور سلسلۂ چشتیہ میں بیعت مُجاز تھے اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں مُرید تھے، فرماتے تھے:

"مُجھے کسی سے سلُوک میں رُجُوع کی ضرورت نہیں، لیکن رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشی اِسی میں پاتا ہُوں کہ مَیں سیّد صاحبؒ سے بَیعت ہو جاؤں"۔[1]

(۲) دُوسری خصوصیت مشائخ وعُلمار میں مقبولیت ہے۔ چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے، جس کے اکابر نے سیّد صاحبؒ کو اپنا بڑا نہ مانا ہو اور آپ سے اِستفادہ نہ

---

[1] روایت حضرت مولانا حُسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کیا ہو۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے دو نامور شیخ حاجی عبد الرحیم صاحب ولایتیؒ اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمدؒ صاحب جھنجھانویؒ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے۔ حاجی صاحب بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ اس سلسلے کے دوسرے حضرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور ان کی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا، جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے۔ شاہ ابو سعید صاحبؒ، جو خاندانِ نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلۃ الذہب کا ضروری حلقہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ تھے، عرصے تک آپ کی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا۔ سلسلۂ قادریہ کے مشہور شیخ سید صبغت اللہ بن سید محمد راشدؒ نے، جن کا سلسلہ سندھ میں بہت مشہور و معمور ہے، آپ سے استفادہ کیا۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہلِ علم و فضل نے آپ سے بیعت کی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ مولانا عبد الحی صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ پھلتی کے علاوہ شاہ اسحٰق صاحبؒ، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے استفادہ و باطنی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ تمام مشائخ و علماء آپ کی عظمت و مقبولیت آپ کے طریقے کی رفعت و فضیلت، آپ کی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدہ و متفق اللسان ہیں۔ آپ کی محبت اہلِ سنت و صحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے اور آپ کے متعلق وہی کہنا بالکل صحیح ہوگا، جو بعض اہلِ علم نے آپ کے ہمنام امام احمدؒ کے متعلق کہا ہے:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَحْمَدَ   جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمدؒ بن حنبل
بْنَ حَنْبَلٍ فَاعْلَمْ أَنَّهُ صَاحِبُ سُنَّةٍ   سے محبت ہے، تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے

ایک دوسرے عالم کا قول ہے:

مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَذْكُرُ أَحْمَدَ   جس کو تم احمدؒ بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنو
بْنَ حَنْبَلٍ بِسُوْءٍ فَاتَّهِمُوْهُ عَلَى الْإِسْلَامِ   اُس کے اسلام کو شک کی نظر سے دیکھو۔

یہی حال اپنے زمانے میں سید صاحبؒ کا تھا کہ توحید و سنت کے بارے میں آپ کی دعوت،

آپ کا طرزِ عمل اور آپ کا مسلک اتنا واضح، نمایاں اور مشہور تھا کہ آپ سے تعلّق و انتساب صاف صاف توحید و سُنّت سے محبّت اور شرک و بدعات سے نفرت کی دلیل تھی اور آپ سے اور آپ کی جماعت سے عداوت و انکار اکثر حالات میں اس بات کی دلیل اور علامت ہُوا کرتا تھا کہ توحیدؒ سُنّت کی طرف سے دل میں کچھ کھوٹ اور ذہن میں کچھ اُلجھنیں ہیں۔ مولانا کرامت علی صاحبؒ نے اپنے رسالہ "مکاشفات رحمت" میں اپنے زمانے کی اسی صُورتِ حال کو بیان کیا ہے :

> "(سیّد صاحبؒ کے) طریقے میں جو جو برکتیں اور باطنی خُوبیاں ہیں، سو وُہ تو ہیں، ظاہر میں بھی ایک بہت ہی عجیب و غریب برکت موجُود ہے۔ وُہ یہ ہے کہ جو شخص اُن کے طریقے میں بیعت ہونے کا ارادہ کرتا ہے، وُہ پہلے ہی بُت پرستی اور شرک اور بدعت اور ڈھول باجے، ناچ تماشے کے چھوڑنے پر مضبوط ہو لیتا ہے۔ تو حقیقت میں سیّد صاحبؒ کے طریقے میں داخل ہونا اس مُلک میں اسلام کی نشانی ہے۔"[1]

آگے چل کر اسی رسالے میں فرماتے ہیں :

> "(جس شخص نے) حضرت سیّد صاحبؒ کے قافلے کو دیکھا ہو گا، وہاں کی جُمعے اور جماعات کی رعایات اور سارے احکامِ شرعی کی قید اور تاکید کو دیکھا ہو گا، اُس کے دین و مذہب کی مضبوطی کو دیکھا ہو گا، ان لوگوں کی خاکساری اور مراقبے اور توجّہ کی تاثیر کو دیکھا ہو گا، ان لوگوں کے گھاس لانے، لکڑی چیرنے، بوجھ ڈھونے کو دیکھا ہو گا، اس بات کو دیکھا یا سُنا ہو گا کہ اس قافلے میں پیر مُرید، بڑے اَن پڑھے اِن کاموں میں سب برابر تھے اور سب کی ایک رائے تھی اور اُن کے جہاد کرنے کی ہمّت اور قُوّت اور ثابت قدمی کو دیکھا یا سُنا ہو گا، وُہ شخص پہچانے گا کہ حضرت سیّد صاحبؒ کیسے بزرگ تھے اور اُس شخص پر صاف کُھل جائے گا کہ ایسے پکّے مُسلمان

---

[1] مکاشفات رحمت، صفحہ ۲۲

کا دشمن اور حاسد سوائے کافروں اور منافقوں کے کوئی نہیں ہوتا۔"[1]

(۳) تیسری خصوصیت آپ کی عجیب و غریب تاثیر اور انوار و برکات ہیں۔ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی ؒ بایں جلالت قدر و کمال روحانی فرماتے ہیں:

> "جب مجھ کو حضرت ؒ سے بیعت نہ تھی اور اپنے مشائخ کے طور و طریق پر تھا، چلّہ کشی کرتا تھا، جَو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، میرے صدہا مُرید تھے اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا، اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی اپنے مطلب کے لیے دو چار کوس یا دو ایک منزل لے جانے کی درخواست کرتا، لِلّٰہ فی اللّٰہ چلا جاتا تھا اور میری نسبت کا یہ طَور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پہ توجّہ کی نظر ڈالتا تھا، تو اُسی جگہ اُس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں اس سے بڑھ کر تھیں اور مَیں اپنے اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللّٰہ تعالیٰ نے اِن سیّد صاحب ؒ کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ مَیں نے آپ کے دستِ مُبارک پر بیعت کی اور اُن کا طریقہ دیکھا، اُس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہُوا کہ اگر مَیں اُس حالت میں مر جاتا، تو میری مَوت بُری ہوتی۔ پھر مَیں نے اپنے سب مُریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو، تو اب دُوسری مرتبہ ان سیّد صاحب ؒ کے ہاتھ پر بیعت کرو اور جو نہ کرے گا، وُہ جانے۔ مَیں نے آگاہ کر دیا ہے۔ اس کا مواخذہ قیامت کے روز مُجھ سے نہیں ہوگا۔ پھر دوبارہ سب نے بَیعت کی۔ سو مَیں نے عیش و آرام اور نامُوس و نام کو ترک کر کے سیّد صاحب ؒ کے یہاں کی محنت، مشقّت و تنگی و کلفت اختیار کی۔ اِینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اُٹھاتا ہوں۔ گھاس بھی چھیلتا

---

[1] مکاشفاتِ رحمت، صفحہ ۲۶

ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حصّے کے برابر اُن معاملاتِ (سابقہ) کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو اِس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی؟"

(۴) چوتھی اور سب سے بڑی خصُوصیت یہ ہے کہ آپ کی نسبت اور تزکیہ جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبتِ تزکیہ سے خاص مُناسبت رکھتا تھا۔ چنانچہ، آپ کے مُریدین، خُلفاء و رُفقاء میں اِسی قسم کا رنگ اور اِسی طرح کے انوار پیدا ہو جاتے تھے، جو حضراتِ صحابۂ کرامؓ میں پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے باکمال آدمی ہیں اور کمالِ باطن میں سیّد صاحب سے گھٹے ہُوئے نہیں بلکہ بڑھے ہُوئے ہیں۔ پھر آپ سیّد صاحب پر اس درجہ کیوں مِٹ گئے کہ آپ بھی مُرید ہو گئے اور اپنے مُریدوں کو بھی اُن کا مُرید کرایا؟ اس کے جواب میں حاجی صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے، مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا سیّد صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔[1]

غالباً یہی کچھ دیکھ کر حاجی صاحبؒ نے سیّد صاحبؒ سے بیعت ہو کر فرمایا تھا کہ:

> "جب اللہ نے اِن سیّد صاحب کو سہارنپور پہنچایا اور مُجھ سے مِلایا اور مُجھ کو توفیق دی کہ مَیں نے آپ کے دستِ مُبارک پر بیعت کی اور آپ کا طریقہ دیکھا، اُس وقت اپنے نزدیک مُجھ کو خیال ہُوا کہ اگر مَیں مر جاتا، تو میری موت بُری ہوتی۔"

آگے فرماتے ہیں:

> "اللہ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو دولت اور خیر و برکت عطا کی، اُس کے دسویں حصّے کے برابر ان تمام معاملات کی خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں۔"

---

[1] امیر الروایات

اور اسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ تھی کہ آپ سید صاحب سے بیعت ہو جائیں۔

یہ اثر آپ کے اُن مُریدین میں بھی منتقل ہُوا، جو سید صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد آپ سے بیعت ہُوئے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ فرماتے تھے کہ:

> "شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ سے جو لوگ اُن کے سید صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہُوئے، اُن کی حالت نہایت اچھی تھی اور اُن پر اتباعِ سُنّت نہایت غالب تھا، اور جو لوگ سید صاحبؒ کی بیعت سے پہلے بیعت ہُوئے تھے، اُن کی حالت اس درجے کی نہ تھی۔"

حافظ عبدالکریم صاحبؒ میاں محمد حسین صاحبؒ (سید صاحبؒ کے مُرید) کے ایک مُرید کہتے ہیں:

> "میں نے میاں صاحب سے جب سے بیعت کی ہے، کبھی شرک و بدعت میں مُبتلا ہونے کا اتفاق نہیں ہُوا، کبھی ایسا نہیں ہُوا ہے کہ دھوکے سے بدعت کا کوئی کام کر لیا ہو، پھر بعد کو معلوم ہُوا کہ یہ بدعت ہے اور ندامت اُٹھانی پڑی ہو۔"[1]

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے طریقے کو تمام بدعات سے پاک کیا اور ضروریاتِ زمانہ اور طبائع کے مُطابق اس میں اصلاح و ترمیم فرمائی۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

> "سب مشائخ طبیبِ اُمّت ہیں۔ اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے اُنھوں نے طریق رکھے ہیں۔ سب کا مآل ایک ہے اور سب کا خلاصہ اتباعِ سُنّت ہے۔ بعد کو لوگوں نے بدعتیں داخل کر دی تھیں۔ اُن کے مجدد حضرت سید صاحبؒ ہُوئے۔"[2]

مولانا نے دُوسرے موقع پر مُصلحینِ طریقت میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ،

---

[1] ارمغانِ احباب ص ۱۴۱ [2] ارواحِ ثلٰثہ

مجدّدِ الفِ ثانیؒ اور سید احمد صاحبؒ کا نام لیا ہے اور کئی مواقع پر سید صاحبؒ کو اِن اکابر کے ساتھ مُصلحین میں شمار کیا۔

صراطِ مُستقیم اِس موقع پر سید صاحبؒ کے مجموعۂ ملفوظات "صراطِ مستقیم" کا مختصر سا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے تزکیہ و اصلاحِ باطن اور علمِ سُلوک و تصوّف میں آپ کا مرتبہ اور آپ کے اِجتہاد و تجدید کا مقام معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ مجموعہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کا مُرتّب کیا ہُوا ہے۔ اس کے دو ابتدائی باب مولانا عبدالحی صاحب بڈھانویؒ کے قلم سے ہیں۔[1] سید صاحبؒ جو فرماتے تھے، اس کو شاہ صاحبؒ اپنے الفاظ و عبارت اور علمی اصطلاحات کے ساتھ لکھ لیتے تھے۔ پھر سید صاحبؒ اس پر نظر فرماتے تھے اور اصلاح و تصحیح کر دیتے تھے۔[2] یہ ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے۔[3]

تصوّف و معرفت اور اِصلاح و تربیت باطنی کی کتابوں کے ذخیرے میں یہ کتاب اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے مُنفرد ہے اور ایک اِنقلابی کتاب کہی جا سکتی ہے۔ اس کا اندازہ پُوری کتاب کے گہرے مُطالعے اور اس فن کی دُوسری کتابوں سے مُقابلہ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ اشارات کے طور پر اس کے بعض تفرّدات لکھے جاتے ہیں :

(۱) حُبِّ عشقی اور حُبِّ ایمانی اور طریقِ ولایت اور طریقِ نبوّت کی تشریح اور باہمی امتیاز پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وُہ اس کتاب کے لطیف ترین مباحث اور سید صاحبؒ کے تفرّدات میں سے ہے، جو وجد انگیز معارف و حقائق سے لبریز ہے اور اس کتاب کے سوا اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ کسی اور دُوسری جگہ نہیں مِل سکتا۔ دونوں محبتوں اور طریقوں کے وُجوہِ امتیاز، جُداگانہ مُرتبات، آثار اور ثمرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جن کے پڑھنے سے اسلام کا پُورا رُوحانی نظام سامنے آجاتا ہے۔

(۲) بابِ دُوم میں بدعات سے اِجتناب کی تاکید، طاعات ادا کرنے کے طریقے اور اخلاق

---

[1] صراطِ مستقیم ص۲　[2] صراطِ مستقیم ص۷　[3] صراطِ مستقیم ص۹۵، مطبع مجتبائی دہلی

کے مباحث میں بدعات کے سلسلے میں نہایت صفائی کے ساتھ اپنے زمانے کا جائزہ لیا گیا ہے اور اہلِ تصوّف اور عوام کی اِن بدعات کی مخالفت کی گئی ہے۔ جو جاہلیتِ قدیمہ کی یادگار ہیں یا ہندوؤں اور شیعوں کی صحبت سے پیدا ہوئی ہیں۔ اخلاق کے مباحث میں نہایت حکیمانہ نکتے بیان کیے گئے ہیں اور تہذیبِ نفس اور اصلاحِ اخلاق کی مؤثر تدبیریں اور علاج تجویز کیے گئے ہیں۔

طاعات و فرائض کے تذکرے میں نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے ساتھ پوری اہمیت کے ساتھ جہاد کی ترغیب و تحریض اور اُس کے فوائد کا اظہار ہے۔ جو تصوّف کی کتاب میں ایک غیر متوقّع مضمون ہے۔ اِن مضامین کے علاوہ سماع وغیرہ پر نہایت منصفانہ اور بے لاگ محاکمہ اور دُوسرے فوائد ہیں۔

(۳) تیسرے باب میں سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجدّدیہ کے اذکار و تعلیمات ہیں، جن میں اجتہاد و تجدید سے کام لیا گیا ہے اور اُن کو زیادہ مؤثر اور مفید بنا دیا گیا ہے

(۴) چوتھا باب طریقِ سلوک راہِ نبوّت کی تفصیل و تشریح پر ہے، جو سیّد صاحبؒ کا الہامی مضمون ہے اور جس کے آپ امام ہیں۔ یہ ایک مستقل "طریقت" اور "سلوک" ہے، جس کو آپ نے پورے طور پر مرتّب اور مکمّل کر دیا ہے۔

کتاب پڑھنے والے پر چند اثرات لازمی طور پر پڑتے ہیں، ایک اُمّیت کے باوجود سیّد صاحبؒ کی حکمت، بصیرت اور شرحِ صدر۔ پڑھنے والا اپنے کو نکات و حقائق میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ وہ ایک نکتے کا لطف نہیں لینے پاتا کہ دُوسرا نکتہ اس کے سامنے آ جاتا ہے اور وہ اپنے اُوپر ایک وجد کی سی کیفیت پاتا ہے۔

دُوسرا، سیّد صاحبؒ کی اعلیٰ درجے کی سلامتِ فہم اور سلامتِ طبع کا اثر پڑتا ہے۔ تصوّف اور حقائق و معارف کی دُوسری کتابوں کے برخلاف اس کہ اس میں کوئی پیچ و خم اور تکلّفات نہیں ملتے۔

تیسرا، آپ کے مسلک کے اعتدال کا اثر پڑتا ہے۔ مختلف فیہ مباحث و مسائل میں افراط و تفریط سے پاک اور معتدل رائے آپ کی خصوصیت ہے۔

◆

الحمد للہ والمنۃ
تمام شد
سیرت سید احمد شہیدؒ
از
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

◆

INDEX

اشاریہ

("سیرت سید احمد شہیدؒ - دوم")

مرتب

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

(الف)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ۵۰۷
سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ۲۲۴، ۵۳۵
سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ۳۷۳، ۴۴۶
(حضرت) ابوبکر صدیقؓ ۴۹۵، ۴۹۶
(حضرت) ابوسعید خدریؓ ۴۷۹
(حضرت) ابوعبیدہ بن جراحؓ ۵۲۴
(حضرت) ابومحذورہؓ ۵۴۶
(حضرت) اسامہؓ ۴۹۵، ۴۹۶
ابراہیم خاں ۱۶۹، ۱۷۰
ابراہیم خاں خیرآبادی ۹۱، ۱۲۲، ۱۷۸، ۲۰۹، ۲۳۳، ۳۵۶، ۴۱۸، ۴۳۱، ۴۸۷
ابوجہل ۴۵۲
(دادا سید) ابوالحسن نصیرآبادی ۹۱، ۱۲۲، ۲۶۳، ۴۲۸
(شاہ) ابوسعید ۵۵۰
ابوالقاسم خاں ۳۷۰
ابولہب ۴۵۲
(سید) ابومحمد نصیرآبادی ۷۶، ۷۸، ۹۱، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۶۱، ۵۱۲
(سید) احمد شہید پوری کتاب
(حافظ) احمد ۴۴۵
(امام) احمد بن حنبلؒ ۵۵۰
(مرزا) احمد بیگ پنجابی ۸۲، ۹۲، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۲۷۵، ۴۱۴، ۴۱۷، ۴۱۸
احمد خاں ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۷۳، ۲۷۴، ۳۱۲، ۳۵۷
(خان) احمد خاں ۲۳۵
احمد خاں پھلی والا ۴۰، ۴۲، ۲۴۲
احمد شاہ درّانی ۲۷
(سیدی) احمد الشریف سنوسی (امام سنوسی) ۵۴۹
(میر) احمد علی بہاری ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۰۹
(نواب) احمد علی خاں ۵۸
(سید) احمد علی رائے بریلوی ۵۲، ۶۲، ۶۹، ۷۹، ۸۰، ۹۱، ۱۰۷، ۱۴۵، ۱۵۷، ۱۷۴، ۱۸۱-۸۳، ۱۸۵-۸۷، ۱۸۹، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۳-۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۶۱، ۳۷۳
احمد اللہ میرٹھی ۳۱۴
(مولوی) احمد اللہ ۲۶۶، ۳۵۷
(قاضی) احمد اللہ میرٹھی ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۹۰، ۱۰۹، ۳۱۴
(مولوی) احمد اللہ ناگپوری ۶۲، ۶۳، ۷۸، ۹۱، ۱۵۱-۵۳، ۱۶۲، ۱۸۱، ۳۵۲، ۳۵۶، ۴۳۴، ۴۳۶،
(سید) آخوندزادہ ۳۴
(سید میر) آخوندزادہ ۳۴۲
آخوندگل ۳۵۰، ۳۵۱

ارسلان خاں ۴۰-۴۴، ۴۸، ۹۸، ۱۰۰، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۷۸، ۲۳۳، ۲۴۴

(سید) اسماعیل بریلوی ۲۴، ۹۱، ۱۵۷، ۲۵۵، ۳۶۶، ۳۳۶، ۳۳۷

اسماعیل خاں ۱۸۵، ۲۲۳، ۲۵۳، ۲۶۶، ۲۹۴، ۳۲۸

اسفندیار ۴۹

(سردار) اشرف خاں ۱، ۴، ۵، ۳۲، ۸۴، ۸۵، ۸۸، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۲۶، ۱۳۵، ۱۳۸

(سید اصغر شاہ ۱۶۴، ۱۶۶، ۳۳۵

اعتباری ۲۶۶

(سید) اعظم شاہ ۳۶

(نواب معتمد الدولہ) آغا میر ۴۶۹

(ڈاکٹر) اقبال ۵۴۲

اکبر خاں ۶۴

(سید) اکبر شاہ ۳۶، ۱۶۴-۶۶، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۴۷

اکبر علی ۲۱۱

(حافظ) الٰہی بخش ۳۴۴، ۳۴۵

(کرنل) الٰہی بخش ۲۹

(میاں) الٰہی بخش رامپوری ۲۳، ۳۸۳، ۴۰۶، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۵۴، ۴۶۳

اللہ بخش باغپتی ۲۶۶

(جنرل) الرڈ ۹۹، ۲۲۰-۲۲، ۲۲۶

امام خاں خیرآبادی ۹۱، ۱۰۴، ۱۸۳، ۱۹۰، ۴۸۷

امام خاں سہسرامی ۲۰۸

امام الدین ۱۰۴، ۳۳۵، ۴۵۳، ۴۷۴، ۴۷۵

(میاں) امام الدین بڑھانوی ۴۳۰

(مولوی) امام الدین بنگالی ۹۱، ۱۵۷، ۵۰۶

امام الدین پانی پتی ۲۶۶

(حافظ) امام الدین رامپوری ۶۴، ۱۵۴

(میر) امام علی عظیم آبادی ۶۴، ۹۴

(میر) امانت علی ۹۲، ۹۳

امان خاں ۱۲۹

امان اللہ خاں، خان خیل ۳۳، ۴۳۸

امان اللہ خاں لکھنوی ۹۱، ۴۱۳، ۴۱۷، ۴۳۹، ۴۷۱، ۵۳۷

امان اللہ خاں ملیح آبادی ۲۵۴

(میاں شیخ) امان اللہ رائے بریلوی ۴۷۳

(سردار) ابیال خاں ۶۹، ۷۲

(شیخ) امجد علی غازیپوری ۷۹، ۳۷۲

امر سنگھ مجیٹھا ۲۹

(دیوان) امرناتھ ۱۲

(ملا سید) امیر آخوندزادہ ۳۵۳

(نواب) امیر خاں ۱۴، ۲۵، ۷۹، ۱۷۵، ۱۷۸

امیر خاں خٹک ۱۴۶، ۱۴۸، ۲۲۹

امیر خاں قصوری دیکھئے محمد

امیر خاں مورانوی ۹۱، ۱۳۴-۳۸، ۱۴۱

(مولوی) امیر الدین ولایتی ۱۲۹، ۱۴۵، ۲۳۶

(سید) امیر علی ۳۳۸، ۳۳۹

(شیخ) امیر اللہ تھانوی ۲۶۵

آنند خاں ۲۳۴، ۲۵۳، ۳۳۸

(سید) انور حسین نفیس رقم ب

(کرنل) ایبٹ ۳۱

ب

باقر علی ۵۲

(سید) باقر علی موہانوی ۴۴۸

(ملا) باقی ۲۵۳

بدھ رام ۲۹۹

(سردار) بدھ سنگھ ۱۰، ۱۱، ۱۰۱، ۲۴۵، ۲۸۹، ۳۶۱

(شیخ) برکت اللہ گورکھپوری ۲۰۸

(قاضی) برہان الدین ۹۱

(شیخ) بلند بخت دیوبندی ۶۴، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴-۹۷، ۲۱۰، ۲۴۷، ۳۵۲-۵۴، ۳۷۳، ۴۰۰

بوستان خاں ۳۲

(سردار) بہادر خاں ۷، ۹

(حاجی) بہادر شاہ خاں ۱۰۴، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۴۰، ۲۷۸، ۳۳۸

(آخوند) بہاوالدین ۳۸۰

(ملا) بہارالدین ۲۵۳

(ارباب) بہرام خاں ۱، ۶۰، ۶۷-۶۹، ۷۷، ۹۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۴، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۰، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۹-۸۱، ۲۸۲-۸۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۶، ۳۷۳، ۳۷۷، ۳۹۳، ۴۰۶، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۸، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۴۱، ۴۷۸، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۷

(خان) بہرام خاں خیل ۴۶۳

پ

(راجہ) پارس ۳۳، ۳۶۷

پائندہ خاں ۳۳، ۳۷-۴۰، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۱۶۴، ۱۶۵-۷۰، ۱۷۴، ۱۷۸-۸۹، ۱۹۱-۹۴، ۱۹۸-۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۳۲، ۲۵۳-۵۵، ۳۹۳، ۳۶۹، ۴۸۰

پھلیلہ ۲۱۴-۲۱۶

پھول سنگھ ۴۸

پیر خاں جمعدار ۳۳۹، ۳۴۰

پیر خاں موہانوی ۴۹۱

پیر داد خاں لوہانی ۴۷۲-۷۴

پیر محمد پانی پتی ۲۶۶

پیر محمد خاں ۴، ۵، ۷۶، ۹۰، ۱۷۲، ۱۸۳، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۳۵

ث

ج

(حضرت) ثمامہ بن اثالؓ ۵۴۶

(حضرت) جعفر طیارؓ ۲۶۳

(شیخ) جان ۴۷۵

(حافظ) جانی پانی پتی ۹۱

جعفر خاں پنجابی ۳۹۳

(مولوی سید) جعفر علی ۵۶، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۲-۶۴، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۶، ۳۰۱، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۸۱، ۳۸۹، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۱۱، ۴۱۳

۴۱۸، ۴۳۳، ۴۴۸، ۴۵۴، ۴۶۶، ۴۶۷
۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۷۹،
۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۶، ۴۸۸، ۴۸۹، ۵۰۳
۵۰۸، ۵۱۶، ۵۴۰
(شیخ) جلال الدین ۶۲
جلال الدین ۴۸۳
جمعدار جانو ۴۰
(ارباب) جمعہ خان ۶۷، ۶۸، ۷۹، ۹۲، ۱۴۳
۲۸۱، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۳، ۲۹۶، ۳۰۵، ۴۹۹
(سید) جمیل شاہ ۱۰۴
جہاندار ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۱۱

چ

(حاجی) چاند ناگوری ۲۶۶
(سید) چراغ علی ۴۲۵
(میاں جی) چشتی ۶۳، ۶۴، ۷۹، ۱۵۵، ۱۵۶
۳۸۱، ۵۰۶
ایچ، ٹی، پرنسپ (H.T. PRINCEP) ۴۵۲

ح

حاجرہ (صاحبزادی) ۳۸۱
حافظ نابینا ۴۷۵
(مولانا) حالی ۵۴۳
(قاضی و مولوی) حبّان دیکھئے محمد
حبیب خاں بنیری ۳۴۲
(مولانا) حبیب الرحمٰن ۴۴۵
حبیب اللہ خاں ۳۲، ۴۱–۴۳، ۴۵، ۴۸
۲۴۲، ۲۵۱، ۲۸۸، ۳۰۰، ۳۶۷، ۳۷۹
۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۰۰
۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۶۳
(مولوی) حبیب اللہ قندھاری ۵۴۰
(حضرت) حسن بصریؒ ۳۳۴
(مرزا) حسن بیگ بالش بریلوی ۷۵، ۷۶
(سید) حسن شاہ ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷–۷۰، ۱۹۸
۲۰۵
(سید) حسن رسول ۱۳
(شیخ) حسن علی ۹۱، ۱۸۲، ۳۳۵، ۳۷۳، ۴۶۴
(سردار) حسن علی خاں ۲۹، ۳۲، ۴۵، ۷۹،
۳۹۸، ۴۶۷
(مولانا) حسین احمد مدنی ۵۴۹
(مرزا) حسین بیگ ۱۳۳، ۱۴۷، ۱۹۶
(میاں) حفیظ اللہ دیوبندی ۴۲۹، ۴۳۵
حکما سنگھ ۲۹
(قاضی) حمایت اللہ ۹۱
(حاجی) حمزہ علی خاں لوہاروی ۹۲، ۲۷۸، ۲۸۶
۳۱۵، ۳۲۳، ۳۳۶
حیدر شاہ ۴۰، ۴۲
(سید) حیدر علی ۳۴۱
(مولوی) حیدر علی ۴۴۵
(مولانا) حیدر علی رامپوری ۵۲۹

خ

خاوی خاں ۱، ۴۱، ۵، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۸۸، ۹۶–۱۰۰
۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۴–۱۷، ۱۲۲، ۱۲۳،

۱۲۶-۳۱، ۱۳۳-۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۷۵،
۱۷۸، ۲۲۹، ۳۳۳
خالصہ جی ۱۰۱، ۱۰۲
خدا بخش ۱۵۳، ۳۴۱
(میاں) خدا بخش رامپوری ۱۹۴، ۳۵۶، ۳۸۳،
۴۰۷، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۵۴، ۴۶۲
(مولوی) خرم علی بریلوی ۱۵۲، ۲۵۴، ۲۶۹، ۴۷۲
(لالہ) خزانہ مل ۱۰۵
خضر خاں قندھاری ۳۰۴، ۳۱۳، ۳۲۲، ۴۴۸
(منشی) خواجہ محمد حسین پوری ۳۵۶، ۴۲۲
خواص خاں خٹک ۲۵۳
(شیخ) خواص علی غازیپوری ۶۴
خیر الدین ۱۰۳-۵، ۱۲۳
(مولوی) خیر الدین شیرکوٹی ۴۹-۵۱، ۹۱، ۱۰۲، ۱۵۱،
۱۷۹، ۱۸۳، ۱۹۱، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۲۰-۲۲،
۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۶۲، ۳۱۴،
۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۹-۵۲،
۳۶۴-۶۶، ۳۸۲، ۳۸۵-۸۷، ۳۹۰-۹۵،
۴۰۵، ۴۶۳

د

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام ۲۲۴، ۵۰۲، ۵۰۳
درد ۴۴۵
درشن سنگھ ۴۷۶
(آخوند) درویزہ بابا ۳۰۵
(سید) دلاور علی ۱۹۰
دلیل خاں ۲۴۲، ۲۵۳
دوست محمد خاں ۲۴۳، ۳۶۳، ۳۷۸
(میاں) دین محمد ۵۷، ۱۵۴، ۱۷۷، ۴۷۵، ۴۷۶،
۵۴۰

ر

راجہ رام ۷۸، ۷۹
(دیوان) رام دیال ۲۹، ۲۰۲
(استاد) رجب خاں ۱۵۴
رجب خاں ٹپیٹ ۳۰۶
(مولوی) رحمان علی ۳۶۹
(میر) رحمان علی ۲۸۰
رحمت خاں ۱۸۴
رحیم بخش جراح ۲۰۷، ۲۰۹
رستم ۴۹
(سید) رستم علی ۱۵
رسول خاں ۶۷-۶۹، ۷۲، ۷۳، ۷۸، ۱۹۰،
۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۷، ۲۷۵، ۲۸۰
(مولانا) رشید احمد گنگوہی ۴۴۵، ۵۳۸، ۵۵۰،
۵۵۴
(مولوی) رمضان سہارنپوری ۱۵، ۱۸، ۳۱۴، ۳۳۶،
۳۳۸، ۳۳۹
(مہاراجہ) رنجیت سنگھ ۱۲، ۲۹-۳۲، ۹۸، ۹۹،
۱۰۱، ۱۱۰، ۲۰۵، ۲۱۸-۲۰، ۲۲۷-۲۸، ۲۵۵،
۳۶۱، ۳۸۰، ۴۵۲، ۴۷۸
رئیس احمد خاں ۲۳۵
(شیخ) ریاست علی موہانی ۲۵۴، ۴۷۱

ز

(سلطان) زبردست خاں ۳۳، ۴۵۱، ۱۷۸، ۳۶۷

۳۸۵، ۳۹۱-۹۵، ۳۹۹

(شاہ) زمان ۴۸۳

زیداللہ خاں ۶۸، ۶۹، ۷۲

(سید) زین العابدین ۴۷۴

(حاجی) زین العابدین خاں رامپوری ۹۱، ۴۸۰

س

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام ۵۰۲

(حضرت) سلمان فارسیؓ ۱۱۸

(مولانا) سخاوت علی مہاجر مکی جونپوری ۵۳۵، ۵۴۰

سدّو خاں درّانی ۴۷۷، ۴۸۰

(سردار) سربلند خاں ۳۰-۳۲، ۴۳، ۴۴، ۴۶، ۱۹۲

سربلند خاں پلال ۲۰۲

سرفراز خاں ۲۳۳

سرور خاں ۲۵۳

سعادت خاں ۱، ۳۷۹

(مولوی) سعادت علی [illegible]

(شیخ) سعدالدین پھلتی ۱۴

سعدی خاں غازیپوری ۲۶۴

سلّو خاں پھکیت ۳۰۶، ۳۷۶

سلیمان شاہ ۲۰۲، ۴۹۳

(لالہ) سوہن لال ۱۱، ۱۲

(مفتی سید) سیاح الدین ب

(میاں) سید شاہ ۳۴

سید میاں ۱۳، ۳۶۱

(کیپٹن) سی ایم، وڈ (C.M.WADE) ۴۵۲، ۴۵۳

ش

سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام ۵۰۷

شادل خاں ۵، ۳۳۹

شا جمعدار ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸-۷۰

(ملا) شاہ ۳۴

شاہ محمد ۲۹، ۳۱، ۴۲۹

(سید) شاہ گل ۱۶۵

شاہی خاں ۴۴، ۴۶

شرف الدین بنگالی ۱۵۸-۶۰

(شیخ) شہاب الدین سہروردی ۵۵۴

شہباز خاں ختک ۲۵۳

شہزاد خاں ۳۷۳-۷۶

شیر خاں ۳۰

شیر سنگھ ۲۹، ۳۸۶، ۳۹۴-۴۰۰، ۴۰۵، ۴۱۲، ۴۱۷-۱۹، ۴۲۴، ۴۳۱، ۴۴۹، ۴۵۲

شیر محمد خاں رامپوری ۲۵۷، ۴۲۷، ۴۵۴، ۴۶۳

ص

(حافظ) صابر ۱۵۹، ۱۶۰، ۳۴۵، ۵۰۶

(پیر) صبغت اللہ ۳۷۰

(سید) صبغت اللہ بن سید محمد راشد ۵۵۰

(ملک) صدرالدین ۳۴۸-۵۰

(نواب) صدیق حسن خاں ۵۳۱

(شیخ) صلاح الدین ۶۲، ۹۱

(میاں) صلاح الدین پھلتی ۴۷۵

ض

(سید) ضامن شاہ ۱۶۵، ۴۰۲، ۴۱۹

ط ظ

(مولوی) طالب علی عظیم آبادی ۱۰

ظفر اقبال الف، ب

(اخوند) ظہور اللہ ۸۰، ۱۰۴، ۱۴۶، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۶

(ع)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴۴۴
(حضرت) عمرؓ ۳۳۳، ۴۹۵
(حضرت) علیؓ ۲۶۳، ۳۳۳، ۴۹۶
(ام المومنین حضرت) عائشہؓ ۴۶۶
(حضرت) عمرو بن عاصؓ ۵۴۶
عالم خاں ۶۷-۶۹، ۷۲، ۷۳، ۷۶-۷۸
(میر) عالم خاں باجوڑی ۳۰۹، ۳۱۰، ۴۸۴، ۴۸۵
(خان) عالی شان ۳۴
(شاہ) عباس ۹۹
(مولانا) عبدالاحد ۵۳۸
(سید) عبدالجبار شاہ ستھانوی ۱۸۳
(مولوی) عبدالحق نیوتنی ۵۲
(مولوی) عبدالحکیم بنگالی ۲۶۶
(شیخ) عبدالحکیم پھلتی ۹۱، ۱۵۷، ۲۵۵، ۲۶۶
(جمعدار) عبدالحمید خاں ۱۵، ۱۸، ۱۵۳، ۱۵۴
عبدالحمید خاں رسالدار ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۸۲
۱۸۵-۸۷، ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۵
۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۱-۴۳، ۲۵۲، ۲۵۵
۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۸
(مولانا) عبدالحی ۱۱، ۱۶، ۲۰، ۲۶، ۶۱-۶۴، ۹۱
۲۶۶، ۵۰۴، ۵۲۳، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۵۰، ۵۵۵
(مولانا) عبدالحی بڈھانوی ۱۸
(مولانا) عبدالحی حسنی ۴۴۵
عبدالخالق محمد آبادی ۵۰
عبدالرحمٰن (نومسلم) ۱۵۵، ۴۷۸
(سید) عبدالرحمٰن ۴۳۹، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۹۴
(میر) عبدالرحمٰن ۶۴
(شیخ) عبدالرحمٰن پھلتی ۳۱۵
(مولوی) عبدالرحمٰن توروی ۱۶۸، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۶۵
(میر) عبدالرحمٰن جھالوی ۳۴۸
عبدالرحمٰن دکھنی ۲۶۶
(شیخ) عبدالرحمٰن رائے بریلوی ۱۵۹، ۲۶۵
عبدالرحیم (نومسلم) ۱۵۵، ۴۷۸
(حاجی) عبدالرحیم خاں ۲۵۵
(حاجی) عبدالرحیم پھلی والے ۲۶۶
(شاہ) عبدالرحیم رائے پوری ۵۵۴
(حاجی) عبدالرحیم ولایتی ۲۶۶، ۴۷۴، ۵۲۳، ۵۳۵
۵۳۶، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۲-۵۴
(سید) عبدالرزاق نگرامی ۲۰۹
(شیخ) عبدالرؤف پھلتی ۴۲۹
عبدالصمد خاں خیبری ۳۹۳
(شاہ) عبدالعزیز ۵۳، ۵۳۸، ۵۴۱، ۵۵۰
(شیخ) عبدالعزیز ۳۳۵
(حافظ) عبدالعلی پھلتی ۳۳۸، ۳۳۹
(سردار) عبدالغفور خاں ۳۶۷
عبدالغفور خاں ۳۳، ۴۰-۴۲
(میر) عبدالقادر الجزائری ۵۴۹
(شیخ) عبدالقادر جیلانی ۵۵۴
(مولوی) عبدالقدوس کانپوری ۵۲
(مرزا) عبدالقدوس کشمیری ۲۰۸

(مولوی) عبدالقیوم ۶۲، ۶۳، ۱۰۸
(میاں) عبدالقیوم ۹، ۴۲۳، ۴۲۸، ۴۳۱، ۴۴۱، ۵۰۵
(داروغہ) عبدالقیوم ۴۶۳
عبدالکریم (آنولہ) ۲۶۶
(حافظ) عبدالکریم ۵۵۴
(حافظ) عبداللہ (املیہ) ۴۳۰
عبداللہ (نومسلم) ۴۲۴
(مولوی) عبداللہ امروہی ۵۲
عبداللہ بسم اللہ ۱۰
عبداللہ بن ابی ۳۲۳
عبداللہ بہرے ۵۰۵
(شیخ) عبداللہ جمعدار ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۵۲
عبداللہ دالیہ ۲۵۳
(حاجی) عبداللہ رامپوری ۶۴، ۵۰۵، ۵۰۶
(میاں) عبداللہ دہلوی (نومسلم) ۲۶۸، ۲۸۷، ۵۰۳-۵
(مولوی) عبداللہ غزنوی ۵۴۰
(شیخ) عبداللطیف تاجر ۵۰۴
(حافظ) عبداللطیف چھترباٹی ۱۹۵-۹۷، ۳۰۴، ۳۱۳، ۳۲۲، ۴۳۰
(شیخ) عبدالوہاب ۹۱، ۱۵۳
(مولوی) عبدالوہاب ۹۲-۹۴، ۲۷۴، ۲۸۱، ۴۹۰
عثمان علی ۵۲
(حکیم) عزیزالدین دہلوی ۲۱۸-۲۰، ۲۲۲، ۲۲۹
(ملا) عصمت اللہ آخوندزادہ ۳۸، ۴۴
(حکیم) عطاراللہ ۵۱۱
(ملا) عظمت اللہ ۹۲
عظیم اللہ خاں ۳۴۳
(قاضی) علاءالدین ۶۲، ۶۴، ۴۲۳، ۵۰۶
(سید) علم الہدیٰ ۴۷۳
علی خاں ۲۰۹
(شیخ) علی محمد چھترباٹی ۱۹۷
(شیخ) علی محمد دیوبندی ۶۹، ۷۹، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۹۵
(سید ابوالحسن) علی ندوی ب، ۵۵۷
(سید) علی ترمذی غوث ۱۶۵
(حاجی) عمر ۴۷۴
(سید) عمر ۱۶۶
(سید) عمران ۱۶۶
(ملا سید) عمران ۳۱۰
(مولانا) عنایت علی غازی ۵۲، ۵۸، ۵۹
عنایت اللہ خاں سواتی ۳۳، ۶۱، ۶۸، ۶۹، ۷۲، ۳۱۰، ۳۱۹، ۳۲۰
عنایت اللہ منڈھیاہو ۱۵۷-۶۰

(غ)

(شاہ) غلام حسین ۴۱
(حکیم) غلام حسین ۵۱۱
غلام خاں ۱۳۴، ۱۳۶
غلام رسول خاں ۴۷۳
غلام رسول مہر ۱۸۳
(شاہ) غلام علی ۵۵۰
(شیخ) غلام علی الہ آبادی ۵۵، ۴۶۹

(میاں جی) غلام محمد سہارنپوری ۶۹
(دیوان) غلام مرتضیٰ ۴۶۹
(منشی) غوث محمد ۱۹۸، ۲۰۵، ۳۹۲

ف

(حضرت) فضالہ بن عمیرؓ ۵۴۶
(سردار) فتح خاں پنجتاری ۱، ۴، ۵، ۶، ۸، ۱۰
۱۷، ۱۹، ۳۰، ۳۲، ۸۴، ۸۵، ۸۸، ۹۰، ۹۲-۹۴
۹۸، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۳
۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۷۳، ۱۷۴
۱۷۸، ۱۸۲، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۰، ۲۴۲
۲۴۳، ۲۵۳، ۲۶۹، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۴، ۳۵۲
۳۵۶-۵۹، ۳۶۶-۶۸، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۵
۳۷۷، ۳۷۸
فتح خاں زیدہ والے ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۵۰، ۲۳۳، ۲۳۴
۲۵۳
فتح شیر خاں ۱۰۴
فتح میر خاں ۱۰۴
(سید) فخرالدین ۴۷۳
فرانسیسی دیکھئے ڈنٹورہ
فرج اللہ ۲۸۱، ۴۱۸
(شیخ) فرزند علی غازیپوری ۳۷۲، ۴۶۹
فرعون ۴۵۲، ۵۰۷
فیض الدین بنگالی ۲۰۹
(میر) فیض علی خاں ۲۰۶، ۲۰۷
(میر) فیض علی منشی ۲۰۳
(ارباب) فیض اللہ خاں ۱۴۳، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۸

۲۹۰، ۳۰۰-۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۸-۹، ۳۲۱
۳۳۵، ۴۷۰، ۴۷۹
(آخوند) فیض محمد ۱۶، ۵۹، ۲۷۷

ق

قابل آخوندزادہ ۳۶۱، ۳۷۷
قادر بخش خاں کنج پوری ۳۲۳، ۴۲۴، ۴۴۰، ۵۰۱، ۵۰۵، ۵۰۶
(مولوی حاجی) قاسم پانی پتی ۴۶۴
قدسی ۲۵۴
(حافظ) قطب الدین پھلتی ۵۲، ۵۸، ۳۳۸
قطب الدین خاں ۳۹۵
(ملا) قطب الدین قندھاری ۹۲، ۲۴۹
(ملا) قطب الدین ننگرہاری ۸۷، ۱۲۴، ۲۸۰، ۲۹۲
۳۹۲، ۳۹۳
(مولوی) قلندر ۱۴، ۱۸
قلندر کابلی ۲۵۴
(مولوی) قمرالدین ۵۲
(حکیم) قمرالدین پھلتی ۴۲۲

ک

(حاجی) کاکڑ ۱۴۳
کالو خاں ۴۱۱
کالے خاں آفریدی ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۰
کالے خاں رامپوری ۴۷۱، ۴۸۳
کامل آخوندزادہ ۱۰۹، ۱۱۲
(سید) کامل شاہ ۱۶۴، ۱۶۶
(مولوی سید) کرامت علی بہاری ۴۹۴

(مولانا) کرامت علی جونپوری ۵۲۲، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۴۰
کرپارام ۳۹۸
کریم بخش ۳۲۳
کریم بخش سہارنپوری ۲۰۹
کریم بخش گھانٹم پوری ۲۵۴، ۲۶۶
کریم اللہ خاں ۵۸
(ملا) کلیم ۶۸، ۳۱۰
کمال خاں ۲۸، ۳۳، ۴۰، ۵۱، ۳۶۷
کھڑک سنگھ ۲۲۹، ۲۳۰
کیول فرنگی ۱۷۲-۷۴، ۲۵۱

گ

(قاضی) گل احمد الدین ۲۶۱
گلاب خاں ۲۳۶، ۳۴۳

ل

لاہوری غازیپوری ۱۵۷-۶۱
(شیخ) لطافت ۴۸۷
(سید) لطف علی ۱۵۰، ۱۵۴
(سردار) لعل محمد ۹۲
(ملک) لعل محمد ۳۵۰، ۳۵۱
(میاں) لعل محمد جگدیش پوری ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۴۰، ۴۶۳
(ملا) لعل محمد قندھاری ۲۳۷، ۲۴۹-۵۱، ۲۸۰، ۲۹۲، ۴۱۲-۱۴، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۶-۲۸، ۴۳۳
لکھیر خاں ۳۴۴
(میاں) لکھیر ۴۲۸
لہنا سنگھ ۱۵۶، ۴۷۸
(سر) لیپل گریفن ۹۹

م

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ۴۴، ۲۲۴، ۴۴۴، ۵۰۷
نبینا وسیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۹، ۲۳
۸۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۲۲۴، ۲۶۶، ۳۱۱، ۳۳۳، ۳۳۴
۳۶۱، ۳۶۴، ۳۷۴، ۳۹۹، ۴۴۴، ۴۵۱، ۴۶۵
۴۶۶، ۴۷۹، ۴۹۵، ۴۹۶، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۲۵
۵۳۳-۳۵، ۵۴۷-۴۹، ۵۵۳، ۵۵۴
مان خاں کنج پوری ۵۰۸
مانک رائے ۲۸
(حافظ) مانی پانی پتی ۹۱
مائی سدا کور ۲۹، ۳۰
مبین خاں ۱۳۰، ۲۲۴، ۳۴۳
(حاجی) متین احمد ب
مجدد الف ثانی (احمد سرہندی) ۵۵۵
(شیخ) محب اللہ ۴۵۴
(سید) محبوب شاہ ۱۰۴
(مولانا) محبوب علی دہلوی ۵۲، ۵۳، ۵۵-۵۷
۸۰، ۸۱
محسن خاں ۴۸۶، ۴۸۷
(منشی خواجہ) محمد ۴۳، ۱۶۶، ۱۷۱
(میاں) محمد ۳۴۱، ۳۴۲
محمد ابراہیم خاں قصوری ۴۲۸
محمد احمد سوڈانی (مہدی سوڈانی) ۵۴۹
(شاہ) محمد اسحاق دہلوی ۵۷، ۵۵۰

(شیخ) محمد اسحاق گورکھپوری ۲۶۳، ۴۳۳-۳۵
(سید) محمد اسماعیل ۶۳
(ملا) محمد اسماعیل آخوندزادہ ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۴
(مولانا) محمد اسمٰعیل ۵، ۶، ۸، ۱۴، ۱۵، ۳۵، ۳۶،
۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۶، ۵۷، ۶۲، ۶۴، ۷۲، ۷۴،
۷۸، ۷۹، ۸۱، ۹۱، ۹۷، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۸،
۱۲۰، ۱۲۷-۳۰، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۴، ۱۶۲، ۱۶۴،
۱۶۸-۷۰، ۱۷۲-۷۴، ۱۷۹-۸۰، ۱۸۲-۸۴،
۱۸۸، ۱۹۲-۹۶، ۱۹۹، ۲۰۳-۵، ۲۱۰، ۲۱۳،
۲۲۷، ۲۳۲، ۲۳۴-۳۷، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۴۷،
۲۴۹، ۲۵۵-۵۷، ۲۶۷، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۵،
۲۸۶، ۲۹۴، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳-۶، ۳۰۸-۹،
۳۱۹، ۳۳۱-۳۲، ۳۳۴-۳۶، ۳۵۶،
۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۶-۹۱،
۳۹۳، ۳۹۸-۹۹، ۴۰۱-۳، ۴۰۶-۷،
۴۱۱، ۴۲۸-۳۱، ۴۳۳-۳۶، ۴۳۹، ۴۴۱،
۴۵۰، ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۹، ۴۸۴، ۵۰۴،
۵۰۷، ۵۱۰، ۵۲۲-۲۳، ۵۴۱-۴۲، ۵۵۰،
۵۵۵
(حکیم) محمد اشرف دہلوی ۵۲، ۵۷
(ڈاکٹر) محمد آصف قدوائی ۳۲
محمد امیر خاں قصوری ۳۳۵، ۳۵۶، ۳۸۱، ۴۲۶،
۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۴۱، ۴۵۴، ۴۶۳
محمد بخش ۱۰۴، ۱۰۵
محمد برہان خاں ۱۶۲، ۱۶۳
محمد بیگ خاں ۱۳۱
محمد بیگ شاہجہاں آبادی ۱۵۴
(مولانا شیخ) محمد تھانوی ۵۳۸
(مولوی) محمد جعفر تھانیسری ۴۴۵، ۴۴۶
(قاضی) محمد حبّان ۱۵۸-۵۹، ۱۸۸-۸۹، ۱۹۱،
۲۱۲، ۲۳۲-۳۵، ۲۳۷-۳۸، ۲۴۰-۴۱
۳۶۹
(مولوی سید) محمد حبّان ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۷۲، ۴۷۷
(مولوی) محمد حسن راپوری ۵۵، ۶۲، ۱۰۷، ۱۵۶،
۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷
(میاں) محمد حسین ۵۵۴
محمد خاں ۱۶۹، ۴۲۴
(سردار) محمد خاں ۲۸-۳۲، ۵۳، ۵۵، ۷۸، ۹۲،
۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۶، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷
(سلطان) محمد خاں ۱، ۳-۶، ۵۵، ۱۳۹، ۱۷۲-۷۶،
۲۴۲-۴۴، ۲۴۶-۴۹، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۶۹،
۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۷-۹۰، ۲۹۲، ۲۹۶-۹۸،
۳۰۰-۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۳۱-۳۲، ۳۶۱-۶۲،
۴۷۰، ۴۷۸-۷۹، ۴۹۶، ۴۹۹،
(سید) محمد خاں ۲۵۱، ۳۰۰
(سید) محمد خاں شہید ۴۷۷
محمد خاں جمعدار پنجابی ۱۷۶
(شیخ) محمد خیرآبادی ۴۹۴
محمد سعید خاں رائے بریلوی ۱۷۷، ۲۶۶
محمد عرب ۱۲۲
محمد عظیم آخوندزادہ ۳۳۲

محمد عظیم خاں ۲۵۱،۲۴۲
محمد علی رامپوری ۵۷،۵۲
(مولانا سید) محمد علی رامپوری ۵۴۰،۵۲۲
(سید) محمد علی شاہ پکھلی والا ۴۵،۴۰-۴۲
محمد قاسم پانی پتی ۵۷
(مولانا) محمد قاسم نانوتوی ۵۵۰
(میاں) محمد مقیم رامپوری ۳۴-۳۶،۱۸،۱۷
۵۱۱،۵۸،۴۸-۵۲،۴۴-۴۶،۴۰-۴۲
(مولانا سید) محمد میر ۸۷
(صاحبزادہ سید) محمد نصیر ۴۱
(منشی) محمدی انصاری ۴۳۸،۴۳۳
(مولانا) محمد یعقوب ۵۵۰
(مولوی) محمد یوسف ۱۵،۱۴
(مولانا) محمد یوسف پھلتی ۵۵۰،۵۲۴،۵۲۳
(مولانا) محمود حسن دیوبندی ۴۵۰،۴۴۵
محمود خاں ۲۳۴،۱۰۴،۷۲،۶۹،۶۸
محمود خاں بارک زئی ۳۵۱
(حاجی) محمود خاں رامپوری ۳۴۲
(منشی) محی الدین کشمیری (منشی امان زئی) ۳۴۲
۳۹۲
(میاں جی) محی الدین ۶۲
(میاں جی سید) محی الدین پھلتی ۲۶۶،۲۶۴،۲۱۷
(سید) مدار ۱۶۶
مدخاں ۲۰۲،۱۹۲،۱۹۰،۱۸۹،۱۸۳،۱۷۸
۲۱۰
(قاضی) مدنی بنگالی ۴۸۳،۲۶۶،۱۵۷-۵۹
مراد علی ۳۰۶
مرتضیٰ خاں (جمعدار) رامپوری ۵۱۱
(سید) مردان ۱۶۶
مردان خاں ۱۷۸
مشکار خاں ۳۳۸،۲۳۵،۲۳۴
(حافظ) مصطفیٰ جھنجھانوی ۳۵۳،۳۵۲
(حافظ) مصطفیٰ کاندھلوی ۳۷۳،۳۵۵،۳۴۳
(راجہ) مظفر خاں ۳۸۵
(سلطان) مظفر خاں ۳۹۲
(مولانا) مظہر حسین کاندھلوی ۴۴۵
مظہر علی عظیم آبادی ۷۹،۶۸،۵۹،۵۸،۵۲
۲۶۶،۲۵۸،۲۴۰،۲۳۴-۳۶،۱۵۷،۹۰
۳۳۴-۳۶،۳۳۱،۳۰۸،۳۰۴،۲۹۲،۲۸۱
معمور خاں لکھنوی ۴۸۷،۴۲۰،۳۵۶
(حکیم) مغیث الدین ۵۲۷،۵۰۴
مقرب خاں ۱۳۵-۳۸،۱۲۶،۹۸،۹۷
مکھن سنگھ ۲۹،۲۸
(راجہ) منصور خاں ۳۹۵،۳۸۵
منصور خاں ۳۹۲،۳۵۳،۷۲،۶۸
منگا خاں ۱۰۶،۱۰۴
منیر خاں ۲۳۴
(سید) موسیٰ ۲۶۱-۶۳،۲۵۵،۲۰۹،۹۱
۳۷۳،۲۶۵
(شیخ) مولا بخش الٰہ آبادی ۲۵۸،۱۹۶
(حکیم) مومن خاں دہلوی ۵۲۳

موہن سنگھ ۳۲
مہربان خاں ۴۴۱
(ملا سید) میر ۱۷۸
میرن شاہ نارنولی ۵۲، ۵۷

ن

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام ۳۶۳
نادرشاہ ۲۷
(سید) نادرشاہ ۱۶۶–۶۹
ناصر خاں ۱۴، ۴۵، ۵۱، ۹۴، ۹۵، ۲۶۷، ۲۷۹، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۸، ۴۱۸، ۴۲۲، ۴۶۳
ناصر خاں بھٹگرامی ۳۳، ۱۷۸
(شیخ) ناصرالدین پھلتی ۳۱۵
(سلطان) نجف خاں ۳۳، ۳۸۵، ۳۹۴، ۴۱۸، ۴۱۹
(شیخ) نجم الدین پھکیت ۴۷۴
نجم الدین شکارپوری ۴۴۰، ۴۵۴
(میاں) نجم الدین ۴۸۳
نذر محمد ۵
نسیم خاں ۲۵۳
نصراللہ خاں ۳۳۷
(شیخ) نصراللہ خورجوی ۶۴، ۲۶۶
(مولوی) نصیرالدین منگلوری ۶۹، ۷۷، ۹۲، ۱۹۱، ۲۴۰، ۳۲۳، ۴۰۶، ۴۱۳، ۴۶۳، ۴۶۴
(مولوی) نصیرالدین ۴۷۴
(میاں) نظام الدین اولیاء ۶۵، ۴۰۶، ۴۲۵
نواب خاں ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۵۷
(سید) نور احمد نگرامی ۲۰۹، ۴۳۰، ۴۳۹
نور بخش جرّاح ۱۴۹، ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۰۹، ۲۶۵، ۳۴۵، ۴۳۹
(سید) نور جمال ۱۶۴، ۱۶۶
(مولانا) نورالحسن ۲۰۶
نورداد خاں ۴۷۴
(سید اللہ) نورشاہ ولایتی ۴۱۸
(ملا) نور محمد ۹۲
(صوفی) نور محمد بنگالی ۹۱
نور محمد جراح ۴۲۶
(میاں جی) نور محمد جھنجھانوی ۲۶۶، ۵۳۶، ۵۵۰
(حاجی) نور محمد درّانی ۴۷۶
نور محمد ناگوری ۲۶۶
(مولانا) نیاز محمد ۸۴
نپولین ۹۹

و

(مولوی) وارث علی بنگالی ۹۱، ۵۰۶
(مولوی) وارث علی پوربی ۱۵۷
(خان) واصل خاں ۴۱۱
(حافظ) وجیہ الدین باغپتی ۲۵۷، ۴۲۸
(شیخ) وزیر ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۱۶، ۲۶۸، ۴۴۸
(نواب) وزیرالدولہ ۶۲، ۱۵۲، ۱۵۵، ۴۱۴، ۴۴۶، ۴۴۹، ۴۶۸، ۴۹۴، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۳، ۵۱۵–۱۷، ۵۲۳
وزیر سنگھ جمعدار ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۹

(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی ۱۰، ۵۲، ۵۸، ۵۹
۴۰۳، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۶۶، ۵۲۲، ۵۲۵، ۵۳۵
۵۴۰
(شاہ) ولی اللہ دہلوی ۳۲۳، ۳۲۴، ۵۲۴
ولی محمد ۵، ۲۲۰
(شیخ) ولی محمد پھلتی ۶۹، ۷۹، ۱۵۵-۵۷، ۱۶۲
۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۶، ۱۹۹
۲۰۳، ۲۱۷، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۵-۵۷، ۲۶۱
۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۵، ۲۹۲، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۵۲
۳۵۶، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۶، ۴۳۸
۴۳۹، ۴۴۱، ۴۶۴
(جنرل) ونٹورہ ۹۶، ۹۸-۱۰۰، ۱۰۲-۳، ۱۰۶
۱۰۸، ۱۱۶-۱۹، ۱۲۲-۲۳، ۱۲۹-۳۰، ۱۳۹
۲۱۸، ۲۲۰-۳۰

ہ

ہاشم خاں ۲۸
ہامان ۴۵۲
ہدایت اللہ بانس بریلوی ۲۶۰
ہری سنگھ نلوہ ۳۰-۳۲، ۴۸، ۱۶۳، ۱۷۹، ۲۰۵
۲۵۳، ۲۵۴، ۳۸۰، ۳۸۱
(شیخ) ہمدانی ۱۹۶
ہند بنت ابی سفیان ۵۴۶

ی

سیدنا حضرت یونس علیہ السلام ۴۴۴
سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ۳۸۳
(سردار) یار محمد خاں ۱، ۳-۷، ۱۰-۱۲، ۶۳
۱۰۷، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۸-۴۳، ۱۴۱، ۱۴۷
۱۷۲-۷۳، ۱۷۶، ۱۹۴، ۲۴۲، ۲۴۴-۴۷
۲۶۹، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۶۱، ۳۶۹
(مولانا) یحییٰ علی عظیم آبادی ۴۴۵
یوسف خاں اجیٹن ۲۳۰

اقوام وقبائل

اتمان زئی ۳۸
اخون خیل ۳۶
اسماعیل زئی ۱۲۳
افغانی ۳، ۲۸، ۸۷، ۱۱۲، ۱۲۵، ۲۱۲
امان زئی ۳۸
پائندخیل ۴
پٹھان ۱۱۴، ۱۲۸
پنجابی ۸۰، ۱۷۹، ۱۹۱، ۴۱۴
ترک ۲۸
تناول ۳۰
تنولی ۳۰، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۰۲، ۳۵۳، ۳۵۴
ثمود ۱۲۳

جدون ۳۰، ۳۸
فدوخیل ۳۵۶
(قوم) خلیل ۲۸۱
خواتین ۱۳، ۲۷، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۴۲، ۴۵، ۶۱
۶۹، ۸۳، ۸۶، ۸۸، ۹۸، ۹۹، ۱۰۷-۸
۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۸، ۱۵۰-۵۱، ۱۶۵، ۱۷۸
۲۳۴-۳۵، ۲۴۰، ۲۴۲-۴۳، ۲۴۷، ۲۷۲
۲۸۰، ۲۹۲-۹۴، ۳۰۴، ۳۰۹-۱۰، ۳۱۸
۳۲۲، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۵۹-۶۰،
۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۸۲، ۳۸۷، ۳۹۲
۳۹۸، ۴۰۵، ۴۹۷
درانی ۴-۶، ۸، ۱۲، ۲۷-۲۹، ۵۲، ۶۷، ۶۸،
۷۲، ۷۴-۷۹، ۱۲۸-۳۰، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۵-۴۶
۱۷۲-۷۵، ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۵۰-۵۲، ۲۵۵
۲۵۷-۵۸، ۲۶۰، ۲۶۳-۶۵، ۲۷۲، ۲۷۴
۲۷۸-۸۲، ۲۸۷-۸۸، ۲۹۲-۹۴، ۲۹۷
۳۰۱-۲، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۶۴، ۳۷۸، ۴۷۰
۴۷۷، ۴۹۸
دولت زئی ۱۲۳
ڈوگرہ ۲۱۹
راجپوت ۷۹
رائے زئی ۴۸۴
زوڑ ۲۳۴، ۳۶۱
زیدون ۳۵۶
سادات ۸، ۱۳، ۱۴، ۸۳، ۹۹، ۱۱۷، ۱۶۵
۳۵۹، ۳۶۷، ۳۷۷
سالارزئی ۱۴
سدّے ۸
سکھ ۳، ۵-۸، ۱۰، ۱۲، ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۳
۳۷، ۴۲، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۶۷، ۹۹، ۱۱۶،
۱۲۰، ۱۲۲، ۱۵۵، ۱۶۳-۶۴، ۱۷۲، ۱۷۸-۷۹
۱۹۲، ۱۹۸-۹۹، ۲۰۷-۹، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۶
۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۳۰، ۲۳۳-۳۴، ۳۲۲
۳۵۳، ۳۷۹، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۴-۹۵
۳۹۸، ۴۰۵-۶، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۱۸،
۴۲۰-۲۱، ۴۲۴-۲۹، ۴۳۱-۳۳، —
۴۳۶-۳۸، ۴۴۰-۴۱، ۴۴۸-۴۹، ۴۵۲-۵۳
۴۷۸
سندھی ۲۶
سواتی ۲۸، ۲۹، ۳۰
سیدخانی ۲۹، ۳۱
عیسائی ۴۹۳
عیسیٰ زئی ۳۸
قندھاری ۸۹، ۹۲، ۱۲۰-۲۱، ۱۴۳، ۱۴۵،
۱۶۳-۶۴، ۱۷۹، ۱۹۱، ۲۳۹، ۲۴۹، ۲۹۳
۲۹۴، ۲۹۷، ۳۱۶، ۳۸۷-۸۸، ۳۹۲، ۴۱۴،
۴۱۳-۱۴، ۴۲۸، ۴۳۶
کتوزئی ۲۸۰
گوجر ۴۰۳-۴، ۴۰۷، ۴۳۳
گودڑی ۶
مشوانی ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۲۱۵

مندن ۸۴
مورانی ۹۰
ولایتی ۲۶، ۲۳۹
ہندو ۴۹۳
ہندوستانی ۵، ۷، ۸، ۱۰، ۲۰، ۲۶، ۴۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۷۹، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۵۲، ۲۵۵، ۳۰۲، ۳۱۶
یوسف زئی ۱، ۳، ۵، ۱۰، ۱۲، ۳۱، ۲۲۵ـ۲۷

کتابیات

الف
ابوداؤد ۴۶۶
ارمغان احباب ۴۴۵ـ۴۶، ۵۳۸ـ۳۹، ۵۵۴
ارواحِ ثلاثہ ۵۵۴
امیرالروایات ۵۵۳
انوار محمدی (رسالہ) ۵۲۷

ت
تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ اول) ۳۳۴
تذکرۃ الرشید ۵۳۸
ترمذی شریف ۴۷۹
تقصار جیود الاحرار ۵۳۱
تواریخ عجیبہ ۴۴۵

د
دافع الفساد ۵۱۲
دعوت (رسالہ) ۴۴۳ـ۴۴، ۴۶۶، ۵۲۷ـ۲۸، ۵۳۵
دہلی اور اس کے اطراف ۴۴۶

ر ز
رسائل جہادیہ ۲۵۴، ۴۷۲
رنجیت سنگھ ۹۹
زاد المعاد ۵۴۶

س ش
سوانح احمدی ۴۴۵ـ۴۶، ۵۳۱
سید احمد شہیدؒ ۵، ۱۶، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۸۲ـ۸۴، ۱۹۳، ۲۰۲، ۳۵۱، ۴۱۲
سیرت سید احمد شہیدؒ الف، ۴۶۹
شاہ اسماعیل شہیدؒ ۳۴

ص ظ
صراط مستقیم ۵۱۴، ۵۲۱، ۵۴۹، ۵۵۵
صیانۃ الناس (رسالہ) ۵۲۹، ۵۳۰
ظفر نامۂ دیوان امرناتھ ۱۲

ع ف
عمدۃ التواریخ ۱۱، ۱۲
الفوز الکبیر ۳۳۴

م
مجموعۂ خطوط قلمی ۳، ۴، ۱۱، ۳۶، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۱۳۴، ۴۸۲

مجموعۂ رسائل تسعہ ۴۴۲، ۴۶۶، ۵۲۷
مسدس حالی ۵۴۳
مسلم شریف ۵۴۶
مشکوٰۃ شریف ۴۰۱-۳، ۵۱۰
مکاتب شاہ اسماعیل ۴۰، ۴۱، ۴۷، ۵۳، ۲۱۱، ۲۱۲
مکاشفاتِ رحمت ۵۲۹، ۵۵۱، ۵۵۲
مکتوبات فارسی قلمی ۲۲، ۱۴۸، ۴۹۴
منظورۃ السعداء فی أحوال الغزاۃ والشہداء ۵۶
۱۲۳، ۱۹۵، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۲۰، ۲۳۱، ۲۳۶-۳۷
۲۵۲-۵۵، ۲۵۷، ۲۶۳-۶۴، ۲۷۴-۷۷
۲۸۴، ۳۰۱، ۳۰۴، ۳۱۳، ۳۲۱-۲۳، ۳۳۱
۳۳۴-۳۷، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵۹، ۳۶۶
۳۷۰، ۳۷۲-۷۳، ۳۷۷، ۳۸۱، ۳۹۰، ۳۹۲
۳۹۷-۹۹، ۴۱۸-۱۹، ۴۳۹، ۴۴۸، ۴۶۶
۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۴، ۵۰۹

ن
نافع العباد ۵۱۲
نصائح (رسالہ) ۵۳۵
نظم جہادیہ (رسالہ) ۲۶۹
نور احمد (رسالہ) ۲۰۹

و ہ
وصایا الوزیر ۴۴۸، ۵۰۹-۱۱، ۵۱۳، ۵۱۶-۱۷
۵۲۴
وقائع احمدی ۴، ۲۴، ۳۴، ۳۶، ۴۹، ۵۱، ۵۶
۶۲، ۸۴، ۱۴۳، ۱۴۵-۴۷، ۱۴۹، ۱۷۲، ۲۰۴
۲۰۶، ۲۱۷-۱۸، ۲۳۵، ۲۳۷-۴۲، ۲۶۶، ۲۷۵
۲۸۲، ۲۸۸، ۳۰۱، ۳۲۳، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۴۵
۴۱۰، ۴۱۲-۱۳، ۴۱۷-۱۸، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۴۴
۴۷۸، ۴۸۸-۸۹، ۵۰۵، ۵۱۰
ہزار گزیٹر ۳۲

مقامات

الف
اتمان زئی ۲۹، ۳۱، ۶۷-۶۹، ۷۲-۷۴، ۷۶
۷۹، ۲۴۳
اتمان نامہ ۸۵
اٹک ۵، ۱۱، ۲۹، ۹۶، ۱۹۶، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۳۲، ۳۴۲
اجمیر ۲۶۱
اجوری ۴۲۴
اجولی ۳۳
اچ ۱۴، ۱۵
اخون خیل ۳۶
اسپین ۹۹
اسماعیلہ ۶۰، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۳
اشالہ ۱۶
اطالیہ ۹۹

افغانستان ۲۶، ۲۱۸، ۳۱۹، ۳۲۳، ۴۴۴، ۵۴۰

اکوڑہ ۵، ۱۰۶، ۲۵۳، ۴۶۲

اگرور ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۵۱، ۲۰۵، ۲۱۱، ۳۶۷

اوگی ۵۱

الاڈنڈ ۶۱، ۶۸، ۶۹

الہ آباد ۴۹۴

الئی ۱۴

امازئی ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۴۰، ۲۵۴، ۳۹۲

امان زئی ۶۰، ۱۰۴، ۱۲۴-۲۶، ۱۳۰، ۲۳۴، ۲۴۰، ۲۴۳، ۳۰۹، ۳۲۷، ۳۳۸، ۴۸۴

امب ۳۳، ۳۵-۳۷، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۸-۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۷-۸۹، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۲-۴، ۲۰۹-۱۲، ۲۱۴-۱۶، ۲۱۸، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۷، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۶۹

امرتسر ۴۵۳

املیا ۴۳۰

انگرائی ۴۶۳

آنولہ ۲۲۶

اودھ ۴۶۷، ۴۶۹

ایران ۴۴۴

(ب)

بابوزئی ۱۵

باجا (موضع) ۸۵

باجوڑ ۳۰۹-۱۲، ۴۸۴

باچا ۱۷

بارہ بستی ۲۰

بارہ سادات ۲۰

بازار (موضع) ۱۲۶، ۱۳۰

باغ (موضع) ۸

بالاحصار ۲۹۰

بالاکوٹ ۶۳، ۶۴، ۸۲، ۹۴، ۱۶۵، ۲۳۸، ۲۴۳، ۳۷۹، ۳۸۵-۸۸، ۳۹۰-۹۱، ۳۹۳-۹۶، ۳۹۸-۴۰۰، ۴۰۳، ۴۰۵-۶، ۴۱۱-۱۵، ۴۱۷-۱۸، ۴۲۰-۲۵، ۴۲۷، ۴۳۲، ـــــ ۴۳۴-۳۶، ۴۳۸-۳۹، ۴۴۱-۴۳، ۴۴۶، ۴۴۸-۵۴، ۴۵۹-۶۲، ۴۶۸، ۴۷۴، ۴۸۸، ۵۰۹، ۵۱۶، ۵۲۲، ۵۵۰

باندہ ۲۶۱

باندہ لواران ۳۰

بانڈہ ۱۵، ۱۶، ۱۸۴، ۱۸۸

بخارا ۷۹

برڈھیری ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۷

برسوات ۱۵

بروٹی ۲۰۵

بری کوٹ ۱۴، ۱۷

بزڈھیڑی ۲۶۳

بزگوھی ۳۰۹

بگرا ۳۱

بلغار ۵۴۰
بمبئی ۵۷، ۱۰۴، ۵۳۹
بنگال ۵۲۲
بونیر ۱۳، ۱۷–۱۹، ۴۱، ۵۲، ۹۹، ۱۲۵، ۳۴۲، ۳۶۸، ۴۶۳
بھوگرامنگ ۳۸۲، ۳۸۶–۸۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۶، ۴۱۳، ۴۶۳، ۴۶۷
بھیٹ گلی ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴

(پ)

پاکستان ۴۵۳
پانی پت ۹۱، ۴۴۰
پٹنہ ۴۴۵
پٹیالہ ۹۲، ۴۲۵
پٹیٹ ۳۰۶
پڑان غار ۳۵۰، ۳۵۱
پشاور ۱، ۳، ۴، ۱۰، ۳۳، ۳۴، ۵۳، ۵۷، ۶۰، ۶۸، ۶۹، ۹۹، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۷۴–۷۶، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۴۲–۴۳، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۱–۸۷
پکھلی ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۱، ۴۶۷
پکھلی ۳۳، ۳۵، ۴۲، ۱۶۵، ۱۷۹، ۲۵۷، ۴۱۵
پلال تنول ۳۰، ۲۱۱
پلئی ۸
پنجاب ۲۷، ۸۲، ۹۶، ۱۰۳، ۱۱۰، ۲۶۰، ۴۴۶، ۵۴۰
پنج پیر ۲۳۳
پنجتار ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۷، ۱۹، ۲۲، ۳۲، ۵۲، ۵۳، ۵۹–۶۳، ۶۷، ۸۲، ۸۴–۸۶، ۹۰–۹۲، ۹۵–۹۷، ۱۰۰، ۱۰۲–۳، ۱۰۷–۸، ۱۱۶–۱۹، ۱۲۲–۲۳، ۱۲۶–۲۷، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۴۵–۴۸، ۱۵۰–۵۳، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۷۳–۷۵، ۱۷۸–۸۰، ۱۸۲، ۱۹۴–۹۸، ۲۱۷، ۲۲۶–۲۷، ۲۲۹–۳۰، ۲۳۳، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۶۵، ۲۹۰، ۳۰۹، —— ۳۱۴–۱۵، ۳۱۸، ۳۳۵–۴۰، ۳۴۲–۴۴، ۳۴۷، ۳۵۰–۵۳، ۳۵۵–۵۶، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۶۹–۷۰، ۳۷۲، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۰–۸۲، ۴۲۴، ۴۷۰، ۴۸۹، ۵۰۹
پھکیت ۳۰۶
پھلت ۱۵، ۱۶، ۶۲، ۱۵۹، ۲۶۸، ۳۱۵
پھولڑہ ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ۳۳۹
پیران ساڈھور ۹۲
پیرتابک ۲۸۱
پیرکوٹ ۵۷
پیواڑبیون ۳۷۱

(ت)

تاکوٹ ۳۷۹، ۴۲۵، ۴۹۰
تبت ۵۴۰
تچکہ وزر ۳۳۶
تختہ بند ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۳۶۱، ۳۷۷
تربیلہ ۲۹، ۳۱، ۱۶۲، ۱۶۳
ترکستان ۴۲۱

ترکئی ۱۳۰، ۱۳۱
ترشہ ۴۱۳
ترین ۳۰—۳۲
تلانڈئی ۶۱، ۳۴۴
تلہٹہ ۴۴۹
تناول ۲۸، ۲۹
تنگنی ۳۵۱
تنگی ۶۹، ۱۲۸، ۲۷۸
تنول ۳۱، ۲۰۳، ۲۱۲، ۴۸۰
توتالی ۱۲۰، ۱۲۲
تورسک ۱۴، ۱۷
تورو ۷، ۹، ۶۸، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۵—۶۷، ۲۶۹، ۲۷۵، ۳۶۲
تھانہ ۱۴
تہکال ۶۰، ۴۴۲

ٹ

ٹکاری ۳۰
ٹوپئی ۳۶، ۲۱۴، ۲۴۰، ۲۵۳، ۳۸۰
ٹوڈئی ۶۹، ۷۹
ٹوپیہ ۳۷۰
ٹونک ۱۴، ۱۵، ۲۶۱
ٹھنڈکوئی ۲۳۳

ج

جاوا ۵۴۰
جبوڑی ۴۰۰
جدون ۳۰
الجزائر ۵۴۹
جسئی کوٹ ۴۱، ۴۴
جلالہ ۸، ۶۷، ۶۹، ۷۲، ۷۸، ۷۹، ۳۵۱
جلبئی ۴، ۱۰۴
جمیپڑی ۲۱۰
جوڑ ۱۴، ۱۷
جویاں مستور ۴۶
جہانگیرہ ۱۰۴
جھنڈا بوکہ ۳۷۰

چ

چارباغ ۱۵—۱۷
چارسدّہ ۱۲۸، ۱۷۸
چارگلئی ۶۰، ۶۸
چترال ۱۶، ۵۹، ۲۰۲
چکدرہ ۱۶
چکنئی ۵۷، ۲۴۳، ۳۰۹
چلہ ۱۳، ۱۷، ۱۱۷
چمیڑی ۲۰۴
چنبئی ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۹۴
چندلئی ۱۵۱
چنگلئی ۱۹
چھترbائی ۱۸۷، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۵، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۳، ۲۶۰، ۳۱۴، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵
چھترگڑھی ۴۱

چھچھ ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۶
چلین ۵۴۰

ح

حبیب اللہ (گڑھی) ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۴۹
حدیبیہ ۴۹۵
حرمین شریفین ۱۰۹، ۳۷۰، ۴۷۲
حرّہ ۳۲۰
حضرو ۱۱۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۲۲۲، ۲۲۹
حطیم ۴۷۵
حیدرآباد ۵۷، ۵۳۹

خ

خار ۳۱۰
خٹک ۵
خدوخیل ۱۹
خراسان ۴۲۱
خلی کلے ۹۲، ۱۱۷
خنجرہ ۱۶
خواجہ خیل ۱۶
خونہ ۱۶
خہر ۶۰-۶۵، ۶۷-۶۹، ۷۹، ۸۰، ۸۳، ۸۴، ۹۴، ۴۸۴
خیبر ۶۸، ۶۹، ۷۷، ۲۸۰
خیرآباد ۱۰۵، ۱۵۶
خیل پکھلی ۳۶۷

د

داربہ ۳۸۵
دائرہ شاہ علم اللہ ب
دربند ۳۰، ۲۱۶
درشت خیل ۱۶
درگئی ۶۱، ۶۳
درون ۳۸۲
درہ پنجتار ۱۱۹، ۱۲۳
درہ توتالئی ۱۲۰
دکن ۵۸
دکھاڑا ۱۸۲، ۳۳۵، ۳۷۳
دلسو ۲۶۱
دہلی ۵۶، ۴۴۴، ۴۴۶، ۵۳۹، ۵۵۵
دیگراہ ۱۸۲، ۱۸۳
دیوبند ۴۴۵

ڈ

ڈاگئی ۸۴، ۸۵، ۲۵۳، ۳۱۴
ڈگہا ۴۷۵
ڈمگلا ۴۸-۵۱، ۵۷
ڈیرہ اسماعیل خاں ۵۲
ڈیرہ جات ۳۰

ر ڑ

راج دواری ۱۹۴، ۳۷۷، ۳۷۹-۸۲، ۳۸۶، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۶۳

رامپور ۴۳، ۵۸، ۴۷۵، ۵۱۱
رامپور منہاراں ۱۹۹
راول پنڈی ۲۸
رائے بریلی ب، ۷۸، ۴۷۹، ۴۸۷
رڑکی ۱۵
ریگی ۲۸۱
زیدہ ۹۷، ۹۸، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۰–۱۴۲، ۱۴۴–۱۴۵
۱۴۷، ۱۵۰، ۱۷۸، ۲۵۳، ۳۳۲، ۳۵۲

س

ستھانہ ۳۶، ۵۸، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۹–۸۰
۱۸۲–۸۳، ۱۸۵، ۱۹۷، ۲۲۱
ستھاکوٹ ۶۱، ۶۷
سدوم ۱۳، ۱۳۸، ۳۴۳
سرائے صالح ۲۸، ۲۹
سرائے کالا ۳۱
سرحد ۱، ۳، ۱۹، ۲۰، ۵۲، ۵۳، ۶۱، ۶۳، ۶۵
۹۶، ۹۷، ۱۶۵، ۲۱۸، ۲۶۱، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳
۳۲۴، ۴۴۳–۴۴، ۴۵۰، ۵۲۳، ۵۲۹، ۵۴۰
سرحد افغانستان ۱۲۴
سربائی (پیرپائی) ۴
سری کوٹ ۳۱، ۳۲، ۲۰۲
سعید خاں (ڈیرہ) ۱۷۷
سکندرپور ۱۶۳، ۲۱۶
سلطانپور ۲۹
سلون ۸،

سلیم خاں (موضع) ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۷، ۲۲۱
سمہ ۳، ۴، ۳۲، ۶۱، ۶۹، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۱۶
۱۲۴–۲۵، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۵۰، ۱۷۸
۲۱۱، ۲۲۱، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۰–۴۲
۲۴۵، ۲۴۷، ۲۹۲–۹۳، ۲۹۵، [illegible]
۳۱۸، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۹
۳۵۲–۵۳، ۳۵۶–۵۷، ۳۶۵–۶۸،
۳۷۴–۷۵، ۳۸۰–۸۱، ۴۱۴، ۴۷۷، ۴۸۵
۴۹۰، ۴۹۷
سمرصدہ ۱۰۴
سندھ ۵۷، ۶۳، ۹۷، ۱۰۰، ۱۶۹، ۱۸۸، ۲۱۶
۲۲۱، ۲۴۵، ۳۴۰، ۳۷۰، ۳۷۸، ۴۹۴، ۳۹
۵۰
سنگ بُنی ۹۲
سنگین کوٹ ۱۷
سوات ۳، ۱۴، ۱۷–۱۹، ۲۷، ۵۲، ۶۱، ۹۹
۸۳، ۹۹، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۶۵،
سوائی ۹۷

ش

شاہ کوٹ ۶۱، ۶۸، ۲۰۴، ۲۰۵
شاہ محمد ۲۹
شاہ منصور ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۷۴
شل بانڈئی ۱۷
شمدڑہ ۴۱، ۵۱، ۲۰۵

ش

شملئی ۴۶۳
شنکیاری ۳۰، ۴۸، ۵۰، ۵۷، ۴۰۶
شنگری ۳۰
شنگلئی ۲۰۴، ۲۰۵
شیخ جانا ۶۱، ۲۳۴
شیدو ۱، ۴–۷، ۱۰–۱۲، ۱۹، ۳۳، ۶۳، ۱۰۷
۳۸۹، ۴۶۲
شیرگڑھ ۴۰، ۲۰۵
شیوه ۶۰، ۶۱، ۱۳۰، ۲۵۳، ۳۱۵، ۳۳۶، ۳۳۸
۳۵۱

ص

صادقپور ۴۴۳
صوابئی ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۹، ۱۳۲

ع

عرب ۳۷۲، ۳۸۸
عشره ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷
۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۲، ۲۱۶
عظیم آباد ۴۷۵

غ

غازیپور ۱۵۷، ۳۷۲
غوربند ۶۵
غورغشتی ۹۲

ف

فتح پور ۱۲
فروس ۱۸۲–۸۴، ۱۸۸–۹۰، ۱۹۳، ۲۰۳، ۲۱۲

ق

قاسم خیل ۹۱، ۱۵۱
قندھار ۹۹، ۴۶۴

ک

کابل ۱۳، ۲۸، ۶۸، ۲۴۵، ۳۰۶، ۴۶۴، ۴۸۷
کابل گرام ۳۷۱، ۳۷۸
کاٹ لنگ ۹۱، ۸۰، ۲۳۴، ۳۱۰، ۳۶۵
کاشکار ۱۶، ۵۹
کاغان ۳۸۵، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۰۲، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۹
کاکوری ۳۴۱
کالادره ۱۰۰، ۱۴۲
کالوخان ۹۱
کانپور ۲۰۸
کانڑا ۶۵
کایا ۳۱
کڈی ۲۳۳
کراچی ۵۷
کرسال ۲۸، ۲۹، ۳۲
کربلا ۳۲۰
کرپلیاں ۲۰۳
کرنا ۳۷۱، ۳۷۸
کرواکڑ ۱۴، ۱۷
کشمیر ۲۷–۳۰، ۴۵، ۴۸، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۸–۸۰
۲۰۲، ۲۱۰–۱۲، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۸–۹۹
۴۱۵

کلابٹ ۱۷۸، ۲۳۳
کلکتہ ۵۳۹
کلکئی ۱۴۰، ۱۴۱، ۲۱۱
کوٹلہ ۱۸۷
کھلابٹ ۲۳۳
کنجپورہ ۵
کمنڈڑہ ۳
کنڈہ ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۷۴
کنیرڑئی ۱۸۲–۸۶، ۱۸۹، ۱۹۴
کنسی ۴۲۵
کنگلئی ۷۲–۷۳، ۳۷۱
کنہار ۴۱۲
کونش ۳۰
کوٹھا ۲۵۳، ۳۴۲
کوٹھئی ۱۷۸
کوٹی گرام ۱۴، ۱۵
کوہاٹ ۲۸۱
کھبّل ۳۱، ۳۶، ۱۶۲–۶۵، ۱۷۲، ۱۸۳، ۱۹۶–۹۹،
۲۱۵، ۲۳۲، ۳۵۵، ۳۷۰، ۴۹۱
کھکھا بیا ۳۶۷
کوگا ۱۳، ۱۷
کیمبل پور ۹۸

گ

گکھڑ ۲۸
گھڑیالہ ۶۸، ۲۵۳
گلگٹ ۲۰۲
گل باغ ۱۶
گل ہندوال ۲۱۱
گمٹ فروسہ ۲۸۱
گندف ۱۷۳
گنگر ۱۶۲، ۱۶۳
گنگوہ ۵۳۹
گوالیار ۲۶۱
گوندگھر ۴۵۳

ل

لاہور الف، ۱۲، ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۱۰،
۲۱۹، ۲۳۰، ۲۴۴، ۲۴۵، ۳۶۱، ۳۸۱، ۴۲۰،
۴۲۱، ۴۳۲، ۴۵۲
لدھیانہ ۴۵۳
لڑوکہ ۲۴۵
لکھنؤ ۲۶۱، ۳۲۳، ۴۶۹، ۴۷۴
لنڈہ ۴، ۶۸، ۲۲۰
لنگڑہ گنتی ۲۵۷
لنڈخوڑ ۱۶۱، ۲۳۴، ۲۵۳، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۴–۱۵،
۳۴۶، ۳۵۰–۵۱، ۴۸۶
لوہانی پور ۴۷۳
لہاری ۲۷۸، ۳۱۵

م

مالاکنڈ ۶۱
مانسہرہ ۱۷۲، ۲۰۲، ۴۱۹

مانگلئ ۴۱۹
مانیرئ ۸۲، ۸۸، ۹۶، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۴۲
مایار ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴–۶۶، ۲۶۹، ۳۰۶، ۳۲۳، ۳۷۳، ۴۶۴
مٹہ ۲۷۹، ۲۸۷
مٹی کوٹ ۳۹۰، ۴۱۱–۱۳، ۴۱۷–۱۹، ۴۲۱–۲۲، ۴۲۴، ۴۴۱
مچئ ۸، ۶۰، ۶۱
مداخل ۱۸۲
مدراس ۵۳۹
مدین ۵۰۸
مدینہ منورہ ۱۱۸، ۴۹۵، ۴۹۶
مراکش ۵۴۰
مرغز ۲۳۳
مردان ۶۶، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۷–۳۹، ۲۴۲، ۲۴۹، ۲۶۹، ۲۷۲–۷۳، ۲۷۸، ۳۰۹
مصر ۹۹، ۵۰۸
مصری بانڈہ ۴
مظفر آباد ۳۰، ۳۳، ۴۸، ۱۷۹، ۳۷۹، ۳۸۵–۸۷، ۳۹۱–۹۵، ۳۹۸–۹۹، ۴۰۵، ۴۱۸–۱۹
مکدرہ ۳۵۲
مکۂ مکرمہ ۲۳، ۴۷۴، ۵۳۵، ۵۴۶
ملاگڑھی ۲۷۴
مگرتین ۲۹
منارہ ۲۱۵
منڈیاہو ۱۵۷
منگلور ۱۵
منگل تھانہ ۳۰، ۱۰۹، ۳۷۳
منگورہ ۱۵، ۱۷
موتا ۲۹
موائیں ۳۳۹
مہابن ۱۷۹
مہر علی ۶۰، ۳۵۱
مہیار ۴۷۰، ۴۷۱، ۵۱۲
مؤشمس آباد ۲۵۳
میاں کلی ۴۶۳
میچلئ ۲۸۰، ۲۸۱، ۴۹۰
مینئ ۲۱۵، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۷۰

(ن)

نارڑا ۲۹، ۳۱، ۳۲
ناگپور ۶۲
نالوتہ ۵۳۹
ناوگئ ۱۳، ۱۴
ندھیار ۴۶۳
نگاپانی ۳۸–۴۰، ۲۰۵
نگری ۳۷۳
نندھیاڑ ۳۳
نواگئ ۳۷۷
نواں شہر ۳۰

نوشہرہ ۳-۵، ۷، ۱۴۹
نوی کلی ۲۳۴
نیپال ۵۴۰
نیوتنی ۴۳۰

ہ

ہرات ۹۹
ہروّہ ۲۹
(گڑھی) ہریانہ ۱۳۹، ۱۷۶
ہری پور ۲۹-۳۱
ہزارخانی ۲۸۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۶۲
ہزارہ ۲۷-۳۳، ۵۲، ۱۶۵
ہشت نگر ۱۷۶، ۳۰۹
ہندوستان ۱، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۱۸-۲۰، ۲۶، ۵۲، ۵۳، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۷۶، ۸۰، ۸۱، ۹۶، ۹۷، ۹۹، ۱۰۷، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۷، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۴۴، ۲۸۲، ۲۸۹، ۲۹۴، ۳۰۷، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۵۵، ۳۶۰-۶۴، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۵، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۲۱، ۴۴۴، ۴۴۶-۴۷، ۴۵۰-۵۱، ۴۷۹، ۴۹۳، ۵۲۳، ۵۲۷، ۵۲۹، ۵۳۱، ۵۳۴، ۵۳۸، ۵۳۹-۴۰، ۵۴۲، ۵۴۹
ہندوال ۲۱۲
ہنڈ ۱، ۴، ۱۹، ۹۶-۹۸، ۱۰۰، ۱۱۵، ۱۲۷، ۱۲۹-۳۲، ۱۳۴-۳۶، ۱۳۸-۴۰، ۱۷۲-۷۶، ۱۷۸، ۱۹۶، ۲۲۳، ۲۳۴، ۳۳۲
ہوتی ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۳، ۲۴۹-۵۰
ہوتی مردان ۲۱۲، ۲۳۵
ہوڈی گرام ۱۷

ی

یاروسین ۳۳۶
یوسف زئی ۲۲۲، ۲۲۴، ۳۶۴

نہر و دریا، پہاڑ و قلعے اور گھاٹ

ٹھنڈا ابہن (نالہ) ۲۰۲
سرن ندی ۱۶۴، ۲۰۲
سئی ندی ۴۷۶
کلیانی (ندی) ۲۴۹
ندی برندو ۳۷۷
دریائے اٹک ۱۱، ۹۸، ۱۰۳، ۱۹۶، ۲۱۴–۱۵، ۲۱۹، ۲۳۴، ۳۵۳
دریائے بانڈہ ۱۶
دریائے جہلم ۴۱۵
دریائے دوڑ ۲۹
دریائے سندھ ۳۲، ۳۷، ۳۸، ۴۵، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۷–۸۸، ۲۰۲، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۶، ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۱
دریائے سنڈہ ۱۴، ۲۲۰، ۲۴۲
دریائے سوات ۲۷۸
دریائے کابل ۶۸
دریائے کنہار ۳۸۶، ۴۰۵، ۴۱۱–۱۳، ۴۴۹
دریائے ہروّہ ۲۹
کڑاکڑ پہاڑ ۱۴
کوہ درابہ ۳۸۵
کوہ طور ۴۴۳، ۵۰۸
کوہ کیپرڑائی ۱۸۶
کوہ کنگر ۲۹، ۳۱
کوٹلۂ عشرہ ۲۱۶
قلعۂ اٹک ۹۶، ۱۰۳–۴، ۱۰۶، ۲۱۴
قلعۂ امب ۲۱۴
قلعۂ دربند ۳۰، ۳۸
قلعۂ سرایہ صالح ۲۸، ۲۹
قلعۂ شنکیاری ۳۰
قلعۂ قاضی ۲۴۵
قلعۂ نارڑا ۳۲
قلعۂ نواں شہر ۳۰
قلعۂ ہری پور ۳۰
قلعۂ ہنڈ ۱۲۹، ۱۳۱–۳۲، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۸–۴۱، ۱۶۲، ۱۷۲، ۱۷۵–۷۶، ۱۷۸
گھاٹ جہانگیرہ ۱۰۴
گھاٹ چھترباٹی ۳۷، ۱۸۷

متفرقات

مساجد:
بیت اللہ شریف ۱۵۷
بیت المقدس ۱۰۹
مسجد مایار ۲۶۰

سلاسل سلوک:
سلسلۂ صابریہ امدادیہ ۲۶۶
سلسلۂ چشتیہ صابریہ ۵۵۰
سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ ۵۵۰
طریقۂ چشتیہ ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۴۹، ۵۵۶
طریقۂ قادریہ ۵۱۱-۱۲، ۵۵۰، ۵۵۶
طریقۂ مجددیہ ۵۱۱، ۵۵۶
طریقۂ محمدیہ ۵۱۱-۱۲، ۵۳۵
طریقۂ نقشبندیہ ۵۱۱، ۵۵۶

مطابع:
مطبع ضیائی ۵۳۷
مطبع مجتبائی، دہلی ۵۵۵
مطبع فاروقی۔ دہلی ۴۴۴
خواجہ بکڈپو۔ لاہور الف

جنگیں:
غزوۂ احزاب ۱۱۸
غزوۂ خندق ۱۱۸
جنگ اتمان زئی ۶۷
جنگ بازار ۱۹
جنگ بالاکوٹ ۲۶۸، ۳۰۳
جنگ پکھلی ۲۵۷
جنگ پنجتار ۱۱۶
جنگ پھولڑہ ۲۰۲
جنگ ڈمگلا ۴۸
جنگ زیدہ ۱۳۵
جنگ شاہ محمد ۲۹
جنگ شنکیاری ۴۸
جنگ شیدو ۱۹، ۱۰۷
جنگ کوہِ کنیرڑئی ۱۸۶
جنگ مایار ۲۴۹، ۲۶۹، ۳۰۶
جنگ مردان ۶۶، ۲۳۲

اسلحے وسامان جنگ:
بانک ۲۵۰
بندوق ۴۹، ۵۱، ۶۴، ۶۵، ۷۴-۷۶، ۷۸
۹۲، ۹۷، ۹۸، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۶۳-۶۴
۱۷۰، ۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۱۶، ۲۲۵، ۲۳۴
۲۳۶-۳۸، ۲۵۵-۵۷، ۲۶۵، ۳۰۲، ۳۳۹
۳۵۲، ۴۱۳، ۴۱۷-۱۸، ۴۲۶، ۴۲۹، ۴۳۲

۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۷–۳۸، ۴۵۰، ۴۵۳، ۴۶۹، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۷، ۴۸۷

بھرماری ۶۴، ۶۵

تفنگ ۱۳۲

تفنگچہ ۴۲۳، ۴۳۳

تلوار ۱۷، ۵۱، ۲۱۲، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۵، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۴، ۴۲۳، ۴۴۰، ۴۵۰، ۴۶۹، ۴۸۷

تہنال ۵۹

توپ ۷۲، ۷۴–۷۶، ۷۹، ۱۱۶، ۱۴۱، ۱۴۳–۴۶، ۱۵۱، ۱۷۱، ۱۸۱، ۱۹۵، ۲۰۴، ۲۲۵، ۲۵۲، ۲۵۶–۵۸، ۲۶۹، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۱، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۶۹–۷۲

چقماق ۶۴، ۱۹۸، ۲۰۷، ۳۰۲

درانتی ۲۴

رستم خانی پھینک ۱۵۴

رائفل ۱۲۱

زنجک ۷۶

زنبورک ۲۱۰

شاہین ۷۶، ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۱۱، ۲۳۷، ۲۵۲، ۲۵۸، ۳۱۵، ۴۲۶، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۸۶

شاچہ ۲۱۶

غفور خانی پھینک ۱۵۴

فولادی شہر باہی ۵۹

قرابین ۱۷، ۴۹، ۵۱، ۶۴، ۶۵، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۹۸، ۲۵۵–۵۶، ۳۰۲، ۳۴۸، ۴۱۳، ۴۲۵، ۴۲۸، ۴۷۱–۷۲

کٹار ۴۲۳

گنڈاسہ ۲۵۵–۵۷، ۴۳۲–۳۴

مہنال ۵۹

نشان ۳۱۵، ۴۱۸

نقارہ ۱۳۶، ۲۳۵، ۲۵۰–۵۱، ۲۸۴، ۳۱۵

نیزہ ۱۵۲، ۱۵۳

بہیلہ ۲۴، ۲۵، ۳۵، ۵۴، ۷۷، ۹۱، ۹۲، ۳۷۲

تالموٹ ۲۴

سنگر ۵، ۱۶، ۴۹، ۵۰، ۱۹۵، ۲۳۶، ۴۳۰

سنگرہ ۲۰۸

شنالئ ۱۰۵

کوتل ۵۳

متفرقات:

اصحاب صفہ ۳۸۲–۸۳

باغ دیوان شاہ ۱۷

خواصی ۵

خوانقاہ خونہ ۱۶

عہد درانی ۲۷

گول گھٹڑی (سرایہ پشاور) ۲۸۵

مزار آخوند درویزہ بابا ۳۰۵

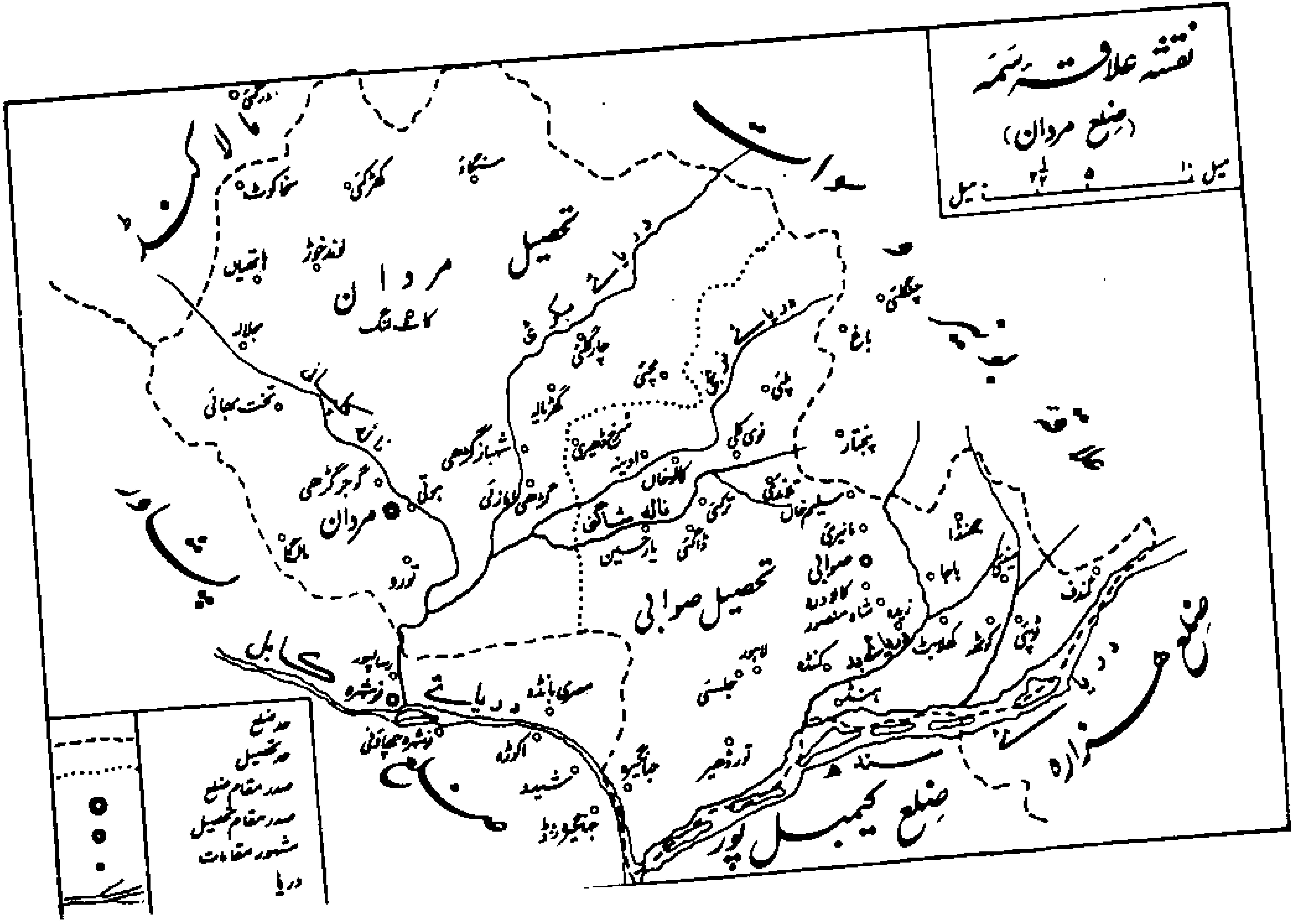
نقشہ علاقہ سمہ
(ضلع مردان)
میل ۱۰ ۵ ۲½ میل
سوات
علاقہ بونیر
ملاکنڈ
ضلع پشاور
ضلع ہزارہ
ضلع کیمبل پور
دریائے سندھ
دریائے کابل
تحصیل مردان
تحصیل صوابی
مردان
صوابی
نالہ کلپانی
درگئی
سخاکوٹ
کھرکی
سنگاؤ
لندخوڑ
جلالہ
کاٹلنگ
تخت بھائی
گوجرگڑھی
ہوتی
تورو
شہباز گڑھی
گڑھی دولت زئی
چارگلی
مچئی
کالو خان
یار حسین
سلیم خان
مانیری
کالو دیرہ
شاہ منصور
زیدہ
پنجتار
باغ
چنگلئی
گندف
ٹوپی
کوٹھہ
ہنڈ
لاہور
جلسئی
رسالپور
نوشہرہ
نوشہرہ چھاؤنی
مصری بانڈہ
اکوڑہ
جہانگیرہ
حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
دریا

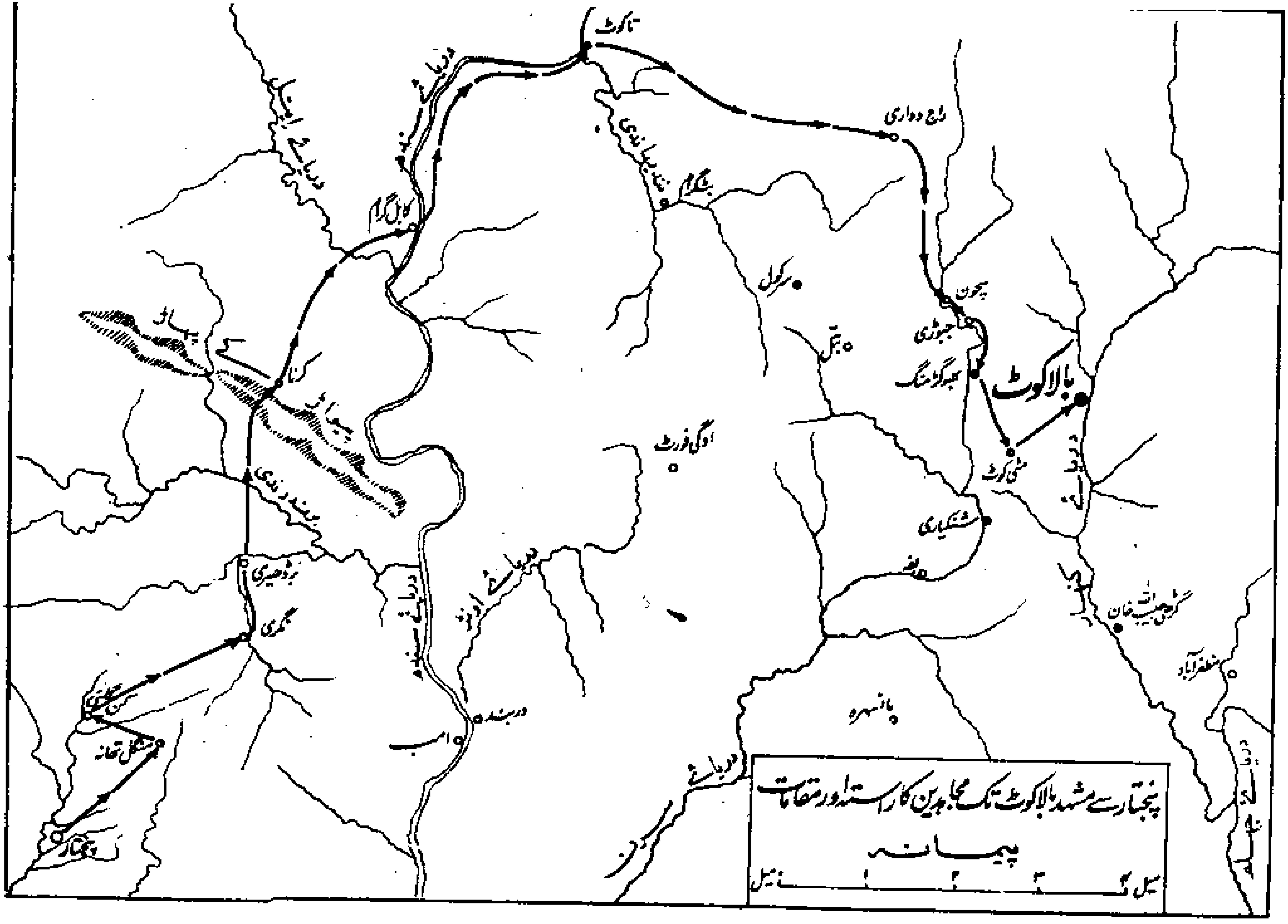
تاکوٹ
دریائے سندھ
دریائے ابا سین
کابل گرام
نندیار ندی
بٹگرام
راج دواری
کوکل
پچھوڑ
جبوڑی
بھوگڑمنگ
بالاکوٹ
ستی کوٹ
ابتل
اوگی فورٹ
پہاڑ
کے
کنار
پہاڑ
برندو ندی
بڑوحیری
ٹکری
سربکھنی
منگل تھانہ
پنجتار
دریائے سندھ
دریائے اونڈ
دربند
امب
شنکیاری
بفہ
دریائے کنہار
گڑھی حبیب اللہ خان
مظفرآباد
مانسہرہ
دریائے سرن
دریائے جہلم
میل ۴ ۳ ۲ ۱ ۰ میل

پنجتار سے مشہد بالاکوٹ تک مجاہدین کا راستہ اور مقامات

پیمانہ

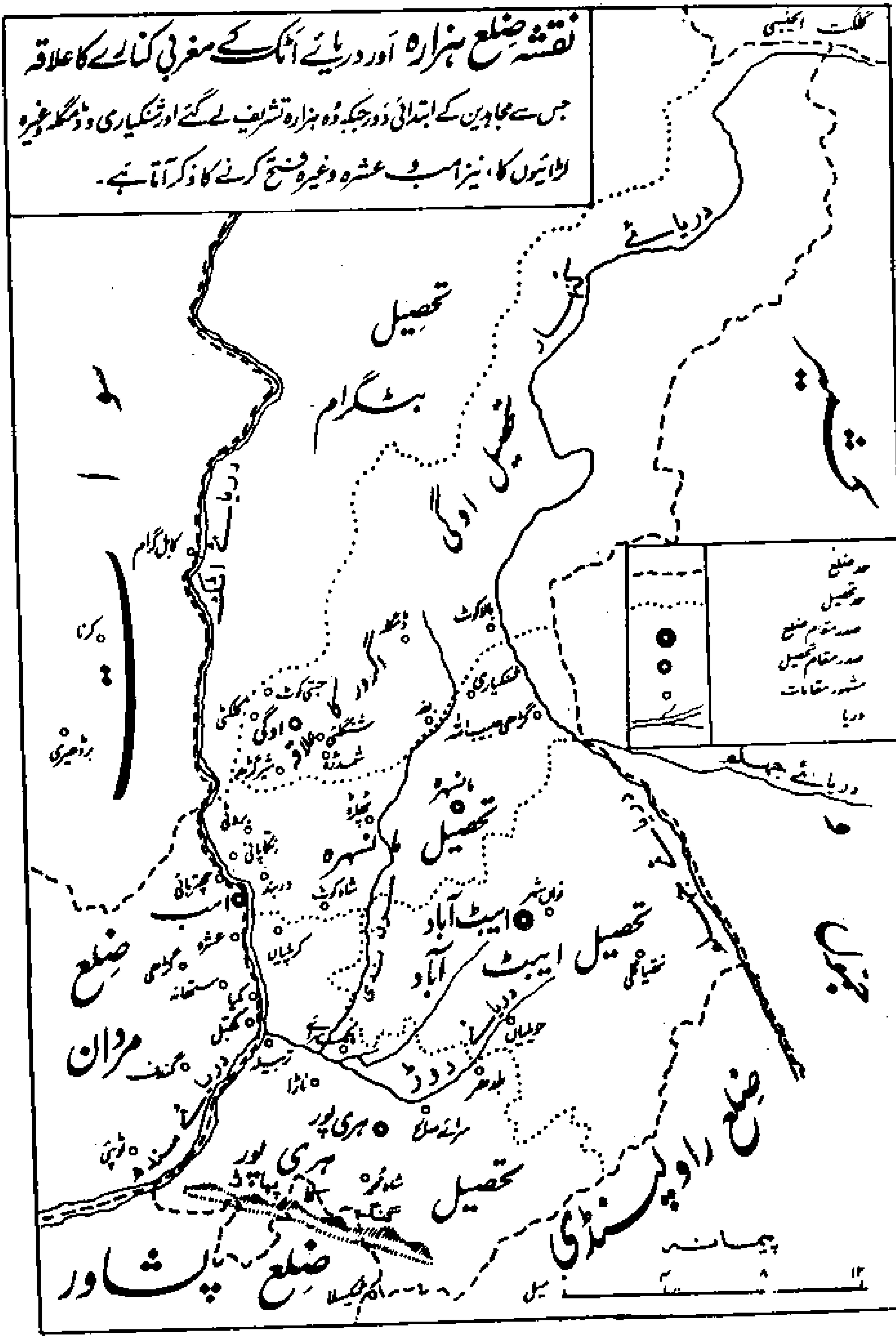

نقشہ ضلع ہزارہ اور دریائے اٹک کے مغربی کنارے کا علاقہ

جس سے مجاہدین کے ابتدائی دور جبکہ وہ ہزارہ تشریف لے گئے اور شنکیاری و ڈمگلہ وغیرہ لڑائیوں کا، نیز امب عشرہ وغیرہ فتح کرنے کا ذکر آتا ہے۔

گلگت ایجنسی
دریائے
تحصیل بٹگرام
تحصیل اوگی
کشمیر
سوات
کابل گرام
کرنا
بالاکوٹ
شنکیاری
اوگی
امب
عشرہ
ستھانہ
تربیلا
تحصیل مانسہرہ
مانسہرہ
شاہ کوٹ
تحصیل ایبٹ آباد
ایبٹ آباد
نواں شہر
نتھیا گلی
حویلیاں
دریائے دوڑ
ہری پور
سرائے صالح
تحصیل ہری پور
ضلع مردان
ضلع پشاور
ضلع راولپنڈی
پنجاب
دریائے جہلم
حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
دریا
پیمانہ
میل
۴
۸
۱۲

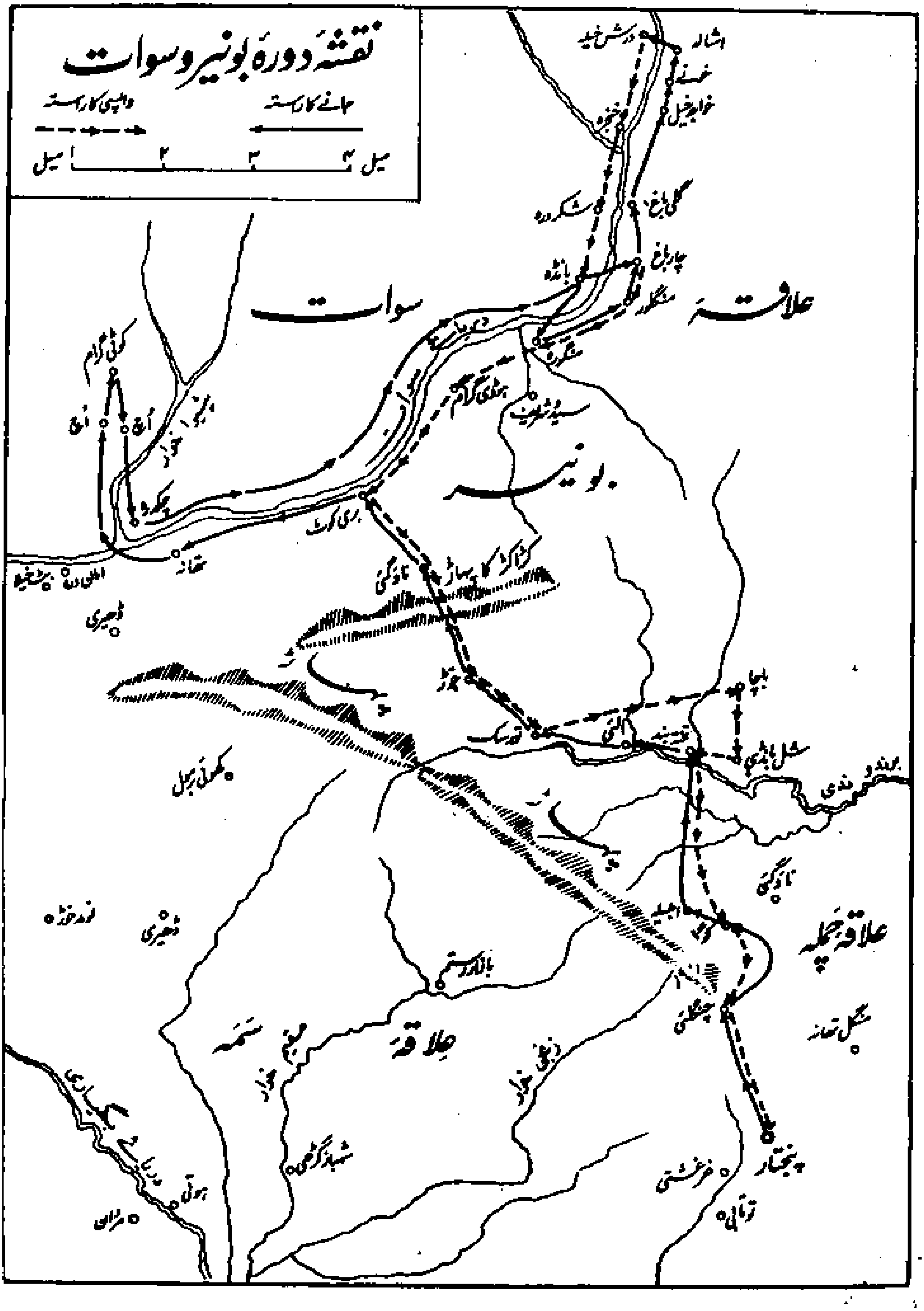

نقشہ دورہ بونیر وسوات

جانے کا راستہ
واپسی کا راستہ
میل ۴ ۳ ۲ ۱ میل
اشالہ
خوازہ خیل
گلی باغ
چارباغ
منگلور
علاقہ
سوات
بونیر
دریا
بری کوٹ
تھانہ
ڈھیری
نادگی
تورسک
بنڈو ندی
علاقہ چملہ
جنگل تھانہ
پنجتار
شہباز گڑھی
ہوتی
علاقہ

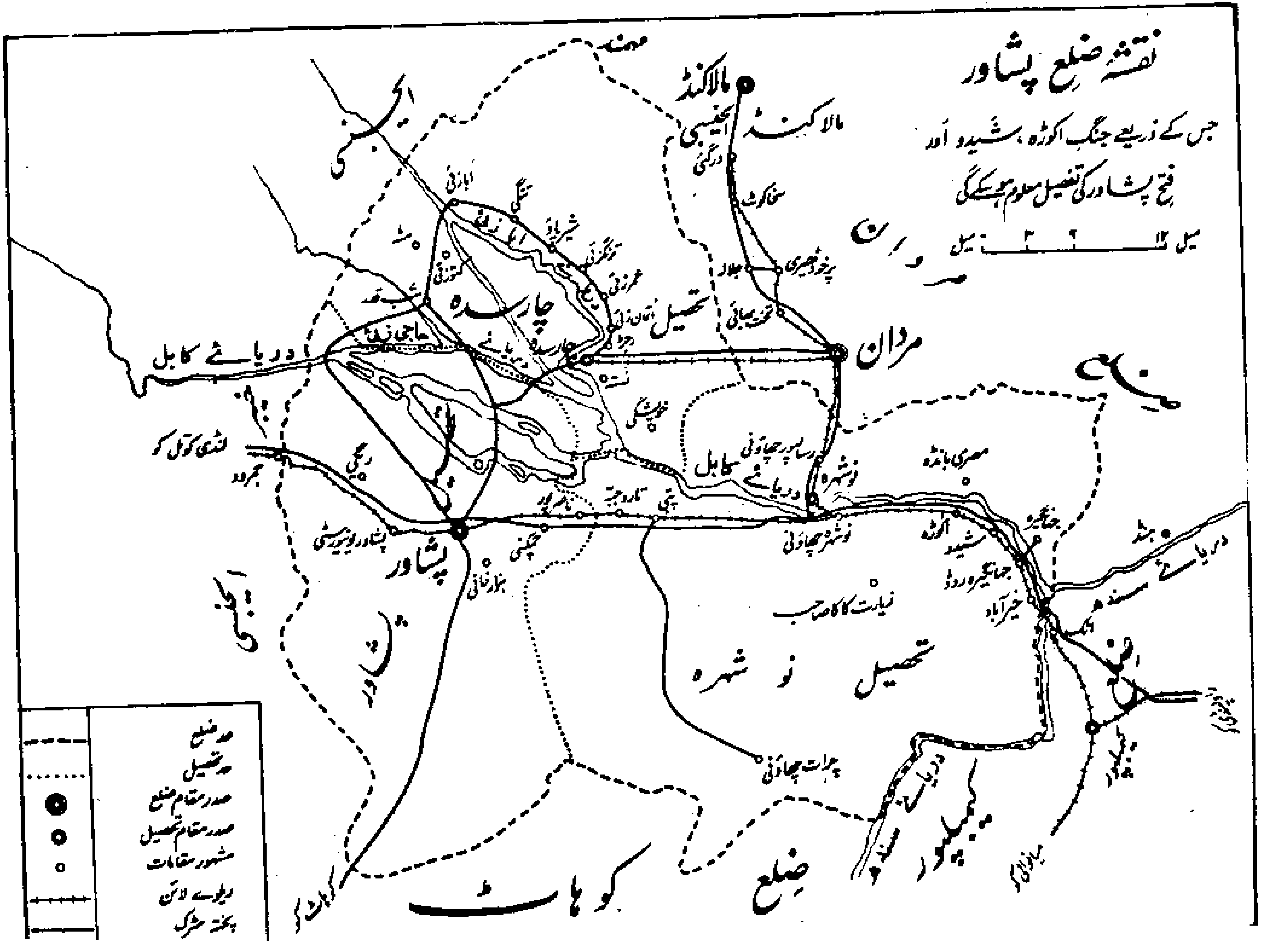

نقشہ ضلع پشاور

جس کے ذریعے جنگ اکوڑہ، شیدو اور فتح پشاور کی تفصیل معلوم ہو سکیگی

میل ۱۲ ۹ ۶ ۳ میل
مالاکنڈ
مالاکنڈ ایجنسی
درگئی
سخاکوٹ
پرخو ڈھیری
جلالہ
تخت بھائی
مردان
ریاست سوات
مہمند
ایجنسی
آباذئی
تنگی
شیرپاؤ
اتمان زئی
ترنگزئی
عمرزئی
پرانگ
تحصیل ہشت نگر
تحصیل اتمان زئی
چارسدہ
دریائے
شب قدر
حاجی زئی
دریائے کابل
خویشگی
رسالپور چھاؤنی
نوشہرہ
دریائے کابل
نوشہرہ چھاؤنی
پبی
تاروجبہ
پہاڑ پور
چمکنی
بڑا خانی
پشاور
پشاور یونیورسٹی
ریگی
جمرود
لنڈی کوتل کو
آفریدی
تحصیل پشاور
مصری بانڈہ
اکوڑہ
شیدو
جہانگیرہ
جہانگیرہ روڈ
خیرآباد
زیارت کاکا صاحب
تحصیل نوشہرہ
چراٹ چھاؤنی
ہنڈ
دریائے سندھ
اٹک
کیمبلپور
کیمبل پور
دریائے سندھ
میانوالی کو
ضلع کوہاٹ
کوہاٹ کو
حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
ریلوے لائن
پختہ سڑک

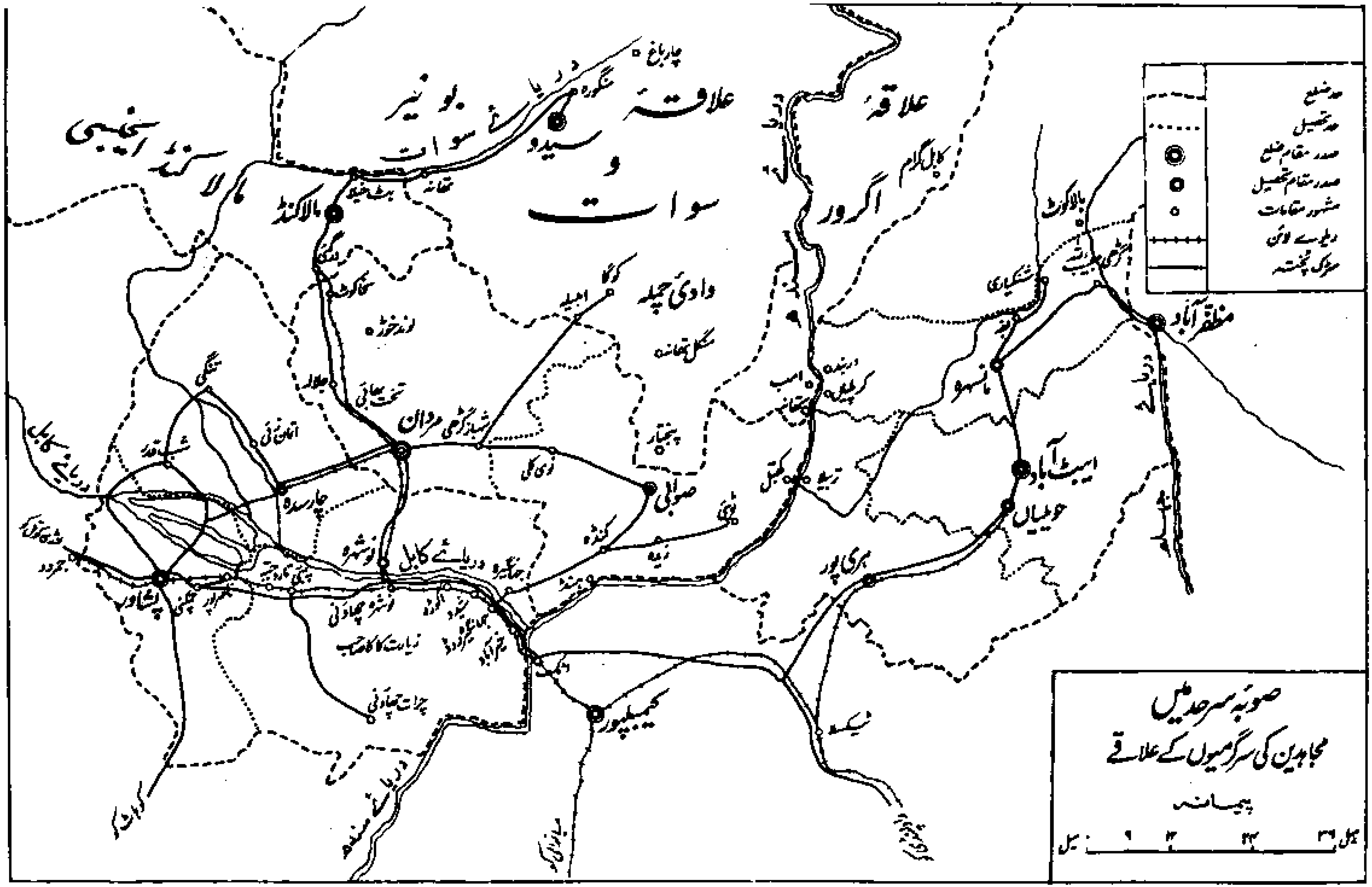
علاقہ
بونیر
دریائے سوات
چارباغ
منگورہ
سیدو
و
سوات
مالاکنڈ ایجنسی
تھانہ
بٹ خیلہ
مالاکنڈ
درگئی
سخاکوٹ
لوند خوڑ
جلالہ
تخت بھائی
شہباز گڑھی
مردان
کوگا
ابیلہ
وادیٔ چملہ
منگل تھانہ
پنجتار
نوی کلی
صوابی
گنڈہ
زیدہ
ٹوپی
ہنڈ
دریائے کابل
شب قدر
تنگی
اتمان زئی
چارسدہ
شاہ کوٹ
جمرود
پشاور
چمکنی
پبی
نوشہرہ
جہانگیرہ
نوشہرہ چھاؤنی
اکوڑہ
زیارت کاکا صاحب
خیرآباد
چراٹ چھاؤنی
کوہاٹ کو
دریائے سندھ
کیمبل پور
ٹیکسلا
ہری پور
علاقہ
اگرور
کالا ڈھاکہ
امب
دربند
کرپلیاں
تربیلہ
کبل
مانسہرہ
شنکیاری
بالاکوٹ
مظفرآباد
حویلیاں
ایبٹ آباد
حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
ریلوے لائن
سڑک پختہ
پیمانہ
میل ۳۶ ۲۴ ۱۲ ۶ ۰ میل

صوبہ سرحد میں
مجاہدین کی سرگرمیوں کے علاقے